اعراف
حنا کامران
I am Sorry !!!!!

ناول | حنا کامران

اعراف

السلام علیکم ریڈرز! کیسے ہیں آپ۔ امید کرتی ہوں ٹھیک ہوں گے، آپ میں سے کافی لوگوں نے "نم" کو پڑھا ہوگا اور "بار برزخ" کو نہیں یا بہت سے ایسے ہوں گے جو "بار برزخ" کو پڑھ چکے ہیں اور "نم" کو نہیں، میں ان دونوں کیٹیگری کے لوگوں سے مخاطب ہوں کہ اگر آپ نے ان میں سے ایک بھی ناول نہیں پڑھا ہے تو پلیز اس کہانی کو نہ پڑھیں کیونکہ یہ ان دونوں کا مشترکہ سیکوئل ہے۔ جی ہاں دوبارہ ریپیٹ کردیتی ہوں کہ "اعراف" میرے گزشتہ دونوں ناول "نم" اور "بار برزخ" کا دوسرا حصہ ہے جس میں ان دونوں کہانیوں کو یکجا کردیا گیا ہے۔ امید کرتی ہوں آپ لوگ میری اس چھوٹی سی کاوش کو ضرور سراہیں گے۔ اور ہاں، ایک اور اہم بات "نم" کی لیڈ کریکٹر کا نام جو آپ میں سے کافیوں کو مشکل میں ڈال چکا ہے اس کے صحیح تلفظ کے بارے میں بتاتی چلو، وہ نام سویلم ہے یعنی آپ نے سین کے ساتھ پیش لگا کر اسے واؤ کے ساتھ جوڑنا ہے ایسے کہ واؤ کی آواز نہ آئے صرف سین اور پیش ہی اپنا کام دکھا جائیں۔ جیسے سو اور پھر اس کے ساتھ لیم کو بولنا ہے یوں یہ نام بنا سویلم نا کہ سوویلم، ڈبلیو یا واؤ کی آواز نہیں آئے گی اس میں رائٹ؟ امید کرتی ہوں اب آپ کو کوئی مسئلہ پیش نہیں آئے گا۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔

❁......❁......❁

رات بھر بارش برسنے کے بعد کی صبح پر نور تھی۔ مؤذن نے سجدہ ریزی کی اور بلانے کیلئے مائیک کو سنبھالا اور پورے عالم میں سحر انگیز الفاظوں کی بوچھاڑ کر دی۔ ان ہی سکون آور لفظوں کو سن کر براق نے اپنی شرٹ کے کفس موڑتے ہوئے مسجد کا رخ کیا تھا۔ جی ہاں یہاں براق شاہ کی بات ہو رہی ہے۔ وہی براق شاہ جس نے ساڑھے سات سال پہلے ایک گناہ کیا تھا اور اس گناہ کے عوض اسے وہ معمولی سزا ملی تھی جو اس گناہ کے سامنے بہت کم تھی لیکن پھر بھی وہ شاید معاف کر دیا گیا تھا۔ اس پاک ہستی نے اسے معاف کر دیا تھا تبھی آج اس کی سولیم "اس کی" تھی۔ یہی بات تھی، یہی احساس تھا، یہی سرور تھا جس کے سبب اس کی چھب ہی نرالی تھی۔ آنکھوں میں تھوڑا سا خوف تو تھا ہی ساتھ میں دل بھی ٹھنڈی ٹھنڈی ٹیسیں اٹھا رہا تھا۔ ان ٹیسوں پر مسکراہٹ نے سبقت لی اور وہ سرشاریت سے مسجد کے اسٹیپس چڑھنے لگا۔

فیصل مسجد کی لمبی سیڑھیوں پر اس کے ننگے پاؤں مضبوطی سے جمتے ہوئے اوپر کی جانب اٹھ رہے تھے۔ دل وروح کو تازہ کرتی ٹھنڈک پاؤں کے راستے گزر کر اس کے پورے وجود پر ایک سکون سا طاری کر رہی تھی۔ وہ ان سیڑھیوں کو عبور کرتا ہوا پریئر ہال میں آیا جہاں اس جیسے ڈھیر سارے اللہ کے بندے سروں پر رومال باندھے امام کے پیچھے عقیدت سے کھڑے تھے۔ براق نے سر کو جھکایا اور خود کو اللہ سے باتیں کرنے کیلئے تیار کر لیا۔

"اللہ تعالیٰ! کیا میں واقعی بخش دیا گیا ہوں یا پھر یہ ایک نئے امتحان کی شروعات ہے۔" اپنے دل وبدن کو اللہ کے آگے رکھتے ہوئے وہ ہاتھ اٹھائے نم آنکھوں سے لب سیئے بیٹھا تھا۔ اس کے لب اس لیے بند تھے کیونکہ اس کا دل بول رہا تھا اور جب دل بولتا ہے نا تو سننے والے کو لفظوں کے سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ لفظ دل کی زبان کے آگے بہت ہی ہیچ ہوتے ہیں۔

"جو بھی ہے میں سب صورتحال کیلئے تیار ہوں یا پھر نہیں ہوں، ہاں اللہ پاک میں اب مزید آزمائش کے قابل نہیں رہا۔ مجھ میں وہ سکت وطاقت نہیں ہے جو مجھے مزید رنج میں حوصلہ دے سکے۔ میں اپنی اولاد کو خود سے بچھڑتے نہیں دیکھ سکتا۔ میں اپنی محبت کو خود سے جدا ہوتے برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اولاد کے اور میری محبت کے دکھ میں مبتلا نہ کرنا اللہ۔ میرا گناہ ناقابل معافی ہے جانتا ہوں لیکن آپ کے خزانہ کی کوئی وسعت نہیں۔ آپ

مجھے معاف کردیں اور کسی بھی طرح سولیم کا دل میرے لیے صاف کردیں۔ پلیز اللہ تعالیٰ ایسا کردیں۔"

اپنے دونوں ہاتھوں میں کچھ دیر چہرے کو ڈھانپ کر وہ خود کو حقیقتاً اللہ کے سامنے کھڑا محسوس کر رہا تھا۔ ایسا وہ آج نہیں کر رہا تھا بہت عرصہ ہو گیا ہے اس بات کو جب اس نے خود کو کٹہرے میں کھڑا کر لیا تھا۔ یہ عدالت دن میں پانچ بار لگتی تھی اور کبھی کبھی تو اس کی پیشیاں بڑھ جاتی تھیں۔ بڑھ کر پانچ سے چھ ہو جاتی تھیں اور ان پیشیوں میں وہ کسی مجرم کی طرح ہر بار خود کے بچاؤ کی بودی دلیلیں دیتا تھا۔ دے کر ہار جاتا تھا، ہار کر گڑگڑاتا تھا اور گڑگڑا کر معافی کا خواستگار بنتا تھا۔

"تمہاری بیگم تمہیں چھوڑ کر بھاگ رہی ہے اور تم ہو کہ مزے سے سن رائز کے مزے لوٹ رہے ہو۔" وہ ماربل کی بنی بنیریوں میں سے ایک پر اپنی دونوں کہنیاں ٹکائے ابھرتے دن کو دیکھ رہا تھا۔ ہر روز کی طرح آج بھی دم بھرتا دن اسے نئی امید کی ڈور تھما رہا تھا جب کسی نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر یہ روح فرسا خبر اس کے کانوں میں انڈیلی۔ وہ کوئی اور نہیں اسد تھا۔

"سمجھ نہیں آئی۔" گریفائیٹ آنکھوں میں الجھن کی آمیزش بھر کر وہ سونے کی پرتوں میں کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے دائیں سائیڈ سے نکلتا سورج اسے اپنی روشنی میں آدھا نہلا چکا تھا۔ اسد نے خود کو اس کے سامنے کیا۔ جیسے ابھی اسد کے لفظوں نے اس کے دل میں اندھیرا کیا تھا بالکل ویسے ہی اسد کے سامنے آنے سے وہ بھی اندھیروں میں چلا گیا۔

"سمجھ گئے ہو لیکن قبول نہیں کر پا رہے، میں کہہ رہا ہوں بھابھی گھر چھوڑ کر جا رہی تھیں۔ سعد بھائی نے انہیں روک لیا۔ دل کو مضبوط بناؤ براق، مجھے تمہارے چہرے کی ہوائیاں زہر لگتی ہیں۔"

وہ مردے کی طرح ہوتا اس کا سفید چہرہ دیکھ کر کڑوے لہجے میں کہہ گیا۔ ہاں اسے برا لگتا تھا جب اس کا بھائی جیسا دوست، ایک فائٹر، ایک سروائیور اس طرح بزدل چوہوں کی طرح چوہوں نہیں بلکہ چونٹیوں کی طرح اپنا دل چھوٹا کر بیٹھتا تھا۔ جب وہ صرف ایک عورت کی خاطر خود کو نقصان پہنچاتا تھا۔ خود کی ذات کو مائنس کر دیتا تھا جو خود کیلئے نہیں بلکہ ایک سراب کیلئے جیتا تھا تو اسد کا دل جل جل جاتا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اب جل رہا تھا۔

"وہ۔۔ایسا۔۔۔کیوں کر رہی ہیں۔"

پھنسی پھنسی سی آواز اس کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔ اسد جانتا تھا اس کے ڈھیٹ دوست کی ضدی بیوی نے کوئی نہ کوئی حرکت ضرور کرنی ہے تبھی نیند سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ اس نے کسی چوکیدار کی طرح براق کے سسرال کے باہر چھپ کر پہرہ داری کی تھی۔ اسی چوکیداری کے دوران اس نے جیسے ہی سولیم بھابھی اور پیارے عبداللہ کو گیٹ سے باہر نکلتے دیکھا، پہلی فرصت میں سعد بھائی کو فون کھڑکا دیا جنہوں نے سولیم کو راستے میں ہی پکڑ لیا تھا۔ ائیر پورٹ تک جانے کی تو نوبت بھی نہیں آئی تھی۔ رہے ان کے خطوط وہ وہ دونوں نے چپکے سے اپنے اپنے کمروں کی ڈسٹ بن کی زینت بنا دیے تھے۔

"یہ بات مجھ سے بہتر تم جانتے ہو۔ ابھی فوراً سے وہاں چلے جاؤ اگر چاہتے ہو بھابھی کہیں نہ جائیں تو ایک سیکنڈ کی دیری مت کرو براق۔ سعد بھائی نے تمہیں ہزار کالز کی تھیں۔"

تنبیہ واطلاع دینے کے بعد وہ سائیڈ پر ہوتا اپنا ہاتھ سیدھا کرتا اسے چلے جانے کا کہہ رہا تھا۔ براق کے لرزش آمیز وجود میں جیسے کوئی طاقت سی ابھری تھی۔ اس نے اس بنیری کو چھوڑا اور اسد پر نگاہ ڈالے بغیر بھاگنے کے سے انداز میں سیڑھیوں کی جانب لپکا تھا۔ سورج اس کے عقب میں رہ گیا تھا۔ روشنیاں شاید اسے بھاتی نہیں تھیں تبھی اسے راس نہیں آتی تھیں۔ مغرب سے اٹھتی سرد ہوا کے جھونکوں میں اس کے گھرے بال تیزی سے سیڑھیاں اترنے کے سبب ماتھے پر اچھل کود کرنے لگے تھے۔ ہونق زدہ چہرہ اور اس پر موجود ہلکی داڑھی اور گریفائیٹ آنکھوں میں خوف لرزاں تھا۔

وہ بھاگتا ہوا جوتوں والی جگہ پر آیا۔ عجلت میں جیبوں میں ہاتھ مارتے ہوئے اس نے پیسے نکالے، اپنی چپلیں لیں اور انہیں ہاتھ میں پکڑتا ہوا گاڑی کی سمت دوڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کار کا دروازہ کھول کر اسٹیئرنگ کو سنبھالتا اس کا سیل فون چنگھاڑا تھا۔ ایک ہاتھ سے سیل فون کو آنکھوں کے سامنے کرتے ہوئے دوسرے سے دروازہ کھول کر وہ اندر بیٹھا اور اسٹیئرنگ کو پکڑتے ہوئے کال اٹینڈ کرلی۔ وہ سعد بھائی کی کال تھی۔

"السلام علیکم سعد بھائی۔" پھولی سانسوں کے ساتھ دو تین بار اگنیشن میں چابی کی جگہ کو مس کرتے ہوئے وہ بولا تھا۔ اس کی آواز ایسی بیلچیک اور ٹھہری ہوئی تھی کہ غصے میں تپتے سعد بھائی ایک سیکنڈ کے اندر اندر دب سے گئے تھے۔

براق نے ان کے گھرے سانس کی آواز سنی اور وہ الفاظ سماعت میں گھولے جو دوسری جانب سے آئے تھے۔

"تم اس وقت جہاں بھی ہو ہمارے گھر آؤ اور آ کر اپنی بیوی کو لے جاؤ۔"

معاملے کی سنگینی کا ادراک اسے لمحے کے ہزارویں حصے میں ہوا تھا۔ یوں تو رخصتی کا وقت دو بجے کا تھا لیکن ابھی پونے پانچ ہو رہے تھے۔ گاڑی کی ونڈ اسکرین پر نگاہ جماتے ہوئے اپنے اوپری لب کو دانتوں میں جکڑ کر چھوڑتے ہوئے وہ کشمکش میں تھا کہ آیا کیا کہے اور کیا نہ؟

"تم میری بات سن رہے ہو براق شاہ؟" اس بار ان کی آواز میں موجود دبدبہ اسے واضح محسوس ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا سعد بھائی غصے میں ہیں کوئی بھی، کبھی بھی کسی سے بھی غصہ ہو تو اسی طرح اسے پورے نام سے پکارتا ہے۔ سعد بھائی کا اس کے سرنیم کو استعمال کرنا واضح کر گیا کہ وہ اس سے بھی خفا ہیں۔ تبھی اس کی ہلکی سی سرگوشی نما آواز نکلی تھی۔

"میں آ تو جاؤں لیکن کیا وہ میرے ساتھ جانے پر راضی ہوں گی؟ میں نے سنا ہے وہ مجھے چھوڑ کر جا رہی تھیں۔"

ابھی کچھ دیر قبل کی بات ہے جب براق کو یہ ساری دنیا دھنک رنگ لگ رہی تھی۔ رنگ برنگے اڑتے پرندے اور ان کی آواز گیتوں کی طرح معلوم ہو رہی تھی۔ سورج کسی سنہری آبشار کی طرح اسے اس عالم پر بہتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور یہ چمکتا نیلا آسمان لہردار سمندر کی طرح لیکن ابھی اسی وقت اسے ان رنگ برنگے پرندوں کی آواز ایک بے ڈھنگے شور کی مانند سر میں بجتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ سورج آگ کے تپتے گولے کی طرح اور آسمان بھدی نیلی سیاہی والا۔ نظر نظر کی بات ہے نا، موڈ موڈ کی بات ہے۔ نظر میں بری چیز بھی سما جائے تو دنیا کی حسین ترین چیزوں کو بھی مات دے دیتی ہے۔ اسی طرح اگر موڈ اچھا ہو تو تپتی دوپہر بھی ٹھنڈی میٹھی لگتی ہے اور اگر موڈ برا ہو تو بہار بھی آنکھوں میں چبھتی ہے۔ براق کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اس کا دل کیا بجھا پوری دنیا ہی بجھ گئی۔

"اس بات میں صداقت ہے کہ وہ سب کو چھوڑ کر جا رہی تھی۔ فی الحال وہ کرو جو میں کہہ رہا ہوں۔ اپنے پیرنٹس کو ساتھ لاؤ اور اپنی دلہن کو لے جاؤ۔"

ان کی بات کے دوران ہی اسد گاڑی میں آ کر بیٹھا تھا۔ براق کے کچھ کہنے کیلئے لب کھلنے ہی والے تھے کہ لائن بیجان ہو گئی۔ موبائل کو ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے وہ کشمکش کی ناؤ میں ڈولتا بے چین سا ہو گیا۔ انہی بے چین

بھری نگاہوں سے اس نے اسد کی جانب رخ کیا۔

"بات کو مثبت رخ میں لو اور یہ سوچو کہ قسمت تم پر نو گھنٹے پہلے مہربان ہو رہی ہے بھائی! تم بھول کیوں جاتے ہوں۔ اللہ بڑا رحیم ہے جو کرتا ہے بہتری کیلئے ہی کرتا ہے۔"

اس کے شانے پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے وہ اسے تسلیاں دے رہا تھا۔ براق کو اس وقت اسی چیز کی شدید ضرورت تھی۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے آنکھیں بند کیں اور خود کو ریلیکس کیا۔

☆......☆......☆

جانے کتنے دن اور کتنی راتیں گزری تھیں، کتنی تاریخیں بدلی تھیں اور کتنی قیامتیں ٹوٹی تھیں۔ وہ ان سب سے انجان تھی کیونکہ وہ ایک یرغمال تھی۔ خلیفہ تبریز کی یرغمال، اور یہ بات تو سب پر واضح ہے کہ جو یرغمال ہوتا ہے اسے ہر طرح کی چیز سے بے خبر رکھا جاتا ہے۔ معروش حبیب کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا۔ اسے چند دن کی وقتی موت عطا کر کے جب ہوش میں لایا گیا تو وہ ایک ایسی جگہ پر تھی جہاں ہونے کی اس نے امید چھوڑ دی تھی۔ وہ اس دنیا میں تھی اللہ کی بنائی ہوئی کائنات میں جہاں صرف اسی ذات کا نظام چلتا ہے۔ جدھر اس کے حکم کے بغیر ایک پتا بھی نہیں ہلتا کیونکہ یہ دنیا صرف اس کی تخلیق کردہ ہے صرف اس کی۔

اس نے جب نگاہ کھولی تو وہ کسی عالیشان گھر کے کمرے میں نہیں تھی بلکہ وہ نیلے آسمان کے نیچے تھی جس کے سر پر سفید بادل کنول کے پھول کی طرح جابجا کھلے ہوئے تھے۔ سمندری پرندے ان پھولوں کے گرد تتلیوں کی مانند اڑتے ہوئے لگے۔ اس نے گہری سانس لے کر خود کے زندہ ہونے کی تصدیق کی۔ سانس کیا کھینچی مٹی ملی کھاری سی ہوا اسے یہ احساس دلا گئی کہ وہ اس وقت سمندر کے آس پاس ہے یا پھر اس کے بیچ میں۔ قدموں کی آواز سن کر وہ جان گئی کہ آنے والا کون ہے۔ چہرے پر کراہیت طاری کیے وہ کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھی تو خود کو حقیقتاً سمندر کے وسط میں پا کر دل مسوس کر رہ گئی۔ چلنے والا چلتا ہوا، اس کے پیچھے سے گھوم کر آگے آیا اور یاٹ (سمندری جہاز) کے سر پر رکھی سفید رنگ کی کرسی آگے کو کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ کوئی اور نہیں خلیفہ تبریز تھا۔

"کیسا فیل کر رہی ہو معروش۔" لفظوں میں مٹھاس گھول کر وہ اس کی رگوں میں زہر کو دوڑنے پر مجبور کر گیا۔ معروش نے تلخ مسکان لبوں پر سجائی اور زہر سے پُر نیلے چہرے کے ساتھ بولی۔

"برزخ میں محسوس کر رہی ہوں خود کو، ایک یرغمال عورت اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتی ہے۔"

اس کی آواز نفرت میں بجھی ہوئی تھی۔ دھیمی سی پھنکارتی ہوئی اور غراہٹ بھری۔

"بات تو سچ کہی ہے لیکن یاد رکھو، تم یرغمال نہیں ہو باعزت طریقے سے لایا گیا انسان یرغمال کب ہوا کرتا ہے۔" نیلے افق کے نیچے بیٹھا وہ فرعون صفت انسان تیز ہوا کے جھونکوں میں اس سے ایسے بول رہا تھا جیسے اس سے بہتر و پاک دامن کوئی نہ ہو۔ جیسے وہ سب گناہوں سے پاک ہو اور اس نے کچھ ایسا نہ کیا ہو جس پر اسے شرمندگی ہو۔ معروش نے چہرے پر کرختگی سجائے رکھی۔ بالکل بھی لچک نہیں دکھائی اور اسی انداز میں بولی۔

"ہاں رسیوں میں باندھ کر بیہوشی سے اسمگل کیے جانے کو باعزت طریقہ کہتے ہوں گے تمہاری زبان میں کیونکہ تم خود جو اسی کیٹگری سے تعلق رکھتے ہو۔"

پاؤں کو نیچے اتار کر وہ کھلے بالوں کا جوڑا بناتے ہوئے سمندر کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی جو کہ ناکام گئی۔

"بولنے میں زیادتی کر جاتی ہو تم، خیر تمہاری یہ زیادتی بھی دل و جان سے قبول ہے کیونکہ جان جو ہو تم۔"

سینے پر ہاتھ رکھ کر وہ سر کو جھکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ معروش نے غصے سے مٹھیاں بھینچیں اور یکدم کھڑی ہو گئی۔ نقاہت تھی تبھی اچانک یوں کھڑے ہونے پر اسے چکر سا آ گیا مگر وہ خود کو سنبھال گئی۔ اس سے پہلے وہ جاتی خلیفہ نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے تھام لیا۔

"تم جانتی ہو نا مجھے اس طرح کی گستاخیاں پسند نہیں، میں جب ہوں تو مجھ سے بات کیا کرو۔ آئندہ ایسے اٹھ کر جانے کی ہمت کی تو بخدا وہ کروں گا جو کبھی تمہارے خیال سے بھی نہ گزرا ہو۔"

اس کی سنہری آنکھیں آگ کا سا منظر پیش کرنے لگی تھیں۔ اس سے زیادہ آگ تو اس کے لہجے میں تھی جس میں جلے بغیر معروش نے اپنی کلائی جھٹکے سے اس کے ہاتھ سے چھڑوائی اور تھوڑا سا جھک کر چیخی۔

"تم جیسے انسان سے اور توقع بھی کیا کی جا سکتی ہے۔ مت بھولو میں معروش حبیب ہوں کوئی عام لڑکی جو تم جیسے انسانوں کے آگے دل چھوٹا کر بیٹھے تم مجھے کچھ کہہ کر تو دکھاؤ تمہارے ہاتھوں کو کاٹ کر زمین میں نہ گاڑ دیا تو میرا نام بھی معروش نہیں۔"

پھنکارتے ہوئے وہ جانے لگی تھی جب اچانک کچھ یاد آ جانے پر رکی، رک کر انگلی اٹھائی اور آنکھیں نکالتے

ہوئے وارن کرنے والے انداز میں بولی۔

"اور آئندہ مجھے دھمکی مت دینا، میں برداشت نہیں کروں گی یہ سب۔" کہتے ہی وہ مڑ گئی تھی۔ خلیفہ کے ماتھے پر بے تحاشہ بل پڑے۔ لب بھینچتے ہوئے اس نے غصے کو کنٹرول کیا اور اپنا دایاں پاؤں ہلا کر غصے پر قدغن لگانے لگا۔

"خان! سارا انتظام ہو چکا ہے اور رہی بات پاکستان کی تو اب وہاں سب سیٹ ہے۔ خواجہ ریاض کے بچنے کے کوئی چانس نہیں۔ اس نے خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا ہے اور رہی بات صوبائی وزیر ظاہر کی تو وہ اپنی دونوں بیٹیوں کی حادثاتی موت کو دل سے لگا کر آج کل پاگل خانے کے چکر کاٹ رہا ہے، انٹیلی جنس ایجنسیاں اور ایف آئی اے والے اس وقت ان کی غائب ہوئی ایجنٹ کو ڈھونڈنے کی سر توڑ کوششیں کر رہے ہیں لیکن پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ سب انڈر کنٹرول ہے۔"

اس کے ایک کارندے نے آ کر اسے یہ اطلاع دی تھی۔ ہلتی ہوئی یاٹ کے سر پر بیٹھا خلیفہ تبریز ہاتھ کو تخلیہ والے انداز میں ہلا کر اسے دفع ہونے کا کہہ رہا تھا۔ یہ اشارہ دیکھ کر آنے والا فوراً چلا گیا۔ خلیفہ نے فون نکالا اور ایک نمبر ڈائل کر کے موبائل کو کان سے لگایا۔

"خلیفہ بول رہا ہوں، میں اور میرے خاص بندے بہت جلد مقام پر پہنچنے والے ہیں اس لیے انتظام بہترین ہونا چاہیے اور سنو۔"

داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کھڑا ہوا اور گرل کے پاس آ کر دور ڈبکیاں لگاتی ڈولفنز کو دیکھنے لگا جو بہت زیادہ تعداد میں تھیں۔

"جو مہمان تمہارے پاس ہیں ان کی دیکھ بھال میں کوئی کسر مت چھوڑنا۔ سمجھ رہے ہونا جو کہہ رہا ہوں۔" اپنے سروں سے پانی کی پھوار نکالتی ڈولفنز پر نگاہ جماتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک آئی تھی۔ وہ چمک جسے سمجھنا ناممکن تھا اور جاننا بہت مشکل۔

"میں سمجھ گیا ہوں خلیفہ، تم فکر ہی نہ کرو۔ وہ مہمان اچھی حالتوں میں ہیں۔ ان کی عزت افزائی بالکل ایسے کی جا رہی ہے جیسے کہ حکم ملا ہے۔ وہ ضرور اپنی اس زندگی پر رشک کر رہے ہوں گے۔" رمیز کی آواز سنتے ہی اس

نے فون کو کان سے ہٹایا اور پُر اسرار مسکان کو لبوں پر سجالیا۔ ایک پاؤں گرل پر لٹکاتے ہوئے باقی دونوں ہاتھوں کو اس کی سلور سطح پر رکھنے کے بعد وہ ڈولفنز کو دیکھتے ہوئے سیٹی بجا رہا تھا۔ وہی مخصوص دھن جو وہ ہمیشہ بجایا کرتا تھا۔

"آئی ہیو ڈائیڈ ایوری ڈے ویٹنگ فار یو، ڈارلنگ ڈونٹ بی افریڈ آئی ہیو لوڈ یو فار آ تھاؤزنڈ ییئر آئی لو یو فار آ تھاؤزنڈ مور۔۔۔۔"

☆......☆......☆

ٹی وی لاؤنج میں اس وقت پن ڈراپ سائلنس تھی۔ اتنی خاموشی کہ سانسوں کے لینے کی آوازیں بخوبی سنائی دے رہی تھیں۔ ہر ایک کی سانس مختلف تھی۔ کسی میں ڈر تھا تو کسی میں تشکر، کوئی سانس سوکھا ہوا تھا تو کوئی چنگھاڑتا ہوا، کسی میں نفرت تھی تو کسی میں نمی۔

"مجھے اتنا افسوس ہو رہا ہے یہ سوچ سوچ کر کہ میری بہن رات کے اندھیرے میں چوروں کی طرح گھر کی دہلیز کو پار کر رہی تھی۔ یہ سوچے بنا کہ اس کے اس اقدام پر ہمارے دلوں پر کیا گزرے گی۔ ہماری عزتیں کس طرح نیلام ہونگی، تم نے ایک بار نہیں سوچا سولیم، ہمارے بارے میں تم اتنی بے حس تو نہ تھی۔"

لفظوں میں دکھ کو بے یقینی کو گھول کر وہ سولیم کے دل پر سے قیامتوں پر قیامت گزار رہے تھے۔ ٹی وی لاؤنج میں سامنے والے صوفے پر معروش سر پر دوپٹہ اوڑھے نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ اس کی کہنی کو دونوں ہاتھوں میں دبوچے عبداللہ سراسیمہ سا سب کو تکے جا رہا تھا۔ عبداللہ کے ساتھ سولیم کی امو لگی ہوئی تھیں اور ان کے بالکل پیچھے حلق میں دل لیے دعا کھڑی تھی۔ طلحہ کے ہاتھوں کو تھامے سعد کو یہاں وہاں چکر لگاتے دیکھتی علیشہ کی نظر بھابھی پر پڑی جو سعد کے غصے سے خائف تھیں۔ انہیں سعد کا سولیم کو جھڑکنا ایک آنکھ نہ بھا رہا تھا لیکن وہ لب بستہ تھیں۔

"اگر یہی سوال میں آپ سب سے کروں تو؟ اگر میں کہوں کہ آپ لوگ اتنے بے حس کیوں بن رہے ہیں تو؟ آپ سب کو اپنی عزتوں کی پڑی ہے۔ ایک بار بھی میرے بارے میں نہیں سوچ رہے مجھ پر جو گزری ہے جو گزر رہی ہے میں کیسے برداشت کر رہی ہوں یہ میں جانتی ہوں۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میرے اپنے میرے دکھ کو نہیں سمجھ رہے۔ اس تکلیف کو نہیں سمجھ رہے جو میں سہہ رہی ہوں۔"

بولتے بولتے اس کی آواز نم ہوگئی تھی تبھی اس نے خود کو روک لیا۔ طلحہ نے علیشہ کو اشارہ کیا کہ وہ عبداللہ کو وہاں سے لے جائے۔ تبھی نانو کے اصرار پر عبداللہ نے اپنی ماں کی کہنی چھوڑی اور اس کے ساتھ چل دیا۔

"سولیم! ہم تمہارا بھلا چاہ رہے ہیں۔" اس سے پہلے سعد بھائی اور کچھ کہتے سولیم نے ان کی بات قطع کردی۔ اس کی آواز تھوڑی اونچی ہوگئی تھی۔

"کیسا بھلا بھائی؟ اس انسان کو سونپ کر جس نے سالوں پہلے مجھے جیتے جی مار دیا۔ آپ کیسا بھلا کر رہے ہیں میرے ساتھ، اسے بھلا نہیں کہتے، اسے جان چھڑانا کہتے ہیں جو کہ آپ سب کر رہے ہیں۔"

دعا کی آنکھوں سے اس کے لفظوں نے آنسو نکال دیے تھے۔ ٹوٹا تو سعد بھائی کا دل بھی تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ان کی بہن اتنی متنفر ہوچکی ہے۔ انہیں اچانک سے احساس ہوا کہ اب وہ اپنی بہن کی زندگی پر کوئی اختیار نہیں رکھتے۔

"کاش تمہیں اپنے لفظوں سے آشنائی ہوتی تو آج یوں دل نہ دکھاتی تم سب کا، بہرحال اسے جان چھڑانا کہو یا کچھ بھی لیکن سن لو ابھی آدھے گھنٹے میں تمہارا شوہر تمہیں آکر لے جائے گا اور تم اس کے ساتھ جاؤ گی۔ دیٹس اٹ۔"

چھت کیا تھی، پورا آسمان تھا جو سولیم شفیق کے سر پر آکر گرا تھا۔ اس نے تحیر کے سمندر میں ڈوب کر سب پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ دل تھا کہ کسی کی مٹھی میں جکڑا گیا تھا۔

"اتنی زحمت بھی کیوں کی آپ لوگوں نے، بھیجنا چاہ رہے ہیں نا تو میں ابھی چلی جاتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے کھڑی ہوئی اور کمرے کی اور بڑھ گئی۔ کسی نے بھی اسے نہیں روکا تھا۔ وقت ہی نہیں تھا ایسا کہ وہ اسے روک سکتے۔ تھوڑی دیر بعد وہ اپنے بیگ اور عبداللہ کے ساتھ ٹی وی لاؤنج میں داخل ہوئی تھی۔

"سولیم، فضول حرکتیں مت کرو۔" سر پکڑے بیٹھی اس کی امی نے بالآخر اپنے لب کھولے تھے۔ انہیں اپنی بیٹی کا یہ انداز بہت کھل رہا تھا۔

"فضول نہیں ہے امی، میں وہی تو کر رہی ہوں جو آپ سب لوگ چاہ رہے ہیں۔ آپ مجھے جو خود ایک سیلف میڈ عورت ہے کو اس گھر میں برداشت نہیں کر رہے تو اٹس اوکے میں جا رہی ہوں یہاں سے اور ہاں بے

فکر رہیں اپنے شوہر کے گھر ہی جاؤں گی۔"

آخری لائن کہتے ہوئے اس کی آواز لڑکھڑا گئی تھی، لڑکھڑائی تو آنکھیں بھی تھیں تبھی تو وہ گیلی تھیں۔ سیاہ عبایہ میں سے جھلکتی اس کی بادامی آنکھوں میں دکھ کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ انہی دکھ بھری آنکھوں سے اس نے ابھی ایک قدم ہی اٹھایا تھا کہ فاروق اور فردوس کے ساتھ اسد کے سلام کی آواز ان کے لاؤنج میں گونج گئی۔ اسد تو سولیم کو دیکھ کر تھوڑا سا فاروق کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ وجہ اور کوئی نہیں سولیم ہی تھی اور اس کی مشہور زمانہ گھوریاں۔

"السلام علیکم! لگتا ہے صحیح وقت پر آئے ہیں ہم۔" لاؤنج میں پھیلی کثافتی ماحول کو جانچنے کے بعد فردوس نے مسکراتے ہوئے کہا اور فاروق کے بعد سولیم کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کا ماتھا چوما۔

"اللہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" صدق دل سے دعا دیتے ہوئے وہ باری باری سب سے ملی تھیں۔

"آپ بیٹھیں۔" تائو گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئیں اور میزبانی کے آداب نبھاتے ہوئے مسکرا کر بولی تھیں۔ ان کے مسکراہٹ کے پیچھے ایک عجیب سا دکھ وڈر تھا جوان کے چہرے پر کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"کیوں نہیں بیٹھیں گے بھی اور ناشتہ بھی کریں گے، آؤ سولیم بیٹا میرے پاس آ کر بیٹھو۔"

ٹھس سی کھڑی سولیم کا ہاتھ پکڑ کر وہ صوفوں کے قریب آئیں اور ان میں سے ایک پر براجمان ہو گئیں۔ عبداللہ کو فاروق اپنی گود میں بٹھا چکے تھے اور اب اس سے پیار کرتے ہوئے باتوں میں لگ گئے تھے۔

"براق نہیں آیا۔" بھائی کے ان لفظوں نے نئے سرے سے سولیم کو زخمی کیا۔ وہ نقاب کے پیچھے اپنے چہرے پر پھیلی کڑواہٹ کو چھپا رہی تھی۔

"نہیں دراصل وہ چاہتا تھا ہم اس رسم کو پورا کریں۔" (چاہتا نہیں تھا ڈرتا تھا اپنی بیوی کا سامنا کرنے سے) فاروق کے کہنے پر اسد نے بڑبڑاہٹ کی تھی جو فاروق کی گھوری سے ہی تھمی۔ لبوں کو آپس میں پیوست کیے وہ اس عجیب سی بور فیملی کی تصویر سے نکلنا چاہتا تھا لیکن مجبور تھا سو اس لیے بیٹھا رہا۔

"چلو یہ بھی اچھا ہے۔" سولیم کی ماما کی مایوسی سب نے بھانپی۔ تھوڑی دیر یونہی گپ شپ کرنے کے بعد وہ سب ناشتہ کرنے کے بعد جانے کیلئے کھڑے ہو گئے تھے۔ دعا سولیم کو دیکھ کر رو پڑی تھی جو ایک بار بھی کسی سے نہیں ملی تھی۔ اس نے فاروق کی گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے علیشہ کو جھک کر پیار کیا تھا اور سب پر ایک نگاہ غلط

ڈالے بنا ہی بیک سیٹ پر عبداللہ کو لے کر بیٹھ گئی تھی۔ اسد نے یہ سب اچھے سے اپنی آنکھوں میں حفظ کیا۔ اسے اپنے دوست کی زندگی میں آنے والے خوفناک لمحات ڈرانے لگے۔ وہ جھرجھری بھر کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال چکا تھا۔

"اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو سولیم۔" دعا نے جھک کر اسے دعا دی، سولیم نے دونوں دعاؤں کو نظرانداز کیا اور سر سیدھا کیے بیٹھی رہی۔ گاڑی چل پڑی تھی بالکل ویسی ہی جیسے سولیم کی نئی زندگی چل اٹھی تھی۔

گاڑیوں کی آواز سنتے ہی براق نے کھڑکی کے پردے برابر کیے اور شیشے کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے چہرے کے رنگ اڑنے لگے تھے۔ ہاتھ کی مٹھیاں بار بار کھل اور بند ہو رہی تھیں، سانس خود بخود ہولے ہولے پھولنے لگا تھا۔ نچلے لب کو تر کرتے ہوئے دل پر ہاتھ رکھ کر خود کو حوصلہ دے رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے براق سب ٹھیک ہونا ہے۔"

وہ جب آنکھیں بند کر کے خود کو حوصلہ دے رہا تھا اسی دوران اسد کی اس کے کمرے میں آمد ہوئی تھی۔ براق نے اس کے آنے پر آنکھیں کھول دیں۔

"اس دنیا میں جتنی بھی تسلیاں، جتنے بھی حوصلے اور جتنی بھی برداشت ہے وہ تمہارے نام کیونکہ تم بلی چڑھنے والے ہو۔"

اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر دنیا جہان کی مسکینیت خود پر طاری کیے وہ اس کا سانس روک گیا تھا۔ براق کا دل ڈوب کر ابھرا۔

"ڈرا رہے ہو؟"

اسد اس کی حالت سے مزہ لینے لگا۔

"تاں جو پہلے ہی ڈرا ہوا سے ڈرا کر کیا کروں گا، بس انفارمیشن دے رہا تھا سو دے دی۔"

"واضح بات کرو۔ کہنا کیا چاہ رہے ہو۔" ایک تو وہ پہلے ہی ڈر رہا تھا اوپر سے اسد کی بکواس، اس کا رہا سہا کانفیڈنس بھی زمین بوس ہو گیا اسد کے اگلے جملوں سے۔

"ایک تو تمہارے سمجھنے کی حس بالکل کام کرنا بند ہو چکی ہے بھائی میرے، میں یہ کہہ رہا ہوں جوالہ مکھی اب تم پر پھٹنے والا ہے۔ بھابھی کا موڈ سوا نیزے پر ہے یعنی تمہارا اصل امتحان آج سے شروع ہوا، سات سال جو تم نے

کاٹا وہ تو بس ٹریلر تھا۔"

براق نے ہاتھوں کا پنچ بنایا اور اس کا استعمال بھی کیا، اتنے سالوں بعد اس نے اپنا پروفیشنل پنچ استعمال کیا تھا جس نے یقیناً اسد کے کندھے کی ہڈی کو تڑ خا دیا ہوگا تبھی وہ بلبلا اٹھا۔

"جب تم جیسے دوست ہوں تو دشمنوں کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ بجائے اس کے کہ مجھے حوصلہ دو تم اور مجھے ڈرا رہے۔ تف ہے تم پر۔"

اسد اس کی جھاڑ پر یکدم تھما تھا۔ اس نے غور سے براق کے چہرے کو تلاشا جس پر عرصے دراز بعد چمک آئی تھی۔ اس کا لہجہ بھی بدلا تھا اور انداز بھی، پا لینے کی جو جوت تھی اس کی روشنی اس کے پورے بدن سے پھوٹ رہی تھی ہاں وہ بات الگ تھی کہ خوف اس کے انگ انگ پر طاری تھا جس پر اسد نے اس کی بہت گندی کی۔

"آہ براق شاہ آہ، تف ہے تم پر جو تم ایک معمولی سی عورت سے ڈر رہے ہو۔ کیا تم مرد بھی ہو، واللہ مجھے تو شک ہونے لگا ہے تمہاری جینڈر پر۔"

اپنے شانے کو سہلاتے ہوئے وہ گوڈے گوڈے اسے شرم میں ڈبانا چاہتا تھا جو کہ ناکام گیا۔ براق کے کہے گئے لفظوں پر وہ ہنس پڑا تھا۔

"اسد، بکواس بند کر اور دفعان ہو جا یہاں سے، میرا بلڈ پریشر ہائی مت کر۔ تو اچھا ہنستا رہ میں ہی چلا جاتا ہوں یہاں سے۔"

اس کے مسلسل ہنسنے پر وہ خود ہی کمرے سے باہر آ گیا تھا۔

صبح سے دوپہر ہو گئی تھی۔ وہ سولیم سے ملنے کی ہمت اکٹھی نہیں کر سکا تھا۔ دوپہر پر شام چڑھنے لگی تھی جب فردوس نے اسے سولیم کے کمرے کے باہر ہاتھ پکڑ کر لا کر کھڑا کیا۔

"اگر تم معافی کے قابل نہ ہوتے براق تو اللہ تمہیں آج تمہاری محبت نہ دیتا۔ ہمت کرو اور جا کر سب سولٹ آؤٹ کر لو، بات کرنے سے ہی بات بنتی ہے چھپنے سے یا نظر چرانے سے سب بہت پیچھے رہ جاتا ہے اور میں جانتی ہوں تم نہیں چاہو گے کہ اب کچھ بھی پیچھے رہے۔"

انہوں نے کہتے ہوئے پیار سے اس کے بازو کو سہلایا تھا۔ براق نے آنکھیں بند کرتے ہوئے گہری سانس

کھینچی، انہیلر نکال کر منہ میں اسے پمپ کیا اور دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ دیا۔

☆......☆......☆

ان کا پڑاؤ اس ملک میں ہمیشہ کیلئے تھا۔ وہ ملک جوان کا سیف ہاؤس تھا جہاں انہی کا سکہ چلتا تھا۔ اب یہیں سے ان کی گناہوں کی سلطنت نے دوبارہ سے بنیاد ڈالنی تھی، آہیں وبدعائیں اب یہاں کے لوگوں سے ان کے مقدر میں آنے والی تھیں۔ بارش ہو رہی تھی۔ تابڑتوڑ بارش تھی جس کو چیرتے ہوئے ان کی کاریں ایک بلڈنگ کے سمندری پتھر سے بنے پورچ میں آکر رکیں۔ ان کاروں میں سے سب سے پہلے مسلح افراد نکلے تھے۔ اس کے بعد شوفر جس نے چھتریوں کو کھول دیا تھا۔ سمندر خان نے اپنے مضبوط بوٹوں والے پاؤں اس رنگ برنگے پتھروں والے پورچ پر رکھے اور چاروں طرف نگاہوں کو گھما ڈالا۔ شہر سے ہٹ کر پوری شیشے سے بنی یہ بلڈنگ اب ان کی پناہ گاہ تھی۔ اس بلڈنگ کے گیٹ کے ساتھ دائیں جانب فل کارپٹڈ گراس بچھی تھی جس کے کونوں پر جنگلی پھول اگے ہوئے تھے۔ پھولوں کے بائیں طرف بنی دیوار پر گہری جنگلی بیلیں اس دیوار کی اینٹوں کو چھپا چکی تھیں اور ایک بڑا سارا فاؤنٹین تھا۔ وہ ایک ببر شیر تھا جس کے منہ سے پانی جھاگ کی طرح نکل رہا تھا۔ نکل کر گول تالاب میں مل رہا تھا جبکہ ایک سائیڈ پر چھوٹی سی چوکی بنی ہوئی تھی جس پر سیاہ فام گارڈ ہاتھ میں آٹو میٹک رائفل تھامے بیٹھا تھا۔ سمندر خان نے توصیفی نگاہ اترنے والے اپنے شیر پر ڈالی جو داڑھی پر ہاتھ پھیرتا ہوا ان سے بغل گیر ہوا تھا۔

"خوشی ہوئی تمہیں دیکھ کر، ہزاروں سال جیو۔" وہ اس کی پیٹھ تھپک کر سرشاریت سے کہہ رہے تھے۔ کچھ بھی تھا وہ اور خلیفہ دو بدن ایک جان تھے۔ دونوں کبھی بھی ایک دوسرے کے خلاف نہیں ہو سکتے تھے تبھی تو دونوں آج زندہ تھے۔

"آپ کی زبان مبارک ہو خان، کہو کیسا لگا یہ نیا اڈا۔" ہاتھ پھیلاتے ہوئے وہ سیاہ چھتریوں کے نیچے کھڑا ان سے دست سوال تھا۔ خان کے لبوں پر دلفریب مسکان آن دوڑی۔

"ہمیشہ کی طرح پرفیکٹ۔" وہ اس اعتراف پر ہنسا، ہنسنے کے بعد اس نے گردن کو موڑا تھا وجہ معروش کا گاڑی سے برآمد ہونا تھا۔

"مجھے لگتا ہے اسے اتنی آزادی دینا مناسب نہیں، یہ ایک پاکستانی ایجنٹ ہے یعنی ایک خطرہ جو کبھی بھی ہمارے سروں پر ٹوٹ سکتا ہے، اتنی تباہی ونقصان کے بعد ہمیں محتاط رہنا چاہیے۔"

وہ معروش کو مسلح افراد کے درمیان کسی مالکن کی طرح چلتے ہوئے دیکھ کر کہہ رہے تھے۔ حقیقتاً انہیں معروش کا اس طرح چلنا اچھا نہیں لگا۔ خلیفہ ان کی بات پر طنزیہ مسکرایا اور بولا۔

"فکر نہ کریں میں نے اس کی ریڑھ کی ہڈی پر وار کیا ہے، بہت دکھ ملا ہے اسے۔ اس دکھ نے اس کے حواس سلب کر لیے ہیں اس لیے یہ ہمارے لیے بے ضرر ہے۔"

وہ دونوں بھی اندر کی اور بڑھنے لگے تھے۔ خان کو خلیفہ کا یہ مطمئن انداز کھٹکا۔ ہر چیز کو ناپ تول کر رکھنے والے انسان کا یہ روپ بڑا معنی خیز تھا۔

"تمہارے چہرے پر وہی چمک ہے جو گالف کھیلتے ہوئے تھی۔ یاد کرو وہ وقت جب تم ہماری شپ پر ہوئے ریڈ کے بارے میں مجھے مطلع کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے، میں سمجھ گیا تھا کہ ہونے والی مخبری کا تمہیں علم ہو چکا ہے اور پھر بھی تم خاموش ہو یعنی وہ ریڈ جو پڑا تھا تمہارے رضامند ہونے پر ہی پڑا تھا۔ تم ایکشن لیتے تو ہونے والے نقصان سے بچا جا سکتا تھا۔ مطلب وہ تم ہی تھے جو جان بوجھ کر خاموش تھے تاکہ تھوڑا سا نقصان اٹھا کر ہم زیادہ نفع کما سکیں۔ بالکل اسی دن کی طرح آج بھی تمہارا چہرہ وہی داستان سنا رہا ہے جو کہ ہضم نہیں ہو رہی، خلیفہ جو بھی تمہارے دماغ میں چل رہا ہے اسے ظاہر کر دو تاکہ دل کو تھوڑی ڈھارس مل سکے۔"

لفٹ سے باہر نکلتے ہوئے وہ لائن میں بنے لاتعداد کمروں میں سے ایک میں آ کر بیٹھے جس کی دیواریں سفیدی میں چھپی ہوئی تھیں جبکہ پردوں سمیت ہر چیز سیاہ تھی۔ یہ خلیفہ کا کمرا تھا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے خان، سب ٹھیک ہے اور رہے گا۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ میں جانتا ہوں نیویارک سے یہاں تک کے سفر نے آپ کو تھکا دیا ہوگا۔"

خان نے کچھ سوچتے ہوئے اپنے قدموں کو موڑ لیا تھا۔ وہ جانتے تھے خلیفہ جو بھی سوچ رہا ہے بہتر ہی سوچ رہا ہے اس لیے مطمئن سے وہ وہاں سے چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی اپنے کمرے سے ملحق ایک اور کمرے کے دروازے کو خلیفہ نے کھولا تھا جس کے اس پار معروش پائی جاتی تھی۔ وہی معروش جو اس وقت اس کمرے کے

وسط میں کھڑی عمیق نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"یہاں ایسا کچھ نہیں ہے جو راہِ فرار میں تمہاری مدد کر سکے اس لیے اپنی چھوٹی سی جان کو مشکل میں مت ڈالو اور۔"

خلیفہ کے الفاظ درمیان میں ہی رہ گئے۔ وجہ معروش کا اس کی اور لپکنا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے مڑ کر اس تک آئی تھی۔ اس کے کالر کو دبوچتے ہوئے سر اٹھائے اس کی گندی غلیظ نگاہوں میں دیکھ کر دبی آواز میں غرائی۔

"مجھے اگر مر کر بھی یہاں سے جانا ہوا نا تو موت کو گلے لگانے سے گریز نہیں کروں گی، تم اچھے سے جانتے ہو میں کتنی نڈر ہوں اس لیے یہ طفل باتیں میرے سامنے مت کیا کرو۔ یہ بتاؤ نانو کہاں ہیں؟"

خلیفہ نے اس کے ہاتھوں کو اپنے کالر پر جمے دیکھا اور پھر اس کے چہرے کو، آبرو آپ ہی آپ اٹھ کر اوپر چڑھ گئی اور لب سیٹی کے سے انداز میں گول ہو گئے۔

"تمہاری صلاحیتوں سے میں اچھے سے واقف ہوں، کتنی نڈر ہو یہ بھی جانتا ہوں لیکن شاید تم بھول رہی ہو کہ وہ صرف میں ہوں جو کسی کی پکڑ میں نہیں۔ خلیفہ تبریز ناقابلِ تسخیر ہے، جان تو گئی ہو گی۔"

جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا وہ انسان اس طاقت کو بھول کر یہ الفاظ منہ سے نکال رہا تھا جس کے ہاتھ میں سب کی ڈوریں تھیں، بظاہر مجبوری اس نے کلمہ پڑھ تو لیا تھا لیکن اندر سے وہ اب بھی مکمل طور پر ملحد تھا۔ وہ ایسا تھا تبھی تو اس کا دل سیاہ تھا۔ اتنا سیاہ کہ وہاں گھٹن کے علاوہ کوئی چیز نہیں پائی جاتی تھی۔

"تمہاری پکڑ ہو چکی ہے خلیفہ تبریز، تبھی آج میں یہاں ہوں، میرا یہاں ہونا ہی تمہاری بربادی کی اور اشارہ کرتا ہے۔ جانتے ہو جب یمن نے تم سے محبت کی اداکاری کی تھی نا تو اس نے سب پڑھنے والوں پر تمہارا ایک اچھا امیج بنایا تھا۔ اس نے سب کو بتایا تھا کہ تم محبت کے دیوتا ہو۔ اس نے ایسا اس لیے کیا تھا کیونکہ یہی اس کا پلان تھا لیکن جب معروش حبیب نے تم سے نفرت کی تو سب جان گئے کہ تم کیا ہو۔ وہی جس سے گھن کھائی جائے، جس کے سائے سے کراہیت آئے جس کو مارنے کی چاہ ہر روز دل میں اٹھے اور دماغ اسے پورا کرنے کے منصوبے بنائے۔ تم ایک ایسے انسان ہو خلیفہ تبریز جو سراپا گناہ ہے ایک بددعا۔"

خلیفہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کے دل چیر لفظ سنتا گیا تھا۔ اس کے مسکراتے چہرے پر دکھوں کی پرت

آن سمائی تھی۔ وہ گناہ گار تھا، بدکار تھا، بے حس تھا، جابر تھا لیکن وہ ایک انسان تھا وہی انسان جس کا دل ہوا کرتا ہے جو محسوسات رکھتا ہے۔

"اور بدقسمتی سے تم اس بدعا کی بیوی ہو۔" اس ایک جملے نے معروش کے بدن پر برچھیاں چلا دیں۔ اسے لگا وہ کئی حصوں میں کٹ کر گر چکی ہے۔ اس کے بدن کے اتنے ٹکڑے ہوئے ہیں کہ وہ خود کو پہچان بھی نہیں پا رہی۔ اس کے دل میں ٹیس اٹھی اور یہ ٹیس اس کے لڑکی ہونے کا ثبوت دیتے ہوئے آنکھوں کو گیلا کر گئی۔

"میں نہیں مانتی، تم نوفل نہیں ہو نوفل! کبھی بھی خلیفہ تبریز نہیں ہو سکتا۔" پورے وثوق کے ساتھ اس کی سنہری آنکھوں میں آنکھیں گاڑتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ کے لبوں کا کنارہ ایک بار پھر سے پھیلا۔

"بالکل ایسا ہی ہے نوفل واقعی خلیفہ نہیں ہو سکتا کیونکہ خلیفہ نوفل ہے۔" معروش کے ہاتھوں کو اپنے کالر سے ہٹا کر وہ یہ کہتا رکا نہیں تھا۔ کوڈ دروازے کو بند کرتے ہوئے وہ وہاں سے نکل گیا۔ معروش نے لبوں کو بے طرح کچلا تھا۔ وہ بیڈ پر گر سی گئی۔

"تم چاہے جو بھی کہو، میرا دل نہیں مانتا میں جانتی ہوں تم نوفل نہیں ہو، ہو ہی نہیں سکتے۔"

آنکھیں بند کرتے ہی کسی ستارے کی مانند نوفل کا ہنستا مسکراتا چہرا اس کے سامنے آیا تھا۔ بند پلکوں کی باڑ سے بہتے ہوئے آنسو چیخ چیخ کر اس انسان کو یاد کر رہے تھے، پکار رہے تھے جو شاید تھا ہی نہیں۔

☆......☆......☆

براق نے ہمت مجتمع کر کے اپنی آنکھیں کھولیں اور دل کی بڑھتی دھڑکنوں پر قابو پاتے ہوئے اس نے دروازے کی ناب پر ہاتھ رکھ دیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ ہاتھوں کی ہتھیلیاں بھیگنے لگیں اور اسے خوامخواہ ہی کپکپا دینے والی سردی اپنے حصار میں لینے لگی۔ خیر یہ کیفیت خوامخواہ تو نہیں تھی۔ جو وہ کر چکا تھا، جو اس سے ہو چکا تھا اس سب کے آگے یہ سب بے معنی تھا اور پھر ساڑھے سات سال بعد وہ دونوں ایک دوجے کے روبرو ہونے والے تھے۔ ایک دوسرے کو دیکھنے والے تھے کیا یہ بات عام تھی؟ نہیں۔

سنٹرل ہیڈ گھر میں اسے سردی چڑھنے لگی تھی۔ ناکوں میں سے سانس ایسے برق رفتاری سے آ رہا تھا کہ مانو

یہ اس کے آخری لحات ہوں۔ اس نے ایک بار پھر سے آنکھیں بند کر کے کھولیں اور ساتھ ہی دروازے کی ناب کو گھما دیا۔ کلک کی آواز تھی جو باہر والے نے بھی سنی تھی اور اندر والی نے بھی۔ باہر والا قدم اٹھا رہا تھا جبکہ اندر والی کے قدم رک چکے تھے۔ وہ آخر کار دن گزرنے کے بعد خود کی پوزیشن چینج کرنے کے قابل ہوئی تھی۔ اس نے خود کو کھڑا کیا تھا اور اپنے قدم کبڈ کی جانب بڑھائے تھے، جب کلک کی آواز نے اس کی روح حلق میں اکٹھی کر دی۔ اسے قضا تب ہوئی جب کارپٹ پر قدموں کی آواز ابھری تھی۔ وہ جانتی تھی یہ قدم کس کے ہیں، یہ آہٹ کون پیدا کر رہا ہے۔ یہاں موجودگی کس کی ہوئی ہے۔ اس کا دل زور سے دھڑکا، دھڑک کر بند ہوا تھا، بند ہو کر سینہ پھاڑ کر نیچے گرا اور بتانے لگا کہ جو ساڑھے سات سال پہلے ہوئی تھی وہ موت نہیں تھی بلکہ آج جو ہونے والی ہے یہ موت ہے۔

براق نے دروازہ کھول کر کمرے میں قدم رکھا، رکھ کر اسے لگا کہ اس کی دعا قبول ہوگئی ہے۔ سولیم اس سے رخ پھیرے کھڑی تھی۔ وہ یہی تو چاہتا تھا پہلی نظر میں وہ اسے نہ دیکھے۔ جسے دیکھنے کی دل کو سالوں سے چاہ تھی۔ وہ اس سے آنکھ نہ ملائے، جس سے آنکھ ملانے کی آرزو تھی وہ اسے فوراً نہ دیکھے کیونکہ اگر ایسا ہوگیا تو نا جانے کیا ہو جاتا۔ اللہ نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اس کی سن لی تھی۔ وہ ہر بار اس کی دعائیں سن کر اسے یہ احساس دلا دیتا تھا کہ وہ کیا کر چکا ہے کیسا رہ چکا ہے۔ اس نے سولیم کی پشت پر نگاہ ڈالی۔ عرصہ دراز بعد اس کی نگاہ جاوید سولیم پر پڑی تھی۔ آج اس نگاہ میں استحقاق تو تھا ہی پاکیزگی بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی لیکن وہ کتنا پشیمان تھا یہ صرف اللہ یا پھر براق خود ہی جانتا تھا۔ اس نے اپنی بھاری پلکوں کو ایک بار جھکایا۔ اس کی گریفائیٹ دھندلی آنکھیں دیکھ رہی تھیں کہ اس کی سولیم اس کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ پوری پشت کو ڈھانپے سیاہ آنچل اور کاہی رنگ کے سوٹ میں اس کمرے میں کھڑی ہے جو شروع سے سولیم کیلئے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس نے سیاہ موزوں میں قید اپنے پاؤں کی انگلیوں کو ہلایا کہ وہ سن ہوگئی تھیں اور قدم مزید بڑھائے۔ سولیم نے لب بھینچتے ہوئے چہرہ جھکایا تھا۔ وہ براق کا قریب آنا محسوس کر سکتی تھی جو لحہ بہ لحہ فاصلہ ختم کیے جا رہا تھا۔

"برو، تم ایک فائٹر ہو ایک واریئر چاہے پھر رنگ ہو یا زندگی تم نے ہر ایک مقام پر کامیابی حاصل کی ہے اور یہاں بھی تم کامیاب رہو گے، اپنے دل کو مضبوط بنا کر بھابھی کے سامنے جانا ہے۔ یاد رہے اب تم دونوں اس

بندھن میں بندھ چکے ہو جو اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔"

براق اس کے برابر پہنچ گیا تھا۔ سولیم کو لگا جو سات سال پہلے اس کی عزت گئی تھی اس کی کوئی وقعت نہیں تھی جو آج اس کی عزت جائے گی وہ اسے جیتے جی مار دیگی۔ اس کا چہرا مزید جھک گیا۔ ٹھوڑی کانپنے لگی۔ وہ اپنے چہرے پر نقاب ڈالنا چاہتی تھی خود کو چھپانا چاہتی تھی لیکن "قبول ہے، قبول ہے، قبول ہے" کہنے کے بعد یہ ممکن تھا؟ کیا وہ ایسا کر سکتی تھی؟ نہیں۔ وہ چاہ کر بھی ایسا نہیں کر پا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ لوہے کے ہو گئے تھے۔ اس زنگ آلود لوہے کے جو ایک بار اٹک جائے تو بس اٹک جاتا ہے انچ برابر بھی نہیں ہلتا۔ ان سٹل جیسے ہاتھوں اور واحد زندہ آنکھوں سے اس نے دیکھا، سیاہ موزوں میں مقید پاؤں اس کے سامنے آ کر رکے ہیں۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ وہ اتنی بھیگیں کہ پلکوں پر نمی کی تہہ کثیر تعداد میں جمع ہو گئی۔

براق نے بھاری ہوتے قدموں کو سولیم کے پاس سے گزارا اور تھوڑا سا ٹرن لیتے ہوئے وہ اس کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کی گریفائیٹ آنکھیں جھکی تھیں۔ ان جھکی آنکھوں نے سولیم کے دودھیا پاؤں دیکھے جن کے ناخن بالکل صاف اور تراشے ہوئے تھے۔ ان میں ایسی قدرتی چمک تھی کہ گویا ان پر شائنر لگایا گیا ہو۔ براق کی ناک ان پاؤں کو دیکھ کر پھول پچکنے لگی۔ اس کی گردن کی ہڈی وقفے وقفے سے اوپر نیچے ہو رہی تھی۔ چند ساعتیں گزارنے کے بعد اس نے خود میں ہمت پیدا کی۔ وہ اس کی پاؤں سے ہوتے ہوئے آنکھوں کو آہستہ آہستہ بلندی پر ڈال رہا تھا۔ سیاہی مائل سبز آستینوں میں مٹھی میں قید تنی رگوں والے ہاتھوں پر ایک لحظہ کو اس کی نگاہ جم گئی۔ وہ جان گیا اس کی سولیم نے اسے معاف نہیں کیا ہے۔ وہ اس سے آج بھی پہلے روز کی طرح ہی خفا ہے۔ تبھی اس کے ہاتھ یوں سختی سے بھینچے ہیں۔ براق کا دل بھرا اور اس بھرے دل میں یہ ڈر لاحق ہونے لگا کہ کہیں سولیم کی انگلیوں کے ناخن اس کی ہتھیلی کو زخمی نہ کر دیں۔ اس کی سانس تیز ہوئی تھی۔ اس تیز ہوتی سانس میں اس نے اچانک نگاہ اٹھائی اور اس کے چہرے پر جما دی۔ براق کی نگاہ اس پر کیا پڑی پوری دنیا ہی جامد ہو گئی۔ فلک پر اڑتے بادل تھم گئے، سمندر کی لہریں جم گئیں، زمین رک گئی اور تمام زندہ چیز پتھر کی ہو گئی ہو کر ریت کی طرح بکھرنے لگی۔ بکھر کر پوری کائنات میں اڑنے لگی۔ اڑتے اڑتے وہ ریت براق کی آنکھوں میں آن سمائی تھی۔

تبھی ایک سیلاب تھا، ایک سونامی تھی جو اس فائٹر، اس مرد کی آنکھوں سے برآمد ہوا تھا جو کب کا ختم ہو چکا تھا۔

اس نے بہت کوشش کی تھی کہ صرف دل بھرے آنکھیں نہیں لیکن اس چیز پر اختیار کس کا ہے جب پیغمبروں کے سردار محمد مصطفیٰ ﷺ رو سکتے ہیں تو وہ تو ان کی خاک برابر نہ تھا۔ایک معمولی بہت ہی معمولی سا ریت کا وہ ذرہ تھا جو اگر فنا بھی ہو جائے تو کسی کو کیا پتا چلتا،کون جانتا کہ کوئی براق شاہ تھا جو اپنی محبت کے آگے دل ہار بیٹھا تھا،آنکھوں پر اختیار کھو بیٹھا تھا تبھی موٹے موٹے آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر اپنی اوقات کے مطابق زمین بوس ہو رہے تھے۔اس نے ان بھیگی آنکھوں کے ساتھ لرزتی آواز میں بولنے کی ناکام کوشش کی۔اس نے دل میں چھپے لفظوں کو باہر نکالنا چاہا تھا۔اس نے وہ کہنا چاہا تھا جسے کہنے کی دل کے اندر بہت اندر ایک موہوم سی امید باقی تھی۔اس نے اپنی سولیم کا نام لینا چاہا تھا۔اس نے کوشش کی تھی جو کہ یہ تھی۔

"سول۔۔" بھاری، گیلی،ٹوٹی بکھری مردانہ آواز ان دو دھڑکتے دلوں کی آواز میں گونجی تھی۔گونج کر رک گئی تھی کیونکہ بولنے والا اپنا ضبط کھو بیٹھا تھا۔اس نے پسینے سے بھیگے ہاتھ اچانک آپس میں جوڑے،بھربھری ریت کی طرح زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔بیٹھ کر وہ اتنا اونچا اونچا رویا کہ در و دیوار ہل جائیں،زمین کرلا جائے ستارے ٹوٹ کر گرنے لگیں اور کہکشائیں جل جائیں،فنا ہو جائیں۔اس کی دھاڑیں کمرے سے باہر نظر آتے آسمان پر گدلے بادلوں کو جمع کرنے لگی تھیں۔وہ پرندے جو آس پاس اڑ رہے تھے اپنا دل تھامے زمین کا رخ کرنے لگے کہ اب ان میں پرواز کی مزید سکت نہیں رہی تھی۔ان کے چھوٹے دل پر کسی کے خون کے آنسو اتنا بوجھ ڈال رہے تھے کہ اس بوجھ کے سبب ان کے پر ناکارہ ہونے لگے اور وہ زمین کی اور بڑھنے لگے۔بڑھتے بڑھتے ایک فاختہ نے اندر کا منظر دیکھا جو کچھ یوں تھا۔

براق شاہ ہاتھوں کی مٹھی پر سر ٹکائے دوزانوں بیٹھا مردانگی کو سائیڈ پر کر کے،تمام شرم کو بالائے طاق رکھ کر اونچی آواز میں رو رہا تھا اور اس کے سامنے ساکت آنکھوں والی شخص کھڑی تھی۔

"سولیم،معاف۔" یہ دو الفاظ بامشکل اس کے حلق سے برآمد ہوئے تھے۔اس نے احتیاط سے سر اٹھایا۔ساڑھے سات سال بعد گریفائیٹ آنکھوں سے بھوری آنکھیں ٹکرائی تھیں اور یہ ٹکراتی شدید تھی کہ براق کو اچانک اپنا دل بند ہوتا محسوس ہوا۔اسے سولیم کی نظروں میں دور تک خود کیلئے نفرت دکھی تھی۔نفرت اتنی زیادہ تھی کہ یکدم اس کے دل نے دعا کی کہ کاش سولیم اسے نہ ملی ہوتی،کاش وہ سراب میں ہی جیتا رہتا،کاش وہ تشنہ ہی رہتا۔یونہی

تو نہیں انسان کو ناشکرا کہا گیا ہے۔ کل تک سولیم کی ایک جھلک دیکھنے کو بے قرار انسان آج یہ خواہش کر رہا تھا کہ کاش وہ اسے نہ ملی ہوتی، وہ غائب ہی رہتی تو کم از کم اس کا دل اتنے عرصے بعد بھی وہی جملے نہ سن رہا ہوتا جو وہ کہہ رہی تھی۔

"کس منہ سے معافی مانگ رہے ہو براق شاہ، کیا تمہیں لگتا ہے تمہارا منہ اس قابل ہے بھی کہ وہ "معافی" لفظ نکال سکے۔ اتنے پاکیزہ لفظ کو اپنے گندے حلق سے نکال کر آلودہ مت کرو۔"

وہ بول نہیں رہی تھی بلکہ زہر اگل رہی تھی جو رفتہ رفتہ اس کی رگوں میں منتقل ہو رہا تھا۔ اس نے اس زہر کی جلن پوری شدت سے محسوس کی۔

"آج میں تمہارے سامنے اس طرح کھڑی ہوں، خوش ہو گئے نا یہی تو چاہتے تھے تم، مجھے حاصل کرنا، خود کو جتوانا پھر چاہے وہ حلال طریقہ ہو یا حرام۔ ویسے ایک بات سمجھ نہیں آئی ساڑھے سات سال پہلے تم انسانیت کی دہلیز کو پار کر تو چکے تھے پھر اب یہ نکاح کس لیے۔ ایک بار مجھے مار کر تمہیں سکون نہیں ملا تھا جو ہر روز کی موت میرے مقدر میں لکھ دی ہے تم نے۔"

اس کی سولیم نہیں بدلی تھی۔ وہ ویسی ہی تھی جیسے ساڑھے سات سال پہلے تھی۔ ویسی ہی دل چیر کر رکھ دینے والی، جذباتوں کو پیروں تلے کچل کر آگے بڑھ جانے والی، آسانی سے مار دینے والی ہاں اس کے لفظ براق کو مار ہی تو رہے تھے۔ وہ سٹیچو بنا چہرا اٹھائے گیلی آنکھوں سے اس کے نشتر سہہ رہا تھا کہ وہ جو کہہ رہی تھی وہ اس سب کے آگے کچھ بھی نہیں تھا، جو وہ کر چکا تھا۔

"لیکن ایک بات ذہن نشین کر لو، میری محبت تو کیا میری نفرت کے قابل بھی نہیں ہو تم اس لیے یہ سوچ دل سے نکال دینا کہ میں تمہیں قبول کروں گی۔ تم چاہے ہزار روپوں میں آجاؤ میرے لیے آج بھی وہی براق شاہ ہو جو پہلے تھا جس کے وجود سے مجھے بو آتی تھی جو میرے لیے ایک آزمائش سے کم نہ تھا جس کے سامنے یوں کھڑے ہو کر مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں بیچ سڑک ننگی ہو گئی ہوں اور اس بات پر میں مرتے دم تک شرمسار رہوں گی۔"

سولیم کے آخری دو جملے براق کے دل پر ٹھاہ کر کے لگے تھے۔ وہ ان لفظوں کے بوجھ میں بامشکل کھڑا ہوا

تھا۔اس نے خود کو زور لگا کر بلندی پر ڈالا اور سولیم سے اونچا ہو گیا۔ہاتھ ابھی بھی بندھے تھے،آنکھیں ابھی بھی برسات کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ان ہی آنکھوں کی دیکھا دیکھی گدلے بادل چھلک پڑے اور باہر تڑاتڑ بارش ہونے لگی۔

"آپ۔۔"اس کی آواز پھر سے بھرا کر لڑکھڑائی۔اس نے گلے کو کھنکارا اور خود کو بولنے کیلئے تیار کیا۔

"آپ مجھ سے نفرت کرتی رہیں سولیم،میں کچھ نہیں کہوں گا،آپ مجھ سے گھن کھائیں یہ مجھے منظور ہے آپ مجھے تھپڑ ماریں،میرے منہ پر تھوک دیں میں سہہ لوں گا لیکن یوں لفظوں سے دل کو کاٹیں تو نا،آپ نہیں جانتیں مجھے آپ کے لفظ کتنا تکلیف دیتے ہیں۔"

وہ آج بھول گیا تھا کہ وہ ایک مرد ہے،وہ آج بھول گیا تھا کہ اس کی کوئی عزت نفس ہے،وہ آج بھول گیا تھا کہ اس کا کوئی سٹینڈرڈ ہے،وہ آج سب بھول گیا تھا یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ ایک فقیر ہے جو کاسہ ہاتھ میں لیے سامنے کھڑی ہستی سے معافی کا طلب گار ہے۔

"میرے بس میں ہو تو میں تمہارا دل چھری سے کاٹ دوں براق شاہ،تم مر جاتے تو آج یہ وقت مجھ پر نہ آتا،نفرت ہے مجھے تم سے،نفرت۔"وہ یکدم ہیجانی انداز میں چیخ پڑی تھی۔جھٹکا کھاتے ہوئے وہ اس سے دو قدم پیچھے ہوئی۔ایسا کرنے سے اس کے سر سے چادر نما دوپٹہ ڈھلک گیا تھا۔وہ چیخ رہی تھی،چیخ کر اپنی اتنے عرصے کی بھڑاس اس پر نکال رہی تھی۔

"تم مرے کیوں نہیں بتاؤ مجھے،پوری دنیا لمحہ بہ لمحہ مر رہی ہے۔تمہیں کیوں سانسیں ملی ہوئی ہیں،تمہاری میعاد کیوں طویل ہے،تمہارا دل کیوں نہیں بند ہوا براق شاہ کیوں؟جواب دو مجھے۔"

اس کے کالر کو ایک جھٹکے سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے وہ چیخ رہی تھی۔براق کا دل بند ہونے لگا،سانس رکنے لگا اور گھٹن محسوس ہونے لگی۔اس بند ہوتے دل کے ساتھ اسے سولیم کی کنڈیشن پریشان کرنے لگی جو آپے سے باہر ہو گئی تھی۔اس کا دوپٹہ سر سے پھسل کر شانوں پر اٹک گیا تھا۔

"تمہاری وجہ سے سب مجھ سے خفا ہو گئے،تمہاری وجہ سے شاکر مجھ سے جدا ہو گئے۔تم مر جاتے شاکر کی جگہ،کیوں نہیں مرے تم۔"

کہتے کہتے وہ زمین پر گر گئی تھی۔دونوں ہاتھوں کو چہرے پر رکھ کر وہ اپنا ضبط کھو بیٹھی تھی۔اب اس کمرے میں سولیم کی آہیں گونج رہی تھیں جو براق کا سانس اکھاڑ رہی تھیں۔ہاں اس کا سانس اکھڑنے لگا تھا اتنا زیادہ کہ عجیب وغریب آوازیں اس کے منہ سے برآمد ہونے لگیں۔وہ عجلت میں اپنی جیبوں میں ہاتھ مار رہا تھا۔اس نے اپنا رخ دروازے کی اور بڑھایا اور باہر نکل کر اسے بند کرتے ہوئے اس سے ٹیک لگالی۔اس دوران وہ انہیلر کو نکال چکا تھا۔سرخ ابلی ہوئی آنکھوں میں نمی تھی اور سینہ اوپر نیچے ہوتے ہوئے سانسوں کے ٹوٹنے کی وعید سنا رہا تھا۔

"تم مر کیوں نہیں جاتے براق شاہ،تم مر جاؤ۔"

سولیم کی خواہش اس کے کانوں میں گونجی تھی۔وہ گھٹنوں کے بل ٹوٹتی سانسوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے گرا تھا۔

☆......☆......☆

ایف آئی اے ہیڈ کوارٹر میں اس وقت کھلبلی کا سماں تھا۔فائلز کو ہاتھوں میں تھامے پریشان حال سب یہاں سے وہاں بھاگ رہے تھے تو کوئی بڑی ساری سکرینز کے سامنے کوئی کلپ بار بار دیکھ رہے تھے۔وہ کسی اور کی کلپ نہیں تھی بلکہ معروش کی کار کی تھی جب وہ ہیڈ کوارٹر سے کچھ فاصلے پر بہت ساری کاروں کی آمد پر رکی تھی۔ان کاروں کو بار بار زوم کر کے دیکھا جا رہا تھا لیکن ان میں سے کسی پر بھی نمبر پلیٹ درج نہیں تھی۔کوئی ایسی چیز بھی ان میں سے نہیں مل رہی تھی جس کے سبب شناخت کی جائے۔حفیظ کرسی کے بیک پر ہاتھ لگائے جھکتے ہوئے اس کلپ کو دیکھ رہا تھا جس میں مشتبہ شخص معروش کا راستہ روکتے ہیں اور اسے گن پوائنٹ پر باہر نکلنے کا کہتے ہیں۔

حفیظ نے اس پوائنٹ پر کلوز اپ کرنے کو کہا تو ایک کلک کے ساتھ ہی وہ مناظر پاؤس ہو کر زوم ہو گیا۔

"تھوڑا اور کرو۔" اس حکم پر مزید کلوز کیا گیا۔حفیظ نے اس آدمی پر نگاہیں گاڑیں اچانک اس کی نظر گن پر پڑی تھی۔اس کا نام،اس کا نمبر یکدم اس کے دماغ میں کلک ہوا تھا۔وہ،وہ جگہ چھوڑ کر فوراً سے ڈپٹی ڈائریکٹر کے کمرے کی طرف لپکا اور اجازت ملنے پر سلیوٹ مارنے کے بعد کہنے لگا۔

"سر،ہمارا شک درست تھا۔یہ سب کوبرا کا کارنامہ ہے بلاشبہ اس بات پر مہر لگ چکی ہے کہ خلیفہ تبریز اور سمندر خان حیات ہیں فارنسک رپورٹ ان کے اثرو رسوخ کی وجہ سے ہی غلط پیش کی گئی اور ہماری جانباز ایجنٹ کی گمشدگی میں بھی ان ہی کا ہاتھ ہے۔"

وہ مختلف کاغذ سامنے رکھتے ہوئے فرفر بول رہا تھا۔ ان کاغذات میں ابھی تازہ لی گئی تصاویر بھی تھیں جن میں اس آدمی کی گن پر فوکس کیا گیا تھا۔ ڈپٹی ڈائریکٹر نے آگے بڑھ کر ان کاغذات کو اپنی آنکھوں کے سامنے کیا اور چہرے پر زہر خند تاثرات سجا لیے۔

"میں جانتا تھا یہی سب ہوا ہوگا، برائی اتنی جلدی ختم ہو جائے ناممکن۔" غصے میں ان کاغذات کو میز کی سیاہ چمکتی سطح پر پٹختے ہوئے وہ جبڑا بھینچے کہہ رہے تھے۔ حفیظ کسی نتیجے پر نہ پہنچتے ہوئے سراپا سوال ہوا۔

"تو پھر آگے کی ہماری حکمت عملی کیا ہوگی؟" اسے بھی معروش بہت پسند تھی۔ ہوتی بھی کیوں نا۔ اپنی بہن کا درجہ جو دے چکا تھا وہ اس لیے چاہتا تھا کہ جلد از جلد وہ کوئی ایسا ایکشن لیں جس سے معروش صحیح سلامت ان کے سامنے آ جائے۔

"وہی جو پہلے تھی، ایک میچور پلان بنانا پڑے گا ورنہ پھر سے پیچھے رہ جائیں گے۔"

وہ اثبات میں سر ہلاتا باہر جا رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں معروش کی شبیہہ تھی۔ وہی معروش جو اس وقت بک ریک کے پاس کھڑی کسی چیز کی متلاشی تھی۔ دیوار گیر بک شیلف کی ایک ایک کتاب کو چھاننے کے بعد بالآخر اسے مطلوبہ چیز مل ہی گئی۔ وہ ایک موٹی نیلے رنگ کی جلد والی کتاب تھی جس کے کناروں پر سٹیل لگی ہوئی تھی۔ معروش نے اپنے بالوں میں سے پن کو نکالنا چاہا لیکن یہ کیا اس کے بالوں میں سوائے ربڑ بین کے اور کچھ نہ تھا۔

"بڑا بہادر بنتا ہے خلیفہ تبریز، ایک پن تک تو رہنے نہیں دی میرے بالوں میں۔" منہ میں بڑبڑاتے ہوئے اس نے اپنی انگلیوں سے کام لیا اور تھوڑا سا ان کو زخمی کرنے کے بعد اس سٹیل کو کتاب سے جدا کر دیا۔ ایسے کرنے کے بعد آٹھ تکون ٹکڑے تھے جو اس کے ہاتھ لگے تھے۔ وہ ان ٹکڑوں کو اپنی جینز کی جیب میں چھپا کر اب تفصیل سے اس کمرے کا جائزہ لینے لگی تھی جہاں کھڑکی سرے سے ہی نہیں تھی اور روشن دان کے نام پر ایک چھوٹا سا چوکور ڈبہ تھا جس کے آگے سفید بلائنڈز لگے ہوئے تھے یعنی وہ بھی بیکار تھا۔ اس نے خود کو بیڈ پر گرایا اور سوچنے لگی۔

"اگر میں معروش بن کر سوچوں تو کوئی راہِ فرار میرے ہاتھ میں نہیں ہے یعنی مجھے خلیفہ بن کر سوچنا ہوگا اگر میری جگہ وہ ہوتا تو کیا کرتا۔"

بنا لب ہلائے خود سے ہمکلام وہ گہری سوچ میں ڈوبی بیٹھی تھی۔اس نے خود کو سوچوں میں اتنا گمن کیا کہ جان ہی نہ پائی کب دروازہ کھلا اور وہ اس کے سامنے آن بیٹھا۔اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے کہہ رہا۔

"تمہاری سوچیں خطرناک معلوم ہوتی ہیں، ایک منٹ رکو۔" اس نے اپنا چہرا مزید اس کے قریب کیا۔

"نہیں یہ خطرناک نہیں بلکہ جان لیوا ہیں، مجھے ایسا کیوں لگ رہا تم میری موت کی تیاریاں کر رہی ہو۔" اچانک چونکتی معروش تھوڑا سا پیچھے کو کھسکی تھی، سر کو جھٹک کر اس نے سوچوں کو بھی پیچھے پھینکا اور آج اتنے دن بعد اسے یوں روبرو دیکھ کر برا سا منہ بنا گئی۔

"کاش ایسا ہو پاتا، میں تمہیں مار پاتی۔" لفظوں میں بے بسی وہ بیچارگی لیے وہ اسے دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ یہ گریز اس لیے تھا تا کہ وہ مضبوط بنی رہے ہاں اس وقت وہ بے بس ہو رہی تھی کیونکہ نوفل اسے بہت یاد آ رہا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا؟" وہ ٹھٹک اٹھا۔اس کی کہی بات ہی ایسی تھی کہ اسے چونکنا پڑا۔

"بچے مت بنو خلیفہ، تم جانتے ہو میں نوفل کو نہیں مار سکتی۔" پتا نہیں تقاضۂ وقت تھا یا ڈوبتا دل تھا جس کے سبب آخری الفاظ بولتے اس کی آنکھوں میں جھڑی لگ گئی۔لبوں کو بھینچے تو اتر سے آبشار کی طرح ٹپکتے آنسوؤں کے پار وہ اسے دیکھتے کہہ رہی تھی۔اسے خلیفہ کا چہرہ سمندر میں موجود لگا، ہلتا ہوا پانی میں بہتا ہوا۔

"اور میں یمن کو ورنہ اب تک تم آرام سے سو رہی ہوتی، یہی چیز مشترک ہے تم میں اور مجھ میں معروش، ہم دونوں اسی پوائنٹ پر آ کر بے بس ہو جاتے ہیں۔"

سر کو جھٹکا دیتے ہوئے وہ ایک جانب لب پھیلائے کہہ رہا تھا۔معروش نے اس کی بات کی نفی کی اور وہ کہا جو اس سمیت خلیفہ نے بھی سنا۔

"ہنہہ، بے بس اگر ایسا ہوتا تو تم گولی نہ چلاتے زخمی کر کے چھوڑ نہ جاتے۔" ہاتھوں کی پشت سے آنسوؤں کو رگڑ کر وہ تمسخر سے کہہ رہی تھی۔خلیفہ کو اس کا تمسخر برا لگا وہ جان گیا اس کا پوائنٹ کس طرف ہے۔

"جس طرح کی وہ ویڈیو بنی تھی اس پر زخمی کرنا تو بہت معمولی بات تھی روح کھنچنے پر بھی سکون نہ ملتا لیکن وہی

بات آجاتی ہے بے بسی پر، میں بھی مجبور ہو گیا تھا تبھی خناس نکالنے کیلئے وہاں گولی ماری جہاں نہ ہی ٹراما میں جانے کا خدشہ تھا اور نہ ہی موت آنے کا۔"

یہاں پر گجی پہلوان کے سامنے یمن کو گولی مارنے کی بات ہو رہی تھی۔ معروش نے چند ثانیے اسے تکا، تکنے کے بعد کمرے میں پھیلی گرمی میں بولی۔

"تم مجھے نانو سے کب ملوا رہے ہو؟" آواز متوازن تھی سوال پرسکون۔

"جب تم مجھے اپنا لوگی۔" انداز شریر تھا جواب پرشوق۔

"یعنی تم میرے مرنے کا انتظار کر رہے ہو۔" نفرت رفتہ رفتہ پھر سے آواز میں درنے لگی۔

"کہہ سکتی ہو، جب یہ بگڑی ہوئی معروش مرے گی تب ہی تو میری محبت میں ڈوبی معروش معرض وجود میں آئے گی ہے ناں۔"

وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ اس طرح ایک کمرے میں بند جانے اسے کتنا ٹائم بیت چکا تھا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے وہ کسی زندان میں آ گئی ہو۔ جہاں کوئی بھی رہزن نہیں جو اس کے بے چین دل کو سکون دے سکے۔ آج سے کچھ سال پہلے کی جو قید تنہائی تھی وہ اسے یہاں آ کر بے طرح ڈرا رہی تھی تبھی وہ جلد از جلد یہاں سے چھٹکارا پانا چاہتی تھی مگر سب کچھ جیسے رکا ہوا معلوم ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وقت رک گیا ہو، زندگی رک گئی ہو، لوگ رک گئے ہوں اور یہ دنیا بھی۔

"کون جانتا ہے کون کب تک جیے؟" یہ الفاظ بول کر وہ دروازے کی اور قدم بڑھانے لگی تھی، خلیفہ کے ماتھے پر بل پڑے۔

"اسے میں دھمکی سمجھوں یا وارننگ؟" وہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آن کھڑا ہوا۔ معروش نے احتیاط سے جینز کی اس جیب میں ہاتھ ڈالا جس میں وہ سٹیل کے تکون ٹکڑے تھے۔

"دونوں نہیں، بس صداقت لے آؤ اس بات پر کہ معروش حبیب ختم ہوئی۔" ایک سیکنڈ فقط ایک سیکنڈ لگا تھا معروش کو کھڑے کھڑے گرنے میں۔ خلیفہ آنکھیں پھاڑے اسے اور اس کے اردگرد پانی کی طرح پھیلتے خون کو دیکھنے لگا۔ معروش نے ان تکون میں سے ایک کو طاقت لگا کر اپنی گردن پر پھیرا تھا۔ ہاں اس نے ایسا کیا تھا

کیونکہ اسے ایسا کرنا ہی بہتر لگا۔ خلیفہ جیسے انسان کی باندی ہونے سے بہتر موت تھی۔ وہ موت جو مسکراتے ہوئے سج سج کر اس کی اور قدم اٹھا رہی تھی۔

"معروش۔" خلیفہ حلق کے بل چلایا تھا، ایک گھٹنے کو زمین پر ٹکا کر معروش کا سر اس پر رکھے وہ بری طرح اس کے گالوں کو تھپتھپا رہا تھا۔ معروش نے کھلی آنکھوں سے اس ظالم کی ہیجانی حالت دیکھی۔ ہاں اگر وہ ہوتا تو وہ بھی کسی کے ہاتھوں مرنے کی بجائے موت کو گلے لگا لیتا جیسے ابھی معروش نے لگایا تھا۔

"ویلکم ڈیتھ گڈ بائے خلیفہ تبریز۔"

☆......☆......☆

یہ فاروق کے کمرے کے اندر کا منظر تھا جہاں فردوس کے علاوہ دو نفوس اور بھی تھے جن میں سولیم اور براق کا شمار ہوتا تھا۔ بس فرق اتنا تھا کہ براق سر جھکائے اور سولیم سر اٹھائے بیٹھی تھی۔ فاروق ٹھنڈے انداز میں ان دونوں پر بھڑک رہے تھے اور وہ دونوں اپنی اپنی پوزیشنز میں بیٹھے انہیں سن رہے تھے۔

"آپ دونوں بڑے ہو، میچور ہو، عمر کی اس نہج پر ہو جہاں پر یہ بچگانہ حرکتیں بالکل سوٹ نہیں کرتیں لیکن آپ دونوں کا بہت شکریہ مجھے حیران کرنے کیلئے۔"

وہ اس موضوع پر براق کی حالت کے سبب ہی پہنچے تھے۔ انہوں نے سوچا تھا ابھی وہ فی الحال ان دونوں کو سپیس دیں گے اور ان کے معاملات میں نہیں پڑیں گے۔ اس دوران ہو سکتا ہے ایک ہیلدی ٹاک کے بعد وہ دونوں تمام مسائل حل کر لیں اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہوتا تو پھر وہ ان دونوں کو سمجھائیں گے لیکن یہاں پر تو بات ہی الٹ ہو گئی تھی۔ پہلے دن ہی انہیں اتنا بڑا جھٹکا لگا کہ معلوم ہوا ان کی سانس نکل گئی ہو۔ جوان اکلوتی اولاد کے بچھڑنے کا خوف اتنی قوت سے ان کے دل میں آ کر بیٹھا کہ ان کے پاؤں بیجان ہو گئے اور وہ براق کی حالت دیکھ کر دیوار کا سہارا تھام گئے۔ وہ تو شکر تھا اسد نے براق کے منہ میں پمپ کر دیا تھا ورنہ بہت دیر ہو جاتی۔

"اس نالائق سے تو میں ہر طرح کی امید وابستہ کر سکتا ہوں لیکن سولیم بیٹا، آپ سے مجھے اس چیز کی توقع نہیں تھی۔ آپ دونوں اپنی لڑائی میں یہ تک بھول گئے کہ ایک ایسا وجود بھی اس دنیا میں ہے جسے آپ دونوں کے سہارے کی اشد ضرورت ہے۔ کیا کوئی ایسے بھی والدین ہونگے جو اپنی اولاد کو بھول جائیں؟"

وہ دونوں الگ الگ صوفوں پر بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے فردوس بیڈ کے کنارے پر ٹکی ہوئی تھیں۔ دروازے کے پار اسد تھا اور سامنے ٹہلتے ہوئے فاروق شاہ، وہی فاروق شاہ جن کی بات کا جواب سر اٹھائے بیٹھی سولیم نے دیا تھا جو کہ یہ تھا۔

"آپ کچھ بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ آپ بڑے ہیں لیکن میں صرف اتنا کہوں گی مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا اور میں اس بات پر گلٹ محسوس کرتی ہوں کہ عبداللہ اس کا بیٹا ہے۔"

براق کی طرف دیکھے بنا اشارہ کرتے ہوئے وہ اس کے دل میں برف کے ٹکڑے بھر رہی تھی۔ اس کے دل میں پھیلتی ٹھنڈک کو بڑی شدت کے ساتھ فردوس، فاروق اور اسد نے محسوس کیا تھا۔ انہیں لگا تھا براق اس بات پر کچھ کہے گا لیکن وہ یونہی لبوں پر قفل لگائے، گردن اٹھائے، سر کو ٹیڑھا کیے اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے جسے جانے کب کب اس نے اللہ سے مانگا تھا، کس کس طرح اس کی طلب کی درخواست کی تھی وہی جواب یہ کہہ رہی تھی کہ اسے اس کے ساتھ نہیں رہنا۔ سادہ سا جملہ تھا مگر اس سادے سے جملے میں مخفی اذیت کی تکلیف کو صرف وہی محسوس کر سکتا تھا جس کے دل میں تھوڑی سی بھی محبت ہو اور اس کمرے میں بیٹھے سب نفوس کے دل محبت سے بھرے تھے سوائے اس کے جو اپنے فیصلے میں اٹل دکھتی تھی۔

"آپ نے تو مجھے لاجواب کر دیا ہے۔ اگر ایسا تھا تو آپ نکاح نہ کرتیں۔" ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فاروق نے الجھتے ہوئے سولیم کو سنا جو تمام لحاظ بالائے طاق رکھ کر اپنے نقطے ان کے سامنے بیان کر رہی تھی۔

"اگر مجھے زیرو پرسنٹ بھی علم ہوتا تو میں مر جاتی لیکن یہ نکاح نہ کرتی۔"

دل وہی توڑتا ہے جو اسے توڑنے کا فن جانتا ہے اور سولیم شفیق نے تو شاید اس میں پی ایچ ڈی کر رکھی تھی۔ وہ براق کے دل کو بے رحم لفظوں سے بھر کر اسے بیجان کر رہی تھی اور پھر بھی پر سکون تھی کیا بات تھی نا۔

"اب تو ہو چکا ہے بیٹا! کیا، کیا جا سکتا ہے۔ مت کہنا کہ آپ علیحدگی کا سوچ کر اللہ کو ناراض کرنے کا سامان کر رہی ہیں۔ میں نہیں چاہتا آپ اس بری چیز کی مرتکب ہوں۔"

براق کا پورا وجود سماعت بن گیا تھا بلکہ براق ہی کیا وہاں موجود ہر بشر ہی اس کی اگلی بات کا شدت سے منتظر تھا۔ ان کا انتظار زیادہ طویل نہیں گیا سولیم نے لب کھولے اور وہ کہا جو اسے کہنا تھا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں میں اس گناہ کی مرتکب نہیں ہونگی کیونکہ مجھے لگتا ہے جو گناہ پر گناہ کر کے ڈرتا نہیں ہے اسے یہ موقع دینا چاہیے۔ اپنے بیٹے سے کہیں مجھے آزاد کر دے، میں عبداللہ سے دستبردار ہونے کیلئے تیار ہوں۔"

چھن۔۔سب کے دل برف سے جم کر سخت ہوئے پھر ان میں دراڑیں پڑیں اور پھر وہ ٹوٹ گئے۔ ان ٹوٹے ہوئے دلوں کی آوازیں پورے عالم میں گونجی تھیں پر سنی صرف انہوں نے ہی تھیں جو سننے کی حس رکھتے تھے اور اگنور انہوں نے کیا تھا جو اس قابل نہیں تھے کہ سماعت رکھتے۔ وہ سماعت جو کسی کو ہی بخشی جاتی ہے، معرفت جن لوگوں پر ہوتی ہے وہ بہت خاص ہوتے ہیں عام تام نہیں۔ براق نے اپنا اوپر والا لب دانتوں میں جکڑ کر سختی سے پکڑا۔ اس کا چہرا گرمی کی لہر سے سرخ ہوا تھا۔ آئبرو کے اینڈ پر موجود سبز رگ بری طرح پھڑک رہی تھی اور وہ آنکھوں میں کرچیاں لیے اسے یک ٹک تکے جا رہا تھا۔ فردوس کی آنکھیں سولیم کی بات سے نمناک ہوئیں، پریشان تو فاروق بھی ہوئے تھے۔ وہ تو سمجھے تھے کہ سب ٹھیک ہو گیا ہے لیکن یہاں تو معاملہ ہی گڑ بڑ تھا۔ کوئی بھی امید کی کرن نظر نہیں آرہی تھی جو ٹھیک ہونے کا سائن دیتی۔

"سولیم بچے، ڈائریکٹ ان ڈائریکٹ آپ ہی گناہ کی۔" وہ ان کے بات کے درمیان ہی کھڑی ہو گئی یعنی اب مزید کچھ نہیں سننا چاہتی۔

"میں نے وہ سب کہہ دیا ہے جو مجھے کہنا تھا میرا فیصلہ آپ لوگوں کے سامنے ہے۔"

کہہ کر وہ رکی نہیں تھی۔ اسد اس کے آنے سے پہلے ہی پیچھے منہ کر کے ایک سائیڈ پر کھڑا ہو گیا تھا۔ سولیم نے ایک کڑی نگاہ اس انسان پر ڈالی جس کے سبب یہ سب ہوا تھا پھر اپنا چادر نما دوپٹہ سنبھال کر مڑ گئی۔ اس کے جاتے ہی اسد اندر آیا جہاں فاروق براق پر بھڑک رہے تھے۔

"سن لی تم نے اس کی ڈیمانڈ، دیکھ لی اس کی اکڑ۔ مجھے سمجھ نہیں آتا براق تم نے کیوں خود کو اس عذاب میں جھونک دیا ہے۔"

اس نے آنکھیں اٹھائیں اور سرد آواز میں بولا۔

"سولیم عذاب نہیں ہے آپ کو اپنے الفاظ واپس لینے ہونگے۔"

فاروق طیش میں اس کی اور بڑھنے لگے تھے جب اسد فوراً درمیان میں آیا۔

"انکل، انکل، پلیز کول ڈاؤن پرسکون ہو جائیں۔" وہ ان کے سینے پر ہاتھ رکھے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ فاروق نے اس کے ہاتھ جھٹکے اور صوفے پر سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"کیسے پرسکون ہو جاؤں بتاؤ مجھے، معاملے کی نزاکت کو دیکھا ہے تم نے، طلاق کا کہہ رہی ہے وہ اور یہ موصوف۔" وہ کچھ سخت کہتے کہتے رکے تھے۔ ہونٹوں پر ہاتھوں کی مٹھی کو باندھ کر انہوں نے فردوس کی اور نظروں کا رخ کیا۔

"آپ جا کر سمجھاؤ اسے۔ مان جاتی ہے ٹھیک نہیں تو پھر وہی کرتے ہیں جو وہ کہہ رہی ہے۔" ان کی بات کے درمیان میں ہی دروازے پر دستک دے کر عبداللہ اندر آیا تھا۔ براق نے فوراً گردن کو موڑا۔ پورے دن بعد وہ آج اسے دیکھ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر پدرانہ شفقت پوری شدت سے اٹھی اور وہ بانہیں کھول کر اس کی طرف بڑھا اور اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ وہ عبداللہ کو خود میں بھینچے اس کے گالوں پر پیار کرتا ہوا باہر کو جا رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل جو فاروق سولیم کی شرط ماننے پر نیم رضامند ہوئے تھے براق اور عبداللہ کی محبت دیکھ کر لب بستہ رہ گئے۔

"میں نے آپ کو پورا دن مس کیا، آپ کہاں تھے؟" آج عبداللہ کی آنکھوں میں ایک چمک تھی بالکل ویسی چمک جیسے رات میں سب سے زیادہ چمکتے تارے میں ہوتی ہے۔ براق اسے لیے اپنے کمرے میں آیا۔

"میں تو یہیں تھا، آپ کہاں تھے؟" وہ اسے بیڈ پر بٹھاتے ہوئے جلدی سے الماری کھول کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس میں سے وہ سب نکال رہا تھا جو کبھی اس نے عبداللہ کیلئے خریدا تھا۔ یہ تب کی بات تھی جب دونوں ہی اپنے رشتے سے بے خبر تھے۔

"آپ میرے الفاظ کاپی کرتے ہیں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ براق اتنا سارا سامان بیڈ پر لا کر رکھنے لگا اور اسے سننے لگا جو مزید کہہ رہا تھا۔

"اور یہ بات مجھے اچھی لگتی ہے، چلیں جان جائیں کہ میں اسد چاچو کے ساتھ تھا وہ مجھے پلے لینڈ لے کر گئے تھے اور آئس کریم پارلر بھی۔"

براق نے اس سامان میں موجود عبداللہ نام کی سیاہ کیپ نکال کر اس کے سر پر پہنائی پھر وہ اس کی بات اگنور

کر کے کہنے لگا۔

"عبداللہ، یہ ٹوائز، یہ کپڑے اور ساری کتابیں میں نے آپ کیلئے لی ہیں اور ایک منٹ۔" جذباتی سا براق شاہ واپس اپنی الماری میں گھسا اور ایک ویڈیو گیم نکال کر اس کے پاس لایا۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی براق ہے جس کے دل پر ابھی کچھ دیر پہلے قیامت گزری ہے؟

"اور یہ بھی آپ کیلئے ہے، عبداللہ آپ کو یاد ہے نا آپ نے ساری زندگی میرے ساتھ رہنا ہے۔ آپ مجھے یعنی اپنے۔۔ اپنے ڈیڈی کو کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤ گے، ہے نا؟"

وہ اس کے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے، آس و امید کے ساتھ اسے دیکھتا پوچھ رہا تھا جیسے اگر عبداللہ ہاں کہہ دے تو بس اس بات پر مہر لگ جائے گی اور وہ کبھی جدا نہیں ہونگے کبھی بھی نہیں۔

"مجھے یاد، میں یہ کبھی نہیں بھولوں گا۔" اور مہر لگ گئی تھی۔ کون تھا جو ان دونوں کو اب جدا بھی کر لیتا سوائے اس ذات کے جس کے تحت یہ کائنات وجود میں آئی اور یہ پیارے رشتے زمین پر اترے۔

براق نے اسے بھیگی آنکھوں سے گلے لگایا تھا۔ کچھ دیر یونہی رہنے کے بعد وہ اس سے الگ ہوا اس کے چھوٹے سے چہرے کو دیکھ کر کہنے لگا۔

"آج ہم دونوں ایک ساتھ نماز پڑھیں گے۔ ہم دونوں اللہ سے دعا کریں گے کہ وہ ہم تینوں کو ہمیشہ ساتھ رکھے کیونکہ یہ بات حقیقت ہے بیٹا، لوگوں کے فیصلے دعا کے آگے جھک جاتے ہیں۔ اللہ سے مانگی ہوئی چیز لوگوں کے بولوں کو پھیر دیتی ہے پھر وہی ہوتا جو اس نے کرنا ہوتا ہے بس یقین لازم ہے، ہمم۔"

وہ یہ بات کس پر رکھ کر کہہ رہا تھا یہ وہ دونوں ہی جانتے تھے۔ عبداللہ نے اثبات میں سر کو جنبش دی پھر شرمندہ لہجے میں کسی مجرم کی طرح اعتراف کرنے لگا۔

"لیکن مجھے نماز نہیں آتی، فالو کر سکتا ہوں زبانی پڑھ نہیں سکتا۔" یہ اعتراف تھا یا جھٹکا جو براق کو زبردست طریقے سے لگا تھا۔ اس جھٹکے نے ہی اسے بتا دیا کہ اس نے کس طرح اپنی زندگی گزاری ہے۔

"کوئی نہیں میں سکھا دوں گا، آپ اپنا موڈ ٹھیک کرو اور ماما کے پاس جاؤ وہ شاید اپ سیٹ ہیں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا تھا جب براق نے اسے پیچھے سے پکار لیا۔

"عبداللہ، آپ کو اپنی بات یاد ہے نا، ہم نے ساتھ رہنا ہے آپ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے۔" اس کی لرزتی آواز میں جو خدشات تھے وہ عبداللہ کی عمر کا بچہ نہیں جان سکتا تھا۔ ہاں اس کمرے میں موجود کھڑی براق شاہ کی بے بسی کو یہ آواز بڑی زور سے لگی تھی۔ یہ ڈر، یہ تشنگی ایسی تھی کہ براق اس سے بے حال ہو رہا تھا لیکن حالات کے ہاتھوں مجبور تھا۔

"آپ فکر نہ کریں، اللہ تعالیٰ مجھے بھی اتنے ہی عزیز ہیں جتنے آپ کو ہیں۔ میں ان کی بیڈ لسٹ میں نہیں آؤں گا۔" مسکرا کر طمانیت سے کہتے ہوئے وہ دروازہ کھول چکا تھا۔ براق کے سانسوں کی آواز اس کمرے میں کسی اداس گیت کی طرح گونج رہی تھی۔ اس کی سماعت میں وہ دل چیر الفاظ گونجے جو ابھی کچھ دیر پہلے اس نے بڑی ضبط سے برداشت کیے تھے جو کہ یہ تھے۔

"مجھے اس شخص کے ساتھ نہیں رہنا۔"

براق دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہوا اور کھڑکی کے پردے کھسکا کر رات میں تاروں کی طرح چمکتی گھروں کی لائیٹس اپنی بیجان آنکھوں سے دیکھنے لگا۔ بالکل ایسا ہی تھا وہ آج مر گیا تھا۔ سولیم کے لفظوں نے اسے مار دیا تھا۔ وہ اسے کہہ رہی تھی کہ اسے شاکر سے محبت ہے۔ وہ اسے "اس شخص" کے خطاب سے بلا رہی تھی وہ اس کے مر جانے کی خواہش ظاہر کر کے جتا رہی تھی کہ براق کے حصے میں آ کر وہ کس قدر ڈسٹرب ہے۔ اس کی روح کو کتنا بڑا دھچکا پہنچا ہے وہ اسے چھوڑ کر جا رہی تھی یعنی اس نے براق کو چھوڑنے کا تہیہ کر لیا تھا۔

رات کے اندھیرے میں چمکتی ہوئی دودھیا روشنی دیکھ رہی تھی کہ وہ جو اُن سے دور بہت دور شخص کھڑا ہے وہ شخص کتنا تنہا ہے، اس کا دل کتنا خالی ہے۔ ان روشنیوں نے ایک ساتھ نگاہ اٹھائی اور اللہ پاک سے درخواست کی کہ وہ جو اُن سے بہت دور شخص کھڑا ہے اس کی تنہائی کو ختم کر دے، اس کے خالی دل کو بھر دے۔ یہ دعا بیک وقت بہت سے لبوں سے برآمد ہوئی اور تیزی سے اڑتی ہوئی آسمان کی طرف جانے لگی۔ اب تو بس اس دعا کی قبولیت کا انتظار تھا۔ ان دودھیا روشنیوں کو بھی اور براق شاہ کو بھی۔

☆......☆......☆

یہ سٹی ہاسپٹل کا منظر تھا جہاں کوریڈور میں بچھی سٹیل کی لمبی قطاروں والی کرسیوں میں سے ایک پر خلیفہ تبریز

بیٹھا تھا۔ وہ ایسے بیٹھا تھا کہ اس کا سر جھکا ہوا تھا۔ دائیاں پاؤں برق رفتاری سے محوِ حرکت تھا۔ دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست ہو کر گود میں دھری ہوئی تھیں اور ساکن آنکھیں کسی بھی سوچ سے عاری سفید ٹائلز کے چمکتے فرش پر کسی انجان چیز کھوجنے میں مگن تھیں۔ اس کے دائیں بائیں دو مسلح گارڈ کھڑے تھے اور خلیفہ سے فرلانگ بھر کے فاصلے پر رمیز سیاہ یونیفارم میں ملبوس اپنے پولیس دوست سے کچھ راز و نیاز کرتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اس کوریڈور کے افقی جانب ایک شیشے کا دروازہ تھا جو ایک چھوٹے سے ہال میں کھلتا تھا۔ ہال کے بالکل سامنے ہی آپریشن تھیٹر کی سرخ بتی جل رہی تھی یعنی اس کے دروازے کے پار معروش حبیب زندگی و موت کی کشمکش میں مبتلا ڈاکٹروں کے رحم و کرم پر تھی جن کے پلاسٹک کی کیپ سے تھوڑے ڈھکے ماتھے پر اس شدید سردی میں بھی بار بار پسینہ آ رہا تھا جو انہیں سفید گلوز سے ڈھکی کلائی سے پونچھنا پڑتا تھا۔ نہیں آپ لوگ غلط سمجھ رہے ہیں اس پسینے کی وجہ معروش کی بگڑتی حالت نہیں تھی بلکہ وہ خلیفہ کی ہدایات تھیں جس نے ان ڈاکٹروں کے چھکے چھڑا دیے تھے۔

"اگر معروش کو کچھ ہوا تو سمجھو تم سب کی زندگی کی ڈور کٹ گئی۔ جان لو میرے سینے میں دل نہیں بلکہ پتھر فٹ ہے جسے ایک پل بھی رحم نہیں آتا اور بڈیز تم سب کی عورتیں (بیویاں پلس گرل فرینڈز) تب تک ان سیور رہیں گی جب تک معروش ٹھیک نہیں ہو جاتی۔ یقیناً تم لوگوں کو اپنی عورتوں سے محبت ہو گی۔"

آپریشن تھیٹر میں موجود ان چھ ڈاکٹرز کے دماغ میں ایک ہی انسان کے الفاظ ہتھوڑے کی طرح گونج رہے تھے تبھی وہ اپنی عورتوں کے خوف سے ہر ممکن کوشش کر رہے تھے کہ یہ آپریشن کامیاب جائے اور خون میں لت پت کٹے ہوئے نرخرے والی لڑکی کسی بھی طرح بچ جائے۔

"خلیفہ، میری ایرک سے بات ہو گئی ہے۔ اس سب صورتحال کو خفیہ ہی رکھا جائے گا جنم کالم ڈاؤن وہ ٹھیک ہو جائے گی۔"

اس کے شانے پر ہاتھ کا دباؤ ڈالتے ہوئے وہ جھک کر کہہ رہا تھا۔ کوریڈور کی اس ٹھنڈی زمین پر اپنے مضبوط بوٹ جمائے ہوئے وہ سفاک انسان جس کے لب بھینچے ہوئے تھے اور آج سر جھکا ہوا تھا رمیز کی آواز سن کر بولا، دواؤں کی مخصوص سمیل والی جگہ پر خلیفہ کے کہے گئے جملے رمیز سمیت کانوں میں بلوٹوتھ اور سیاہ چشمہ

لگائے ان مسلح افراد نے بھی سنے تھے جو کسی روبوٹ کی مانند چوکس کھڑے تھے۔

"میں جانتا ہوں وہ بچے گی کیونکہ ایسا ہونا ہی طے ہے لیکن جو بات مجھے کھٹک رہی ہے وہ یہ ہے کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ بہادروں سے بھی بہادر لڑکی خود کو ختم کرنے کی ترغیب کر بیٹھی، کیوں؟"

آدھے جملوں کے درمیان ہی اس نے سر اٹھا کر اپنی سنہری آنکھوں میں عجیب طرح کے سوالات درج کیے جنہیں پڑھ کر رمیز بھی سوچ میں پڑ گیا۔

"وہ ایسا کیوں کر رہی ہے رمیز، صرف اس لیے کیونکہ وہ میری تحویل میں ہے۔ ہنہہ کتنی بھولی ہے نا جو یہ سوچ بیٹھی ہے کہ اس طرح وہ آزاد ہو جائے گی۔ نہیں ایسا بالکل نہیں ہو گا کبھی۔۔۔ بھی۔۔۔ نہیں خلیفہ کی قید سے وہ کبھی آزاد نہیں ہو گی موت بھی اسے مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔"

تکبر میں انسان جب بڑے بڑے لفظ بول دیتا ہے تو آگے جا کر وہی لفظ اس پر چیخ چیخ کر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھ اے انسان! تو کتنا بے بس و نامراد ہے اور وہ جس پر تکبر سوٹ کرتا ہے کتنا پاورفل تیری طاقت بے معنی ہے اور اس کی طاقت لازوال تو ایک ہچکی کی مار ہے اور ازل سے ابد تک قائم ہے اور رہے گا بھی تو کون ہے، جو اس کی قدرت سے انکاری ہو سوائے ان کے جو بھٹک چکے ہیں بگڑ چکے ہیں اور اپنی بربادی کا سامان کر چکے ہیں۔

رمیز جانچتے ہوئے خلیفہ کے چہرے پر نظریں گاڑے کھڑا تھا۔ کچھ ایسا ناقابل فہم سا تھا جو خلیفہ کے پورے بدن سے لپٹا ہوا تھا اور جو اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"میں نے اول دن سے ہی کہا تھا معروش قید میں رہنا والا پرندہ نہیں ہے۔ ایسا کر کے ہم اپنی اور اس کی دونوں کی انرجی ویسٹ کر رہے ہیں۔ اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا خلیفہ کہ وہ کیا رہ چکی ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتی ہے۔"

رمیز نے ہر بار کی طرح اس بار بھی اپنے خدشے اس کے سامنے رکھ کر اسے چوکنا رہنے کو کہا اور خلیفہ نے ہر دفعہ کی طرح اس دفعہ بھی اس بات کو ہاتھ کو جھٹکا دے کر نظر انداز کر دیا۔

"ایک عورت بہت مضبوط ہو سکتی ہے لیکن اتنی نہیں کہ وہ خلیفہ تبریز کے اعصاب کو چٹخا سکے۔"

سر کو جھٹکتے ہوئے کہہ کر وہ سیدھے ہاتھ کی درمیانی انگلی میں پہنی گھڑی والی انگوٹھی میں وقت دیکھ رہا تھا۔ رمیز اس کی بات سے متفق نہیں ہوا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ صرف ایک عورت نے ہی اس کے اعصابوں کو چیخ دیا ہے لیکن وہ چپ رہا کیونکہ خلیفہ کے سامنے اس وقت بولنا پاگل پن تھا۔

"درست کہا، مجھے تمہیں ایک اہم بات بھی بتانی تھی اس کا تعلق ہمارے مہمانوں سے ہے۔"

وہ اس کا دماغ بٹانا چاہتا تھا تبھی دوسری بات چھیڑی جا سنا تھا۔ "مہمان" لفظ سے خلیفہ ضرور اس کی طرف متوجہ ہوگا۔ سٹی ہسپتال کے کوریڈور میں بیٹھا خلیفہ واقعی اس بات سے چونک گیا تھا۔ آنکھوں میں سوال درے اس کے بولنے کا منتظر رہا۔ اس کا انتظار زیادہ نہیں تھا۔ رمیز چند سیکنڈز کے وقفے کے بعد ہی بول اٹھا۔

"مرد کی حالت ناساز ہے یوں معلوم ہوتا ہے اگر اسے میڈیکل ٹریٹمنٹ نہ دی گئی تو آج رات اس نے مر جانا ہے۔"

خلیفہ کے ماتھے پر ان گنت بل پڑے۔ اس نے چہرہ ایک جھٹکے سے آپریشن تھیٹر والے ہال کی جانب موڑا تھا۔ آنکھوں میں سرخی لیے وہ رمیز سے کہہ رہا تھا جو وہ کہنا نہیں چاہتا تھا۔

"بچاؤ اسے، بچا کر پھر اس حالت میں لاؤ اور پھر بچاؤ اور پھر اتنا مارو کہ اس کی سات پشتیں بھی اس مار کو نہ بھولیں۔"

آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں بھرے وہ جلالی لہجے میں کہہ رہا تھا۔ رمیز کو اس مرد کی زندگی پر قطعی رحم نہیں آیا کہ رحم کھانا ان کی صفت میں تھا ہی نہیں۔ وہ خلیفہ کا حکم ان کرا شبات میں سر ہلاتا ہوا سائیڈ پر ہو کر فون نکال رہا تھا۔ یعنی جو خلیفہ نے کہا تھا اس پر عمل کروانے کو کہہ رہا تھا۔ اسی دوران ڈاکٹرز کی ٹیم ہال کا دروازہ کھول کر باہر آئی جسے خلیفہ اور رمیز دونوں نے دیکھ لیا تھا۔ چند قدم پاٹ کر وہ ڈاکٹرز خلیفہ کے سر پر پہنچے اور پر جوش آواز میں ایک ساتھ بولے۔

"آپ کی مریضہ خطرے سے باہر ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اگلے آدھے گھنٹے میں وہ اپنی آنکھیں کھول دیں گی، آپ کو ان کی نئی زندگی مبارک ہو۔"

وہ سب خوش تھے، خوش تھے تبھی خوف ان سے کوسوں دور کھڑا ہنس رہا تھا۔ وہ ایسا اس لیے کر رہا تھا کیونکہ

ابھی بس دو سیکنڈ بعد ہی ان سب کے گرد رقص کرتی خوشیوں کے پر جل جانے ہیں اور اس خوف نے ایک بار پھر ان کے دلوں پر اپنے پنجے گاڑ دیئے ہیں۔

"تم سب کو بھی اپنی نئی زندگی مبارک ہو۔" داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ نگاہیں اٹھائے انہیں کہہ رہا تھا۔ وہ بیٹھا اس لیے تھا کیونکہ اگر وہ کھڑا ہو جاتا تو ان سے لمبا نکلتا اور اسے یہ ہرگز منظور نہیں تھا کہ وہ ان سے نظریں جھکا کر بات کرے تبھی بیٹھا رہا۔ بیٹھ کر اپنی آنکھیں اٹھائے ان کی جھکی نظروں کو دیکھتا رہا۔

"آپ کا شکریہ یعنی ہم سب یہ سمجھیں کہ ہماری فیملیز بالکل محفوظ ہے۔"

فیملیز سے کیا مراد تھی وہ سب جانتے تھے لیکن بیچارے یہ نہیں جانتے تھے کہ ایک بار جو چیز خلیفہ کی دسترس میں آجاتی ہے وہ واپس نہیں جاتی۔

"تم سب محفوظ ہو اس سے بڑھ کر کیا چاہیے تمہیں اور رہی بات عورتوں کی تو انہیں بھول جاؤ۔ خبردار اگر چوں بھی کی تو، یہ میرے گارڈز تمہاری ہڈیاں بھی نہیں چھوڑیں گے۔"

خلیفہ کا دوغلا پن دیکھ کر ان میں سے ایک نوعمر ڈاکٹر اپنے لب کھولنے والا تھا جب اس کی بات پر تیز تیز سانس لیتا لبوں پر قفل لگا گیا کہ بہر صورت اپنی زندگی ہر زندگی پر بھاری پڑ جاتی ہے۔ وہ بھی مرنے سے ڈر گیا تھا تبھی گردن جھکائے اپنے باقی سٹاف کے ساتھ سر جھکائے چل دیا۔

"اگر انہوں نے ٹریٹمنٹ میں کچھ گڑ بڑ کر دی تو، میرے خیال سے انہیں ابھی اس چیز کے بارے میں آگاہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

وہ گارڈز کو پیچھے چھوڑ کر الٹے ہاتھ سے شیشے کا دروازہ دھکیلتا ہوا ہال میں داخل ہوا۔ رمیز بھی اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"ان کے باپ کی جرأت نہیں ایسا کرنے کی، میں یہاں آیا ہوں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں کمزور ہو چکا ہوں۔ میری دھاک اب بھی ویسے کی ویسی ہی قائم ہے۔"

آپریشن تھیٹر کے بالکل ساتھ موجود کمرے میں جانے سے پہلے اس نے مڑ کر رمیز کو کہا تھا۔ اس کا ایک ہاتھ ناب پر تھا اور رخ تھوڑا ٹیڑھا تھا۔ اپنی بات مکمل کر کے خلیفہ رکا نہیں دروازے کو جھٹکے سے کھول کر اس نے قدم

اندر رکھے اور ایک طائرانہ نگاہ پورے کمرے پر ڈالی جس کے کنارے پر رکھے بیڈ پر معروش مشینوں میں جکڑی بے سدھ سو رہی تھی۔ وہ دل کی دھڑکن دکھاتی مشین کے قریب آیا اور سست روی سے چلتی ان اوپر نیچے ہوتی لکیروں کو دیکھنے لگا جو معروش کے زندہ ہونے کا پیغام دے رہی تھیں۔

"تو یعنی یہاں بھی میں جیتا افسوس صد افسوس۔" اس کے بیڈ پر جگہ بناتے ہوئے وہ ٹکا تھا۔ ایک نظر ڈرپ لگے ہاتھ پر ڈالی اور پھر اسے اپنی چوڑی ہتھیلی پر اٹھا لیا۔

"اسی ہاتھ سے تم نے یہ بکواس حرکت کی۔ چاہوں تو سیکنڈ نہ لگاؤں کاٹنے میں لیکن یہ ظالم دل۔"

معروش کی پلکوں نے جنبش کی۔ ڈاکٹرز آدھے گھنٹے کا کہہ کر گئے تھے لیکن اس نے جاگنے میں فقط دس منٹ لگائے اور آنکھیں کھول دیں۔ اس کی ول پاور واقعی بہت سٹرونگ ہے۔ خلیفہ متاثر ہوا۔

"دیکھو معروش، تم جنت میں آ گئی مرنے کے بعد۔ اٹھو اور یہاں کی خوبصورتی دیکھو۔" اس کا مذاق بناتا وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ہنسی کا کھوکھلا پن واضح طور پر محسوس کیا جا سکتا تھا۔ معروش کی آنکھوں پر پانی کی پرت چڑھی۔

"ایسا مت کرنا آگے کیونکہ پھر میں تمہیں بچا لوں گا، سنو کیا ایسا کرتے ہوئے تمہیں اپنی نانو کا خیال بھی نہیں آیا؟" اس نے ایک اور بار دل پر وار کیا۔ برچھی اتنی زور کے ماری کہ معروش کی آنکھ کے کنارے سے پانی ٹپکنے لگا۔ اس نے ہمت جمع کر کے اپنا ہاتھ منہ تک کیا اور آکسیجن ماسک کو نیچے کرتے ہوئے لبوں کو بمشکل ہلایا۔

"میں۔" شدید ہمت کر کے زور لگا کر یہ لفظ اس کے منہ سے برآمد ہوا اور کیسا ہوا، بھاری، بھدا، لڑکھڑاتا ہوا۔ خلیفہ کو پتا چل گیا وہ کافی عرصے تک بولنے سے محروم ہو گئی ہے۔ ڈاکٹرز نے بھی تو یہی کہا تھا تبھی اس کی گردن کی رگیں تننے لگیں۔

"فضول ہے، جہت کرنا بالکل فضول ہے تمہاری اس اسٹوپڈ سی حرکت نے تمہیں کچھ عرصے کیلئے مفلوج کر دیا ہے۔ بولو گی تو گردن سے خون رسے گا اس لیے چپ، میں نے کہا بالکل چپ۔" اس کے دوبارہ کوشش کرنے پر خلیفہ نے آکسیجن ماسک اس کے منہ پر لگایا اور انگلی اٹھا کر بولنے سے منع کیا۔ وہ معروش کے چہرے پر نگاہ گاڑے کچھ بہت خاص سوچنے لگا۔ اس کی سوچوں کے عکس میں وہ چہرہ تھا جو اس وقت وہاں سے بہت دور ہونٹوں پر انگلی دھرے خلیفہ سے ملتی جلتی کیفیت میں بیٹھا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ سمندر خان تھا جس کی سوچوں کی

طنابیں خلیفہ کی سوچوں سے جاملتی تھیں۔ دونوں میں ایک ہی سوال تھا، ایک ہی تجسس۔

"حیرت ہے جو ماردے وہ مرجانے کی ترغیب کر بیٹھی، ہو نہ ہو کچھ بہت بڑی سازش ہو رہی ہے اور اس سازش سے مجھے خطرے کی شدید بو آ رہی ہے۔" لگژری اپارٹمنٹ کے اس ویلوٹ کے گہرے نیلے صوفے پر کروفر سے براجمان سمندر خان ساشا کی جگہ آئی ہک سے مخاطب تھے۔ وہ ساشا کی سیکرٹری تھی اسی کی طرح تیز طرار موقع شناس، یہ جگہ لینا تو کب سے اس کا مقصد بن گیا تھا جسے منزل ساشا کی موت سے ہی ملی تھی۔

"جہاں تک میری سکس سینس کہہ رہی ہے ہمیں اس لڑکی کو جانے دینا چاہیے کیونکہ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ پاکستانی ایجنسیاں صرف اسے ڈھونڈنے میں کتنی ایکشن میں ہونگی، اس کی یہاں موجودگی فقط ایک خطرے کے سوا کچھ نہیں۔"

صوفے کے ہتھے پر جمی اپنے بالوں کی لٹ کو گھماتے ہوئے وہ وثوق سے کہہ رہی تھی۔ اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ پر کھلے اس نقشے پر اور ان کے نیچے چلتی چھوٹی چھوٹی ویڈیو کلپس پر جمی تھیں۔ یہ پاکستان کے اہم مقامات کے مناظر تھے وہ، جہاں ان کا کالا کام اب بھی عروج پر تھا۔

"درست کہا، تم اچھا بولتی ہو لیکن خلیفہ کو زیادہ اچھے بولنے والے پسند نہیں اس لیے اس کے سامنے اپنی زبان بند رکھنا۔ ابھی تم فقط مجھے سنو اور جو میں کہنے جا رہا ہوں اس پر عمل کرنے کی تیاری پکڑو، ڈرو نہیں جیمز کے ساتھ جو ہوا وہ پلاننگ تھی۔ خلیفہ ایسا چاہتا تھا اس لیے تم گھبراؤ نہیں اور خود کو اگلے احکامات کیلئے تیار کر لو۔"

وہ لیپ ٹاپ کی سکرین کو بند کیے آگے جھک کر اسے کچھ کہہ رہے تھے۔ جیسے جیسے ان کے الفاظ فضا میں منتشر ہو رہے تھے ہک کا چہرہ رات کی سیاہی کی طرح تاریک پڑتا جا رہا تھا۔ وہ سمندر خان کی بات نہ مانتی اگر اسے اپنی زندگی پیاری نہ ہوتی لیکن یہ زندگی بھی نا۔

☆......☆......☆

رات کے طے ہونے کے بعد دن چڑھا تھا۔ اس چڑھتے دن کی ہر چیز نرالی تھی۔ ٹھنڈی ہوا، اڑتے پرندے، چمکتا زرد سورج، اسلام آباد اور براق شاہ جو اپنی ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا جیل سے جمے بالوں کو پیچھے کو سیٹ کر رہا تھا۔ کف لنکس لگ چکے تھے۔ ٹائی بندھی تھی اور گھڑی کو مب کرتے ہاتھ کے ساتھ محو حرکت تھی۔

جی ہاں یاد تو ہوگا آپ سب کو کہ براق شاہ لیفٹی تھا۔ اگر نہیں یاد تو کوئی بات نہیں۔ انسان تو ہے ہی بھولنے کی مشین۔ وہ تو مر جانے والے اپنوں کو کچھ عرصے میں بھول جاتا ہے پھر یہ تو فقط کہانی کا ایک کردار ہے۔ ایسا کردار جس کو نہ تو لکھنے والی آگے لکھنا چاہتی تھی اور نہ ہی وہ خود چاہتا تھا کہ اس کی کہانی ٹیپکل کہانیوں کی طرح بنے لیکن یہ قارئین بھی نا۔ اف آفرین ہے ان پر اور ان کی ضد پر۔

سیل فون کی گھنٹی پر براق کے کومب کرتے ہاتھ تھمے۔ اس نے اپنی کٹی ہوئی آبرو کو ہلکا سا اچکا کر نظریں جھکائیں اور گرے رنگ کی ڈریسنگ کی سطح پر رکھا۔ اس کا سیاہ فون وائبریٹ ہو کر گھومتا ہوا اسے ملا۔ اس کے سیل پر عبداللہ کی تصویر لگی تھی۔ موٹے سیاہ چشمے کے ساتھ مسکراہٹ دباتے عبداللہ کی ناک کے پاس اسد کالنگ لکھا آ رہا تھا۔ اس نے اچک کر سیل فون اٹھایا اور کال کو لاؤڈ سپیکر پر لگا دیا۔

"مجھے بتاؤ سولیم کو پا کر ایسی کون سی دنیا میں چلے گئے ہو تم جہاں پر تم کسی کو بھی میسر نہیں، شروع سے مجھے اس بات کا ڈر تھا اور وہی ہوا۔ بھول گیا نا مجھے احسان فراموش۔"

بالوں کو آخری پیچ دیتے ہوئے براق کے لبوں پر بڑی شکست خوردہ سی مسکان در آئی۔ وہ یونہی مسکراتے ہوئے شو ریک کی جانب بڑھا اور سوٹ کے ساتھ کا جوتا اٹھا کر ڈریسنگ سے تھوڑی دور صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی آواز کو وہیں ڈریسنگ ٹیبل پر رکھے فون تک پہنچایا اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہنے لگا۔ کہہ کر سننے والے کو آگ لگانے لگا۔

"میرے خیال سے میں آپ کو نہیں جانتا۔ برائے مہربانی بولنے سے پہلے اپنا نام بتایا کریں تاکہ شناخت ہو سکے۔" دھیمی مسکان کے ساتھ اپنا سیدھا پاؤں تھوڑا سا اونچا کیے اس نے چمچماتا ہوا سیاہ شوز پاؤں میں ڈالا اور اپنی سماعت کو آنے والے جواب پر لگا دیا۔

"بہت اچھے بیٹا، یہی کرنا تھا تم نے، تم سے اور امید بھی کیا کی جاسکتی ہے۔" براق کا یہ بدلا ہوا شریر انداز کتنے عرصے بعد اسے سننے کو ملا تھا۔ اس کے کان تھک گئے تھے اس طرح کے جملے سن سن کر۔ آج جب وہ اسے چھیڑنے لگا تو اسد کو معلوم ہوا واقعی سولیم اس کے نالائق دوست کیلئے زندگی سے کم نہ تھی۔

"ہاہاہا۔ اپنے دل کو تھام لو یہ سننے کیلئے کہ میں مر جاؤں گا لیکن تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ کیوں فون کیا تھا؟"

دونوں جوتے کو پاؤں کی زینت بنانے کے بعد وہ کھڑا ہوا اور کوٹ کے سامنے کا بٹن بند کرتے ہوئے شیشے میں خود کو دیکھنے لگا۔

وہ آج بھی ویسا ہی تھا جیسا ساڑھے سات سال پہلے تھا۔ بس فرق اتنا تھا تب اس کے بال گرے نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی آنکھوں کے کناروں کے گرد جھریاں نمایاں ہوئی تھیں۔ لبوں پر ہمہ وقت مسکان ہوتی تھی اور چہرہ زندہ اور چمکدار رہتا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھر کر اپنے اخروٹی بالوں میں پھیلتی جا بجا چاندی کو دیکھا۔ وہ سمجھتا تھا وہ بوڑھا ہو رہا ہے تبھی یہ رنگ اس کے بالوں میں آن ٹھہرا ہے جبکہ اس کی فیملی کے علاوہ سب کہتے تھے وہ آنے والے نئے فضول سے فیشن کی زد میں آ گیا ہے تبھی اس جوان انسان کے خوبصورت بالوں میں سفید تاریں ہیں۔

"اچھا تو یعنی فون کرنے کیلئے بھی اب کسی وجہ کا ہونا لازمی ہے۔" اسد کی چوٹ پر وہ ہنسا۔

"میں نے ایسا کب کہا، ٹھیک ہے ہم آج مل لیتے ہیں۔ آفس پہنچ جانا۔" اس کی اگلی بات سنے بنا ہی کال ڈسکنیکٹ کر گیا تھا۔

خود پر ایک نگاہ ڈال کر وہ کمرے سے باہر آیا اور وہاں کا رخ کرنے لگا جہاں دو دن پہلے جانے کے بعد وہ اندر سے بے طرح ٹوٹا تھا۔ وہ سولیم کے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ ان کی میڈ نے براق کو وہاں جاتے ہوئے دیکھا اور ہاتھوں میں تھاما سفید شہد ملا دودھ واپس لے جانے لگی۔ براق بھورے دروازے کے سامنے پہنچ کر رکا۔ آج پھر وہ اس کمرے میں جانے سے پہلے مصنوعی سانس حلق میں انڈیل رہا تھا۔ ایسا کرنے کے بعد اس نے گہری نیلی پینٹ میں ایک ہاتھ ڈالا اور دوسرے سے دروازہ کھٹکا کر اندر داخل ہو گیا۔

سولیم فیروزی رنگ کے سوٹ میں ملبوس اپنے بالوں کو چوٹی میں گوندھ رہی تھی جب دستک کے ساتھ وہ اندر داخل ہوا تھا۔ اس نے جلدی سے دوپٹہ اٹھا کر خود پر ڈالا اور ماتھے پر تیوری لیے اس جھکی آنکھوں والے کو دیکھنے لگی جو سر پر دوپٹہ جانے تک نگاہ نیچی کیے اندر آ رہا تھا۔ اس سے تھوڑے سے فاصلے پر رک کر براق نے نگاہیں اٹھائیں اور گلے کو کھنکارتے ہوئے متوازن لہجے میں بولا۔

"السلام علیکم کیسی ہیں آپ؟"

اس کی آواز میں تھوڑی سی جھجک تھی۔ سامنے کھڑی اس عورت نے وہ جھجک بھانپ لی۔

"تم یہاں میری خیریت معلوم کرنے آئے ہو؟" شکن آلود پیشانی، سینے پر بندھے ہاتھ، دبنگ انداز، اکتایا ہوا لہجہ اور سولیم۔۔۔سچ ہے کچھ چیزیں وقت گزرنے کے باوجود بھی نہیں بدلا کرتیں۔

"آں ایسا بالکل نہیں ہے بلکہ میں آپ سے اجازت لینے آیا ہوں۔" ایک ہاتھ سے اپنی کٹی ہوئی آبرو کھجاتے ہوئے دوسرے کو پینٹ کی جیب میں ڈالے وہ الجھا ہوا لگ رہا تھا۔سولیم کے ماتھے کی شکنوں میں مزید اضافہ ہوا۔اس کے پوچھنے سے پہلے ہی براق بول پڑا۔جانتا تھا اگر اس نے آگے کی بات نہیں کہی تو کوئی بعید نہیں تھی سولیم اس کی ایک بھی سنے بغیر باہر کا راستہ دکھا دے۔

"میں گزشتہ روز ہوئی بات کو زیر بحث لانا چاہتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ آج شام ایک تسلی بخش گفتگو ہمارے درمیان ہو۔کیا آپ چار بجے میسر ہوں گی؟"

سوچ سوچ کر، ٹھہر ٹھہر کر، وہ لفظوں کو ترتیب دیے اپنی بات ختم کرنے کے بعد چہرہ اٹھائے اسے دیکھ رہا تھا جو کاندھے اچکاتے ہوئے اپنا سر اثبات میں ہلا رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، ایسا ہے تو ایسا سہی لیکن ایک بات یاد رکھنا۔اس بات کا نتیجہ وہی ہوگا جو میں کہہ چکی ہوں۔اب تم جا سکتے ہو۔" اپنی بات ختم کرنے کے بعد وہ رخ موڑ چکی تھی۔ براق نے کچھ دیر اس کی پشت کو تکا پھر لبوں کو بھینچے دروازے کی جانب قدم اٹھا دیے۔اچانک وہ ڈور کی ناب تھامے رکا تھا یونہی اس نے خود کا رخ موڑا اور بولا۔

"سولیم، ایم سوری۔"

پاؤں کے گھٹنے سے کرنٹ نکل کر سولیم کے سر کے بالوں تک پہنچا تھا۔وہ اچانک مڑی تھی لیکن تب تک وہ دروازے کے اس پار اوجھل ہو چکا تھا۔براق کے ادا کیے گئے الفاظ، اس کا نام پکارنے کا انداز، سولیم دانت پیستے ہوئے خود پر ضبط کرنے لگی۔وہ یونہی ہاتھوں کی مٹھیاں بنائے کھڑی کڑھتی رہتی۔اگر جو اسے اچانک عبداللہ یاد نہ آ جاتا۔وہ فوراً دوپٹے کو درست کرتے ہوئے کمرے سے باہر آئی۔لمبی راہداری کو عبور کرتے ہوئے وہ براق کے کمرے کے عین سامنے موجود عبداللہ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹا کر اندر جھانک رہی تھی۔ پر وہ وہاں نہیں تھا۔ دروازے کو اچھے سے بند کیے ریلنگ پر ہاتھ رکھے وہ دائیں سائیڈ پر موجود دیوار پر لگی ڈھیر ساری نیچر پینٹنگز کو نظر انداز کرتی گول دائرے میں رکھے صوفوں والے لاؤنج میں آئی اور اسے پیچھے چھوڑ کر وہ بائیں ہاتھ مڑ کر جالی

والے سنہری دروازے کو کھول کر اندر داخل ہوئی جہاں سب سفید اور گولڈن امتزاج کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے دیسی اور ولایتی دونوں قسم کا ناشتہ سفید میز پر سجا ہوا تھا۔ انڈے کی شکل کی میز پر تین کرسٹل کے ٹیڑھے گلدان رکھے ہوئے تھے جس میں تازہ سفید پھول جھلملا رہے تھے۔ سفید کناروں والی گولڈن پلیٹس سب کے سامنے رکھی تھیں جس کے دائیں بائیں چھری اور کانٹا دھرا تھا۔ کارپٹ کے کلر کی تیز بھوری نیپکنز ان کے گھٹنوں پر موجود تھی۔ فقط وہ براق شاہ تھا جو ابھی اس نیپکن کو کھول کر اپنے گھٹنوں پر بچھا رہا تھا جب وہ اس جگہ داخل ہوئی۔ دروازے پر ہی اس کا ٹاکرا میڈ سے ہوا تھا جو اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"میم، میں آپ کو ہی بلانے آ رہی تھی۔"

مبہم سی مسکان لبوں پر سجائے وہ سائیڈ پر ہوئی اور سب کی نگاہوں میں آ گئی۔ براق ایک نظر اس پر ڈال کر کھانے پر جھک گیا تھا جبکہ وہ فاروق، فردوس اور عبداللہ تھے جو تا ہنوز اسے تکے جا رہے تھے۔

"ماما، میں آیا تھا آپ کو بلانے پر آپ شاید واش روم میں تھیں۔" اپنی ماں کے احترام میں کھڑے ہوتے ہوئے وہ فضول میں اسے وضاحت دے بیٹھا تھا۔ فردوس کو جہاں عبداللہ کے اخلاق پر پیار آیا وہیں سولیم کے سخت دل پر وہ افسوس کرنے لگیں جو اپنے اتنے پیارے بیٹے سے بڑے آرام سے علیحدہ ہونے کیلئے تیار تھی۔ وہی سولیم جس پر فردوس افسوس کر رہی تھیں۔ فاروق کے بلانے پر قدم آگے بڑھانے لگی۔ وہ عبداللہ کے پاس بیٹھتی اگر جو براق اس کے پاس نہ بیٹھا ہوتا اس لیے وہ فردوس کے ساتھ عبداللہ کے عین سامنے آ کر کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گئی۔ بیٹھنے سے پہلے اس نے سب کو مشترکہ سلام کیا تھا جس کا جواب علیحدہ علیحدہ اسے سب سے وصول ہوا۔

"سولیم بیٹا! میری ایک کولیگ ہیں جو کچھ حالات کی بنا پر ڈپریشن کا شکار ہیں۔ وہ مجھ سے کسی اچھے سائیکاٹرسٹ کے بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ میں نے انہیں آپ کا کارڈ دیا ہے۔ کیا آپ آج کلینک جائیں گی؟" فردوس کی بات کو اس نے بڑے غور سے سنا تھا۔ اس دوران وہ نیپکن کو گھٹنوں پر سیٹ کر چکی تھی اور جوس کے گلاس کو لبوں سے لگا کر اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔

"بالکل، دو دن جو میرے ضائع ہو گئے ہیں ان کے ازالے کیلئے مجھے اوور ٹائم بھی لگانا پڑے گا۔ بہت سے پیشنٹس آج منتظر ہوں گے اس لیے یقیناً میں آج ضرور جاؤں گی۔"

جوس کے گلاس کو لبوں سے ہٹاتے ہوئے وہ ملک بریڈ کو اٹھا کر اس پر املیٹ لگا رہی تھی۔ ان کی بات کا جواب دینے کے بعد وہ عبداللہ کی جانب متوجہ ہوئی جو براق کے ہاتھ سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔

"اچھی بات ہے۔" بات کرتے ہوئے ہچکچاہٹ ان کی آواز میں بھی تھی جسے فاروق نے بخوبی محسوس کیا۔

براق یونہی گردن جھکائے خود بھی ناشتہ کر رہا تھا اور عبداللہ کو بھی کروا رہا تھا لیکن اوور ٹائم لفظ پر اس نے ٹھٹکتے ہوئے گردن اٹھائی اور استفہامیہ نگاہوں سے ایک نظر سولیم کو دیکھنے کے بعد وہ اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گیا۔

"ماما، آج میں ڈیڈی کے ساتھ سکول جاؤں گا اور کیا میں واپسی پر بڑی ماما سے ملنے جا سکتا ہوں؟ مجھے وہ بہت یاد آ رہی ہیں۔"

اٹکتے ہوئے، جھجکتے ہوئے وہ ان تینوں نفوس کے درمیان بیٹھا اس سے اجازت لے رہا تھا۔ وہ اپنی بڑی ماما کی یہ بات جان بوجھ کر بھول گیا تھا کہ اگر آپ کو کسی بھی چیز کی کسی سے بھی اجازت لینی ہو تو تنہائی میں لیا کرو۔ سب کے سامنے کسی بھی بات کو ڈسکس کرنا یا اجازت لینا غیر اخلاقی حرکت ہے۔ اس نے سوری کہتے ہوئے دعا ماما کی بات کو رد کیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر اس نے تنہائی میں ایسا کیا تو اس کی ماما کبھی اسے وہاں جانے کی اجازت نہیں دیں گی۔ وہ ان لوگوں سے خفا ہیں یہ بات اسے سمجھ آ گئی تھی۔

"ٹھیک ہے آپ جا سکتے ہو لیکن یاد رہے رات میں آپ کو گھر آنا ہے۔"

تنبیہ کرتے ہوئے وہ وہاں سے اٹھنے والی پہلی فرد تھی۔ فاروق نے اسے وہاں سے جاتے ہوئے دیکھا پھر براق کی طرف اپنا رخ کیا۔

"برخوردار! آج رات فارغ ہو کر میری بات سننا۔ وہ بہت اہم ہے بھولنا نہیں۔"

سولیم نے اپنے بیٹے کو آرڈر دیا تھا اور فاروق نے اپنے بیٹے کو، دونوں بیٹوں نے تابعداری سے ہاں میں سر ہلا دیا کہ وہ دونوں ان دونوں کو ناراض نہیں کر سکتے تھے۔

☆......☆......☆

نیم اندھیرے کمرے میں اس سمے موت کا سا سماں تھا۔ موت بھی ایسی تھی کہ موت خود کانپ جائے۔ وہ آدمی جو پاکستان سے لایا گیا تھا اس کے دونوں ہاتھ کھینچتے ہوئے دائیں بائیں دیوار سے بندھے ہوئے تھے۔

موٹی زنجیریں تھیں جو اس کی کلائی کو پھاڑتے ہوئے اس کی ہڈی میں گھسنے کی سعی میں تھیں۔ چہرہ ایک جانب لڑھکا ہوا تھا جس پر جابجا زخموں کے نشانات تھے۔ ان نشانات میں سے خون بھی رس رہا تھا۔ ایک آنکھ اتنی سوج چکی تھی کہ معلوم ہوتا تھا وہ پھٹ چکی ہے۔ ہونٹ غبارے کی طرح سوجے ہوئے نیلے تھے اور آدھا وجود اس شدید سردی میں یخ بستہ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ وہ پانی اس لوہے کے ڈرم میں تھا جس کے عین سامنے سوئچ بورڈ لگا تھا۔ اس بورڈ کے ذریعے ہر آدھے گھنٹے بعد پانی میں کرنٹ کی تار کو چھوڑ دیا جاتا تھا۔ ابھی ابھی بس کچھ سیکنڈز پہلے ہی وہ ان جھٹکوں سے بے حال نیم مردہ سا ہوا تھا جب اس چھوٹے سے کمرے میں لوگوں کے شور کی آواز گونجی۔ چند آدمی اس کی سمت بڑھ رہے تھے۔

"خان کا آرڈر ہے اسے کھول کر دوا داروکی جائے۔" ایک چینی شراب میں ٹن اس حکم کو جاری کر رہا تھا جو ابھی کچھ دیر قبل ہی ان کو ملا تھا۔ وہ یہ الفاظ پچھلے بیس منٹ میں ایک سو ساٹھ دفعہ دہرا چکا تھا۔ وجہ کہ وہ ابھی اس شخص پر تشدد کرنا چاہتا تھا جس نے ان کی اناؤں کو بھڑکا دیا تھا۔

"ہاں جان گئے ہیں اس حکم کو لیکن یقین مانو روح کو بڑی تکلیف پہنچی یہ سن کر۔" اس کا ایک اور ساتھی اسی ٹون میں بول کر ایک اچٹتی نگاہ لٹکے ہوئے خوبرو شخص پر ڈال گیا جس کی ربز (سینے کی ہڈیاں) توڑتے ہوئے اسے بڑا سکون ملا تھا۔ اس بات سے کچھ بعید نہیں تھا کہ وہ آج اس کے کان کاٹنے کی خواہش رکھتا تھا۔ آہ پر یہ حکم!

"اس سب کے بعد یہ منحوس بہتر ہوگا، کیا نہیں ہوگا؟" وہ آنکھوں میں سوال دھرے اپنے ساتھی پر پریشان کن نگاہ گاڑے سراپا سوال ہوا۔ ان کے ساتھ آئے چند لوگ ان زنجیروں کو کاٹنے کے بعد ٹھٹھرتے پانی کے ڈرم میں گرتے اس نیم مردہ وجود کو نکال رہے تھے جو ان کے بازوؤں میں ایسے جھول رہا تھا جیسے اسے قضا ہو چکی ہو۔

"اس میں کوئی شک نہیں لیکن اے دوست ڈرو نہیں یقیناً یہ ایک بے ضرر انسان ہے جس سے خوف کھانا بزدلی ہے۔ کچھ وقت بعد میری آنکھیں اس کی حالت اس سے بھی ابتر دیکھ رہی ہیں۔ تم جھانک لو ان آنکھوں میں، میں سچ کہہ رہا ہوں۔"

وہ اپنے دوست کے ساتھ اس کمرے سے باہر آیا۔ ان کے کچھ ماتحت اس آدمی کو ڈنگا ڈولی کیے ایک کمرے میں لائے اور کسی کوڑے کی طرح اسے بیڈ پر پھینک دیا۔ سفید اوورآل پہنے وہ ان کا ذاتی ڈاکٹر تھا جو خان کے

فیصلے سے ناخوش اس آدمی کا معائنہ کرنے کیلئے اس پر جھک گیا تھا۔

"آبر، کہہ دو زندگی اس کا مقدر ہے۔ ہم دونوں نے مزید اس پر ہاتھ صاف کرنا ہے۔ آہ، میرا آج کا منصوبہ۔" وہ ادھیڑ عمر چینی جس کے آدھے دانت گلے ہوئے تھے اور آنکھیں چھوٹے بٹنوں کی طرح اپنی زرد رنگت پر مزید پیلاہٹ سجائے کف افسوس ملتے ہوئے بولا۔ اس آدمی پر جھکا ہوا آبر ماتھے پر شکنوں کے جال لیے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"مشکل ہے، اس کا ناتواں جسم جن مظالم سے گزر چکا ہے مجھے نہیں لگتا یہ زیادہ دیر تک سروائیو کر پائے گا۔ اگر ایسا ہو گیا تو تم دونوں فوراً سے خان سے اجازت لے کر اس کے آرگن مارکیٹ میں بھیج دینا، یہ جوان ہے اس کی قیمت زیادہ ملے گی۔"

آبر مایوسیوں کی تمام حدوں کو تھامتے ہوئے پر تیقن لہجے میں کہہ رہا تھا۔ ان دونوں چینیوں کو دھڑکا لگا، اگر ابھی وہ مر گیا تو وہ تمام خواہشات جو اُن کے دل میں حسرت بن کر بیٹھی ہیں کیسے پوری ہو پائیں گی۔ وہ آبر کو جھڑکتے ہوئے بولے۔

"ہرگز نہیں بدھا اسے کچھ نہیں ہونے دیگا۔ تم اپنی سی کوشش کرو لیکن اسے زندہ کرو میں نے اس کے کان کاٹنے ہیں اور وہ چیخیں سننی ہیں جو میری روح کو تسکین دیتی ہیں۔"

آبر نے اس آدمی کے کپڑے تبدیل کروائے اور اس ہاسپٹل کے طرز کے ہال میں موجود ایک بیڈ پر لیٹے ہوئے اس آدمی کی زندگی کیلئے تگ و دو کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا اگر یہ نہ بچا تو خان نے اسے فنا کر دینا ہے اس لیے اپنے چند ایک ماتحتوں کے ساتھ مل کر اس سانس توڑتے انسان کو آخر کار زندگی کی طرف دھکیل ہی دیا جہاں وہ آدمی آکسیجن ماسک لگائے ہوش و خرد سے بیگانہ تھا، وہیں اسی جیسے ملتے جلتے کمرے میں معروش پوری آنکھیں کھولے چھت پر نگاہ ٹکائے بلینک دماغ کے ساتھ لیٹی ہوئی تھی۔ اس کا دماغ خالی تھا لیکن آنکھوں میں پانی کی پرتیں جمع تھیں۔ وہ بچ گئی تھی زندگی اسے مل گئی تھی۔ اس زندگی کے ساتھ اسے وہ بے پناہ دکھ بھی ملے تھے جنہوں نے اس کے دل کو چھلنی کر دیا تھا۔ آج اتنے عرصے بعد اسے پاکستان کی یاد ستانے لگی۔ وہاں موجود لوگ، اس کے کولیگز، ڈپٹی ڈائریکٹر، نانو اور نوفل۔ نوفل نام پر ایک سمندر تھا جو ان سیاہ آنکھوں سے بہہ نکلا تھا۔ وہ ان

آنکھوں کے اوپر موجود سمندر میں ان مناظر کو دیکھ کر مسکرائی جو کبھی ماضی کا حصہ رہ چکے تھے جو کہ یہ تھے۔

"اچھا ایم سوری معروش، پلیز مجھے معاف کر دیں۔ میں سچ کہہ رہا ہوں آج کے بعد آپ سے نہیں لڑوں گا آپ پلیز روئیے گا مت۔"

وہ یکدم ہنسنے لگی تھی۔ پلکیں جھپکا کر حلق میں اٹکتے گولے کو اندر دھکیلا۔

"واللہ جب آپ جیسی بیوی ملے تو اچھے سے اچھے انسان کے چھکے چھوٹ جائیں۔ میں تو پھر ایک معصوم سا شریف سا اندلسی ہوں جسے ان مشرقی محبتوں کے بارے میں قطعی علم نہیں۔ اب مجھے کیا پتا تھا کہ آپ کی بنائی گئی ایپل پائی کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے ملانے ہیں۔ آپ نے گھور کر دیکھا تو میں بوکھلا گیا میں کیا کوئی بھی بوکھلا جاتا معروش۔"

اس نے اپنی خشک زبان کو تر کرنے کیلئے ہونٹوں پر پھیرا۔ اس کی ناک پھول پچکنے لگی تھی۔

"معروش! میں آخری دم تک آپ کے ساتھ رہوں گا آپ کا محافظ بن کر، یقین کریں اپنے نوفل پر، یہ جھوٹ نہیں بولتا۔"

دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر بھی اس کی سوچوں کی طنابیں نہیں ٹوٹی تھیں۔ جب سوچوں میں موجود نوفل معروش کو اپنے ساتھ کا یقین دلا رہا تھا اسی وقت خلیفہ بیڈ کے کنارے پر جگہ بنا کر بیٹھا اور ہاتھ بڑھا کر دونوں انگوٹھوں سے اس کی آنکھوں کو رگڑ ڈالا۔ معروش اس لمس سے اس احساس سے کرنٹ کھا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ پانی سے تر پلکوں کے ساتھ اس نے آہستہ سے خلیفہ کا ہاتھ اپنے چہرے سے ہٹایا جو اس کے ماتھے پر بکھرے بالوں کو سائیڈ پر کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"مجھے تم جیسی بہادر لڑکی کو یوں ٹوٹتے ہوئے دیکھ کر حقیقتاً افسوس ہو رہا۔ ہے بتاؤ کس نے تمہیں رلایا ہے۔" لہجے میں فکر گھولے وہ فرعون صفت انسان اپنی سورج سی چمکتی آنکھیں اس گرہن لگی لڑکی پر گاڑے ہوئے تھا جس کا چاند کہیں کھو گیا تھا۔

"نوفل کی یاد نے۔" یک ٹک اسے تکنے کے بعد بامشکل اس کے لب ہلے تھے۔ خلیفہ ان لبوں کی جنبش پر ٹھٹھرا گیا۔ آہستہ سے جبڑے بھینچے اور گردن جھکا کر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"جو ہے ہی نہیں اسے سوچ کر کیا تکلیف اٹھانی۔ بھول جاؤ اسے کہ وہ فقط ایک بہروپیے کے اور کچھ نہ تھا۔"

خلیفہ کے ان دل شکن لفظوں پر اس نے آنکھیں میچیں۔ تکلیف اس کے پورے چہرے پر اپنے پنجے گاڑے ہوئے تھی۔ توقف کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں اور خود کو دیکھتے شخص کو وہ کہہ بیٹھی جو شاید وہ کبھی نہیں کہنا چاہتی تھی۔

"خلیفہ! کیا تم نوفل نہیں بن سکتے، چند دن، چند گھنٹوں کیلئے پلیز۔" کیسی التجا تھا جس نے اسے اندر باہر سے ہلا دیا تھا۔ ایک لمحے کو خلیفہ کا دل زور سے دھڑک کر رکا پھر اس نے بھی وہ کہا جو شاید وہ بھی کبھی نہیں کہنا چاہتا تھا۔

"میں ہمیشہ کیلئے نوفل بن سکتا ہوں مگر ایک شرط ہے۔"

معروش یک لخت کہنیوں کے بل اٹھ کر بیٹھی۔ کتنی نقاہت تھی جو اس کے وجود میں بیٹھ چکی تھی۔ اس کی گردن پر چاروں جانب پٹی بندھی ہوئی تھی اور بولنے میں بھی دشواری ہوتی تھی لیکن وہ بول رہی تھی کیونکہ اسے بولنا تھا۔

" کیسی شرط، اگر میں کہوں نوفل کے عوض مجھے سب منظور ہے تو؟"

خلیفہ نے اپنے لب کچلے اور اس کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے اپنی دائیں ٹانگ بیساختہ ہلانے لگا۔ یہ اس کے ضبط کی انتہا کی دلیل تھا۔

" کچھ باتوں کو جان لینے کے بعد انسان ان سے دلچسپی ختم کر دیتا ہے اور یقین سے کہتا ہوں تم بھی ایسا ہی کرو گی کیونکہ میری شرط تمہارے اعصاب پر گراں گزرنے والی ہے وہ اور کچھ نہیں بس یہ ہے کہ تم یہاں میرے ساتھ میری یمن بن کر رہو، تم کبھی معروش تھی بھول جاؤ اس بات کو، تم پاکستان میں کیا تھی اسے بھی دماغ سے ریز کر دو۔ یاد رکھو تو فقط اتنا کہ تم نوفل کی بیوی ہو جس کا نام یمن تھا۔ کہا تھا نا یہ بات تمہارے فیصلے کے آگے چٹان بن جائے گی۔"

وہ اس کے تاثرات کو جانچنے کے بعد نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ اٹھتا معروش نے اس کے ہاتھ کو تھوڑا آگے جھک کر پکڑ لیا۔ خلیفہ نے اچانک سے گردن جھکائی تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب وہ سب کچھ جاننے کے بعد اسے چھو رہی تھی۔ خلیفہ نے جھکی گردن اٹھا کر اپنی تیز چمکتی ہوئی سنہری آنکھیں اس کی سیاہ آنکھوں میں ڈال کر وہاں روشنی کی اور اپنے دل کو اس کی باتوں سے منور کرنے لگا۔

"یہ مان لینا بہت جان لیوا ہے کہ میں یہاں اب تمہارے رحم و کرم پر ہوں لیکن یہی حقیقت ہے۔ اس

حقیقت کو نہ میں جھٹلا سکتی ہوں اور نہ ہی تم۔اس لیے مجھے تمہاری ہر بات منظور ہے۔میں معروش حبیب آج ابھی اوراسی وقت خود کو نیا نام دیتی ہوں۔میں اب سے یمن حیات ہوں۔"

خلیفہ کی آنکھوں میں تحیر کا سمندر امڈ آیا۔وہ اپنے ہاتھ پر اس کی گرفت محسوس کرر ہا تھا۔اس کی آنکھوں نے دیکھا سامنے بیٹھی لڑکی کھسک کر اس کے قریب آئی اور اس کی کہنی پر دونوں ہاتھ باندھ کر شانے سے سر لگا گئی۔وہ دائیں جانب گردن موڑے حیرت سے اسے تکنے لگا جس کے آنسو اس کی گہری سبز رنگ کی وول کی جیکٹ میں جذب ہو رہے تھے۔

"یمن!" اسے لگا عرصہ دراز بعد اس نے یہ نام پکارا ہے۔ایک عجیب سا احساس تھا جو اس وقت اس کے رگ و پے میں سرایت کرر ہا تھا۔وہ اس وقت ٹرانس کی کیفیت میں تھا۔

اس روبوٹی دن کے تھکی سی شام میں براق عبداللہ کو اس کی نانو کے گھر چھوڑ کر وہاں سے ایک کپ چائے اور کچھ سنیکس کھانے کے بعد بل کھاتی سڑک پر اپنی گاڑی دوڑاتا ہوا الفا کلینک کے آگے آ کر رکا۔ یہ اس کی سویلم کا کلینک تھا اور آج پہلی بار وہ وہاں کوئی پیشنٹ بن کر نہیں بلکہ سویلم کے شوہر کی حیثیت سے آیا تھا۔ کار کو پارکنگ میں لگانے کے بعد وہ گرے ٹکسیڈو میں ملبوس سامنے کوٹ کا بٹن بند کرتے ہوئے لمبے لمبے ڈگ بھرتا آٹو میٹک کھلتے دروازے سے اندر داخل ہوا اور سکارف اوڑھے مسکراتے چہرے والی ریسپشنسٹ کے پاس آ کر رکا۔

"السلام علیکم! مجھے ڈاکٹر سویلم سے ملنا ہے۔" دونوں ہاتھ سفید ماربل کے کاؤنٹر نما دیوار پر ٹکائے وہ تھوڑا سا جھکتا ہوا اسے کہہ رہا تھا۔ اس لڑکی نے پیشہ ورانہ مسکان کے ساتھ اسی لہجے میں اس سے دریافت کیا۔

"کیا آپ نے اپائنٹمنٹ لے لی ہے؟"

براق نے اس کے پوچھنے پر اثبات میں سر ہلایا اور یہ سچ بھی تھا صبح ہی تو اس نے بذات خود سویلم سے اجازت طلب کی تھی۔ وہ لڑکی اب انٹرکام اٹھائے مزید اس سے پوچھ رہی تھی۔

"آپ اپنا نام بتائیں پلیز۔" وہ لڑکی آنکھوں میں الجھنوں کے رنگ لیے براق کے نقوش کو کھوجتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ براق اس کی اس حرکت پر تھوڑا عاجز آتا ہوا اپنی آ ئبرو کھجاتے ہوئے بتانے لگا۔ اس لڑکی کی نظر اب اس کی آئبرو پر تھی۔

"براق شاہ۔" دو لفظوں کو ادا کرنے کے بعد وہ اب لڑکی کے چہرے پر پھیلتی ہوئی چمک پر جھنجھلایا جو ایکسائیٹڈ سے تقریباً چیختے ہوئے سرخ ٹماٹر زدہ چہرے کے ساتھ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"براق شاہ، مطلب فائیٹر براق شاہ، باکسر ہے نا؟" سرخ ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے گال دہکنے بھی لگے تھے۔ براق نے ماتھے پر ناگواری کی شکنیں دھریں اور سختی سے اس کی بات کی تردید کرتے ہوئے گویا ہوا۔

"آپ کو نہیں لگتا آپ کو دوسروں کی خبر گیری کرنے کی بجائے اپنے کام پر فوکس کرنا چاہیے۔ آپ غلط ہیں میں باکسر نہیں ہوں میں صرف براق ہوں۔"

مہذب طریقے سے جھڑکتے ہوئے وہ اس کے اترے چہرے کی پرواہ کیے بنا صوفوں کی جانب بڑھا اور

ایک میگزین اٹھا کر اس کی ورق گردانی کرنے لگا۔لڑکی نے اندازہ غلط لگ جانے اور اتنے ڈیشنگ انسان سے انسلٹ ہو جانے پر سر ہوا میں مارا اور بسورے منہ کے ساتھ انٹرکام کا ریسیور اٹھا کر اپنا کام کرنے لگی۔ براق کو وہاں بیٹھے بیس منٹ گزرے تھے۔ان بیس منٹس میں وہ بیس بار اپنی گھڑی دیکھ چکا تھا۔جونہی سرکتے وقت نے ان بیس کو پچیس منٹس پر تبدیل کیا۔وہ وہیں بیٹھا بیٹھا کاؤنٹر پار کھڑی لڑکی سے مخاطب ہوا۔

"آپ پوچھیں ڈاکٹر سے اور کتنی دیر ہیں انہیں۔"اسے پانچ منٹ کے انتظار کا کہہ کر بیس منٹ ایکسٹرا بٹھایا گیا تھا اور یہ بیس منٹس اس نے کیسے کاٹے تھے یہ وہی جانتا تھا۔اس کے کاندھے آج بری طرح شل تھے اور سر بھی دکھ رہا تھا۔میٹنگ سے نکلتے وقت اس نے ایک لمحے کو اپنی اور سولیم کی اس ملاقات کے بارے میں سوچا لیکن پھر خود ہی اپنی سوچ کو جھٹلا دیا تھا کہ اللہ اللہ کر کے تو آج وہ سولیم سے بات کرنے والا تھا۔اگر آج وہ نہ آتا تو واثق امید تھی سولیم آگے یہ موقع دوبارہ نہ دیتی۔

"وہ بس آ رہی ہیں۔"پوچھنے کے بعد وہ لڑکی اب اسے اطلاع دے رہی تھی۔وہ تو سمجھی تھی سامنے بیٹھا یہ سحر انگیز انسان ایک مریض ہے لیکن وہ تو ملاقاتی نکلا تھا اور ملاقاتی بھی وہ جس کے ساتھ اس کی خرانٹ باس جانے والی تھی۔وہی باس گلابی عبایہ میں کہنی پر اپنا سیاہ پرس ڈالے اور سیاہ شنل کی چوڑی لیس لگے سکارف کو سنبھالتی ہوئی اس کے سر پر پہنچی۔اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی براق اس کی تعظیم میں کھڑا ہو گیا تھا۔ہاتھ کے اشارے سے اسے آگے چلنے کا کہہ کر وہ اس کے پیچھے جا رہا تھا۔اس لڑکی نے ایک بار پھر سر کو ہوا میں مارا۔

"ہنہ،اللہ پیسہ اور ایٹی ٹیوڈ ان امیر زادوں کے ہی نصیب میں ڈالتا ہے۔"اپنی بے عزتی اسے ابھی بھی کھل رہی تھی۔

براق نے اپنی کار کا فرنٹ ڈور سولیم کیلئے کھولا جس میں وہ جھک کر اندر بیٹھ گئی۔نقاب کے پیچھے چھپا منہ سختی کی زد میں تھا اور آنکھیں وہ تو تھیں ہی سپاٹ۔ براق گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر بیٹھا اور اگنیشن میں چابی لگاتے ہوئے کار کو سٹارٹ کر گیا۔پارکنگ سے کار نکلنے تک ان دونوں کے درمیان گمبھیر خاموشی چھائی ہوئی تھی لیکن دلوں کی حالت مختلف تھی۔ایک اس کے احساس سے نئی لے پر دھڑک رہا تھا تو دوسری کی دھڑکن رکی ہوئی تھی۔ایک کی خوشی کی انتہا نہیں تھی تو دوسرا غم کی شدت سے جھکا جا رہا تھا تبھی ایک نارمل سانس لے رہا تھا تو

دوسری تھوڑا کھینچتے ہوئے سانس کو اندر انڈیل رہی تھی۔

براق نے ریسٹورنٹ کے باہر کار روکتے ہوئے گردن سولیم کی جانب گھمائی جو ابھی بھی سینے پر ہاتھ باندھے ونڈ سکرین پر نگاہ جمائے ہوئے تھی۔ براق کار کو جامد کرتا ہوا اپنی سیٹ سے اترا۔ ابھی وہ دروازہ بند کر ہی رہا تھا اور سولیم کی سمت مڑنے ہی والا تھا کہ وہ خود کار سے اتر کر اینٹرنس کی اور قدم بڑھا گئی۔ اس کے پیچھے چلتے ہوئے براق نے منہ کھول کر انہیلر سے اس میں پمپ کیا اور پینٹ کی جیب میں اسے رکھتے ہوئے اس کے پیچھے چل دیا۔ سولیم میزوں پر موجود پلیٹس پر نگاہ جما کر آگے بڑھ رہی تھی جب اس ریسٹورنٹ کا مینیجر براق کو دیکھ کر ہاتھ باندھے اس تک آیا۔

" گڈ مارننگ سر، آپ کا کیبن اس طرف ہے۔"

وہ ہاتھ کے اشارے سے براق کو بتا رہا تھا۔ سولیم یہ بات جاننے کے بعد اسی انداز میں چلتی ہوئی کیبن کے دروازے کو دھکیل کر اندر داخل ہوئی اور جامنی رنگ کے کشادہ والے صوفے پر اپنا بیگ رکھتے ہوئے بیٹھ گئی۔ یہ ایک پرائیوٹ کیبن تھا جو سیکنڈ فلور پر موجود تھا۔ اس کیبن کی ایک دیوار شربتی رنگ کے شیشے پر مشتمل تھی جس سے باہر دیکھا جا سکتا تھا لیکن باہر والے اندر کا منظر دیکھنے سے عاری تھے۔ کیبن کی چھت لکڑی والے پینٹ سے ڈھکی ہوئی تھی جس کے چاروں طرف سفید رنگ کا بارڈر تھا اور درمیان میں سر کے اوپر چھوٹا سا پھول کے طرز کا فانوس لٹکایا گیا تھا۔ فرش سفید ٹائلز سے چمچماتا ہوا تھا اور میز بھی بالکل سادہ سفید شیشے سے بنی ہوئی تھی جسے کراس کے نشان کی لکڑیوں سے ٹکایا گیا تھا۔ اس میز پر ایک گلاس کا گلدان رکھا ہوا تھا جس میں سرخ پھول تازگی کا احساس دلاتے ہوئے فضا میں اپنی بھینی بھینی خوشبو پھیلائے ہوئے تھے۔ ان پھولوں کی خوشبو کے علاوہ بھی وہاں مصنوعی خوشبو سپرے کے تھرو پھیلائی گئی تھی۔ گلدان کے دائیں بائیں فاصلے سے سلور سنگل سٹینڈز پر لمبی موم بتیاں جل رہی تھیں۔ کھانا وہاں پہلے سے موجود تھا۔ یہ تب سرو کیا گیا تھا جب براق پارکنگ میں گاڑی کو روک رہا تھا۔ ڈنر فش، اسٹیک، سنگاپوری رائس اور چکن جنجر پر مشتمل تھا۔ براق ٹائی کو درست کرتا ہوا اس کے سامنے بیٹھا جو ایک طائرانہ نگاہ اس کھانے پر ڈال رہی تھی۔

"میرے خیال سے میں تمہارے ساتھ ڈیٹ پر نہیں آئی ہوں۔" کرخت لہجے میں کہتے ہوئے وہ اس

سب انتظامات پر نگاہ دوڑا رہی تھی۔ براق پھیکا سا مسکرایا۔

"آپ درست ہیں یہ ایک ڈیٹ بالکل بھی نہیں ہے اور نہ ہی ہو سکتی ہے۔"

بالکل سفید اور چٹیل پتھر کی پلیٹ کو سولیم کے سامنے رکھنے کے بعد وہ ویسی ہی ایک پلیٹ اپنے سامنے بھی دھر رہا تھا۔ اس کی اچکتی آ بھرو اور۔

"تو پھر۔" پر وضاحت دیتے ہوئے بولا۔

"مغرب کو گزرے وقت بیت چکا ہے۔ باہر اندھیرا ہے اور اس اندھیرے میں کسی بھی نارمل انسان کو بھوک لگ سکتی ہے خاص کر اسے جو دن بھر کام کرے۔"

تو یعنی یہ عنایت خاص اس کیلئے تھی۔ اسے سولیم کے بھوکے ہونے کی فکر تھی تبھی یہ اہتمام کیا گیا تھا۔ صبح کا اس کا ہلکا پھلکا ناشتہ براق کو اچھے سے یاد تھا اور اس یاد نے ہی اس سے یہ سب کروایا ورنہ تو بات فقط "بات" تک ہی محدود تھی۔

"ٹھیک ہے تم اپنا پیٹ بھرو اور وہ کہو جسے کہنے کیلئے ہم یہاں ہیں۔" اسٹیک کو اٹھاتے اس کے ہاتھ پل بھر کو رکے تھے۔ کیا اس نے ہم کہا؟ ہاں یہ سچ ہے سولیم نے ابھی ان دونوں کو ہم کہہ کر ایک بنایا یعنی وہ دونوں آج سے ایک ہوئے۔ یا اللہ تیری کون کونسی نعمت کا شکر ادا کیا جائے۔

"ایسا ہو جائے گا لیکن تب جب یہ رزق ضائع نہیں ہوگا، سولیم مجھے یقین ہے آپ رزق ضائع کرنے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

اسٹیک کو پلیٹ میں رکھے وہ اس کی خالی پلیٹ پر نگاہ ڈالے اب اسے دیکھ رہا تھا جو ویسے ہی سینے پر ہاتھ باندھے بیٹھی تھی۔ براق کی اس بات پر اپنی مخروطی انگلیوں والے ہاتھ میز پر رکھتی تھوڑی سی جھکی اور سرد و سپاٹ لہجے میں بولی۔

"آج۔۔۔ کے بعد۔۔۔ تم میرا نام نہیں لو گے۔ مجھے اس سے نفرت محسوس ہونے لگتی ہے جب یہ تمہارے لبوں سے ادا ہوتا ہے۔"

براق کی گریفائیٹ آنکھوں میں بنا جھجکے دیکھتے ہوئے وہ اٹل لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پھڑ پھڑاتی موم بتیوں کا

عکس اس کی آنکھوں میں صاف دیکھا جا سکتا تھا جو شعلوں کی مانند اس کے ریٹینا میں دہک رہا تھا۔ پھولوں کے اس پار بیٹھی وہ کانٹوں سے لیس اس پر نفرت کے وار کر رہی تھی۔ براق نے فورک کو واپس نیچے رکھا۔

"یہ کیسے ممکن ہے بھلا، میں سب کر سکتا ہوں لیکن یہ نہیں۔" بہت مشکل سے خود کو بولنے پر آمادہ کرنے کے بعد وہ گلا کھنکارتے ہوئے تحمل مزاجی کا دامن تھامے کہہ رہا تھا۔ سولیم نے میز کی سطح پر ہاتھ مارا۔

"جب تم سب کر سکتے ہو تو یہ بھی کر سکتے ہو، میں کیسے بھول سکتی ہوں تمہاری تمام پچھلی باتیں، وہ اذیتیں جو تم نے مجھے دی ہیں۔"

براق کا سر جھک گیا تھا۔ جبڑے بھنچ گئے تھے۔ جھکی آنکھوں کے ساتھ اس کے آپس میں پیوست لب ہولے سے ہلے۔

"میں اس سب کیلئے شرمندہ ہوں۔"

اس کے ان الفاظ پر ترخ کر ہنہ کرتے ہوئے سولیم سابقہ پوزیشن میں گئی۔ وہ مزید کہہ رہا تھا۔

"لیکن یہ بات درست ہے کہ آج ہم ان پچھلی باتوں کو ڈسکس کرنے نہیں بلکہ آپ کے مطالبے پر بات کرنے آئے ہیں۔"

سولیم نے فوراً درشتی سے اس کی بات کاٹی۔

"میں اب بھی اپنی سابقہ بات پر قائم ہوں، مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا۔ بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارا نام، میں کوئی عام عورت نہیں ہوں جو ایک مرد کے بغیر رل جائے گی۔" اپنے فیصلے سے ایک انچ نہ ہٹتے ہوئے وہ براق کی آنکھوں میں پریشانی کے سائے لے آئی تھی۔ گلاب کے پھولوں کے اوٹ میں بیٹھی وہ عورت جس کے سکارف اور آنکھوں پر موم بتی کا زرد سایہ پڑ رہا تھا اس کیلئے کتنی ضروری ہے جان جاتی تو آج یہ الفاظ نہ دوہراتی۔ براق نے کٹتے دل کے لہو کو آہستہ آہستہ اپنے بدن میں پھیلتے ہوئے محسوس کیا اور اس کی سمیل کو زبان تک آنے سے روکتے ہوئے دھیمی آواز کے ساتھ پوچھا۔

"کیا ذرا بھی گنجائش نہیں؟" آنکھوں کو اٹھائے وہ دل کے بھاری خون کو خود میں سہتا موہوم امید کے سہارے آس سے سامنے بیٹھی ہرجائی کو دیکھ کر پوچھ رہا تھا جو اس کی زندگی بن چکی تھی۔ رات کے ہوتے گہرے

سائے اور گھلتی موم بتی اسے خود کے مشابہ لگی۔ کچھ وقت سرکا، لمحے بیتے اور پھر اس کی آواز ابھری۔

"رائی برابر بھی نہیں، آئی نیڈ سیپریشن۔" اٹل لہجہ، اڑیل انداز، ثابت قدم۔ براق نے آنکھیں بند کر کے کھولیں۔

"اگر میں اللہ کا واسطہ دوں تب بھی نہیں، اگر میں کہوں سولیم آپ کو اللہ کا واسطہ ہے مجھ سے طلاق نہ لیں تب بھی آپ ڈٹی رہیں گی۔"

سولیم کی آنکھیں شاک سے پھیلیں۔ وہ دیکھ رہا تھا ان آنکھوں میں حیرانی کے ساتھ ساتھ نمی بھی در آئی ہے لیکن اس وقت اسے سولیم کی آنکھوں میں جمی نمی کو نہیں دیکھنا تھا بلکہ اپنے اس رشتے کو بچانا تھا جسے اللہ نے جوڑ دیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا مدتوں بعد جڑے اس رشتے میں دراڑ آئے۔

"تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔" اس کی بھاری ہوتی آواز ساکن پڑے پھولوں نے بھی سنی تھی۔ ان پھولوں سمیت موم بتیوں نے دیکھا وہ خوبرو انسان جس کی آنکھوں میں اپنے ہر دل عزیز رشتے کے ٹوٹ جانے کا ڈر ہے، ہاں وہی انسان آج ایک بار پھر اپنی سیلف ریسپیکٹ کو ملیا میٹ کرتے ہوئے ہاتھ جوڑ بیٹھا ہے۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ ازلی نم آنکھوں میں التجا لیے وہ اپنے لب ہلا رہا ہے وہ کہہ رہا ہے۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ ہے، اللہ کی خاطر مجھے مت چھوڑیں۔ اس بات میں سو فیصد صداقت ہے کہ مجھے نہیں پتا تھا میرا نکاح کس سے ہو رہا ہے اور یقیناً آپ بھی اس بات سے انجان تھیں یعنی ہم دونوں کو ہمارے گھر والوں نے نہیں بلکہ اللہ نے ملایا ہے اور اس ملاپ میں ضرور کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہے۔ آپ اس مصلحت بنانے والے کی خاطر علیحدگی نہ لیں آپ میرے نکاح میں ہی رہیں پلیز۔"

وہ دھڑکتے دل کے ساتھ کسی روبوٹ کی طرح اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سولیم کا تنفس تیز ہوا اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں بن گئیں۔

"تم یہ نہیں کر سکتے براق شاہ، تمہیں اس چیز کی اجازت نہیں ہے۔" اس کی پھٹی چیختی آواز تھی۔

"اللہ کی خاطر سولیم، اس کیلئے مجھے نہ چھوڑیں۔" اس کی تحمل بھرائی ہوئی آواز تھی۔

"تم اتنے شاطر نکلو گے میں نے سوچا نہ تھا، تم ایک قابل نفرت انسان ہو۔" چیختی پھٹی آواز پانیوں میں گھل گئی تھی۔ ایک منٹ وہ آواز کانپ بھی رہی تھی۔

"صرف اللہ کیلئے۔" وہ تاہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا ملتجی نگاہوں سے اسے تک رہا تھا۔ اس کے گلے میں گولا اٹک گیا تھا جسے وہ بار بار نیچے دھکیل رہا تھا۔ سولیم نے غصے میں آ کر ایک ساتھ رکھی چار پلیٹیں اٹھائیں اور جھک کر اسے مارنے کی غرض سے قوت سے اوپر اٹھائیں لیکن پھر ضبط کرتے ہوئے دانت پیستے ہوئے اسے ان پلیٹوں کو واپس پٹخنا پڑا۔ براق ٹھس بیٹھا تھا۔ سولیم غصے سے اپنے ہاتھ کی مٹھیاں کھول بند کر رہی تھی۔

"میں تم سے نفرت کرتی رہوں گی۔"

براق نے ہاتھ کھول کر دل پر رکھا۔ "مجھے آپ کی نفرت منظور ہے۔"

"میں وہاں تمہاری بیوی کی حیثیت سے نہیں بلکہ عبداللہ کی ماں کی حیثیت سے رہوں گی۔"

براق نے دل پر ہاتھ رکھے سر کو ہولے سے جھکایا۔

"مجھے آپ عبداللہ کی ماں کے روپ میں بھی قبول ہیں۔"

سولیم نے نقاب کے پیچھے اپنے لب کاٹے۔

"مجھ پر تمہاری کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔" اس کی شرائط بڑھنے لگی تھیں۔

"بالکل ایسا ہی ہے۔" وہ اس کی ہر شرط پر سر تسلیم خم کرنے میں ماہر تھا۔

"میری محبت کا حق دار صرف شاکر ہے اس لیے میں اپنے آئی ڈی کارڈ کو تمہارے نام پر ٹرانسفر نہیں کرواؤں گی وہ شاکر کے نام سے ہی رہے گا۔" اس کی سفاک آواز پر براق کا چہرہ اٹھا تھا لیکن اس اٹھے چہرے کے ساتھ آواز نہیں آئی تھی۔ اسے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے وہ اب خاموش تھا بات ہی ایسی تھی کہ اسے خاموش رہنا پڑا۔

"میرے کمرے میں اس کی تصویر رہے گی اور تمہیں وہاں آنے کی اجازت نہیں ہوگی۔" اس کی بکھرتی ریزہ ریزہ ہوتی آنکھوں میں حقارت سے جھانکتی وہ اس کے مسمار ہونے پر تھوڑا سا بھی اپنے موقف سے نہیں ہٹی تھی۔ وہ مزید کہہ رہی تھی جو کہ یہ تھا۔

"اور تم میرا نام نہیں لو گے، آئی ریپیٹ تم میرا نام نہیں لو گے۔"

براق کے ساکن وجود میں سب سے پہلے ہلنے والی اس کی پلکیں تھیں۔ گریفائیٹ آنکھوں پر جھالر کی طرح بچی

اخروٹی رنگ کی پلکوں نے اس کی آنکھوں کی رنگت کو چھپالیا تھا یعنی وہ میز کی سطح پر نگاہیں جھکائے بیٹھ گیا۔اس کا دل سولیم کی بات سے عجیب سا ہو رہا تھا۔اس عجیب ہوتے دل کے ساتھ وہ بے بسی سے سر جھکائے مسکرایا ہے۔

"میں جانتا ہوں آپ کی پہلی محبت شاکر ہے اور شاید پوری زندگی رہے پھر بھی یہ سب جاننے کے باوجود بھی مجھے آپ کا ساتھ منظور ہے۔ایسا اس لیے ہے کیونکہ مجھے آپ سے محبت ہے۔"

اس کی بات پوری ہوتے ہی سولیم سرعت سے اٹھی اور بیگ کو کہنی پر لٹکائے دروازہ دھکیل کر وہاں سے چلی گئی۔براق نے بندلبوں اور ویران آنکھوں کے ساتھ موم بتی پر نگاہ جمائی جہاں صرف آگ کے کچھ نہ تھا۔وہ آگ جو براق کی زندگی میں،اس کے دل میں لگ چکی تھی۔وہ آگ جو اسے پچھلے کئی سالوں سے پل پل جلا رہی تھی اور پھر بھی وہ جیے جا رہا تھا۔

محبت میں پہلا سجدہ خالق اور دوسرا محبوب پر فرض ہو جاتا ہے۔دل کے جھکتے ہی ساری اکڑ،سارا غرور ملیا میٹ ہو جاتا ہے۔دل بے حس بن جاتا ہے۔اسے اس بات سے کوئی سروکار نہیں ہوتا کہ سامنے والا کسی اور کو چاہتا ہے۔وہ بس یہ یاد رکھتا ہے کہ وہ اسے چاہتا ہے بالکل ایسے جیسے اس وقت براق کو یہ یاد تھا کہ وہ سولیم سے محبت کرتا ہے۔اس نے اپنی چاہ کو پہلے رکھ کر سولیم کی چاہ پر آنکھیں بند کر لیں۔وہ یہ بھول گیا کہ وہ اس کی محبت نہیں بلکہ شاکر ہے۔وہ بے حس بن گیا تھا۔اپنی سیلف ریسپیکٹ گنوا دی تھی کیونکہ اسے سولیم سے محبت تھی۔وہ محبت جس کی شاید سولیم کی نظر میں کوئی وقعت ہی نہیں تھی۔

☆......☆......☆

ہک نے گہرا سانس بھرا اور خود کو پرسکون کیا۔سمندر خان کے آرڈر کے مطابق وہ،وہ کرنے جا رہی تھی جس کو کرنے کا شاید وہ خواب بھی نہ سوچ سکے کیونکہ اس سب کا تعلق معروش سے تھا۔وہی معروش جو خلیفہ کی چہیتی،اس کی ہر دل عزیز ہے۔اس نے اپنے خوبصورت بالوں کو جھٹکا دیا اور چھوٹی سی چنار کے پتے کی طرز کی کرسٹل کی ٹرے پر کرسٹل کے خوبصورت گلاس کو دیکھنے لگی جس کی شکل وائن کے گلاس سے ملتی جلتی تھی۔اس گلاس کے اندر پانی تھا اور پانی میں زہر،بس بالکل درست سمندر خان کسی بھی طرح معروش کا خاتمہ چاہتا تھا۔اسے معروش کا یہاں ہونا قطعی نہیں بھایا اس لیے اس بار واقعی میں وہ اس کے قتل کا منصوبہ بنا بیٹھا۔

"سنو! خلیفہ آٹھ کے قریب کنٹرول روم میں ہوتا ہے اس لیے اس وقت تم وہ کر سکتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں۔ ڈرو نہیں وہ اپنی محبوبہ کی ریکارڈنگ دیر رات کو ہی دیکھتا ہے تب جب کوئی اس کمرے میں موجود نہ ہو کیا تم بھول گئی خلیفہ اپنی ذات سے جڑی چیزوں کو مخفی ہی رکھتا ہے۔"

یہ آٹھ بجے کا ہی وقت تھا جب وہ پیلے رنگ کی پنسل ہیل میں اپنی چھوٹی سکرٹ کے ساتھ معروش کے کمرے کے باہر آ کر رکی۔ ایک دروازہ خلیفہ کے کمرے سے ملحق تھا تو دوسرا بالکل اس کے ساتھ باہر کو جو ہمیشہ لاکڈ رہتا تھا۔ غلط پاسورڈ لگانے پر جس میں سے سائرن کی آواز گونج اٹھتی تھی اور اس پوری بلڈنگ میں پھیل جاتی تھی لیکن چونکہ سمندر نے اسے پاسورڈ بتا دیا تھا تبھی وہ مطمئن تھی۔ دروازے کے دو حصوں میں چاک ہونے کے بعد وہ اندر آئی اور بیڈ پر بیٹھی کتاب پڑھتی اس لڑکی کو مسکرا کر دیکھنے لگی۔ وہ پہچان گئی یہ ہک ہے جو کبھی کبھی لوازمات سرو کرتی میڈ کے ساتھ یہاں آتی ہے۔

"رات مبارک ہو پیاری لڑکی!" اس نے دل موہ لینے والی مسکان لبوں پر سجائی اور اس کے قریب بیڈ پر ٹک گئی۔ معروش نے پاؤں سمیٹے تھے۔

"میں تمہارے لیے آب حیات لائی ہوں، ضرور اس سے تمہیں سکون پہنچے گا۔"

وہ ایک عزم سے کہہ رہی تھی جیسا عزم اس کی آنکھوں میں تھا بالکل ویسا ہی یہاں سے تھوڑی دور خلیفہ تبریز کی آنکھوں میں بھی تھا جو اس وقت کمپیوٹر سکرین کے آگے بیٹھا اپنی انگوٹھیوں سے بھری انگلیوں کو اس پر دوڑا رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر دیکھے جانے والے شکن تھے اور نتھنے تھوڑے سے پھولے ہوئے تھے۔ جبڑے بھینچنے کے باعث اس کے کان کے پاس کی رگ واضح ابھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ دائیں ٹانگ کو مضطرب انداز میں مسلسل جھلائے اس نے اچانک کمپیوٹر کی سکرین کو زور سے بھینچ کر بند کیا اور اپنے دونوں ہاتھ بالوں میں پھنسا لیے۔ اس کے دماغ میں مختلف آوازیں گونجنے لگی تھیں جن میں سے کچھ یہ تھیں۔

"پاکستان میں اب مزید کام کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ وہاں کے حکام ان ایکشن ہیں۔ پولیس اور دیگر ایجنسیاں بھی الرٹ ہو چکی ہیں اس لیے یوں معلوم ہوتا ہے جیسے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے اب نیو جرسی شفٹ کرنا پڑے گا"

اس نے بالوں کو چھوڑا اور نچلے لب کو دباتے ہوئے سفید پردوں پر نگاہ اس انداز میں ڈالی جسے وہ سب کچھ

بھسم کردینے کی چاہ رکھتا ہو۔

" کڈنیپنگ اور بلیک ویب کے بارے میں تو اب سوچ بھی نہیں سکتے۔ رہی بات منشیات فروشی کی تو اس کام کو بھی مکمل طور پر نظرانداز کرنا پڑے گا کیونکہ اب فوج نے بھی اس میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔"

" خلیفہ، اہم ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ معروش کو کھوجنے کیلئے کچھ جاسوس میدان میں اتر آئے ہیں شاید ان کا ہدف یہ ہے کہ وہ اسے اچانک غائب کر دیں۔"

یہ آوازیں اس کے کچھ خاص بندوں اور ریمز کی تھیں جو اسے صبح سے پریشان کر رہی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ صبح سے ہی چڑچڑا اور پریشان تھا۔ پاکستان میں ختم ہوتا ان کا دھندا اور معروش کا ہاتھ سے نکل جانا اسے اچانک خطرے میں لاحق کر گیا تھا۔ تبھی وہ کمپیوٹر پر لگا کچھ اہم کام نبٹا رہا تھا جو اسے اب اکتاہٹ میں مبتلا کر گیا تھا۔ سکرین کو بند کرنے اور پردے کو گھورنے کے بعد وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور کھڑکی کے نزدیک پہنچ کر پردوں کو جھٹکے سے چیر پھاڑ دینے والے انداز میں ہٹاتا رات کی سیاہی کو تکنے لگا۔ اس کے کمرے کی کھڑکی ایسی جانب تھی جہاں دور جنگلوں کے اور کچھ نہ تھا۔ وہ جنگل جو اس وقت جھینگروں کی آواز پیدا کرتا مکمل طور پر اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کوئی ذی روح، ذی نفس کا جہاں شائبہ تک نہ تھا۔ ایک چنگاری بھی روشنی کی نہیں تھی وہاں پر، تھا تو بس گھور اندھیرا اور اس میں پھیلی پراسراریت۔

اس اندھیرے میں اسے وہ سب دکھنے لگا جو وہ کبھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ سب جو اُس کے ماضی پر مشتمل تھا۔ اسے اپنا عکس دکھنے لگی جس سے اسے نفرت تھی۔ اسے اپنا آپ دکھنے لگا جس سے وہ شدید نفرت کرتا تھا۔ اسے وہ سب نظر آنے لگا جسے وہ بھلا بیٹھا تھا۔ ماضی، حال، حال، ماضی سب ایک دوجے میں مدغم ہونے لگے اور پھر ایک جھٹکا لگا اور خلیفہ تبریز ماضی کے بھنور میں پھنس کر اکیس سال پیچھے چلا گیا۔ وہاں جہاں وہ نو سال کا تھا اور دیوار کے کونے سے لگا اپنے بڑھے ہوئے ناخنوں کو زور سے مٹھیوں میں پیوست کر رہا تھا۔ وہ اتنا زور لگا رہا تھا کہ اس کی ہتھیلیاں خون آلود ہو چکی تھیں۔ اس سے پہلے وہ خود کو جا کر روکتا اس نے دیکھا ٹخنوں سے اوپر گرے سکرٹ اور شرٹ میں سر پر سفید پٹی والا گرے سکارف اوڑھے ہلکے جھری زدہ چہرے کے ساتھ ایک عورت اسے نام سن کہہ کر پکارتی ہوئی وہاں آئی ہے اور آ کر اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گئی ہے۔

"تام سن! یہ کیا کیا تم نے، تم اتنی چھوٹی سی عمر میں کیسے کسی کی آنکھ پھوڑ سکتے ہو؟" شستہ انگریزی لہجہ، پتلے پتلے گلابی ہونٹ، آٹے جیسی سفید رنگت اور نیلی آنکھیں۔ ہاں وہ اسِتھما ہی تھی جسے وہ اپنے ہاتھوں سے سکون کی نیند سلا چکا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں یہ سوال کرنے کا اختیار کسی نے نہیں دیا۔" گولڈن بالوں والے لڑکے نے سر اٹھا کر خون آشام نگاہوں سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس کی آنکھوں میں بغاوت تھی۔ ایسی بغاوت جس نے اسِتھما کے رگ و پے میں سکون دوڑا دیا تھا۔

"یہ سچ ہے کہ وہ میں ہی ہوں جو تم سے ہر سوال پوچھنے کا اختیار رکھتی ہوں۔ تم اس بات کو نہیں جھٹلا سکتے تام سن، اور ہاں میں تمہیں یہاں جھڑکنے نہیں بلکہ شاباشی دینے آئی ہوں۔ تم نے بہت اچھا کام کیا۔"

وہ اسے پچکارتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ دھرے بیٹھی تھی۔ خلیفہ نے دیکھا اس نو سال کے بچے نے اس کا ہاتھ درشتی سے جھڑکا ہے۔ جھڑکنے کے بعد وہ کھڑا ہوا ہے۔

"مجھے کسی کی داد بھی نہیں چاہیے اور ہاں، یان سے کہو اس موسیٰ کو سنبھال کر رکھے۔ آج اس کی آنکھ پھوڑی ہے کل کو وہ جان سے بھی جا سکتا ہے۔"

وہ اس یتیم خانے کے کفیل کا نام لیتے ہوئے بولا اور اپنی بات ختم کرنے کے بعد تیز تیز قدم اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کی ہتھیلیوں سے خون کی بوندیں راستہ بنا رہی تھیں۔ خلیفہ نے ایک نظر خود کو جاتے ہوئے دیکھا اور دوسری اس سائیکو عورت پر ڈالی۔ اس سے پہلے وہ اس پر جھپٹتا فون کی چنگھاڑ نے اسے ماضی سے لا کر حال میں کھڑا کر دیا۔ خلیفہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے سر کو جھٹکا اور میز پر سے سیل فون اٹھا کر نمبر دیکھنے لگا۔

رمیز کالنگ کے حروف اس سکرین پر جگمگا رہے تھے۔

"تمہیں معروش کے پاس جانا چاہیے۔ وہاں اس وقت ہک ہے اور اس کے ہاتھ میں بدرنگے پانی والا گلاس۔"

خلیفہ اس انکشاف پر ماتھے پر شکن لے آیا۔ بدرنگا پانی؟ بہت کچھ اسے سمجھ آنے لگا۔

"وہ وہاں کس لیے ہے؟" اس نے کال کاٹتے ہوئے درشتی سے خود سے سوال کیا اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا معروش کے کمرے میں آ گیا جہاں ابھی ابھی ہک کے منہ سے آب حیات والی بات نکلی تھی۔ بات ختم کرتے ہی اس نے رخ موڑ کر خلیفہ کو دیکھا۔

"خبردار، میں نے کہا خبردار۔ اگر وہاں خلیفہ آ گیا تو تم نے اپنے تاثرات کو بگاڑنا نہیں، مضبوط رہو گی تو زندگی ملے گی ورنہ موت پھر مقدر ہے۔" وہ اسے دیکھ کر دل سے مسکرائی اور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بہت اچھا لگا تمہیں یہاں دیکھ کر اور اس سے بھی زیادہ اس بدرنگے پانی کو دیکھ کر۔" وہ شفاف پانی میں گھلے نادیدہ سے پیلے رنگ کی طرف چوٹ کر رہا تھا جسے معروش پکڑ نہیں پائی تھی۔ ایسا اس لیے ہوا تھا کیونکہ اس نے اس پانی کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی تھی۔ بدرنگے لفظ پر ہک کے چہرے کا رنگ بالآخر اڑ ہی گیا اس کا دل دھڑکا اور سانس اٹکی۔

"نہیں خلیفہ، یہ پانی بدرنگا نہیں ہے بلکہ اس میں تو معروش کیلئے دوا گھلی ہے۔" اس نے بودی دلیل پیش کی

"وہی دوا جسے آب حیات کہتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہوا گر یہ آب حیات تمہارے حلق سے نیچے اترے۔ کیوں ہک پی کر دکھاؤ نا اسے۔"

ہک کے پسینے چھوٹ گئے۔ وہ سانس تھوڑی تھی جو ٹوٹ جاتی وہ تو ہک تھی جسے اپنی زندگی از حد عزیز تھی۔

"میں ایسا ضرور کرتی اگر میں بیمار نہ ہوتی تو، ٹھیک ہے معروش اس پانی کو نہیں لے گی۔" اس نے پھرتی دکھائی اور پانی کو انڈور پلانٹ میں انڈیل دیا۔ خلیفہ اس کی عجلت پر طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ وہ جانتا تھا اب ایسا ہی کچھ ہونا ہے اور اسے احتیاط کی شدید ضرورت ہے۔

"چاہوں تو لمحہ نہ لگاؤں تمہیں ختم کرنے میں لیکن معروش کے صدقے بخشی تمہاری جان۔ آسان موت یوں بھی تمہارا مقدر نہیں اب تم جا سکتی ہو۔"

وہ تیزی سے وہاں سے گئی تھی۔ اس کے جاتے ہی خلیفہ نے معروش کو دیکھا جو خاموش تماشائی کی طرح دونوں کو سن رہی تھی۔

"اس کی لائی ہوئی آئندہ کوئی بھی چیز استعمال نہیں کرنی یہ بغاوت پر اتر آئی ہے۔" حکم دیتا ہوا وہ وہاں

سے چلا گیا تھا۔معروش نے سر جھٹکا اور پھر سے کتاب میں مشغول ہو گئی۔

☆......☆......☆

وہ دعا تھی جو مسلسل پانچ منٹ سے اپنی انگلیاں چٹخا رہی تھی۔اس کے چہرے پر اس وقت تذبذب کے سائے منڈلا رہے تھے اور اس کی اندر کی دعا ایک بیک سامنے بیٹھی خرانٹ، بدتمیز اور بد تہذیب لڑکی کو گالیاں دے رہی تھی جس سے ملنے کی چاہ میں وہ اڑی چلی آئی تھی اور ایک وہ تھی کہ اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑ رہا تھا۔جی یہ براق شاہ کے گھر کے اندر کا منظر تھا جہاں دعا خانم اپنی بچھڑی ہوئی مسکراہٹ اور شرارتوں کے ساتھ اپنی پیاری سی کزن پلس بہن پلس دوست سے ملنے آئی تھی۔آداب مہمان نبھاتے ہوئے وہ اپنے ساتھ چند چیزیں لائی جسے سرد انداز میں تھامتے ہوئے سولیم دی خرانٹ لیڈی نے بے مروتی سے سائیڈ پر رکھ دیا تھا اور مجال تھی جو ایک نگاہ بھی ان کے دل سے لائی ہوئی چیزوں پر ڈالی ہو اب وہ تھی (سولیم) اس کی سنجیدگی تھی اور بیگانہ سا رویہ تھا۔

"بڑی ماما، میں نے آپ کو بہت یاد کیا تھا۔دل کر رہا تھا آپ سے ملنے کو علیشہ کو دیکھنے کو، آپ علیشہ کو ساتھ کیوں نہیں لائیں؟" اس جاں گسل خاموشی کو عبداللہ کی پر اعتماد سی آواز نے مسخ کیا۔دعا اس کے اس کانفیڈنس سے بھرے روپ کو دیکھ کر چونک گئی۔بلا کسی ہچکچاہٹ، ڈر و خوف کے وہ سولیم کے سامنے اس سے بات کر رہا تھا ورنہ تو ہمیشہ وہ بات کرتے اٹک جاتا تھا۔وہ مسکرا دی۔جانتی تھی یہ عنایت، یہ اعتماد اسے کس کی بدولت ملا ہے۔

"میں اسے اس لیے نہیں لے کر آئی تاکہ آپ وہاں آسکو، اگر میں لے آتی تو آپ نہ آتے۔" ان لفظوں پر سر پر جلتے سنہری و سفید امتزاج کے فانوس کی روشنی میں سولیم نے نگاہ اٹھائی۔دعا اس کی کٹیلی نگاہ پر پھیکی مسکان لبوں پر سجا گئی۔اس کا دل زور سے پمپ کر رہا تھا۔سولیم کی خاموشی اور اس کی سنجیدگی کا مفہوم وہ اچھے سے سمجھتی تھی۔آہ سولیم آہ، تم واقعی نہیں سدھرو گی۔

"یہ تو بہت اچھا کیا آپ نے۔میں کل ہی ڈیڈی۔" اس سے پہلے وہ اپنا جملہ مکمل کر پاتا سولیم نے اس کی بات کو درمیان میں قطع کر دیا تھا۔سنہری اور سفید امتزاج کے فانوس کے نیچے بیٹھی وہ بالکل بھی دعا کو اچھی نہیں لگی جو کہہ رہی تھی۔

"عبداللہ! میرے خیال سے آپ نے اپنا ہوم ورک نہیں کیا آپ کو یہاں سے جانا چاہیے۔"

عبداللہ کے کھلتے لبوں پر اس نے انگشت شہادت اٹھائی تھی جس نے اس کے گلابی لبوں کو آپس میں واپس پیوست کردیا۔ اس وقت گھر میں سوائے سولیم اور عبداللہ کے اور کوئی نہیں تھا۔ فاروق ابھی ابھی فردوس کے ساتھ اپنے دوست کے گھر عیادت کو نکلے تھے اور براق صبح کا آفس گیا ابھی تک نہیں لوٹا تھا۔ عصر کا وقت بھی ختم ہونے کو تھا۔ اس ختم ہوتے وقت میں دعا نے اپنے الفاظ ہوا کی نذر کیے۔

"سولیم! میرا نہیں خیال اس میں کوئی قباحت ہے اگر عبداللہ اپنا ہوم ورک سونے سے پہلے کرلے وہ ہمیشہ سے ایسا کرتا آیا ہے مت بھولو، تم سے پہلے میرا حق ہے اس پر۔"

سولیم کا یوں عبداللہ کو منظر سے ہٹانا دعا کے چھوٹے دل پر بڑی قیامت لایا تھا۔ وہ ایسا کرے گی دعا سوچ بھی نہیں سکتی تھی تبھی اس کی آنکھیں متورم ہوگئی تھیں اور آواز میں لغزش نمایاں تھی۔ دعا کی اس حالت کو صرف سولیم نے ہی جانچا تھا تبھی اگنور کرتی عبداللہ کو جانے کا اشارہ کرنے لگی۔ وہ چلا گیا تو اس نے اپنے لفظ ترتیب دیے اور بولی۔

"بلاشبہ ایسا ہی ہے تم مجھ سے چھوٹی ہو لیکن وہ تمہیں اپنی بڑی ماما کہتا ہے ایسا اس لیے ہے کیونکہ وہ تم ہی تھیں جس نے اسے مکمل ماں کا پیار دیا ہے۔ تم اب بھی عبداللہ پر وہ اختیار رکھتی ہو جو میں نہیں رکھتی اس لیے فضول کی سوچوں کو دماغ میں جگہ نہ دو۔ میں اتنی کم ظرف نہیں ہوں جو ہم دونوں کی ناراضگی کے بیچ ہمارے رشتے کو لاؤں گی۔ میں تم سے خفا ہوں تو میری ناراضگی تم تک ہی رہے گی۔ بیٹھی رہو انھو مت میں تمہارے کسی بھی آنسو یا میلو ڈرامہ سے نہیں پگھلوں گی دعا! کیونکہ اس دنیا میں تم ہی چاچو کے بعد وہ واحد ہستی تھی جس کے بارے میں، میں یہ سوچتی تھی کہ وہ مجھے تکلیف نہیں پہنچائے گی لیکن میں غلط نکلی۔"

دعا نے بڑی دقت لگا کر حلق میں اٹکے گولے کو پیچھے دھکیلا اور زبردستی خود کو واپس صوفے پر بٹھایا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں موٹے موٹے قطرے جمع ہوگئے تھے جو فانوس سے چھن کے آتی دودھیا روشنی میں ہیرے کی طرح اس کی سیاہ آنکھوں میں چمک رہے تھے۔ سولیم کا اسے یوں دیکھ کر دل دکھ رہا تھا لیکن وہ یونہی سخت جان بنی بیٹھی رہی، بولتی رہی۔

"اور اس بات کا افسوس مجھے تاحیات رہے گا کہ جو میری سب سے اپنی تھی اس نے سب سے غیروں والا

کام کیا۔خیر یہ دنیا ہے یہاں کچھ بھی ممکن ہے۔" گہری سانس بھرتے ہوئے ہاتھ کو پھیلاتے ہوئے وہ دعا سے بے نیاز کہہ رہی تھی جو اچانک لبوں پر گلہ لے آئی۔

"ہاں یہ دنیا ہے اور یہاں کچھ بھی ممکن ہے بالکل ویسے سولیم جیسے تم مجھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔" ہاتھ کی پشت سے اپنے آنسو رگڑتی ہوئی وہ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سن چکی تھی۔دونوں جانتے تھے کہ اس وقت آنے والا کون ہے۔

"تمہیں دکھ ہوگا دعا میرے لفظوں پر اس لیے اس ٹاپک کو نہ ہی چھیڑو تو بہتر ہے۔بس یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اب میرا تم لوگوں سے کوئی تعلق نہیں۔میں نے جس دن اس گھر سے قدم باہر رکھا تھا اسی دن سب رشتے ناطے توڑ آئی تھی۔عبداللہ تم لوگوں کا ہے اس سے کانٹیکٹ رکھو،اپنے گھر بلاؤ،اس سے ملنے آؤ میں نہیں روکوں گی لیکن پلیز اس سب میں مجھے انوالومت کرو کیونکہ میں مزید کوئی رشتہ افورڈ نہیں کر سکتی۔"

دوٹوک لہجے میں کہتی ہوئی وہ دعا کو خود سے بہت دور لگی۔اتنی دور کہ اسے دیکھنا بھی مشکل ہوگیا۔وہ بیگانی ہوگئی تھی تبھی بغیر کسی لحاظ ومروت کے سب کہہ گئی۔

"سولیم،کیا رشتوں سے منہ پھیرنا اتنا آسان ہے؟" کھائی سے آتی اس کی آواز میں حزن کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔پورچ میں کار کے رکنے کے بعد ان دونوں نے لاؤنج کے دروازے کی کھلنے کی آواز سنی تھی۔وہ جس کمرے میں بیٹھے تھے وہ سفید رنگ میں ڈھکا تھا۔اس کے دائیں طرف دو بڑی بڑی کھڑکیاں تھیں جس پر گہرے نیلے پردے گرے ہوئے تھے۔راؤنڈ شیپ میں رکھے گہرے نیلے صوفے تھے اور ان کے درمیان کشمیری رگ بچھا ہوا تھا۔ان کے عقب میں بڑی بڑی کیلی گرافی والی پینٹنگز لگی ہوئی تھیں اور سامنے لگی فلیٹ ایل ای ڈی کے اوپر دیوار گیر لیمپس جل رہے تھے۔ٹیولپس سے سجے واز تھے جن کے پھول اس وقت تازہ تھے۔وہ انہی تازہ گلابی پھولوں پر نگاہ جمائے ہوئے اس سے باز پرس کر رہی تھی۔

"یہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو،حیرت ہے۔" قدم ان کے دروازے کے سامنے سے گزر کر واپس آئے تھے۔ براق نے اپنے پورچ میں کھڑی اس سفید کار سے اندازہ لگا لیا تھا کہ ضرور سولیم کے گھر میں سے کوئی اس سے ملنے آیا ہے تبھی وہ کوٹ کو کہنی پر لٹکائے اسی سے بریف کیس پکڑے تیز تیز اندر آیا تھا۔جب اس کمرے سے آتی

آوازوں پر اسے معلوم ہو گیا کہ آنے والا اور کوئی نہیں بلکہ دعا ہے۔ اس نے دروازے کو ہلکے سے ناک کیا اور دھکیل کر اندر جھانکنے لگا۔ دعا جو سولیم کی بات پر کچھ کہنے والی تھی براق کو وہاں دیکھ کر بڑی ساری مسکان کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"السلام علیکم! براق، کیسے ہو آپ؟" وہ اپنے کپڑوں کے شکن کو درست کرتے ہوئے سامنے دونوں ہاتھ باندھے پوچھ رہی تھی۔ سولیم کو دعا کا طرزِ تخاطب برا لگا لیکن اس کی بلا سے وہ جو بھی ایک دوسرے کو بلائیں۔

"وعلیکم السلام، میں بالکل ٹھیک آپ کیسی ہیں، کب آئیں، گھر میں سب کیسے ہیں؟" ایک نگاہ میز پر دھرے اورنج جوس پر ڈال کر وہ بھی میزبانی کے سارے فرائض نبھاتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ اس کے اچانک اتنے سارے سوالوں پر دعا نے کھڑے کھڑے سر کو ہلایا اور کہا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ انفیکٹ آپ کو یاد کر رہے تھے آپ آئیں نا کل عبداللہ کے ساتھ۔" نا جانے کیوں پر سولیم کا ان دونوں کو یوں آپس میں ہمکلام ہونا دل پر کاری ضربیں لگا گیا۔ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایسا لمحہ بھی اس کی زندگی میں آئے گا۔ جس دعا کی خاطر وہ سامنے کھڑے انسان کی ہر زیادتی چپکے سے سہہ گئی تھی آج وہی دعا اور وہی انسان ایک دوجے سے ایسے بات کر رہے تھے جیسے ماضی میں کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ آہ یہ قسمت بھی نا۔

"جی ضرور، اچھا دعا آپ بیٹھ کر اپنی بہن کے ساتھ گپ شپ کریں اور ڈنر کر کے جایئے گا میں ضرور آپ کو وقت دیتا اگر آج میرا کام نہ ہوتا تو مائنڈ مت کیجئے گا۔"

تجاہلِ عارفانہ سے کام لیتے ہوئے وہ جیسے اندر آیا تھا ویسے ہی باہر بھی چلا گیا۔ دعا نے اس کے جاتے ہی تھکن زدہ سانس خارج کیا۔ کونسی بہن کیسی گپ شپ۔ اب وہ کیا بتاتی براق کو کہ جو سامنے بیٹھی عورت ہے وہ اس کے رشتے سے کس بری طرح منکر ہو چکی ہے۔

"تمہیں براق کے ساتھ بھائی لگانا چاہیے تھا۔" اس کے جاتے ہی سولیم نے اپنے لفظوں کو پیراہن اوڑھایا اور ناگواریت سے کہتے ہوئے اس کی جانب دیکھا جو اس بات سے چونک گئی تھی۔ چونک تو براق بھی گیا تھا جو دروازہ بند کرنے کے بعد بس دو ہی قدم اٹھا پایا تھا۔ اس کی تربیت میں یہ نہیں تھا کہ وہ چھپ کر باتیں سنے لیکن بات ہی ایسی ہو گئی تھی کہ اسے اپنے قدموں کو روکنا پڑا۔

"ایسا کیوں کہا؟" سولیم نیلے صوفے کے ہتھوں پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہوئی اور اس کے مقابل آ گئی۔

"اس لیے کیونکہ میں اب بھی اس بندے کی طرف سے انسکیورٹی فیل کرتی ہوں۔ تم نے سنا نہیں سانپ کبھی نہیں بدلا کرتے، ان کے دل، ان کی فطرت ہمیشہ وہی رہتی ہے جو ہوتی ہے اس لیے آج کے بعد تم براق کو بھائی کہو گی تا کہ اسے تمہارے اور اپنے رشتے کا لحاظ رہے۔"

دعا کا دل چاہا تھا وہ اس بات پر سامنے کھڑی بدگمان عورت کا منہ نوچ لے۔ اس نے خود پر بہت ضبط کیا تھا۔ ضبط تو براق شاہ بھی کر رہا تھا جس کا سر جھکا تھا اور آنکھوں میں شیشے ٹوٹ کر بکھر گئے تھے۔ اس نے نچلے لب کو دانت میں پکڑ کر چھوڑا اور اپنے سیاہ جوتے میں نظر آتے چہرے کو تکنے لگا جس سے اسے دوبارہ کراہیت سی محسوس ہونے لگی۔

"سولیم! تم اتنی پتھر، اتنی بدگمان کیوں ہو؟" وہ اس سے خوف زدہ سی سوال کر رہی تھی۔ براق کی اس کا اس کی زندگی میں کیا مقام ہے وہ اسے ایک لمحے میں سمجھ آ گیا تھا۔ اسے افسوس ہوا اس بندھن پر، براق پر اور اپنے گھر والوں کے فیصلے پر۔

"کیونکہ میں ڈسی ہوئی ہوں۔" اس کے لفظوں نے براق کے دماغ میں ہتھوڑے بجا دیے تھے۔ وہ ایک جھٹکے سے واپس مڑا اور بنا دستک دیے دروازہ کھول دیا۔ دونوں نے بیک وقت اس کی جانب دیکھا تھا لیکن وہ صرف دعا کو دیکھ رہا تھا اس سے ہی مخاطب ہو رہا تھا۔

"اور ہاں دعا بیٹا، آپ اکیلے مت جانا، ڈرائیور کو ساتھ لے جانا یا پھر مجھے کال کر دینا۔ میں آپ کو چھوڑ آؤں گا۔" کہنے کے بعد وہ ایک نظر ایک خالی نظر ایک ٹوٹی بکھری افسوس زدہ نظر سولیم کے سپاٹ چہرے پر ڈال کر سرعت سے دروازہ بند کر گیا تھا۔ دعا نے بڑی جتاتی نگاہ اس پر ڈالی تھی۔ وہ اسے بہن نہیں کہہ گیا تھا وہ اسے بیٹی کا مقام دے کر بات ہی ختم کر گیا تھا۔

"اللہ سے دعا کروں گی سولیم کہ وہ تمہیں سیدھے راستے پر لے آئے۔" ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر دعا نے اپنا بیگ اٹھایا اور بنا اسے دیکھے وہاں سے چلی گئی۔

اپنے کمرے کے صوفے پر بیٹھے لیپ ٹاپ کی تاریک سکرین پر نگاہ ٹکائے براق نے گیٹ سے باہر نکلتی گاڑی

کی آواز بخوبی سنی تھی لیکن وہ اٹھا نہیں بیٹھا رہا۔ بے حس و حرکت اپنے اس اہم کام کو چھوڑ کر جو اسے آج ہر صورت کرنا تھا۔ اس کے دل میں ٹیس سی اٹھنے لگی۔ ہاتھوں کے بال کھڑے ہو گئے تھے۔ آنکھوں پر دھند لکا چھا رہا تھا اور سانس غیر متوازن ہونے لگا۔ اس نے اپنا سیدھا ہاتھ اٹھا کر گردن کے پیچھے رکھا اور تین انگلیوں سے اسے دبانے لگا۔ اس کا نچلا لب دانتوں میں بری طرح جکڑا ہوا تھا۔ اتنی بری طرح کہ وہ خون کی طرح سرخ ہو گیا۔

"اس لیے کیونکہ میں اب بھی اس بندے کی طرف سے انسکیورٹی فیل کرتی ہوں۔" اس کے دبانے میں اشتعال آ گیا تھا۔ نچلا ہونٹ کٹ گیا۔ کٹ کر خون بہنے لگا جو اس کے ٹھوڑی پر اگتے بالوں میں جمع ہونے لگا۔ ہو کر گردن تک آنے لگا۔

"تم نے سنا نہیں سانپ کبھی نہیں بدلا کرتے۔ ان کے دل، ان کی فطرت کبھی نہیں بدلا کرتی ہمیشہ وہی رہتی ہے جو ہوتی ہے اس لیے آج کے بعد تم براق کو بھائی کہو گی تا کہ اسے تمہارے اور اپنے رشتے کا لحاظ رہے۔"

وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ دونوں ہاتھ گردن کی پچھلی سائیڈ پر پھنسائے وہ تھوڑا سا جھک گیا۔

"کیونکہ میں ڈسی ہوئی ہوں۔" اس کا وجود ایک بار پھر سے اتنے عرصے بعد لرزنے لگا۔ آنکھوں کے آگے وہ سارا خون چھا گیا تھا جو پہلے بھی چھاتا تھا یعنی آج اتنے عرصے بعد ایک بار پھر اس پر پینک اٹیک ہو رہا تھا۔

"تمہیں براق کے ساتھ بھائی لگانا چاہیے۔" براق نے جلدی سے ہاتھ کھول کر گردن میں جھولتی ٹائی کو نوچ کر خود سے دور پھینکا۔ وہ بری طرح کانپتے ہاتھوں اور دانتوں میں سختی سے قید ہونٹوں کے ساتھ اپنی شرٹ کے اوپری بٹن کھول رہا تھا۔ اس نے ہونٹوں کو اس لیے پکڑ رکھا تھا تا کہ وہ چیخ نہ پڑے تا کہ اس کی آوازیں باہر نہ چلی جائیں۔

"ڈیڈی۔" کمرے کے دروازے پر اچانک دستک ہوئی تھی۔ براق اس آواز کو سنے بغیر زمین پر دو زانو ہو کر بیٹھا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پھر سے گردن کو جکڑ کر گھٹنوں سے لگا رہے تھے۔ وہ خود کو کسی چیز سے روک رہا تھا۔ وہ، وہ ڈوز لینے سے خود کو تھام رہا تھا جسے کبھی نہ لینے کا اس نے اسد سے عہد کیا تھا اور وہ اس عہد کو توڑنے کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ کیسے ایک بار پھر سے اللہ کی نظر میں برا بن جاتا۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا وہ خود کو روک لے گا۔ اسے خود کو روکنا ہی پڑے گا۔

"ڈیڈی! آپ اندر ہی ہیں نا؟" عبداللہ نے ہولے سے دروازے کو کھول کر سر اندر ڈالا اور وہیں اس کی

ناب پکڑے پکڑے منجمد ہو گیا۔اس کی آنکھوں کی پتلیاں پھیلی تھیں اور سانس رک گیا تھا۔وجہ اس کے ڈیڈی تھے جو زمین پر بری حالت میں بیٹھے تھے۔

"ڈیڈ۔۔۔ڈی۔"اس کی کھائی سے آواز آئی تھی پھر جیسے وہ ہوش میں آیا تھا۔جھٹ سے دروازہ بند کر کے وہ اس کی طرف بھاگا۔اس دوڑ میں کیا کچھ نہیں تھا۔ڈر، خوف، عجلت اور آنسو۔

"ڈیڈی، ڈیڈی پلیز ایسا مت کریں دیکھیں میں ہوں عبداللہ میری طرف دیکھیں۔ڈیڈی۔"وہ اس کے دونوں ہاتھ اپنی پوری جان لگا کر کھول کر اس کے سینے سے لگ گیا تھا۔براق کے شانے پر ٹھوڑی رکھے اور اس کی کمر پر سختی سے اپنے ہاتھ باندھتے ہوئے وہ خوف سے لرز گیا تھا۔اسے یاد آ گیا تھا ایک بار اس کے ڈیڈی نے کہا تھا کہ انہیں پینک اٹیکس ہوتے ہیں۔یہ تب کی بات تھی جب براق اس کا دوست تھا اور وہ فیصل مسجد کے احاطے میں بیٹھ کر ایک دوسرے سے گفت وشنید کیا کرتے تھے۔

"ڈیڈی! میں ہوں آپ کے ساتھ کچھ نہیں ہوا ہے۔"وہ اپنی گرم سانس اور دل کی دھڑکن براق کے کانوں میں انڈیلتا ہوا لرز کر کہہ رہا تھا۔براق نے بہت بند باندھ کر خود پر کنٹرول کیا، لمبی لمبی سانسیں لیں اور ہونٹ کو دانت کے جبر سے چھڑوالیا۔

"عبداللہ۔"وہ فقط اس کا نام پکار پایا تھا۔عبداللہ اپنے نام کی پکار سن کر چہرہ اس کے چہرے کے سامنے لے آیا لیکن اسے چھوڑا نہیں۔وہ براق کو کسی بہت بڑے کی طرح دیکھ رہا تھا جب اس کی نگاہ اس کے زخمی ہونٹ پر پڑی۔عبداللہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"ڈ۔ڈیڈی، آپ کو تو چوٹ آئی ہے اوہ مائی گاڈ یہ تو بہت گہری ہے۔"وہ اچانک اس کا چہرہ اپنے چھوٹے ہاتھوں کی قید میں لے کر تفکر آمیز تاثرات کے ساتھ کہہ رہا تھا۔براق کی ناک پھول پچکنے لگی۔

"عبداللہ! مجھے بہت درد ہو رہی ہے۔"شکست پالہجے میں کہتے ہوئے وہ اس چھوٹے سے بچے کو ہراساں کر گیا تھا جو اس بات کو ہونٹ کے زخم سے جوڑ رہا تھا۔

"تکلیف ہو رہی ہے یار، بہت زیادہ تکلیف۔"عبداللہ نے جھٹ اپنے ہونٹ اس کے ماتھے پر رکھے۔

"میں آپ کے درد کو دور کر دوں گا ڈیڈی، میں ابھی فرسٹ ایڈ باکس لے کر آتا ہوں۔آپ پریشان مت

ہونا، میں ابھی آتا ہوں۔" اسے بار بار فکر مند لہجے میں اپنے آنے کا یقین دلاتے ہوئے وہ وہاں سے گیا تھا۔

براق نے اس کے جاتے ہی بیڈ کا سہارا لیا اور سیل فون ملا کر میسج لکھنے لگا۔

"اسد! کیا تم مجھے دیا اپنا عہد واپس نہیں لے سکتے؟" میسج ہواؤں کے سپرد کرتے ہوئے وہ آنکھیں موندیں عبداللہ کا منتظر تھا۔

☆......☆......☆

کمرے سے باہر آ کر آس پاس دیکھ کر چلتے ہوئے اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس بات کو صدیاں بیت گئی ہوں کہ وہ بھی کبھی آزاد تھی۔ اپنی مرضی کی مالک۔ ایک اڑتا ہوا الہڑ وس جو اڑان بھرتا ہے اور بس بھرتا ہی چلا جاتا تھا۔ اس نے ایک نگاہ اس کھلی راہداری پر ڈالی جس کے دائیں بائیں بے تحاشہ کمروں کے سفید دروازے دیوار کے ساتھ جڑے تھے اور سیاہ چھت پر انگنت لگے بلبوں کی دودھیا روشنی ایسے چمک رہی تھی جیسے رات کو آسمان پر تارے چمکتے ہیں۔

وہ چمچماتے سفید بلاکس والی راہداری پر اپنے بھورے لیڈیز شوز کو جماتے ہوئے دو آدمیوں کی معیت میں چل رہی تھی جو اس کے دائیں بائیں لیکن پیچھے حفاظتی گارڈ کے طور پر اس کے ساتھ تھے۔ معروش اپنی گردن سیدھی رکھے بغیر یہاں وہاں دیکھے آگے رہی تھی۔ اس کی مسافت مزید طویل ہوتی اگر وہ دو آدمی اسے لمبی راہداری سے دائیں طرف مڑنے کا نہ کہتے۔ وہ نیچے جاتی سیڑھیاں تھیں جس پر چلنے کا اسے کہا جا رہا تھا۔ سیڑھیوں پر نگاہ جماتے ہوئے وہ جگہ جگہ کھڑے سیاہ فام مسلح افراد پر نگاہ ڈال کر لابی میں آئی اور وہاں سے آٹو میٹک کھلتے دروازے کو عبور کر گئی۔ اب اس کی آنکھوں کے سامنے سورج سے چمکتا نیلا آسمان تھا اور سرسبز لان میں ڈھکی پتھروں کی روش تھی جس پر ایک سیاہ کار کروفر سے کھڑی تھی۔ اس کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر خلیفہ تبریز براجمان تھا۔ اس نے اپنی سائیڈ کی سیٹ کا دروازہ کھول کر اس پر اپنا پاؤں جمایا ہوا تھا۔ وہ معروش کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے تھوڑا جھک کر دوسری سائیڈ کا دروازہ کھول گیا۔

معروش ان آدمیوں کی معیت میں چلتی ہوئی آئی اور اس کھلے دروازے سے اندر بیٹھ گئی۔ اس کے سیاہ سیٹ میں دھنستے ہی باہر کھڑے آدمی نے دروازہ بند کیا تھا۔ خلیفہ نے گاڑی کو سٹارٹ کیا اور ایک بھرپور نگاہ اس پر ڈالی

جواس وقت ڈھیلی ڈھالی لمبی سفید لیڈیز ڈریس شرٹ اور ہلکے نیلے رنگ کے کھلے ٹراوزر میں ملبوس تھی۔ ٹراوزر جیسا ہی شرٹ سے بھی لمبا کوٹ تھا جواس نے پہنا ہوا تھا۔ گلے میں پر نٹڈ رومال تھا اور سر پر سفید اون سے بنی ہوئی کیپ جس نے اس کے سارے بال کور کیے ہوئے تھے۔ سفید فلیٹس نے اس کے پاؤں کو ڈھکا ہوا تھا۔

"تم نے سٹولز نہیں لیا؟" اس پر ایک نگاہ ڈال کر وہ سرسری سا پوچھ رہا تھا۔ گاڑی کو ریوس کرتے خلیفہ پر ایک نگاہ ڈال کر وہ نارمل سے لہجے میں بولی۔

"یمن نہیں لیا کرتی تھی۔" اسے بولنے میں اب بھی تھوڑی دشواری ہورہی ہے یہ اس کی اٹکتی آواز خلیفہ پر واضح کر گئی۔

"درست کہا لیکن معروش تو لیتی تھی۔" عجیب وغریب جگہ تھی اس سے بھی زیادہ ویئرڈ لوگ تھے۔ وہ ان کھچڑی بالوں والے سیاہ لوگوں کو دیکھنا ترک کرتے ہوئے خلیفہ کی طرف رخ کر کے بیٹھ گئی۔

"کس معروش کی بات کر رہے ہو۔ کیا کوئی معروش بھی تھی اس دنیا میں؟" وہ اس کی بات پر چونک گیا۔ الجھی نگاہیں اس کے صبیح چہرے پر گاڑیں اور پھر جبڑے بھینچتے ہوئے سامنے دیکھنے لگا۔

"تم نے کہا تھا سب فراموش کر دو گی لیکن خود کو بھلا دو گی یہ نہیں کہا تھا۔ یہ بات بالکل ٹھیک نہیں ہے تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔" گیئر کو بدلتے ہوئے وہ اسے کسی ناصح کی طرح سمجھا رہا تھا۔ معروش نے اپنا نچلا لب تر کیا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" موضوع کو بدلنے کی غرض سے وہ نیا سوال پوچھ بیٹھی تھی۔ خلیفہ نے گردن اس کی طرف موڑی اور پھر وہ کہا جسے سننے کیلئے اس کے کان ترس گئے تھے۔

"نانو سے ملنے۔"

وہ اچھل کر نشست کی پشت چھوڑ کر آگے کو ہوئی۔ آنکھوں میں وہ حیرانی تھی جو شاید اس صدی میں کسی کی آنکھوں میں ہوگی۔

"یہ کیا سنا میں نے؟ کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟ ہاں ایسا ہی ہے تم نے ابھی کہا ہم نانو سے ملنے جائیں گے۔ ہے نا؟" وہ جذبات کی رو میں بہہ کر ایک ہی سانس میں بول گئی تھی۔ خلیفہ نے شفاف تارکول کی سڑک پر نگاہ ڈالتے ہوئے اسے جنبش دی اور اس کے گلاب سے کھلتے چہرے کو دل کی بنجر زمین پر اتارنے لگا۔

"تم نے صحیح سنا ہے معروش، ہم واقعی نانو سے ملنے جا رہے ہیں۔ یہ بات تمہیں اتنی خوشی دے گی میں نے سوچا نہ تھا۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ جیسے اس کی خوشی دیکھ کر محظوظ ہوا تھا۔ معروش اس کے لفظوں پر تھم گئی، تھم کر سیدھی ہوئی اور سیدھے ہو کر باہر کی عجیب وغریب دنیا سے آشنا ہونے لگی۔

"کیا میں سوال کر سکتی ہوں؟" اس کی بات کو یکسر فراموش کر کے وہ بہت بڑے سبز گیٹ سے کار کو اندر جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ اس گیٹ کے پار بھی خلیفہ تبریز کی ایک ریاست قائم تھی۔ جگہ جگہ ٹہلتے مسلح افراد اور چوکیوں پر بیٹھے گارڈز اس کی آنکھ سے مخفی نہ تھے۔ خلیفہ نے سرخ رنگ کی روش پر گاڑی کو روکا اور اس میں سے اترنے کے بعد دوڑتا ہوا اس کی طرف آیا۔ دروازے کو وا کرنے کے بعد وہ اسے اجازت دے رہا تھا۔

"تمہیں پورا اختیار ہے۔"

اس کے لفظوں کی گہرائی میں کیا مطلب چھپا ہے یہ وہ اچھے سے جانتی تھی لیکن لاکھ چاہنے کے باوجود وہ دل کو اسے نوفل نہ ماننے سے روک نہ پائی تھی۔ اس کے چوڑے ہاتھ میں قید ہوتے اپنے ہاتھ پر نظر ڈال کر اس کے پیچھے چلتے ہوئے وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہم کس ملک میں ہیں۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے یہ پوری دنیا میں کرائم لسٹ میں نمبر دو پر آنے والا ملک ہے، کیا نہیں ہے؟"

خلیفہ اسے اپنے ساتھ لفٹ تک لایا تھا۔ ہلکے بھورے ماربل سے بنی یہ ہوٹل نما بلڈنگ واقعی میں خلیفہ کی ریاست تھی جہاں سے اس کے گزرتے ہوئے سب لوگ سر جھکائے جا رہے تھے۔ اس بات سے وہ اندازہ لگا چکی تھی کہ جہاں وہ کھڑی تھی کوئی معمولی جگہ نہیں تھی۔

"تم نے اچھا اندازہ لگایا۔ یہ پاپائے نیو جینوا ہے دنیا بھر میں مشہور دوسرا کرائم ملک جہاں کبھی بھی کچھ بھی متوقع ہو سکتا ہے۔ یہ خلیفہ کی ریاست ہے۔"

اس کے دماغ میں ایک دم سے کھٹاک ہوا تھا۔ لفٹ کے کھلتے دروازے سے باہر جانے کی بجائے وہ یونہی قدم جمائے کھڑی رہی۔ خلیفہ آگے بڑھا تھا لیکن اس کے یوں جامد رہنے پر تعجب سے مڑا۔

"کیا ہوا؟" اسی تجسس سے پوچھا جو اس کے نہ ملنے پر اس کے اندر پروان چڑھا تھا۔

"تم ایسا کیسے کر سکتے ہو خلیفہ! تم ہم لوگوں کو اتنی خطرناک جگہ پر کیسے لا سکتے ہو؟" خوف تھا، اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارا خوف تھا۔ اس خوف کو محسوس کر کے، دیکھ کر خلیفہ کے ماتھے پر جال بچھ گیا تھا۔ لفٹ بند ہونے لگی تھی لیکن اس نے اپنا بھاری بوٹ درمیان میں رکھ کر دروازے کو بند ہونے سے روک دیا۔

"معروش، کیا یہ تم ہی ہو؟" وہ حیرت سے استفسار کر رہا تھا۔ اچانک معروش کی پلکیں بھیگ گئیں۔ انہی بھیگی پلکوں کے ساتھ اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"تم کیوں بھول جاتے ہو خلیفہ تبریز کہ معروش مر چکی ہے۔ تمہارے سامنے جو کھڑی ہے وہ ایک معمولی لڑکی ہے۔ کوئی آئی ایس آئی، ایف آئی اے یا این ایف کی بندی نہیں، تم نے مجھے پاکستان کی حدود سے باہر نکالنے کے بعد ایک عام لڑکی میں بدل دیا ہے۔ وہ عام لڑکی جو ڈرنا جانتی ہے، گھبرانا جانتی ہے اور آسانی سے رو دیتی ہے۔"

اس نے ہاتھ کی پشت سے سر جھکا کر آنسوؤں کو رگڑا، خلیفہ چند منٹ گنگ کھڑا رہا پھر توقف کے بعد اثبات میں سر ہلاتا ہوا اس کا ہاتھ کھینچ کر آگے بڑھ گیا۔ اس نے کچھ نہیں کہا تھا کچھ بھی نہیں شاید اس سے وہ کچھ بھی کہنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ پچھلی والی راہداری سے ملتی جلتی لمبی راہداری کو عبور کرنے کے بعد وہ ایک کمرے کے سامنے آکر رکا تھا۔ رک کر اس کی طرف دیکھا اور دیکھ کر کہنے لگا۔

"تم اندر جا سکتی ہو۔ جب فارغ ہو جاؤ تو انٹرکام پر انفارم کر دینا ہے میں یہیں ہوں۔" اپنی بات مکمل کرنے کے بعد وہ پلٹا تھا۔ بھورے ماربل سے سجی راہداری کے دروازے بھی بھورے تھے جو لمبی قطار میں دیوار میں نصب تھے۔ اگر کچھ بھورا نہیں تھا تو وہ معروش تھی۔ اس کے سفید اور نیلے کپڑے تھے یا پھر خلیفہ۔ جو سیاہ پینٹ اور شرٹ میں ملبوس بالوں کا آدھا جوڑا باندھے، گلے میں چینز لٹکائے گہرے سبز رنگ کے جوگرز کے ساتھ لمبے لمبے ڈگ بھرتا کرخت چہرے کے ساتھ آگے بڑھ رہا تھا۔ اس کے پیچھے کھڑی معروش اسے دور جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے نگاہ اس سے ہٹا کر دروازے پر ڈالی اور ناب کو گھما کر اندر قدم رکھ دیے۔

کمرے کے وسط میں بچھا وہ چوکور شیپ کا بیڈ جو نارنجی رنگ کی بیڈ شیٹ سے ڈھکا ہوا تھا پر نانو آنکھوں میں سنہری فریم والا چشمہ لگائے کسی کتاب کی ورق گردانی میں مصروف تھیں۔ عموماً وہ اس طرح کی آواز (ناب کے کلک ہونے کی) پر سر نہیں اٹھایا کرتی تھیں لیکن آج بیساختہ ہی انہوں نے نگاہوں کا زاویہ بدلا تھا اور اسے

سامنے کھڑا پایا جسے دیکھنے کیلیے وہ پچھلے ایک ماہ سے بے چین روح کی طرح اس کمرے میں منڈلاتی پھر رہی تھیں۔ اب وہ اس کے سامنے تھی۔ ان کی معروش آنکھوں میں ڈھیروں ڈھیر آنسوں لیے، نچلے لب کو معمولی سا باہر نکالے کانپتی تھوڑی کے ساتھ کاندھے ڈھلکائے انہیں دیکھ رہی تھی۔ نانو فوراً سے کتاب کو بیڈ پر پھینک کر نیچے اتریں اور تین چار قدم عجلت میں پاٹ کر اس کے عین سامنے آ کر رک گئیں۔

"معروش! یہ تم ہی ہو نا؟" ان کے بوڑھے گلابی ہونٹ ہلکے سے لرزے تھے۔ وہ لمحہ ضائع کیے بنا ان کے شانے سے جا لگی۔ نانو نے ممتا سے پُر دل کے ساتھ اس کی کمر پر بازو باندھے تھے۔ ان لوگوں سے بہت دور اندھیرے کمرے کی ایک دیوار پر نصب سکرین پر نگاہ جمائے خلیفہ نے وہاں بیٹھے چند لوگوں کو ہاتھ سے جانے کا اشارہ کیا۔ ان کے جاتے ہی گھومتی کرسی کو سیدھے پاؤں سے اپنی طرف دھکیل کر وہ اس میں دھنسا اور ہیڈ فونز کانوں پر لگا لیے۔ وہ ان میں سے اب دونوں کی گفتگو کو باآسانی سن سکتا تھا۔

"وہ ہمیں دیکھ سکتا ہے اور سن سکتا ہے۔" ہچکیاں نکال کر روتے ہوئے اس نے ہلکے سے سرگوشی کی تھی۔ خلیفہ نے بٹن کو سوائپ کرتے ہوئے والیوم کو بڑھایا تھا مگر سن نہ پایا۔

نانو سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ ان کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں لیتے ہوئے محبت پاش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ نانو اس کے اس طرح دیکھنے پر مسکرا دیں۔ ماتھے پر بوسہ دیا اور اس سے پوچھنے لگیں۔

"تم ٹھیک ہو معروش؟"

ان کے پوچھنے پر معروش نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ گلے میں لپٹے رومال نے اس کی پٹی کو چھپا دیا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے اب مزید ان سے کہہ رہی تھی۔

"میں ٹھیک نہیں ہوں نانو، ہو بھی کیسے سکتی ہوں۔ نوفل نے دھوکا ہی اتنا بڑا دیا ہے۔ اسے میرے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

نانو نے ہاتھ بڑھا کر اس کے آنسو پونچھے اور رندھے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"جو ہے ہی نہیں وہ دھوکا کیا دے گا بیٹا، بھول جاؤ وہ سب جو دل دکھا دے۔"

خلیفہ کی آنکھوں میں ہولے ہولے سختی بڑھنے لگی تھی۔ اندھیرے میں ڈوبے اس ہال نما کمرے میں وہ تنہا

بیٹھا تھا۔ بیٹھ کر اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی آنکھوں میں اندھیرے ڈال گئی تھی۔

"نانو، آپ ٹھیک ہیں نا، آپ نہیں جانتی ان تیس دنوں میں آپ کب کب مجھے یاد آئیں۔ میں، میں یہاں سے جانا چاہتی ہوں نانو، میرا دل گھٹ رہا ہے یہاں رہ کر۔" وہ ان کے ساتھ صوفے پر ٹک گئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوجے کے دکھی دل پر مرہم کے پھاہے رکھ رہی تھیں۔ نانو فوراً دراز کی جانب بڑھیں اور ایک چھوٹا سا باکس لے کر اس کے پاس آئیں۔

"یہ میں نے عمرے کے بعد تمہارے اور نوفل کیلئے لیا تھا۔ اس میں کچھ چیزیں ہیں معروش جو تمہیں سکون دیں گی۔ تم نے اپنے رشتے کے بارے میں کیا سوچا ہے؟" خلیفہ جو اس باکس کو دیکھ کر کرسی کی بیک کو چھوڑ گیا تھا۔ ان کے اگلے سوال پر ٹھٹک کر رک گیا۔ آواز کی پچ بڑھائی اور معروش کے چہرے پر کیمرے کو زوم کر دیا جہاں صرف خالی پن کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔

"میں نے اپنے آپ کو کورا کاغذ بنا لیا ہے نانو، خلیفہ سے نکاح کی حقیقت کو میں بھول نہیں سکتی لیکن دل کو اب بھی نوفل کی چاہ ہے۔"

خلیفہ نے پوری سکرین پر جگمگاتے اس کے چہرے پر واضح نوفل کی محبت کے رنگ دیکھے تھے۔ اس نے سختی سے اپنے دانتوں پر دانتوں کو جمایا اور ہاتھ کی مٹھیاں اتنی زور سے بھینچیں کہ وہ کپکپانے لگیں۔ وہ ایک جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا اور نانو کے کمرے کی اور بڑھنے لگا۔

نانو اس سے کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن ان کے الفاظ منہ میں ہی رہ گئے۔ وجہ خلیفہ کا اچانک ٹھاہ کر کے دروازہ کھولنا تھا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ معروش کو دیکھ کر مخاطب ہوا۔

"جانے کا وقت ہو چلا ہے۔ آؤ۔" سر کو جھٹکا دے کر وہ اس کے اٹھنے کا منتظر ہوا۔ نانو نے جھٹ سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"کیا ایسا ممکن نہیں کہ۔" اس نے سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں نانو کی بات کو قطع کیا تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ اپنی سوچ کو جھٹکیں کیونکہ معروش کا یہاں رہنا مناسب نہیں، چلو معروش دیر ہو رہی ہے۔"

اس کے اٹل لہجے پر معروش نے اپنے لبوں کو کچلا تھا۔ اچانک نم ہوتی نگاہیں نانو کے پسماندہ ہوتے چہرے پر

ڈالیں اور جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ خلیفہ نے نانو کے بکھرتے وجود کو دیکھا اور پھر دروازہ بند کر دیا۔

☆......☆......☆

صبح کی روپہلی کرنیں جب رات کے اندھیروں کی آغوش میں جا سوئیں تب اسلام آباد کے سیکٹر نو میں واقع اس چھوٹے سے فلیٹ نما گھر کی بتیاں ایسے روشن ہوئیں جیسے جگنو ہوں۔ اسی گھر کے لاؤنج میں اسد شاکی انداز میں یہاں وہاں ٹہلتا ہوا دکھ رہا تھا۔ اس کے عین سامنے صوفے پر براق سادہ سی پینٹ اور شرٹ میں ملبوس لب بستہ سا اسد کو سنے جا رہا تھا جو کہہ رہا تھا۔

"کوئی شرم کوئی حیا ہے تجھ میں یا نہیں، تو کس مٹی کا بنا ہے یار آج بتا دے مجھے۔" وہ جھنجھلاتے ہوئے اس کے سامنے آ کر رکا تھا۔ اس کا خون پچھلے دو گھنٹے سے کھول رہا تھا۔ اس خون کے کھولن اور جلنے کی وجہ براق کا وہ میسج تھا جسے پڑھنے کے بعد بیچارے اسد کے دل میں پتنگے لگ گئے تھے۔ وہ پہلی فرصت میں اس کے سر پر پہنچا اور اس کے حلیے کی پرواہ کیے بنا گھسیٹتا ہوا اسے اپنے گھر لے آیا جو اس نے براق کی سولیم سے شادی کے بعد خریدا تھا ورنہ تو وہ لوگ ایک ہی گھر میں بھائیوں کی طرح رہا کرتے تھے۔

"مٹی کی شناخت کیسے کروں میں، میرے خیال سے سب مسلمان ایک ہی مٹی سے بنتے ہیں۔" ہلکی مدھم آواز میں کہتے ہوئے وہ اسد کا فشارِ خون مزید بڑھا گیا۔ وہ اس کے ایسے گھورنے اور تیوریاں دکھانے پر خائف ہو گیا تھا۔

"براق، قسم خدا کی اگر عبداللہ کا خیال نہ ہوتا نا تو میں نے تجھے جم روم میں لے جا کر بہت دھونا تھا۔ بتا جلدی سے بول کہ ایسا میسج کرنے کا مقصد کیا تھا اور یہ ہونٹ۔" اس نے سختی سے دانت پیسے۔

"یہ ہونٹ کیسے کٹا گردن کے پیچھے نشان کیسے ہیں اور یہ گھٹیا میسج خبردار، خبردار اگر یہ کہنے کیلئے منہ کھولا کہ تجھے پینک اٹیک ہوا تھا مجھے یہ لفظ نہیں سننے۔"

وہ انگلی اٹھاتا دھاڑتا ہوا چہرہ بالکل اس کے قریب لے آیا تھا۔ براق کے وا لب واپس بند ہوئے اور وہ سپاٹ چہرے کے ساتھ اس کا غصے سے سرخ گرم چہرہ تکنے لگا۔ اسد کا یوں خود پر چڑھنا اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔

"بکے گا اب؟" وہ چند ساعتیں اس کے بولنے کا منتظر رہا لیکن سابقہ پوزیشن میں بیٹھے رہنے پر جھنجھلا اٹھا۔

اس کی جھنجھلاہٹ براق کی اگلی بات پر چڑچڑاہٹ میں بدل گئی۔ وہ ضبط سے مٹھیاں کھول بند کرنے لگا۔

"خود تُو نے ہی تو کہا ہے مجھے نہیں سننا تو کیا بولوں میں، اسد فارگاڈ سیک یار میں کمزور لمحوں کی قید میں آ کر وہ میسج کر گیا پھر احساس ہوا غلط کیا ہے اور جانتے ہو وہ احساس دلانے والا کون تھا؟ میرا عبداللہ۔"

اسد جو اس کی بات سن کر مزید پھٹنے والا تھا براق کے چاشنی میں ڈوبے اگلے جملے پر ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔

اس کے چہرے پر چڑھی سرخی دن کی طرح اتری تھی دانت بھی سختی سے آزاد ہوئے اور مٹھیاں بھی کھل گئیں۔

"عبداللہ نے؟ عبداللہ نے تمہیں احساس دلایا۔ کیا ایسا ہوا تھا؟" وہ اس کے پاس ٹک گیا تھا۔ براق نے جوش و محبت سے اثبات میں سر ہلایا۔

"بالکل وہ مجھے کہہ رہا تھا ڈیڈی آج کے بعد آپ کو پینک اٹیکس نہیں ہوں گے۔ آج کے بعد میں جو ہوں آپ کے ساتھ تب مجھے احساس ہوا، اولاد سے بڑھ کر کوئی دوا والدین کو ٹھیک نہیں کر سکتی اسد، میں اس کیلئے ایک اچھا باپ ثابت ہوں گا نا؟"

سہمی سی نگاہوں کے ساتھ وہ اسے تک رہا تھا۔ ایسے جیسے اگر ابھی اسد نے کہہ دیا کہ براق شاہ تم میں اچھے باپوں والے کوئی گر نہیں تو وہ واقعی اچھا باپ نہیں بن پائے گا لیکن اسد نے وہ نہیں کہا جو براق نے سوچا تھا۔ اس نے تو وہ کہا جو اسے کہنا تھا جو اس کا دل کہہ رہا تھا کہنے کو۔

"اس میں کوئی شک نہیں براق کہ تم نہ صرف ایک اچھے باپ ثابت ہو گے بلکہ ایک اچھے شوہر کی لسٹ میں بھی نمبر ون پر آؤ گے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے کہہ رہا تھا۔ اس چیز کو جانے بغیر کہ اس کے اگلے الفاظ براق کے دل پر کس طرح گزرنے والے ہیں۔ آنکھوں کی بجھتی جوت کو چھپانے کی غرض سے اس نے نگاہیں جھکا لیں اور پھیکا سا مسکرایا۔

"کاش ایسا ہو جاتا۔ خیر اپنے بارے میں کیا سوچا ہے تم نے؟"

اسد کو اس کا کاش لفظ استعمال کرنا بالکل اچھا نہیں لگا جس کا برملا اظہار اس نے کر بھی دیا۔

"تمہیں کاش لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یہ دل میں حسرتیں جگاتا ہے جو کہ کسی بھی انسان کو احساس

کمتری میں باآسانی مبتلا کر سکتی ہیں اور میرا نہیں خیال یہ چیز اچھی ہے۔" ٹھوڑی کو کھجاتے ہوئے وہ دونوں دن سے چمکتے اس لاؤنج میں بیٹھے تھے جہاں اسد اور اس کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا۔ براق نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"بیشک تم صحیح ہو لیکن کیا میں پوچھ سکتا ہوں بات کو گول کیوں کیا جا رہا ہے؟" بھنویں اچکاتے ہوئے وہ اسے مشکل میں ڈال گیا تھا۔ اسد پکڑے جانے پر خجل ہوا سر کی پشت پر ہاتھ کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں تمہیں اس چیز کی اجازت نہیں۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ اپنے دوست کی قاتل آنکھوں سے نگاہیں چراتے ہوئے بولا۔ براق کے لبوں پر مبہم سی مسکان آن سمائی تھی۔

"یعنی میں سمجھوں کہ تم شرما رہے ہو۔ کم آن تم بوڑھے ہوتے ہوئے شرماتے برے لگ رہے ہو۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔ اس کا چھیڑنا صاف ظاہر تھا۔ اسد کو تو اس کے لفظوں پر سو والٹ کا جھٹکا لگا۔ وہ اپنی جگہ پر بدکا اور انگلی کھڑی کرتے ہوئے وارننگ دینے والے انداز میں بولا۔

"او ہیلو لمٹ میں رہو ہاں، بوڑھے ہو گے تم۔ میں تو ماشاءاللہ سے ابھی جوان ہوں۔ ویسے مجھے نہیں پتا تھا اتنے عرصے بعد تم اتنا گھٹیا ہنسنا سیکھ چکے ہو۔ واللہ کانوں میں ٹیسیں اٹھنے لگی ہیں۔"

وہ براق کے متواتر ہنسنے پر کڑوا منہ بنا کر وہاں سے اٹھا اور اوپن ایئر کچن کا رخ کیا۔ براق نے ہنسی کے سبب آنکھوں میں اترتی بے تحاشہ نمی کو آستین سے پونچھا اور رخ موڑ کر اسد کے لمبے لمبے ڈگوں کو دیکھنے لگا۔ بالکل اس سے ملتے جلتے قدم کسی اور کے بھی تھے مگر وہ کسی کوئی اور نہیں بلکہ رخسانہ تھی جہاں اسد کے انداز میں ناراضگی و عجلت تھی وہیں رخسانہ کے قدم بے صبری و بے چینی سے حفیظ کی تقلید کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ اس کے گھنگھریالے بال تیز چلنے کی وجہ سے اوپر نیچے اچھلنے میں مصروف تھے۔ متوحش چہرے پر موجود لبوں کو آپس میں پیوست کیے وہ اس وقت تیز بھورے رنگ کی تنگ گلے اور پورے بازوؤں والی فراک ٹراؤزر میں ملبوس تھی۔ گلے میں سرخ رنگ کا تکون سکارف تھا اور ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچی ہوئی تھیں۔ وہ بڑی سی جگہ کو عبور کرتے ہوئے چلتے چلتے ایک کمرے میں آئے۔ حفیظ نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بیٹھنے کو کہا تھا۔

"آپ کو کچھ وقت یہاں پر انتظار کرنا ہوگا اور ہاں اگر کسی بھی چیز کی ضرورت محسوس ہو تو میز کے تیسرے

کونے پر لگے بٹن کو دبا دینا۔"

وہ جاتے ہوئے اسے ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا۔ رخسانہ بھی باقی لڑکیوں کی طرح آزاد ہو کر اپنے گھر والوں سے ملنے کیلئے بے چین تھی لیکن چونکہ وہ کوبرا کے اور بھی بہت خاص اڈوں کے بارے میں جانتی تھی اور انہیں نزدیک سے بھگت چکی تھی تو اسے فی الحال سہولت کار کے طور پر اس کی رضامندی کے ساتھ استعمال کیا جا رہا تھا۔ اب بھی وہ ان لوگوں کے اسکیچز بنوا کر آئی تھی جن کے بارے میں جاننے کے بعد ایجنسی نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ ایسا کرے اور وہ کر رہی تھی کیونکہ وہ بھگوڑوں کو تختہ دار پر لٹکتا ہوا دیکھنا چاہتی تھی۔

وہ ابھی اپنی سوچوں میں ہی گم تھی کہ کوئی دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔ وہ اور کوئی نہیں نوفل کا دوست عمران تھا جو بکھرے سے چہرے کے ساتھ چار لوگوں جتنے بیٹھنے کی جگہ والے کمرے میں رکھی تین کرسیوں میں سے ایک سنبھال چکا تھا۔ اس کے عین سامنے رخسانہ گود میں ہاتھ دھرے بیٹھی تھی اور درمیان میں میز رکھی ہوئی تھی۔ وہ کمرا کسی بھی روشن دان سے عاری مصنوعی روشنیوں سے جگمگا رہا تھا۔

"اگر میں غلط نہیں ہوں تو ضرور آپ بھی سازش کا شکار ہوئی ہیں؟" سادی سی سیاہ پینٹ اور فان کلر کی فارمل شرٹ میں ملبوس وہ کرسی کو کھینچنے کے بعد اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ رخسانہ تضحیکی انداز میں مسکرائی۔

"آپ اچھے اندازے لگاتے ہیں۔" لبوں کو ہلکے سے جنبش دینے کے بعد وہ میز کے اس پار بیٹھے مرد کے چہرے پر پھیلی افسردگی کو جانچنے لگی جو اس کی بات کے بعد پھیلی تھی۔ وہ سر کو نفی میں ہلاتے ہوئے نگاہیں نیچی کیے دلگیر لہجے میں بولا۔

"اگر ایسا ہوا کرتا تو آج دوستی میں اتنی بڑی چوٹ نہ کھاتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں میرا سادہ دل نوفل ایک بہت بڑا گینگسٹر تھا، ایک گناہگار تھا۔"

رخسانہ نے اس کی بات درمیان میں اچک لی جس پر عمران کرسی پر سے سپرنگ کی طرح اچھلا۔ گویا اس میں کانٹے اگ آئے ہوں۔

"وہ کافر بھی تھا۔"

اس کے اس انکشاف پر عمران پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس ہلکے گھنگھریالے بالوں والی لڑکی کے چہرے کو تک

رہا تھا جو منہ پر سو فیصد درست کا سائن لگائے بیٹھی تھی۔ اسے کچھ لمحے لگے تھے بولنے میں۔

"وہ نوفل تھا اور نوفل کیسے کافر ہو سکتا ہے۔" اسے نوفل کی وہ تمام اچھی عادتیں اور باتیں یاد آنے لگیں جو وہ کبھی اس کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ وہ اتنا نیک تھا وہ کیسے کافر ہو سکتا تھا۔ نہیں یہ ایجنسی والے اور سامنے بیٹھی لڑکی سب جھوٹے ہیں۔

"وہ خلیفہ تھا اور خلیفہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ بھلا وہ انسان جو زندگی کی تمام حدود کو پھلانگ دے مسلم کہلانے کے لائق ہے۔ ہنہہ۔" سر کو جھٹکتے ہوئے اس نے لفظوں میں زہر کو اچھے سے گھول کر حلق سے باہر نکالا۔ عمران نے آہستہ سے کرسی کے ہتھے کو پکڑ کر خود کو اس کی پشت پر گرایا۔

"وہ جھوٹ نہیں بولتا تھا، نماز کا عادی تھا۔ اچھے دل کا مالک تھا اور اپنی بیوی سے محبت کرتا تھا۔ میں کیسے یقین کر لوں کہ اتنا اچھا انسان خلیفہ ہو سکتا ہے یہ بات ہضم نہیں ہوتی۔" نظریں جھکائے دل کے بوجھ کو لفظوں میں ڈھال کر وہ کندھے ڈھلکا گیا تھا۔ اس کا دل ہر ایک کو جھٹلا رہا تھا کیونکہ وہ اپنے دوست کو اچھے سے جانتا تھا اور اچھے دوست وہی تو ہوتے ہیں جو جاننے کا دعویٰ کریں اور کبھی نہ چھوڑنے کا عہد کر کے اسے پورا کریں۔ عمران بھی یہاں اسی غرض سے لایا گیا تھا۔ وہ یہاں اس لیے موجود تھا کیونکہ وہ نوفل کا دوست تھا۔ وہ نوفل جسے یہ ایف آئی اے والے خلیفہ گردانتے تھے۔ وہ خلیفہ جو وقت کا سب سے بے رحم اور بے دل انسان تھا۔

"میں نے کہا نا خلیفہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ اپنے دل کو سنبھال لو اور اسے مزید جھٹکوں کیلئے تیار کر لو کیونکہ آگے کی زندگی اب یہاں کے چکروں میں کٹنے والی ہے۔"

عمران نے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر آنکھوں کو بند کیا۔ وہ نہیں مان سکتا تھا کہ اس کا جگری ایک مفرور مجرم ہو سکتا ہے۔ وہ کیسے کر سکتا تھا اس بات پر یقین۔ آہ۔۔ یہ زندگی اور اس میں وقوع پذیر ہونے والی بھیانک تبدیلیاں۔

سرکتے وقت کے ساتھ عمران یونہی آنکھیں موندے دل کو تھپکتے ہوئے بیٹھا رہا اور رخسانہ تا ہنوز ہاتھ گود میں دھرے اس بکھرے شخص کو دیکھے گئی۔

☆......☆......☆

وہ اپنے سابقہ انداز میں الفاء میں بیٹھی تھی۔ اس کا یہ کلینک پاکستان کے نامور کلینکس کی فہرست میں آتا تھا

جہاں وہ ہر طرح کے مریض با آسانی ڈیل کرتی تھی کیونکہ یہ اس کا پیشہ تھا اور اسے اپنے پیشے سے عشق تھا۔ ابھی بھی وہ سیاہ عبایہ میں خود کو چھپائے ناک کی ہڈی پر موجود نقاب کو درست کرتی ہوئی اس لڑکی کو سن رہی تھی جو اس سے کہہ رہی تھی۔

"سرکتے وقت نے مجھے اس بات کا احساس دلایا کہ میں کتنی غلط تھی۔ جو اسے خود کا گنہگار سمجھ رہی تھی میں کیسے اپنے نظریے کے مطابق کسی کو جج کر سکتی ہوں۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا بلکہ کسی کو بھی ایسا نہیں کرنا چاہیے اس سے زندگی اور انسان دونوں برباد ہو جاتے ہیں۔"

سفید میز کے اس پار بیٹھی ڈھلتی عمر والی لڑکی اپنی خم دار پلکوں پر آئے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے نگاہیں جھکائے مدھم لہجے میں اس کے آگے اپنا دل کھول رہی تھی جس سے اسے پازیٹو وائبز آئی تھیں۔ اس لڑکی کے بال سر سے لے کر شانوں تک سیاہ تھے اور اس کے نیچے ڈارک براؤن رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ جدید تراش خراش کے سوٹ پر اس نے بوینزا کا سویٹر زیب تن کیا ہوا تھا۔ اسی سوٹ کے ہم رنگ سی سگرین سویٹر کی آستین سے اپنے دودھیا گال کو رگڑتے ہوئے وہ چہرہ اٹھا کر اپنی ڈاکٹر کو دیکھنے لگی تھی جو میز پر دونوں ہاتھوں کو باہم پھنسائے سیدھی کمر کے ساتھ بیٹھی اسے تکنے میں مصروف تھی۔ اس لڑکی کے چپ رہنے پر سویلیم نے اپنے لب کھولے۔

"انسان اپنی غلطیوں سے ہی سیکھتا ہے۔ غلطیاں زندگی کے بہت سے تلخ آئنے آپ پر کھول دیتی ہیں جن میں اپنا چہرہ دیکھنے کے بعد احساس ہوتا ہے کہ ہم نے کہاں کتنی چوک کی۔ تمہاری بیماری اتنی بڑی نہیں ہے جتنا تم اسے سر پر سوار کر رہی ہو لیکن میں تم سے ایک بات کہوں گی۔"

جاتی سردیوں کی چمکتی صبح میں وہ اپنے پیچھے کھلی کھڑکی سے چھن کر آتی دھوپ میں بھیگی اس لڑکی کی داستان سننے کے بعد بولی تھی جو اس کی خود کی زندگی سے ملتی جلتی تھی۔ بس فرق اتنا تھا سویلیم براق کو قبول نہیں کر پائی تھی اور سامنے بیٹھی ڈھلتی عمر والی لڑکی اس انسان کو دل دے بیٹھی تھی۔

"ریپسٹ ہمیشہ ایک ریپسٹ ہی رہتا ہے۔ وہ کبھی بھی آپ کی زندگی میں ہیرو نہیں بن سکتا، قابل رحم نہیں ہو سکتا۔ اس کیلئے دل کو کھولنا اس میں گنجائش ڈالنا اپنی خود کی ہی توہین ہے۔ معاشرے کو اور شے دینا ہے کہ جو وہ کر رہا ہے یا کر چکا ہے وہ اتنا غلط نہیں تھا۔ وہ بس روزمرہ ہونے والی غلطیوں کی طرح کی ہی ایک غلطی تھی جو اس

سے سرزد ہوگئی یعنی ہم عورتیں خود اپنے دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ویلیو گھٹا دیتی ہیں۔ اتنے بڑے گناہ کو معاف کرنا سوسائٹی میں ریپ کو عام چیز بنا دینا ہے جو کہ سراسر غلط ہے۔"

یہ اس کی ڈاکٹری زبان نہیں تھی بلکہ یہ تو اندر کا غبار اور سوچ تھی جو وہ کئی سالوں سے اسی طرح کی لڑکیوں کے کانوں میں انڈیل رہی تھی۔ وہ ہر روز یہ سن سن کر کڑھتی رہتی تھی کہ کیسے صنفِ نازک اپنے دل کے ہاتھوں خود کو ذلیل کرواتی ہیں اور اس انسان کی پیروکار بن جاتی ہیں جو ان کی بدنامی کا جواز بنا۔ بھلا ایک قابل نفرت انسان کے ساتھ بھی محبت ہوسکتی ہے؟ ناممکن!

"وہ اپنی غلطی پر پشیمان ہے۔" اس لڑکی نے برجستہ کہا تھا۔ سولیم کی ماتھے کی رگ پھڑپھڑائی۔

"سو واٹ؟"

وہ اس لڑکی کی اچانک تختہ دار پر چڑھنے کے قابل شخص کی حمایت و وکالت پر چیخ گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ اس وقت وہ یہاں کس حیثیت سے بیٹھی ہے۔ خیر یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ وہ یونہی اکثر اپنی حیثیت اور اس کرسی کے وقار کو بھول جاتی تھی جہاں وہ انسانیت کی خدمت کی غرض سے آٹھ گھنٹے بیٹھا کرتی تھی۔ اسے بس یاد رہتا تھا تو صرف اتنا کہ وہ معاشرے کے ناسوروں سے شدید نفرت کرتی ہے۔

"وہ راہ راست پر آچکا ہے۔" لڑکی اچانک اس الجھن آمیز بحث سے جھنجھلا گئی تھی۔ وہ حیران و پریشان سی اس ڈاکٹر کو تک رہی تھی جو بیک سے چھن کر آتی مدھم زرد روشنی کی اوٹ میں بیٹھی آنکھوں میں تنفر جما چکی تھی۔

"یعنی یہ بات اس کی معافی کیلئے کافی ہے یعنی آدمی اس طرح کی حرکتیں کر کے مذہب کو درمیان میں لا کر بچتے رہیں اور ہم جیسی بیوقوف عورتیں ان کی جھوٹی محبت کے جال میں خود کو پھنسا کر بے وقعت کرتی رہیں، خدا کیلئے اس سائیکل کو بند کر دیں۔ ریپ، شادی، محبت، ریپ، شادی، محبت اس سب کو بند کر دیں۔"

اس نے ہاتھ جوڑ کر ماتھے پر لگائے تھے لیکن اچانک بالکل اچانک وہ اس کی بات پر اس بری طرح چونکی کہ دل کی رفتار بڑھ گئی اور تنفس تیز ہونے لگا، آنکھوں کی پتلیوں میں خوف آن سمایا اور سولیم کو ایسا لگا جیسے سب کچھ ختم ہو چکا ہو۔ وہ اس لڑکی کی باتوں کو سماعت میں انڈیل کر خود کو کڑے امتحان میں ڈال رہی تھی۔ وہ اس کو سن رہی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"میں ایسا کیسے کرسکتی ہوں، میں کیونکر خود پر کلف لگا کر اس انسان کو معاف نہیں کرسکتی جس کو اللہ نے معاف کر کے میری زندگی میں شامل کر دیا۔ میں آج اس کے نکاح میں ہوں تو صرف اسی وجہ سے کہ اللہ ایسا چاہتا تھا۔ جب وہ اس کی غلطی کو بھلا کر اسے میری زندگی میں شامل کر چکا ہے تو نعوذ باللہ کیا میں اس سے بڑی ہوں، کیا میری انا زیادہ ہے جو میں اس معاف کر دینے والے کی معافی پر غور کرنے کے باوجود بھی خود کو اکڑاتی پھروں اور وہ جو ندامت کے آنسو میرے سامنے بہا کر ہاتھ جوڑے کھڑا ہے اسے کہہ دوں کہ جاؤ میں تمہیں معاف نہیں کرسکتی کیونکہ میری انا اس دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔"

اس لڑکی کی آواز نہیں تھی بلکہ ہتھوڑے تھے جو سنہری زروں میں ڈوبی سیاہ عبایہ والی کے سر پر کاری ضرب لگا رہے تھے۔ ان ضربوں سے اٹھتے درد کے سبب سولیم کا سانس بند ہونے لگا۔ وہ نقاب کے پیچھے موجود بند لبوں کے ساتھ ناک کے سوراخوں سے کھینچ کر سانس اندر لے رہی تھی جس کی وجہ سے اس کا نقاب ناک کی ہڈی سے چپک جاتا تھا۔ وہ لڑکی اس کے نقاب میں ہونے والے تغیر پر غور کرنے کی بجائے اپنی ہی جون میں بولے چلے جا رہی تھی۔

"میں نے اس سے محبت نہیں کی تھی ڈاکٹر، بلکہ وہ اللہ تھا جس نے اس کی محبت میرے سینے میں موجود گوشت کے لوتھڑے کے اندر ڈال دی۔ میں تو کبھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ اس سے محبت کروں، اس کے حقوق ادا کروں۔ میں تو اس سے شدید نفرت کرتی تھی لیکن وہ اللہ تھا جو ایسا چاہتا تھا، جس نے کن کہہ کر ہاتھ جوڑ کر معافی مانگتے، روتے بلکتے مرد کیلئے میرا دل موم کر دیا اور بتا دیا کہ وہی مالک ہے جو، جو چاہتا ہے ہو جاتا ہے پھر میں کیسے نہ اس کے حکم کے آگے سرنڈر کرتی، کیسے اپنے دو گز کے خول کے اندر سمٹی رہتی؟ میں آپ کے پاس اس لیے یہاں ہوں کیونکہ مجھے ایک سامع چاہیے تھا جس کے آگے میں وہ سب کچھ کھول دوں جو میں نے محسوس کیا، جھیلا اور پھر ہی اس انسان کے آگے اعتراف کروں جس کیلئے اللہ نے میرے اندر اعتراف ڈالا، مجھے آپ سے بات کر کے اچھا لگا آپ ہاں میں ہاں ملانے والوں میں سے نہیں ہیں۔"

سولیم نے نقاب کے پیچھے چھپے اپنے گلابی لپ اسٹک کی کوٹ میں موجود لبوں کو کچلا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ اس لپ اسٹک کے ذائقے کو حلق میں محسوس کر رہی تھی جو کہ اسے زہر کی طرح کڑوا لگا یا نہیں، وہ کڑوا نہیں تھا بلکہ

سامنے بیٹھی ڈھلتی عمر والی لڑکی کے لفظوں کی تاثیر تھی جو اسے حقیقت پسندانہ کڑواہٹ میں ڈوبی ہوئی لگی۔

"ہر کسی میں تمہارے جیسا ظرف نہیں ہے۔ ہر کوئی ایسا نہیں کر سکتا یہ مجھے میری موم نے کہا تھا۔ وہ یہ بھی کہتی تھیں کہ اللہ معاف کر دیتا ہے لیکن انسان نہیں کرتا اس لیے تم اس انسان کو معاف نہ کرنا۔ وہ ایک غلط سبق دے کر مجھے اس دنیا سے چلی گئیں اللہ ان کی روح کو سکون میں رکھے۔"

سولیم نے میز پر دھرا گلاس اٹھا کر نقاب ہٹا کر لبوں سے لگایا۔ وہ عموماً لڑکیوں کے سامنے نقاب گرا دیا کرتی تھی لیکن چونکہ آج اس کے روم کا اے سی خراب تھا تو اس نے دروازہ کھول کر ہال میں چلتے ہیٹرز کی گرمائش کو کمرے میں آنے کا راستہ دے دیا تھا۔ وہ اپنے دراز قد کے باعث باہر آتے جاتے اپنے عملے اور ویٹنگ میں بیٹھے مریضوں کو آرام سے دیکھ سکتی تھی جو اپنی اپنی نشستوں میں براجمان میگزین پڑھنے میں مگن تھے۔ یہ وہ دس مریض تھے جن کی باری لگاتار ایک ساتھ آنی تھی۔ باقی کی عوام تو اس ہال سے ملحق دوسرے ہال میں بیٹھی تھی جہاں مختلف آوازوں کا بے ہنگم شور سر درد کرنے کیلئے کافی تھا۔ یہاں بیٹھے مریضوں کو خاموش رہنے کی سخت تاکید کی گئی تھی تبھی وہ سب میگزینز کے صفحے پلٹاتے سر جھکائے ہوئے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے نفرتیں اتنی آسانی سے ختم ہو جاتی ہیں؟ نہیں تم غلط ہو۔ ایسا بالکل بھی نہیں ہوتا۔ نفرتوں کو مٹانے کیلئے اپنی پوری زندگی تیاگنی پڑتی ہے پھر بھی اس کی جو غلاظت ہے نا وہ دل کے کسی نہ کسی حصے پر رہ ہی جاتی ہے۔ ایک بار اگر کسی کیلئے دل میلا ہو گیا مطلب ہو گیا۔"

سولیم سامنے بیٹھی ڈھلتی عمر والی لڑکی سے دل میں مخاطب ہوئی تھی۔ وہ ہرگز خود پر بیتے ظلم کو کسی کمزور لمحے کے تحت اس پر عیاں نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ ایک ڈاکٹر تھی تو اسے وہی رہنا تھا۔ ان تمام حدود کو برقرار رکھنا تھا جو اس شعبے کا خاصہ تھیں۔ اپنے چٹختے اعصاب اور لرزتے دل کو تھپکی دے کر وہ گلا کھنکارتی اسے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کی باتیں سمجھ گئی ہوں، زیادہ نہیں بس معمولی سی میڈیسنز ہیں جو آپ کو لینی ہیں۔ انشاء اللہ وجود سے لپٹا ڈپریشن اور انگزائٹی ضرور ختم ہو جائے گی اور ہاں نماز باقاعدگی سے ادا کریں۔ اس میں ہر بیماری کا علاج ہے۔"

وہ مسکراتی آواز میں آنکھوں میں معمولی پن لیے سامنے بیٹھی لڑکی کی دلجوئی کرنے کے بعد اس کی اور کاغذ کا

وہ ٹکڑا تھمارہی تھی جو اسے سکون دیتا۔ یہی وہ دوائیں تھیں جو پچھلے کئی سالوں سے سولیم شفیق باقاعدگی سے لے رہی تھی اور پھر بھی بے سکونی کی زد میں تھی کیونکہ اس کے ساتھ وہ ہو چکا تھا جس کا اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ اسی حادثے کے سبب اور عبداللہ کے دنیا میں آنے کی وجہ سے وہ ایک عرصہ اللہ سے ناراض رہی تھی۔ نماز چھوڑ دی تھی۔ قرآن کو ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ ورد، درود، روزہ، زکوٰۃ، عمرہ حتیٰ کہ اس نے صدقہ دینا بھی ترک کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے فجر چڑھتی تھی اور اس کے ساتھ ہی ظہر اور عشاء بھی غروب ہو جاتی تھی مگر وہ ٹس و بے حس سی اپنے دنیاوی کاموں میں مگن رہنے کا ڈھونگ رچاتی پھرتی تھی۔ رات کو آنکھ بند کرتے ہوئے کوئی توبہ نہیں ہوتی تھی اس کے لبوں پر، نہ کوئی کلمہ اور نہ ہی تسبیح۔ اس نے تو سونے سے قبل پورے دن کے اپنے محاسبے سے بھی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ، وہ ہو گئی تھی جو وہ کبھی نہیں تھی۔ وہ نالاں تھی سب سے، خود سے، اللہ سے اور اس دنیا سے۔ اس کی زندگی بے مقصد و بے معنی ہو گئی تھی۔ ویران اور تنہا بھی، پھر اچانک وہ دن آیا تھا جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا جو کہ یہ تھا۔

روز کے معمول کے مطابق وہ القاء سے واپس آ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دن ختم ہو رہا تھا مگر اسے کوئی پرواہ نہیں تھی۔ پرندے اڑ اڑ کر اپنے گھونسلوں کی طرف رواں دواں تھے اور بالکل قریب سے بلانے والے کے الفاظ کانوں میں گونج رہے تھے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اللہ بڑا ہے۔ آؤ اور اس کے در سے ڈھیر سارا سکون اور بخشش لے جاؤ مگر دنیا والے اس بلانے والے کی آواز کو یکسر نظر انداز کر کے اپنی ہی جون میں مست تھے۔ ان مست لوگوں میں وہ بھی تھی جو سگنل کے کھلنے کا انتظار کر رہی تھی۔ اس کا انتظار زیادہ نہیں تھا۔ اس فانی دنیا کی طرح سرخ بتی بھی جلد ہی ختم ہو گئی اور سبز بتی نے اسے آگے بڑھنے کا عندیہ دیا۔ وہ اس سبز رہنما کے اشارے پر گیئر لگاتے ہوئے اپنی کار کو آگے بڑھا رہی تھی جب ایک کار چار چوکوں والے سگنل کی بائیں سائیڈ سے سگنل رہنما کی بات کو اگنور کرتی تیزی سے اس کی کار سے ٹکرا کر خود بھی نقصان اٹھا گئی اور سولیم شفیق کو بھی زخمی کر گئی۔

ایسا ہی ہوتا ہے جب ہم صحیح چیز کو ترک کر کے اپنی من مانی کرتے ہیں تو یوں ہی رسوا ہو جاتے ہیں جیسے وہ سگنل توڑنے والا ہوا تھا۔ جیسے چوٹ کھانے والی ہوئی تھی لیکن کبھی کبھی ہماری من مانیوں کے عوض لگی ٹھوکر ہمیں سیدھی راہ پر لے آتی ہے۔ اگر سدھرنے کا ہم میں خمیر ہو تو۔ زوردار انداز میں پڑا ڈو لگنے کی وجہ سے

اس کی جی ایل آئی دو قلابازیاں کھاتی دور جا کر گری تھی۔اس گری ہوئی تباہ گاڑی میں زخمی لڑکی نے اس دن اللہ کو یاد کیا اور دل سے کیا۔الٹی گاڑی میں سیٹ بیلٹ کے سہارے لٹکتے ہوئے اس کی آنکھوں نے آنسو بہائے اور لبوں نے کلمہ شہادت پڑھ کر یہ ثابت کر دیا کہ بھلے انسان خفا ہو جائے، بکھر جائے، بچھڑ جائے لیکن جلد ہی وہ اپنے اصل کی طرف لوٹتا ہے جیسے سولیم شفیق لوٹی تھی۔کلمہ پڑھ کر اس نے مہر لگا دی تھی کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن ہے لیکن نہیں ایسا نہیں ہوا تھا۔اس مالک کائنات نے سانسیں دے کر بتا دیا کہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور ہوتا رہے گا۔

''انشاءاللہ۔''اس ڈھلتی عمر والی لڑکی نے دو انگلیوں کے ساتھ اس کے ہاتھ سے وہ نسخہ پکڑا اور کرسی چھوڑ دی۔

☆......☆......☆

پاکستان میں بڑھتی سختی اور جوق در جوق نکلتی نفری نے سمندر خان کے اوسان خطا کر دیے تھے۔انہیں تو لگا تھا کہ پاکستانی حکام اور عوام اس بات کو قبول کر چکے ہیں کہ کوبرا مکمل طور پر ختم ہو چکا ہے لیکن وہ غلط نکلے۔جس طرح جگہ جگہ ناکہ بندی اور چھاپے مارے جا رہے تھے اور آئی ایس آئی کے جوان الرٹ ہو گئے تھے۔عوام ہاتھوں میں "شاپ کلین ٹیرر" کے بورڈ تھامے سڑکوں پر نکلے تھے اور انٹرنیٹ پر "ہیش ٹیگ فنش کوبرا" ٹرینڈ چل رہا تھا سمندر خان کو خطرات لاحق ہو گئے کہ دنیا کے اس جرموں کے صف میں نمبر دو پر آتے ملک میں بھی انہیں کالر سے آ کر پکڑ لیا جائے گا اور یہ خطرات بھی انہی وجوہات کے بنا پر تھے جو ابھی تک قائم تھیں۔یعنی معروش کی یہاں موجودگی اور خفیہ طور پر ابھی بھی جاری و ساری ان کا کام۔آج انہی باتوں کو کلیئر کرنے وہ خلیفہ کے ساتھ تھے اور کافی کے مگ میں سے اڑتے دھوئیں کے پیچھے اس کا سپاٹ چہرہ دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔

"خلیفہ! حالات سخت ناساز ہیں ہمیں کوئی مضبوط منصوبہ بندی کرنی ہوگی ورنہ مشکل ہو جائے گی۔" وہ کافی کی لمبی چسکی لیتے ہوئے خلیفہ سے مخاطب ہوئے جو مگ کی سطح پر انگلی پھیرتے ہوئے عمیق سوچ میں گم تھا۔ان کی آواز پر چونکا اور اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، ہمیں ایک اچھے پلان کی ضرورت ہے لیکن آپ فکر نہ کریں اس کمزور قانون کے

ملک میں آ کر ہمیں کوئی نہیں پکڑ سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کے آدھے مجرم یہاں آ کر پناہ نہ لے رہے ہوتے اور ویسے بھی یہ اپنی جاگیر ہے یہاں کیا ڈرنا۔"

لاپرواہی سے کہتے ہوئے وہ سیاہ اور سفید دھاری دار والے مگ کو ہونٹوں سے لگا گیا۔ بالکل اسی طرح کا مگ سمندر خان کے ہاتھ میں بھی تھا۔

"تمہارے سکون کی داد دینی پڑے گی۔ مت بھولو کبھی کبھی اپنا گھر بھی غیر محفوظ ہوتا ہے۔ مجھے ایسا لگتا ہے جیسے یہاں پر بھی غدار آ گئے ہیں یا پھر کوئی ایسا جسے نہیں آنا چاہیے تھا۔"

خلیفہ ان کا پوائنٹ سمجھ گیا۔ یہ شہر کے وسط میں ایک بڑے پیمانے پر بنا کسینو تھا جہاں پر زور و شور سے جوا کھیلا جا رہا تھا۔ مختلف گیمز تھیں، مختلف جیتیں تھیں جہاں شراب میں ڈوبے تو حواسوں میں موجود لوگ اپنی اپنی قسمت کو آزما رہے تھے۔ وہیں اسی کسینو کے ایک کیبن نما کمرے میں گولڈن چمکتے صوفوں پر خلیفہ تمریز اور سمندر خان آمنے سامنے براجمان تھے۔ بس فرق اتنا تھا کہ خلیفہ نیم دراز انداز میں پاؤں پسارے بیٹھا تھا تو سمندر خان ٹانگ پر ٹانگ جمائے صوفے کی پشت سے لگے اسے دیکھ رہے تھے جس کا چہرہ حد درجہ اطمینان کا غماز تھا۔ ان کے درمیان کرسٹل کی میز رکھی تھی جس پر کارڈز پڑے ہوئے تھے۔ پھن پھیلاتے گولڈن سانپ والی ایش ٹرے تھی۔ دو سبز بوتلیں اور دو ہی وائن گلاس جو کہ ابھی تک بغیر استعمال کے ان کے سامنے رکھے ہوئے تھے۔ اس کیبن نما کمرے کی لائٹس زرد تھیں بالکل خلیفہ کی ڈریس پینٹ کی طرح۔

"میں آپ کی اس بات کو اگنور کرنا پسند کروں گا بالکل اسی طرح جس طرح ہک کی جسارت کو اگنور کیا تھا ورنہ وہ کس کی تابع ہے یہ ہم دونوں جانتے ہیں۔" شانے اچکاتے ہوئے اس نے سفید ڈریس شرٹ کے کالر میں انگلی اپنی چین کو چھڑوایا تھا۔ سمندر خان اس کی بات سن کر تیوریاں چڑھا گئے۔

"تمہیں دیکھتا ہوں تو اپنا اکلوتا بیٹا یاد آ جاتا ہے جو دھماکے میں مر گیا تھا لیکن تم بچ گئے۔ اگر تمہارا چہرہ اس بلاسٹ میں مسخ نہ ہوتا اور میرے بیٹے کا چہرہ تمہیں ٹرانسپلانٹ نہ ہوا ہوتا تو قسم خدا کی، ہم دونوں کے بیچ سب ختم ہو جاتا لیکن آہ۔ یہ باپ کی محبت جو اس چہرے کا لحاظ کر کے تمہاری ہر جائز و ناجائز بات سہہ جاتی ہے۔"

یہ دو ہزار پانچ کے آخیر کی بات تھی جب خلیفہ اور سمندر خان کی آپس میں گاڑھی چھننے لگی تھی۔ سمندر خان کا

کام سمندر کے علاوہ اس کا بیٹا بھی سنبھالتا تھا۔اس کا نام داور خان تھا۔وہ خوبرو اور جانباز ہونے کے ساتھ ساتھ ایک دل پھینک انسان تھا اور بہت بڑا پتنگے باز بھی تھا جس کے سبب اس کے دشمنوں کی فہرست کافی طویل تھی۔ شراب وشباب سے اسے بیحد لگاؤ تھا۔اسی شراب کی بدولت اس کی جان گئی تھی۔ یہ اکتیس جنوری کی ایک کھلتی دوپہر کی بات تھی جب نشے میں ٹن داور خلیفہ کو اپنے فارم ہاؤس لے کر جا رہا تھا۔وہ وہاں اسے وہ مال (لڑکیاں) دکھانے لے جا رہا تھا جو اس کے دوستوں نے محبتوں کے جال میں پھنسا کر وہاں تک پہنچائی تھیں۔وہ دونوں ہنستے کھیلتے آپس میں گفتگو کرتے آگے بڑھ رہے تھے جب ایک سگنل پر ان کی کار رکی۔داور نے اپنی سائیڈ کا شیشہ فولڈ کیا اور لبوں کو سیٹی کے سے انداز میں گول کر کے اس لڑکی کو دیکھنے لگا جو ان ہی کی سمت بڑھ رہی تھی۔

" کیا چیز ہے۔" یہ داور کا کمنٹ تھا جسے سن کر خلیفہ تھوڑا سا آگے کو جھکا۔لڑکی کو دیکھ کر اس کی چال کو نوٹ کر کے اس کا تیز دماغ فوراً چلا تھا۔

" داور موو۔" اس نے سگنل کی پرواہ کیے بغیر گاڑی کو حرکت دی لیکن اس سے پہلے ہی وہ لڑکی حرکت میں آ چکی تھی۔بلاسٹ ہوا اور تیز آتش جہاں داور کی روح کھینچ کر لے گئی وہیں خلیفہ کا چہرہ بھی چرا گئی۔یہی وجہ تھی کہ فوراً سے کوئی بھی چہرہ نہ ملنے کی صورت میں سمندر خان نے داور کا چہرہ خلیفہ کو عنایت کیا اور اسے ہمیشہ کیلئے خود کا گرویدہ بنا لیا۔

سر کو جھٹکتے ہوئے وہ کف افسوس مل رہے تھے۔خلیفہ کی آنکھوں کی رگیں اچانک سرخ ہوئی تھیں۔لبوں کو تضحیک میں ڈال کر وہ کافی کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیلتے ہوئے بولا۔

" افسوس کرو خان، افسوس کرنا بنتا بھی ہے لیکن اتنا بھی افسوس نہ کرو کہ بعد میں پچھتانا پڑے۔تم نے اپنے بیٹے کا چہرہ مجھے دیا کیونکہ تمہیں اپنے بیٹے کو جاویدہ دیکھنا تھا۔اسے مرنے کے باوجود چلتے پھرتے دیکھنا چاہتے تھے۔تم اپنے مفاد میں کھیلے خان اور میں اپنے۔حالانکہ تم جانتے تھے میرے لیے کوئی بھی چہرہ لینا بہت آسان تھا۔میں تمہارا وفادار اسی لیے ہوں اور رہوں گا کیونکہ احسان رکھنا میری فطرت میں ہے۔رہی بات میری چوائسز کی تو میں اس کا خود مختار ہوں جو میرا دل کرے گا میں وہی کروں گا اور اگر کسی نے میرے اس فیصلے کے درمیان خلل پیدا کرنے کی کوشش کی تو آپ اچھے سے جانتے ہو میں کیا ہوں۔"

انتہائی سکون سے وہ انہیں اپنے باغی ہونے کا بتا رہا تھا۔ سمندر خان اس کے جملوں سے زلزلے کے زد میں آ گئے۔ بہت وقت سے انہوں نے خود کو بولنے پر آمادہ کیا تھا۔ باہر سے آتے تیز بے ہنگم انجانی آواز والے میوزک میں ان کی حیرانی بھری آواز گھل کر خلیفہ کے کان میں منتقل ہوئی۔ وہ سابقہ پوزیشن میں بیٹھا انہیں سننے لگا۔

"یعنی کہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو؟ ہاں تم نے مجھے دھمکی دی۔ تم مجھے یعنی سمندر خان کو۔ ایسا کیسے کہہ سکتے ہو؟" صدمے کے زیر اثر ان سے بولنا دشوار ہوا۔ خلیفہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کی نگاہیں تو سبز رنگ کی بوتل پر جمی تھیں۔ وہ بوتل جو اس کے تلخ ماضی کی فلیشز وقفے وقفے سے اس کی آنکھوں کے سامنے لا رہی تھی مگر وہ ہر بار جھٹک دیتا تھا لیکن کب تک؟ کب تک کوئی اپنے ماضی سے پیچھا چھڑا سکتا ہے؟

"آہ تلخ ماضی آہ، خدا پوچھے تمہیں۔"

"آپ جذباتی ہو رہے ہیں خان اور میرا اس وقت کوئی بھی تاویل دینے کا موڈ نہیں ہے۔ میں اس وقت الجھا ہوا ہوں اور تنہائی چاہتا ہوں۔" اس کی بات ختم ہوتے ہی خان نے زوردار مکا میز پر جڑا۔ خلیفہ ان کے رد عمل سے لب بھینچ گیا۔

"تمہیں دینی ہوگی ابھی اور اسی وقت مجھے تاویل دو، وضاحت کرو اپنے لفظوں کی ورنہ تم بھی اچھے سے جانتے ہو میں کیا ہوں۔"

سرخ آنکھیں نکالے وہ آگے جھکے غرائے تھے۔ خلیفہ نے دانتوں کو پیسا اور سیکنڈ کے ہزارویں حصے میں وہاں سے اٹھ کر قدم ہال کی جانب بڑھا دیے۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا پول پر جھولتی لڑکی والی سائیڈ کو کراس کر رہا تھا جب کسی نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔ اس پکار کا اثر ایسا تھا کہ فوراً ہی اس کے قدم زمین سے جکڑے گئے۔ وہ تحیر آمیز انداز میں پلٹا۔

"تام سن، رک جاؤ تام سن، میری بات سنو۔"

وہ مڑا تھا۔ مڑ کر اسے وہ کسینو نہیں دکھا بلکہ دور تک پھیلا وہ سبزہ دکھائی دے رہا تھا جس پر سترہ سال کا وہ نوجوان لڑکا اپنی قمیض کے بٹن درست کرتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا اور اس کے پیچھے نن کے لباس میں ملبوس جھریوں

زدہ چہرے والی ایتھما جس کے شانے اس وقت ڈھلکے ہوئے تھے اور وہ دوڑتی ہوئی اس نوعمر لڑکے کے پیچھے حواس باختہ سی بھاگ رہی تھی۔ خلیفہ نے برق رفتاری سے اپنے آس پاس دیکھا۔ پہلے وہ آدھا ماضی میں اور آدھا حال میں تھا یعنی بارڈر کے طرز کی لائن تھی جو اس کے سامنے ماضی کو لا رہی تھی اور پیچھے حال تھا۔ آگے وہ نوعمر لڑکا چہرے پر سختی جمائے تیز تیز اس کی طرف آ رہا تھا تو پیچھے پول پر جھولتی لڑکی محو رقص تھی۔

"تم ایسے مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے ٹام سن، تم مجھ سے خفا نہیں ہو سکتے۔" وہ نوعمر لڑکا بالکل اس کے الٹے ہاتھ کے پاس آ کر رکا تھا۔ نہیں ایک منٹ وہ رکا نہیں تھا بلکہ اسے روکا گیا تھا۔ ایتھما اس کے بازو کو تھامتی اسے رکنے پر مجبور کر گئی تھی۔ وہ نوعمر لڑکا اس کی نیلی آنکھوں کے نیچے اکٹھے گوشت کو دیکھتے ہوئے غرایا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں اپنی ماں کہتا تھا تم تو ہوس کی پجاری نکلی۔"

ایتھما نے جلدی سے اس کے ابھرے ہوئے لبوں پر اپنا دودھیا سفید ہاتھ رکھ دیا۔ ساتھ ہی شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھ کر اپنے عقب میں موجود چرچ کی بلڈنگ دیکھتے ہوئے سرگوشی میں بولی۔

"شش، ایسا مت کہو ٹام سن اور آواز کو دھیمی رکھو۔ تم ابھی ان خوبصورتیوں سے آشنا نہیں ہو نا اس لیے اتنے بپھر گئے ہو یقین کرو کل رات جو کچھ ہمارے درمیان ہوا اس سے جیز بہت خوش ہوئے ہوں گے۔"

اس نوعمر لڑکے نے اس کا ہاتھ اپنے ہونٹوں سے جھٹکنے کے بعد اس کے سامنے زمین پر تھوکا تھا۔ تھوکنا تو خلیفہ تبریز چاہتا تھا اس کے منہ پر جو چہرے پر قہر طاری کیے اتنی زور سے دانت کچکچاتے ہوئے انہیں دیکھ رہا تھا جیسے وہ ان دانتوں تلے اس بوڑھے عورت کو پیس رہا ہو۔

"میں لعنت بھیجتا ہوں ان خوبصورتیوں پر۔ تم سے اچھا تو وہ موئی تھا جسے میں نے تمہارے بھڑکانے پر قتل کر دیا۔ میں جان گیا ہوں تم میرے ساتھ مخلص نہیں ہو۔ تم مجھے تباہ کر رہی ہو۔"

مائسی عرف موئی وہ انسان تھا جو ایتھما کا ساتھی تھا۔ ان دونوں کا کام چائلڈ ہوم میں پروان چڑھتے ان سلیکٹڈ بچوں کو اپنا نشانہ بنانا تھا جن میں ذرا سا بھی باغی پن موجود ہو اور جو مکمل طور پر والدین یا پھر کسی بھی رشتے سے محروم ہوتے تھے۔ ان لوگوں کی نگاہ عموماً مسلمان بچوں پر ہوتی تھی۔ وہ ان کو ان کے دین سے دستبردار کر کے انہیں شدت پسند بنا دیتے تھے اور انہیں اپنے ہوس میں اس طرح قید کرتے تھے کہ پھر وہ بالکل ہی ناکارہ

ہو جاتے تھے۔ جونہی وہ بچے اٹھارہ میں داخل ہوتے ایتھما اور مائسی ان کو اپنے گروہ کے حوالے کر دیتے تھے جن کا کام نشہ فروخت کرنا اور مسلمز کو ٹارگٹ بنانا تھا۔ مائسی لڑکیوں کو ہینڈل کرتا تھا اور ایتھما لڑکوں کو۔ مائسی سے الجھنے پر ایتھما نے ٹام سن کو کہہ دیا تھا کہ تمہیں اسے قتل کرنا چاہیے کیونکہ وہ مسلمان ہے وہ اسے دن میں ہزار بار یہ باور کرواتی کہ مائسی کی موت اس کے ہاتھ سے ہونی چاہیے۔ وہ ایسا کیوں کرتی تھی کیونکہ مائسی نے اسے دھتکارا تھا اور ایک یہی چیز تھی جو ایتھما برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اسی وجہ سے اس نے دن رات کہہ کہہ کر اس اٹھارہ سالہ بچے کو قتل کر مرتکب بنایا جو پہلے ہی اس دنیا، اس میں بستے لوگوں اور خود سے نالاں تھا۔ وجہ تنہائی اور شدت پسندی تھی جو اول روز سے ہی اسے دی گئی جس سے وہ پہلے دن سے ہی عاجز تھا۔

"تم نے اسے میرے بھڑکانے پر قتل نہیں کیا ٹام سن بلکہ اس لیے کیا کیونکہ تم مسلمز سے نفرت کرتے ہو اور اس سب سے اوپر وہ لڑکی ہے جو تمہیں تباہ کر رہی ہے میں نہیں۔"

خلیفہ نے ہاتھوں کی مٹھیاں اتنی سختی سے بھینچیں کہ سبز رگیں ابھر گئیں۔ ٹام سن نے اچانک آگے بڑھ کر ایتھما کا گلا پکڑا تھا۔

"تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی اینا کے بارے میں بات کرنے کی، اپنے ناپاک لبوں سے آئندہ اس کا نام نہیں لینا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

ایتھما کے چہرے پر اچانک پر اسرار مسکان کھلی اور اس نے وہ کہا جو نہ ہی خلیفہ سننا چاہتا تھا اور نہ ہی ٹام سن۔

"اچھا تم دھمکی بھی دیتے ہو بڑے دلچسپ بات ہے لیکن بھول کیوں رہے ہو۔ کل تم نشے میں تھے اور میں ہوش میں۔ فانوس پر لگا کیمرہ وہ سب قید کر رہا تھا جو اسے بالکل بھی نہیں کرنا چاہیے تھا سوچو اگر وہ سب اینا نے دیکھ لیا تو کیا ہوگا؟"

اٹھارہ سال کے اس نوعمر لڑکے کے ہاتھ بچپن کی دہلیز چھوڑتی عورت کے گلے پر ڈھیلے پڑے تھے۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تم ایسا نہیں کرو گی ہے نا؟" بوڑھی عورت نے لبوں کو دانتوں میں جکڑتے ہوئے نیلی چمکتی آنکھوں کے

ساتھ نفی میں سر ہلایا۔

"اگر تم میری بات نہیں مانو گے تو مجھے یہ کرنا پڑے گا ٹام سن اور میں یہ کرلوں گی۔" وہ عورت جو اسے اپنی اولاد کہتی تھی۔اس لڑکے کو جس کا اس دنیا میں کوئی نہیں تھا کوئی بھی نہیں۔ نہ ہی کوئی رشتہ اور نہ ہی دوست۔ وہ تنہا تھا۔اسے پلاننگ کے تحت تنہا رکھا گیا۔اس کا کوئی دوست نہیں تھا کسی کو بھی اس کا دوست بننے نہیں دیا۔کسی کو اس کے قریب اور اسے کسی کے قریب نہیں آنے دیا تاکہ وہ ایک جانور کی طرح پروان چڑھے۔ وہ جانور جو فقط چیر پھاڑنا ہی جانتا ہے۔محبت، اپنائیت، احساس وخلوص جیسے کسی بھی لفظ سے ناآشنا ٹام سن اس وقت حیرت کی زد میں کھڑا گنگ سا اس عورت کو دیکھ رہا تھا جو اسے بتا رہی تھی کہ وہ اسے برباد کردے گی اور ایسا ہو بھی جائے گا اگر وہ ویڈیو اینا نے دیکھ لی تو ہر جذبے سے محروم وہ نوعمر لڑکا جو اپنی عمر سے دگنا لگتا تھا واقعی مر جائے گا۔اس کے دل میں نفرت پھیلی اور وہ نفرت لفظوں کی صورت اس بوڑھی عورت کے آس پاس منڈلانے لگی۔

"میں تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا۔" چیختے ہوئے اس نے اپنی کمزوری اسِتھما کے ہاتھ میں دے دی تھی۔ بیشک وہ اپنی عمر سے دگنا لگتا تھا لیکن تھا تو ٹین ایج ہی نا۔ کیسے نا اس گھاگ عورت کے ہاتھوں مات نہ کھاتا۔

"اچھا لیکن مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم ڈر چکے ہو؟ مان جاؤ ٹام سن کہ ہمارے بغیر تم کچھ نہیں۔ یہ عالیشان سی جگہ، ہائی سکول اور یہ مہنگے کپڑے سب تم سے چھن جائیں گے اور ہاں۔"

کہتے کہتے وہ تھوڑی سی جوش میں اچھلی تھی۔اس نے جان بوجھ کر بات درمیان میں چھوڑی تھی۔ وجہ اس لڑکے کو اور ہراساں کرنا تھا۔ ہوا کے دوش پر اس کا سیاہ و گرے رنگ کی سکرٹ اڑ رہی تھی۔اس کے عقب میں موجود بڑے بڑے صنوبر کے درخت بھی ہوا کے ساتھ جھکنے میں مگن تھے۔ بڑے بڑے ستونوں والا سفید چرچ جو اسِتھما کے عقب میں نظر آتا تھا کی چھت پر نصب گھنٹا زوروشور سے بجنے لگا یعنی عبادت کا وقت ہو چلا تھا۔

"تم۔" وہ انگلی وارننگ کے انداز میں اٹھائے ابھی اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بڑے سارے لان کے آخیر میں واقع اس چرچ کی خم دار سیڑھیوں پر سے مخصوص شور ابھرنے لگا۔ بہت ساری عورتیں و مرد بیک وقت اپنے اپنے پورشنز سے نکل کر تنزلی کی جانب آرہے تھے۔ٹام سن نے اسِتھما کے آبرو اچکانے پر انگلی کو واپس مروڑ کر مٹھی میں قید کیا اور سرخ چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔خلیفہ نے دیکھا جونہی وہ لڑکا مڑا اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ

سرمئی اور نیلی جینز میں ملبوس نوعمر لڑکا بھاگتا ہوا وہاں سے جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں تر تھیں اور چہرہ غم کے بوجھ سے جھکا ہوا۔

"تم ٹھیک ہو؟" خلیفہ شانے پر محسوس ہونے والے ہاتھ کے دباؤ سے بری طرح چونکا تھا۔ حال اور ماضی کا دورانیہ ختم ہوا۔ چرچ کے سامنے والا سبز گھاس سے ڈھکا لان آنکھوں سے اوجھل ہوا اور اپنے ساتھ ہی یادوں کو ساتھ لے گیا۔ خلیفہ نے اثبات میں سر ہلایا اور مڑ کر دیکھا، سمندر خان وہاں نہیں تھا۔ وہ غم زدہ دل کے ساتھ اس آدمی کا ہاتھ اپنے شانے سے جھٹکتا لمبے لمبے ڈگ بھر کر پارکنگ لاٹ میں آیا تھا۔ تیز تیز چلتے ہوئے اپنی کار کے پاس آکر رکا اور اس کے شیشے کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا سانس تیز ہو چلا تھا اور دھڑکن ناقابل برداشت۔ اس کی سماعت میں وہ آواز گونجنے لگی جسے بھولنے کی اس نے کبھی بہت کوشش کی تھی لیکن ناکام گیا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح اب ہوا تھا۔ وہ آواز اس سے کہہ رہی تھی اور خلیفہ کانوں پر ہاتھ رکھے پنجوں کے بل بیٹھتا جا رہا تھا۔

"مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے خلیفہ! بہت زیادہ۔ پلیز مجھ پر احسان کر دو مجھے تم مار دو، میں جانتی ہوں تم یہ کر سکتے ہو۔ ایک تم ہی تو ہو جو یہ کر لو گے جو مجھے آسانی سے موت دے دیگا۔ نہیں تو میں پل پل مروں گی۔ پلیز خلیفہ میری بات مان جاؤ۔"

اور آسمان سے گرتی پہلی بارش کی بوند نے تنفر و تضحیک سے اس انسان کو اپنے کان ڈھانپتے، سر کو گھٹنوں سے لگائے دیکھا تھا۔ وہ انسان جو خود کو ناقابل تسخیر سمجھتا تھا۔ جو ظالم تھا اور ظلم کرنا جانتا تھا۔ جس کے سینے میں دل نہیں دھڑکتا تھا۔ جس کی کوئی خواہشات نہیں تھیں۔ کوئی احساسات نہیں تھے۔ کوئی محسوسات نہیں تھے جو فقط ایک چلتی پھرتی مشین تھا۔ وہ کھوکھلی مشین جس سے کافی لوگوں نے نفرت کی تھی، بددعائیں دی تھیں اور جس کے جلد ناکارہ ہو جانے کیلئے ہاتھ عرش والے کی جانب اٹھائے تھے۔

☆......☆......☆

سولیم کی بدتمیزی کی وجہ سے دعا نے اس سے بائیکاٹ کر دیا تھا۔ پندرہ بیس دن گزر چلے تھے اس بات کو، اس نے اس دوران خود سے ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی۔ اس سے بات کرنے کی یا اس کے ہاں جانے کی یہی وجہ تھی جو

آج براق عبداللہ کے ساتھ وہاں موجود تھا۔علیشہ سے ملنے اور اسے ڈھیر سارا پیار دینے کے بعد وہ دعا کی جانب متوجہ ہوا تھا جو قمیض کو گھٹنوں پر درست کرتے ہوئے اسے مسکرا کر دیکھ رہی تھی۔ براق نے بات کا آغاز کرنے کیلئے گلے کو کھنکارا اور کہنے لگا۔

"اس دن آپ بنا بتائے چلی گئیں، کھانا بھی نہیں کھایا اور عبداللہ کو بھی ساتھ نہیں لیا۔آپ نہیں آئیں اتنے دنوں سے تو میں نے سوچا جا کر پوچھ آؤں، کیا آپ خفا ہیں کسی سے؟"

ڈھلتا سورج دن کے اختتام ہونے کا پیغام دے رہا تھا۔اس کی پھیکی کرنیں بوگن ویلیا کی بیل پر پڑتی ایک عجیب ہی دلکش منظر پیش کر رہی تھیں۔وہ دونوں اس وقت لان میں بچھے بھورے رنگ کی کین کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔دعا کے عین پیچھے ڈھیر سارے سورج مکھی کے پھول تھے جو سورج کے ڈھلتے ہی اپنے خول میں واپس پلٹ رہے تھے۔بڑے بڑے زرد پتے آہستہ آہستہ بند ہو رہے تھے۔

"نہیں میں بھلا کیوں کسی سے ناراض ہوں گی۔" دعا اس "کسی" سے اچھے سے واقف تھی تبھی نروٹھے لہجے میں بولی۔اس کی آواز کے حزن کو سن کر سورج مکھی کے پھولوں نے اور خود کو سمیٹ لیا۔براق انہیں آہستہ آہستہ بند ہوتے دیکھ رہا تھا۔وہ دعا سے نظریں نہیں ملا پا رہا تھا۔ملاتا بھی کیسے سولیم کے الفاظ جو ابھی تک دماغ میں موجود تھے۔

"دعا! آپ کو نہیں لگتا یہ زندگی بہت چھوٹی ہے۔اس چھوٹی سی زندگی میں ناراضگیوں کا کیا عمل دخل؟"

سولیم اس کی بیوی تھی۔اس کی وہ شریکِ حیات جسے پانے کیلئے وہ خود کو بھول گیا تھا تو پھر کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی سولیم اپنے بہت ہی پیارے رشتے سے محروم رہے۔اس لیے وہ سولیم کا وکیل بنا آج اس کے سامنے موجود تھا۔

"میں ناراض نہیں ہوئی ہوں اس ہٹلر محترمہ سے بلکہ وہ ہیں جو مجھ سے ہر رشتہ کاٹ چکی ہیں اور یو نو واٹ براق، میرا کیا دل کرتا ہے؟"

وہ میز پر ہاتھ مار کر آگے کو جھکی اور ٹانگ پر سے ٹانگ ہٹا کر اونچی آواز میں بولی۔اتنی اونچی کہ براق کے پیچھے دور کھیلتے عبداللہ اور علیشہ تک اس کی آواز گئی تھی تبھی وہ گردن موڑے اسے دیکھنے لگے تھے۔علیشہ نے ناک

بھوں چڑھائی اور عبداللہ سے مخاطب ہوئی۔

"ہمیں آہستہ بولنے کا کہتی ہیں اور خود کیسے گلا پھاڑ کر براق انکل سے بات کر رہی ہیں۔ کچھ نہیں ہو سکتا میری ماما کا۔" ماتھے پر ہاتھ مار کر اپنی لمبی لمبی پونیوں والے سر کو ہلاتی وہ شرمندہ دکھ رہی تھی۔ ہوتی بھی کیوں نا، اس کا امپریشن جو براق انکل پر برا پڑ رہا تھا۔ وہی براق انکل جو اس دفعہ میں پہلی بار دعا کی جانب دیکھنے پر خود کو آمادہ کر رہے تھے اور دعا خانم اب بھی اونچی آواز میں اپنے دل کی بھڑاس نکال رہی تھی۔

"میرا دل کرتا ہے میں اس ہٹلر محترمہ کا کچومر کر دوں۔ اسے گول گول گیند بنا کر اتنی زور سے ہوا میں اچھالوں کہ وہ اپنے جیسے سڑے ہوئے گمشدہ پلینٹ پلوٹو پر چلی جائے اور کبھی واپس نہ آئے۔"

سانس چڑھائے، ناک پھلائے، چہرے کو لال ٹماٹر کیے وہ اپنے دل کی بات بتاتے ہوئے براق کو مسکرانے پر مجبور کر گئی تھی۔ بیساختہ امڈ آنے والی مسکان کو اس نے ٹھوڑی کھجانے کے بہانے چھپایا تھا۔

"اب آپ زیادتی کر رہی ہیں۔" وہ ہولے سے محتاط سا بولا۔ دعا کی آنکھیں پھر سے پھیلیں۔

"زیادتی اور میں۔" اس نے اتنے صدمے سے یہ پوچھا کہ براق لمحے بھر کو ٹپٹا گیا اور دعا کو سننے لگا تھا جو آدھی سے زیادہ میز پر جھک چکی تھی۔

"آپ اتنی بڑی بات کیسے کہہ سکتے ہو؟ وہ جو آپ کی بیوی محترمہ ہیں نا وہ ہی کلپرٹ ہیں ان سب وجوہات کی۔ جو سب کا دل چھلنی کر دیتی ہے اور پھر مانتی بھی نہیں اس کیلئے اس دنیا میں سب سے آسان کام دل توڑنا ہے اور سب سے مشکل اس بات کو تسلیم کرنا۔ سب کچھ کرنے کے بعد وہ ایسے دامن بچاتی ہے جیسے اس نے کچھ کیا ہی نہ ہو۔ آپ پلیز میرے سامنے اس کی وکالت نہ کریں۔"

اپنی بات کہنے کے بعد وہ چہرے کا رخ موڑ گئی تھی۔ شاید وہ ان آنسوؤں کو چھپا رہی تھی جو اچانک سے اس کی آنکھوں میں آن بسے تھے کسی ان چاہے مہمان کی طرح۔ براق نے اس چھوٹی سی لڑکی کے دکھی چہرے پر نگاہ ڈالی اور آہستہ سے بولا۔

"میں ان کی طرف سے سوری کرتا ہوں۔ جانتا ہوں وہ دل دکھا جاتی ہیں لیکن یقین کریں ان کا انٹینشن ایسا نہیں ہوتا۔ وہ صاف دل کی ہیں تبھی سب کہہ دیتی ہیں۔" اس نے ایک بار پھر سے سویلیم کی وکالت شروع کر دی

تھی اور یہ بالکل غیر متوقع طور پر ہوا تھا۔

"صاف دل کا ہونا اور دل کو ہر جذبے سے صاف کر لینے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ آپ مان جائیں سولیم کٹھور دل کی مالک ہے۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ زندگی میں پہلی بار اپنی بہن جیسی کزن سے ناراض ہوئی تھی۔ آج سعد بھائی اور سولیم کی ماما واپس سعودیہ عرب چلے گئے تھے۔ براق جب دعا سے ملنے آیا تھا تو انہیں ایئر پورٹ پر عبداللہ کے ساتھ سی آف کر کے آیا تھا تبھی گھر میں سناٹا سا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ ہرگز طلحہ کی غیر موجودگی میں نہ آتا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ وہ گھر پر نہیں ہے اسی لیے وہ دعا کے لاکھ اصرار پر اندر نہیں گیا تھا، لان میں ہی بیٹھ گیا تھا۔

"ٹھیک ہے میں مان لیتا ہوں لیکن آپ یہ ناراضگی ختم کر کے سولیم کے ساتھ پھر سے پیچ اپ کر لیں۔ وہ تنہا ہو گئی ہیں بہت زیادہ۔"

دعا نے ایک جھٹکے اپنے سامنے بیٹھے انسان کو دیکھا جو کتنی نرماہٹ واحترام سے سولیم کا نام لے رہا تھا۔ اس کی سماعت میں اچانک سولیم کا نفرت آمیز تحقیر سے بھرا لہجہ آ گیا۔ اسے شرمندگی ہوئی تھی اور اس شرمندگی نے اسے نگاہیں نیچی کرنے پر مجبور کر دیا۔ سوچا اگر جو اسے یہ پتا چل جاتا کہ براق نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن لی ہے تو اس کا کیا حال ہوتا۔

"میں اس بارے میں سوچوں گی آپ بیٹھیں کہاں جا رہے ہیں۔ طلحہ آنے والے ہیں ان سے مل کر جایئے گا۔" وہ براق کے کھڑے ہونے پر بولی تھی جواباً بچوں کی جانب مڑتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

"انشاء اللہ کل جب عبداللہ کو لینے آؤں گا تو ان سے بھی مل لوں گا۔ ابھی جانا ضروری ہے۔ آپ کو بتایا تو تھا موم ڈیڈ کے ساتھ ان کے کسی بزنس ٹور پر فرانس گئی ہیں تبھی گھر میں کوئی نہیں۔ سولیم پہنچنے ہی والی ہوں گی اس لیے رات پھیلنے سے پہلے میرا گھر ہونا بہت ضروری ہے۔"

براق کی طرف سے گرین سگنل ملتے ہی کافی عرصے سے پینڈنگ کام کو شروع کرنے کیلئے وہ اکیلے ہی فرانس جا رہے تھے جب اسد نے انہیں فردوس کو لے جانے کی ترغیب دی۔ یہ ترغیب فاروق کو بہت بھائی تھی تبھی وہ بغیر کسی حجت کے انہیں اپنے ساتھ لے گئے حالانکہ بیچارے براق نے انہیں کتنا روکا تھا مگر مجال تھی کہ وہ

رک جاتیں۔

وہ علیشہ کے پاس آ کر رکا اور اس کے پھولے پھولے گلابی گالوں پر اپنے لب رکھ دیے۔محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ اپنے کوٹ سے چاکلیٹس نکال کر اس کی طرف بڑھا رہا تھا جسے اس نے دعا سے اجازت لینے پر تھام لیا۔عبداللہ کو علیشہ کا خیال رکھنے کی ہدایت کرتا براق اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور دعا کی جانب مڑ کر اجازت چاہی۔

"انشاء اللہ کل ملاقات ہوگی آپ سے،عبداللہ اپنی بڑی ماما کو ہرگز تنگ مت کرنا،اپیکیٹس بھی مت بھولنا اوکے۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے بنفشی آسمان کے نیچے کھڑا دعا سے کہنے کے بعد عبداللہ کو ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا۔وہ تابعدار بیٹے کی طرح "جی ڈیڈی" کہہ کر علیشہ کے ساتھ سابقہ کام میں لگ گیا۔دعا براق کے ساتھ چلتی ہوئی اس کی گاڑی تک آئی تھی۔براق ایک ہاتھ سے گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کی جانب مڑا اور من میں اٹھتے سوال کو پیراہن اوڑھا دیا۔

"مجھے یہ سمجھ نہیں آتی کہ عبداللہ آپ کو بڑی ماما کیوں کہتا ہے حالانکہ جہاں تک مجھے معلوم پڑتا ہے آپ سولیم سے چھوٹی ہو۔" پینٹ کوٹ میں ملبوس یہ براق اس براق سے کئی ہزار گنا مختلف تھا جو ساڑھے سات سال پہلے تھا۔دعا اس تغیر پذیر براق شاہ کو دیکھ کر ہلکی سی تلخی سے مسکائی اور لبوں کو جنبش دیتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیونکہ عبداللہ کی پہلی ماں میں ہوں،بات کڑوی ہے لیکن یہی سچ ہے کہ عبداللہ کی پیدائش کے کافی عرصے تک سولیم اسے قبول نہیں پائی تھی۔اس نے اسے ایک بیکار شے کی طرح پھینک دیا تھا تبھی سے میں عبداللہ کی بڑی ماما یعنی پہلی ماما ہوں۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ براق کے شکست و ریخت چہرے پر نگاہ ڈالے آہستگی سے کہہ رہی تھی کہ مبادا اس کے الفاظ کبھی بچوں تک نہ پہنچ جائیں۔

براق کے اندر یکے بعد دیگرے کئی طوفان اٹھے تھے جن پر کنٹرول پاتے ہوئے وہ ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بنا سر ہلا کر گاڑی کے کھلے دروازے کے کنارے کو پکڑے پکڑے ہی اندر بیٹھ گیا۔اس نے گاڑی سٹارٹ کر دی تھی جبکہ اندر ایسا لگ رہا تھا جیسے زندگی رک سی گئی ہو۔مین گیٹ سے گاڑی کو باہر لے جاتے ہوئے وہ ڈھلتی دھوپ میں عبداللہ کے بے ضرر چہرے کو بیک مرر سے دیکھ رہا تھا جو ہر ریا سے پاک تھا۔اسے افسوس ہوا۔

خود پر، عبداللہ پر، سولیم پر اور تینوں کی قسمت پر۔

مغرب کے شروع ہوتے ہی وہ گھر کے پورچ میں گاڑی کو پارک کر رہا تھا۔ گاڑی لاک کرنے کے بعد اس نے دوبارہ گیٹ کا رخ کیا مگر جاتے جاتے چوکیدار سے بات کرنا نہیں بھولا تھا۔

"بابا، میں نماز ادا کرنے جا رہا ہوں سولیم آ جائیں تو ان سے کہیے گا میں آ چکا ہوں۔" انہیں ہدایت دیتا وہ گیٹ کا چھوٹا دروازہ عبور کرتے ہوئے ان کے جواب کو سن رہا تھا جو کہہ یہ تھا۔

"جی صاحب جی میں آپ کا پیغام دے دوں گا۔"

براق نے کوٹ گاڑی میں ہی اتار دیا تھا۔ وہ لائٹ فیروزی رنگ کی ڈریس شرٹ کے بازو اوپر کر کے تیز تیز قدموں کے ساتھ مسجد کی جانب چل رہا تھا۔ ایک سفید کار جو مشرق سے اس سمت آ رہی تھی میں بیٹھی لڑکی نے اسے بازوؤں کو فولڈ کرتے ہوئے عجلت میں چلتے دیکھ لیا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں تھی بلکہ سولیم تھی جو بیک مرر سے براق کو اب سڑک کراس کرتے دیکھ رہی تھی۔ وہ جانتی تھی روز کی طرح آج بھی وہ کہاں جا رہا ہے۔ اس نے گاڑی کی رفتار بڑھائی اور ہارن پر ہاتھ رکھ دیا۔ کریم بابا نے آواز سنتے ہی گیٹ کو کھول دیا۔ سولیم گیئر بدلتے ہوئے کار کو براق کی کار کے پیچھے پارک کرنے لگی۔ ایسا کرنے کے بعد وہ گاڑی سے باہر آ رہی تھی جب کریم بابا اس تک براق کے الفاظ لے کر آئے۔

"بی بی جی، صاحب آ گئے ہیں، انہوں نے کہا تھا میں آپ کو اس بات کی اطلاع دے دوں۔"

سولیم ان کی بات سن کر سر کو جنبش دیتے ہوئے اندر کی طرف بڑھی۔ کمرے میں آ کر اس نے عبایا اتارا اور وضو کرنے کے بعد نماز پڑھنے لگی۔ اذکار پڑھتے ہی وہ نیچے آئی اور کچن کی جانب رخ کیا۔ اس کے پیٹ میں چوہے دوڑ رہے تھے۔ وہ جب کچن میں آئی تو اس نے دیکھا براق فریج کا دروازہ کھولے کچھ تلاشنے میں مگن ہے۔ سولیم بالوں کو جوڑے میں جکڑتے ہوئے الیکٹرک کیٹل میں پانی ڈال کر قہوہ پکنے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ براق کو اگنور کر رہی تھی جو اس کے آتے ہی ہاتھوں میں چند پیکٹس پکڑے سٹول کی طرف آیا تھا۔

"میں آپ کیلئے چائے بنا چکا ہوں سولیم۔" نگٹس کو پلیٹ میں رکھتے ہوئے وہ محتاط لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا اشارہ چولہے پر چڑھی چائے کی جانب تھا جسے دیکھنے کے بعد ہی سولیم الیکٹرک کیٹل کی طرف آئی تھی۔

"آپ نگٹس کھائیں گی؟" اس کے ہنوز خاموش رہنے پر اس نے اگلا سوال داغا تھا۔ اب کی بار سولیم کی وہی پرانی گھوری تھی جو دعا کی جگہ براق پر برس رہی تھی جو اس گھوری پر خجل سا سر جھکا گیا۔

"زہر کھلاؤ گے، اگر ہے تو بتاؤ وہ کھانے کیلئے تیار ہوں کیونکہ اس کے علاوہ تو تم میری جان چھوڑنے والے نہیں، نگٹس کھاؤ گی؟"

چڑ چڑے انداز میں کہنے کے بعد وہ اس کے الفاظ دوہراتے ہوئے واپس کیٹل کی جانب متوجہ ہوئی۔ براق کا چہرہ اس کے دل خراش لفظوں پر نچڑ سا گیا۔ وہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔

"اپنی عنایتیں اپنے تک ہی محدود رکھو، مجھے تمہاری کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

براق نے پلیٹ کو واپس کاؤنٹر کی سطح پر رکھا اور چولہے کو بند کرتے ہوئے باہر کی اور قدم بڑھا دیے۔ سولیم بنا مڑے بھی جان سکتی تھی کہ وہ کس حالت میں باہر گیا ہے۔

"بزدل۔" زیر لب بڑبڑاتے ہوئے وہ اپنی چائے مگ میں انڈیل کر باہر آئی اور لاؤنج میں موجود ہاف وائٹ صوفوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ براق تھوڑی ہی دیر میں واپس آیا تھا۔ اس کے قدم کچن کی جانب تھے لیکن سولیم کو لاؤنج میں پا کر وہ وہیں آ گیا۔ اس کے سر پر کھڑے ہونے کے بعد وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"آپ کو میری کسی چیز کی ضرورت نہیں لیکن مجھے ہے سولیم، مجھے آپ کی ضرورت ہے اور اس کے تحت ہی میں آپ کا خیال رکھنے پر مجبور ہوں۔ آپ صبح کی بھوکی تھیں تبھی میں آپ سے کھانے کا پوچھ رہا تھا۔ نفرت کریں، شکل تک نہ دیکھیں، کوئی تعلق استوار نہ کریں ضرورت ہی نہیں ہے لیکن سولیم تھوڑی سی عزت تو کریں۔"

ابھی اس نے ایک سپ بھی چائے کا نہیں لیا تھا جب وہ اس کے عین سامنے آن کھڑا ہوا۔ سولیم سر اٹھائے اس کٹے ہوئے سوجے ہونٹ والے کی باتیں سن رہی تھی۔ جوں جوں وہ الفاظ ادا کر رہا تھا توں توں سولیم کے ماتھے کے بلوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ مگ کو کوسٹر پر دھرنے کے بعد کھڑی ہوئی اور آنکھوں کو معمولی سا سکیڑے سینے پر ہاتھ باندھ گئی۔ اس کے ماتھے کی تیوریاں مزید گہری ہو رہی تھیں اور ایسا صرف براق کی وجہ سے تھا۔

"میں مانتا ہوں آپ یہاں مجبوری کے تحت رہ رہی ہیں۔ جیسے بھی ہیں ہم دونوں عبداللہ کے پیرنٹس ہیں۔

ہمارا ہر انداز، ہر ایکشن عبداللہ کے دل پر اثر کر رہا ہے۔ کیا آپ کو لگتا ہے آپ کو ایسا کرنا چاہیے؟ آپ کے کمرے میں شاکر کی تصویر ہونا اچھی بات نہیں ہے سولیم۔"

بات کیا تھی اور وہ کہاں لے گیا تھا۔ اصل میں جب سے اس نے سولیم کے کمرے میں شاکر کی تصویر کو دیکھا تھا تب سے ایک انسکیورٹی سی تھی جو اسے ہو گئی تھی۔ سولیم کی نفرت، اس کی کنارہ کشی اور خود کیلئے کراہیت دن بہ دن اس کے دل میں بوجھ پیدا کرتی جا رہی تھی۔ آج جانے کہاں سے ہمت آئی تھی جو وہ کہہ گیا تھا۔

"اب تم مجھے سکھاؤ گے مجھے کیا کرنا چاہیے کیا نہیں ہاں، یاد رکھو براق شاہ۔ شاکر میرا شوہر تھا۔ وہ شوہر جس کے ساتھ نکاح میں بندھنے کے بعد ہی میں محبت کر بیٹھی تھی۔ وہ میری محبت تھا اور رہے گا اس لیے اپنے گیان اپنے پاس ہی رکھو۔" آنکھوں میں سرخی ڈالے وہ بھاری ہوتی آواز کے ساتھ سب حدود پھلانگ گئی تھی۔ وہ براق کو اس کی حیثیت بتا گئی تھی۔

"اللہ کے واسطے پر تم نے اس رشتے کو برقرار رکھنے کی بھیک مانگی ہے مجھ سے اس لیے اپنے رشتے کی اصلیت اور حیثیت بھولا مت کرو۔ بہتر ہوگا آئندہ تم میرے کسی معاملے میں نہ بولو۔"

"سولیم، اتنا تو نفرت میں نہ ڈوبیں، اتنی تو لفظوں میں کاٹ پیدا نہ کریں آپ کیوں ایسی ہیں آپ کو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔"

وہ واضح اس کے چہرے پر اپنے لیے بیزاریت دیکھ رہا تھا۔ شاکر اس کی محبت ہے کتنے گہرے لفظ تھے جس نے اسے اندر سے چھلنی کر دیا تھا۔ اس کی مشرقی انا عود کر آ رہی تھی یہی وجہ تھی کہ اس کا خون رفتہ رفتہ سلگنے لگا تھا۔

"ایکچوئلی مجھے تم سے کوئی بات ہی نہیں کرنی۔ میرا موڈ خراب نہ کرو اور سامنے سے ہٹو۔" واپس صوفے پر بیٹھتے ہوئے وہ مگ کو اٹھا کر ہونٹوں سے لگا چکی تھی۔ براق نے کچھ توقف اسے تکا پھر اپنی کٹی ہوئی بھنویں کو کھجاتے ہوئے برداشت کی آخری سیڑھی پر کھڑا بولا۔

"ہٹ جاؤں گا، ایک دن آپ سب کے راستے سے ہٹ جاؤں گا فکر مت کریں۔" وہ یہ کہہ کر رکا نہیں تھا۔ اپنے کمرے میں آ کر اس نے بالکونی کا رخ کیا اور سگریٹ کیس میں سے سگرٹ نکال کر اسے شعلہ دکھانے لگا۔ چڑھتی رات میں اس کے منہ اور ناک سے نکلنے والا دھواں ایسا تھا جیسے سردی میں منہ سے نکلا کرتا ہے۔ وہ لمبے

لمبے کش بھرتا ہوا اضطراب میں مبتلا ہو گیا تھا۔نور کی تھال اس کے عین سر پر تھی جس میں سے قطرہ قطرہ نور ایسے بہہ کر زمین پر گر رہا تھا جیسے کسی دکھی عاشق کی آنکھ سے آنسو بہتا ہے۔وہ آنسو جس میں درد ہوتا ہے، آہ ہوتی ہے اور نجات کی چاہ ہوتی ہے۔

"شاکر میری محبت ہے اور رہے گا۔" اس کی آنکھ سے لے کر کان تک جاتی سبز رگ اس بری طرح پھڑکنے لگی کہ گمان ہونے لگا کہیں یہ پھٹ نہ جائے۔براق نے زوردار ہاتھ ریلنگ پر مارا تھا۔ پنچ میں اتنی طاقت تھی کہ پوری ریلنگ ہل کر رہ گئی۔وہ اس کے لوہے کے سلاخوں کو سختی سے مٹھی میں دبوچے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔رات رفتہ رفتہ بھیگ رہی تھی۔یہ بھیگی رات براق شاہ کے دل کو نم دار کر کے اس کی آنکھوں کو گیلا کرنے میں مصروف ہو گئی۔

وہ رات تھی یا دن، نہیں پتا تھا بس وہاں ہر جگہ اندھیرا تھا اور جہاں اندھیرے ہوا کرتے ہیں وہاں ہر چیز تاریک ہی ہوا کرتی ہے۔ خواہ وہ پھر دن ہو یا رات۔ گھور اندھیرا جہاں آنکھ کسی بھی چیز سے مانوس نہیں ہوئی تھی۔ ایک عجیب سی پراسراریت خود میں سموئے بیٹھی تھی۔ دیواروں کی کھلی درزوں سے وہ واحد دودھیا روشنی تھی جو کسی بادشاہ کے کمان کے طرح چھ سات ایک ساتھ اندر آ رہی تھیں۔ وہ روشنی کی کمانیں اس آدمی کے سینے پر پڑ رہی تھیں تبھی اس پر غور کیا جا سکتا تھا کہ خشک خون سے اٹا سینہ کس قدر ظلم کی داستان پیش کر رہا ہے۔ سفید چیتھڑوں والے بنیان اور ایک پھٹی ہوئی بوسیدہ سی پینٹ جس کا رنگ خاکی تھا خون اور کیچڑ میں اٹنے کے بعد بالکل بھی قابل شناخت نہیں رہی تھی۔

یہ وہی آدمی تھا جسے خلیفہ نے مار کر بچانے کا حکم دیا تھا۔ وہ بچ گیا تھا۔ ایک ہفتہ بغیر تشدد کے اس نے بہت پرسکون گزارا تھا لیکن جونہی چاند کی پہلی تاریخ چڑھی ظلم کا ایک بلند پہاڑ اس پر پھر سے توڑا گیا۔ اس کے جسم کے کسی اعضاء کو جدا نہیں کیا گیا تھا لیکن ہاں اس کے گھٹنے کی کیپ کو ایک بار پھر سے توڑ دیا تھا تبھی وہ درد سے بلکتے ہوئے سانس لینے سے بھی عاری تھا۔ جمے ہوئے خون سے لتھڑا لتھڑا وہ آدمی خون سے چپکی ہوئی پلکوں کو بامشکل ایک دوجے سے جدا کرتے ہوئے کھول رہا تھا۔ ایسا کرتے ہی پانی کا ایک سیلاب تھا جو اس کی آنکھوں سے امڈ آیا تھا۔

"اللہ۔" یہ پہلا لفظ تھا جو اس نے آنکھوں کے سامنے چھائے اندھیرے میں ادا کیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے سرخ سمندر تھا اور اس سمندر کے پار سیاہی۔ وہ دل کے دھڑکنے اور سانسوں کے چلنے کی مخصوص آواز سن رہا تھا اور یہ زندگی میں پہلی بار تھا جب اسے خود کے زندہ ہونے پر دکھ ہوا تھا۔

"م۔۔م۔" وہ کچھ بولنا چاہتا تھا لیکن نرخرے پر لگی ان ظالموں کی ضربوں نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا۔ وہ ہمت مجتمع کر کے کہنی کے بل اٹھا۔ ٹیسوں کا طوفان سونامی کی طرح اس کے بدن کو خود میں ڈبو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے سر کے بل واپس گرا تھا۔

"یا اللہ۔" منہ بولنے سے قاصر تھا لیکن دل تو تھا جس کو بولنے میں کوئی دشواری پیش نہ تھی۔ جو خاموش ہو کر

بھی بول سکتا تھا، اپنے احساس بیان کر سکتا تھا تو کیا ہوا کوئی آپ کا دکھ، آپ کے درد کو لفظوں سے سننے کے باوجود بھی سمجھ نہ سکے۔ دل کی زبان پر بھی کان نہ دھرے۔ کوئی بات نہیں ان لوگوں کو چھوڑ دینا چاہیے اور اللہ کو پکڑنا چاہیے جسے کسی لفظ کی، کسی تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ جو بنا کہے بھی سن لیتا ہے سمجھ لیتا ہے۔ اسے مخاطب کرنا چاہیے نا جو سب سے زیادہ مخاطب کرنے کا حقدار ہے۔

"بہت تکلیف ہو رہی ہے۔ میری تکلیف کو ختم کر اللہ اور مجھے یہاں سے نجات دلا دے۔" تکلیف کی شدت سے اس کا سانس پھر سے رکنے لگا تھا۔ ایک چہرہ تھا جو شمع کی طرح اس گھپ اندھیرے میں روشن ہوا۔ اس چہرے کا آنا تھا کہ وہ مزید روہانسا ہو گیا۔

"اس انسان کی حفاظت فرما اللہ جو میرے لیے سب کچھ ہے۔ اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا مجھے اس کے اور اس کو میرے دکھ سے دوچار نہ کرنا پروردگار۔ ہم دونوں کو ایک دوسرے کیلئے باعث سکون بنا دے اور ہم دونوں کو اس قید سے رہا کر دے ہمیں ثابت قدم رکھنا۔ ڈگمگانے مت دینا۔"

وہ رات نہیں تھی وہ دن تھا اور جو اس آدمی کے کمرے میں روشنی کی کمانیں آ رہی تھیں۔ وہ اس کوٹھڑی کے ساتھ والے کمرے کے سبب تھیں جس میں دو موٹے موٹے بلب جل رہے تھے۔ ان بلبوں کے نیچے بیٹھے وہ جاپانی لوگ فلیتو چباتے ہوئے چھوٹی سی گول میز پر کارڈز کھیلنے میں مگن تھے۔ ان کی شرط اندر بیٹھا انسان تھا جس کی آبروریزی کرنا اب ان کا اگلا ہدف تھا۔ جو جیتے گا وہ پہلے اس آدمی کے کمرے میں جائے گا اور جو ہارے گا اس کی باری بعد میں آئے گی۔

"اس بار کی چال فیصلہ کر دے گی کہ آج کی رات کس کیلئے خوش نصیب ثابت ہوتی ہے۔" چھوٹی آنکھوں اور پھینی ناک والا ادھیڑ عمر آدمی اپنے پتوں کو چمکتی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بولا۔ اس کے سامنے ٹانگیں پھیلا کر بیٹھا اسی کے عمر کا گھرے سیاہ بالوں والا آدمی منہ کے بگڑے بگڑے زاویے بنانے لگا۔ آج کی گیم میں وہ ہار رہا تھا۔ قسمت آج اس پر دھنی نہیں تھی لیکن کانفیڈینس عروج پر تھا۔

"دیکھ لیں گے ابھی چال چلنے میں وقت ہے اور وقت کا صرف ایک سیکنڈ ہی سلطنتیں الٹنے کیلئے کافی ہوتا ہے۔" وہ اپنے پتوں کو عمیق نگاہوں سے گھورتے ہوئے ذہن میں چلتے زبردست پلان پر نظر ثانی کر رہا تھا۔ اس

کے سامنے بیٹھے آدمی نے اپنا سب سے قیمتی پتا میز پر پٹخنے والے انداز میں گرایا۔ جیسے ہی اس کا پتا گرا ویسے ہی فون کی مخصوص گھنٹی اس کمرے میں گونجنے لگی۔

"کیا مصیبت ہے اس کو بھی ابھی بجنا تھا۔" وہی آدمی بڑبڑاتے ہوئے اپنی کرسی سے اٹھا اور جیسے ہی اس نے فون کو اٹھا کر کان سے لگایا اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

"تمہاری مصیبت کو میں ابھی سیدھا کرتا ہوں۔ تم کون ہو ایک معمولی سے کیڑے۔" خان کی دبی غراہٹ اس آدمی کی روح فنا کر گئی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی بڑبڑاہٹ اس طرح سنی جائے گی۔

"بخشش اے خدا، یقین کرو میں ہرگز وہ نہیں کہنا چاہتا تھا جو آپ نے سن لیا ہے۔" تھر تھر کانپتے ہوئے ہکلاتے ہوئے وہ بولا تھا۔ اس کا ساتھی کب کا اپنی جگہ چھوڑے اس کے ساتھ آ کر چپک گیا اور پھیکے سبز رنگ کے فون پر کان چپکاتے ہوئے وہ سننے لگا جو خان کہہ رہا تھا۔

"زیادہ چاپلوسی نہیں، میری بات کان کھول کر سنو۔ تمہیں وہ سب کرنا ہوگا جو میں کہوں گا۔ آخر کو میرا حرف ہی آخیر ہے۔" خان کے تحکمانہ انداز پر وہ سر ایسے زور زور سے ہلانے لگا جیسے کہ اسے دیکھا جا رہا ہو اور ایسا ہی تو تھا۔ وہ سب نظر میں ہی تو تھے۔

"بالکل خان! ہم آپ کے تابعدار ہیں ہاں یہی سچ ہے۔" ایک دوسرے سے نگاہیں ملاتے ہوئے وہ خان کا ہنکارہ سن رہے تھے جو طویل توقف کے بعد ان سے کہہ رہے تھے۔

"تم لوگ اس آدمی کو نہیں مارو گے بلکہ تم اسے آزاد کر دو گے۔ اسے یہاں سے نکالو۔ جانتے ہو نا میں کس کی بات کر رہا ہوں؟"

یہ سمندر خان کا آرڈر تھا یا روح فرسا خبر جو ان دونوں کے رونگٹے کھڑے کر گیا تھا۔ فون سننے والے کے ہاتھ سے فون چھوٹتے چھوٹتے بچا تھا۔

"ہم۔۔ بھلا اسے کیسے چھوڑ سکتے ہیں۔" ہکلاہٹ میں ڈر بھی غالب تھا۔ خلیفہ کے قہر کا ڈر اور اس ڈر نے خان کے سر پر خطرے کی گھنٹی بجا دی۔ انہیں اچانک سے احساس ہوا کہ وہ کیا کر بیٹھے ہیں۔

"کیوں نہیں چھوڑ سکتے، تمہاری جرأت بھی کیسے ہوئی مجھے انکار کرنے کی۔ میں تمہاری سات پشتیں تباہ کر

دوں گا۔" وہ ایک دم دھاڑ پڑے تھے۔ان کا تنفس تیز ہو گیا اور شریان میں خون ایسے دوڑنے لگا جیسے لاوا ہو۔

"اس آدمی کو چھوڑو۔ ابھی کے ابھی اسے کہیں پھینک کر آؤ۔ سمجھے تم۔" فون رکھتے ہی خان نے اپنی مٹھیوں کو سختی سے بھینچ لیا تھا۔ان کی آنکھیں سرخ ہو چلی تھیں۔

"بیشک خلیفہ آپ کا رائٹ ہینڈ ہے باس، لیکن آپ کو اسے رائٹ ہینڈ ہی رہنے دینا چاہیے تھا۔ وہ بالکل بھی آپ کا کارندہ نہیں ہے بلکہ شاید اس نے آپ کو ہی اپنا کارندہ بنالیا ہے۔ وہ خلیفہ تبریز ہے جو حکم لیتا نہیں بلکہ دیتا ہے۔"

ہک کی آواز سماعت میں ہتھوڑے کی طرح برس رہی تھی۔ جب سے انہیں معلوم ہوا تھا کہ پاکستان میں ہونے والے ریڈز میں کچھ خلیفہ کی کوتاہیاں، عدم دلچسپی اور اجازت تھی تب سے وہ بپھرے شیر کی طرح یہاں وہاں منڈلاتے پھر رہے تھے۔ پاکستان میں ان کے کام کو ختم کرنے کی ایک وجہ خلیفہ ہے یہ بات انہیں ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ان کے دماغ میں طوفان اٹھ چلا تھا۔ سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کس راستے جائیں اور کس نہیں۔

"میں نے اپنے بیٹے کو بھی تو کھو دیا تھا۔ وہ بھی تو بلاسٹ میں ہی مرا تھا کوئی مضائقہ نہیں اگر خلیفہ بھی اسی طرح کے کسی حادثے کا شکار ہو جائے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے ایسا ہی ہو گا۔ جو مر جاتے ہیں وہ مر جاتے ہیں پھر ان کی نشانی ساتھ رکھنے یا ان کی یاد میں سوگ منانے سے وہ واپس نہیں آ جاتے اور نہ ہی کوئی فائدہ دیتے ہیں۔ میں اپنے بیٹے پر فاتحہ پڑھ چکا ہوں اس بات کا ادراک مجھے ہو گیا ہے۔"

خود کو صوفے پر گرا کر انہوں نے آنکھیں موندی تھیں۔ ان آنکھوں میں اندھیرا تھا۔ وہی گھور اندھیرا جو قبرستان میں ہوا کرتا ہے۔ ایک منٹ ذرا رکو، وہ قبرستان نہیں تھا بلکہ وہ تو پہاڑی کی آغوش میں سمایا ایک چھوٹا سا جنگل تھا جس میں تازہ تازہ تشدد ہوئے، خون ٹپکتے آدمی کی لاش کو بازوؤں سے گھسیٹ کر آگے لے جایا جا رہا تھا۔ رات کی تاریکی میں پانی کی طرح نکلتا اس کا خون جسم کے نیچے چرمراتے ہوتے خزاں رسیدہ پتوں پر نظر بھی نہیں آ رہا تھا حالانکہ وہ پتے اس کے خون میں تر ہو چکے تھے۔

"مجھے لگتا ہے اسے یہیں چھوڑ دینا چاہیے۔ کیا کہتے ہو؟"

ہانپتے کانپتے دونوں بازو کمر پر رکھتے ہوئے وہ آدمی پتھروں کے بیچ درخت کے نیچے کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا جس کی حالت بالکل اس جیسی تھی یعنی وہ بھی نقاہت سے کانپ رہا تھا۔ یہ کپکپاہٹ اور تھکن اس لیے تھی کیونکہ

انہوں نے خان سے چھپ کر اس آدمی پر آخری بار تشدد کر دیا تھا یعنی اگر خلیفہ پوچھے بھی تو وہ اسے کہیں گے کہ تشدد کی زیادتی سے وہ آدمی مر گیا تھا تبھی وہ لوگ اسے ٹھکانے پر لگا آئے ہیں۔

"بالکل ٹھیک، اسے یہیں چھوڑ دیتے ہیں آج رات اس جنگل میں موجود سب جانوروں کی دعوت ہو جائی ہے۔ چلو چلتے ہیں۔"

خون میں ڈوبے اس لڑکے کو وہ دونوں آدمی اس درخت کے نیچے چھوڑ گئے تھے جہاں پتوں میں چھپی چیونٹیاں اور کیڑے مکوڑے تیزی سے اس کے جسم کی طرف لپک پڑے تھے۔ وہ دونوں آدمی اس نیم مردہ لڑکے سے دور جا رہے تھے اس بات سے بے خبر کہ بڑے سارے پتھر کی آڑ میں کوئی ان کو چھپ کر دیکھ رہا ہے۔

☆......☆......☆

ہیڈ کوارٹر سے باہر نکل کر رخسانہ سڑک کراس کر رہی تھی جب اچانک بائیں جانب سے ایک گاڑی آئی اور اپنے ٹائر چرچرا گئی۔ وہ اسد تھا جو عجلت میں براق سے ملنے آفس جا رہا تھا کہ اچانک ایک لڑکی سڑک عبور کرتے کرتے ڈر سے واپس پیچھے ہوئی تھی۔ اس کی اس حرکت سے زبردست ایکسیڈنٹ ہو جانا تھا۔ یہی بات تھی جو اسد کو طیش میں مبتلا کر گئی تھی۔ اس نے گاڑی روک کر شیشہ فولڈ کیا اور اس میں سے سر نکالتے ہوئے دھاڑا۔

"مرنے کا زیادہ ہی شوق ہے تو بیچ سڑک کے کیوں کھڑی ہو رہی ہیں۔ جا کر کسی ندی میں کود یں یا پھر پہاڑ سے چھلانگ لگا دیں ویسے بھی خودکشی اب ٹرینڈ بن چکی ہے۔"

ہاتھ کو باہر نکالے وہ غصے میں کہہ رہا تھا جب اس لڑکی کے چہرے کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ یہ تو وہی تھی جسے اس نے پچھلے ہفتے جاگنگ کرتے ہوئے باغ میں گم صم بیٹھے دیکھا تھا۔

"معذرت، میں تھوڑی سی گھبرا گئی تھی۔" وہ اس لڑکے کی بات کا برا منائے بغیر جھکی نظروں سے بولی تھی۔

ایجنسی والوں نے اس سے اہم معلومات لے کر اسے چھوڑ دیا تھا اور ایسا انہوں نے ایک پلان کے تحت کیا تھا۔ وہ اس کے ذریعے کوبرا کے باقی بندوں کو بھی پکڑنا چاہتے تھے جو ضرور اس کے پیچھے آئیں گے۔

"کوئی مسئلہ نہیں آپ جا سکتی ہیں۔" اس لڑکی کو راستہ دیتے ہوئے اس نے گاڑی کو سائیڈ پر کیا تھا۔ پونی بندھے بالوں کے ساتھ رخسانہ اس کی کار کے سامنے سے گزری۔ اسد کی گردن وہاں وہاں جا رہی تھی جہاں

جہاں رخسانہ کے قدم اٹھ رہے تھے۔وہ مزید اسے دیکھتا رہتا اگر پیچھے سے ہارنز کی آوازیں نہ آتیں۔

"اچھا اچھا جا رہا ہوں۔جذباتی ہو جاتی ہے ایک تو یہ پاکستانی عوام بھی۔"

گیئر لگاتے ہوئے اس نے کار کو آگے بڑھایا تھا۔مختلف سڑکوں سے گزرتے ہوئے وہ گرے رنگ کی بلڈنگ کے آگے آکر رکا تھا۔گارڈ کو چابی پکڑاتے ہوئے وہ سامنے کا بٹن بند کرتے ہوئے تیز قدموں کے ساتھ اندر بڑھا اور شیشے کی لفٹ میں جاکر کھڑا ہو گیا۔وہ بار بار گھڑی کو بھی دیکھ رہا تھا۔لفٹ کے کھلتے ہی اس نے یوٹرن لیا اور فاروق شاہ کی نیم پلیٹ والے کمرے کو چھوڑ کر براق شاہ والے کی طرف گیا اور ناب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھول دیا۔سامنے ہی براق کے ساتھ اسے چند لوگ اور بھی دکھائی دیے تھے۔براق باس چیئر پر بیٹھا تھا جبکہ دو آدمی دائیں بائیں میز کے اس پار ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے تھے۔اس کے علاوہ دو لوگ صوفے پر بھی براجمان تھے۔اسد کے دروازہ کھولتے ہی سب نے بیک وقت اس کی جانب دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے ابھی۔" یونہی ناب پکڑے پکڑے وہ اس سے مخاطب ہوا تھا۔براق نے سر ہلایا اور ان لوگوں سے ایکسکیوز لیا جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔

"مسٹر احمد، میں آپ لوگوں کو تھوڑی دیر میں بلاتا ہوں۔" اسد کی ویلیو وہ سب اچھے سے جانتے تھے تبھی اپنا اپنا سامان سمیٹتے کمرے سے چلے گئے۔اسد نے آخری بندے کو اپنے شانے کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا اور پھر دروازہ بند کر کے بوٹوں کی آواز پیدا کرتا اندر آ گیا۔جب تک وہ اندر آیا تھا براق اپنی کرسی چھوڑ کر صوفہ سنبھال چکا تھا۔اس نے گرے رنگ کا چیک دار سوٹ پہنا ہوا تھا جبکہ اسد سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا۔

"خیریت اتنے بوکھلائے ہوئے کیوں ہو؟" وہ بیٹھنے کے بعد اس کے سر کو پکڑنے پر استفہامیہ لہجہ اپناتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔اسد نے ماتھے پر سے ہاتھ ہٹا کر گردن براق کی طرف کی۔

"ٹرکر چھوٹ گیا ہے۔" اس نے فوراً سے کہا تھا۔براق کے ماتھے پر بل پڑے۔

"یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے ایک نہ ایک دن اسے جیل سے رہا ہونا ہی تھا۔" اسد نے نچلے لب کو دانتوں میں جکڑ کر چھوڑا۔

"اس نے مجھے کال کی تھی۔وہ جان گیا ہے کہ تمہاری اور سولیم کی شادی ہو چکی ہے اور اب وہ، تمہاری ویڈیو

بھابھی کو دے دیگا یہ سب اس نے مجھے کہا ہے۔ وہ ایسا کیوں کر رہا ہے براق؟"

اسد کی اطلاع پر براق نے جبڑے بھینچے تھے۔ اے سی کی ٹھنڈک سے سرد ہوتے اس کمرے نے براق کے سرد الفاظ سنے جو کہ یہ تھے۔

" کیونکہ اسے نشے کی لت ہو چکی ہے۔ یو ایف سی سے تو وہ پہلے ہی نکالا جا چکا تھا لاکل باکسنگ کلبز نے بھی اسے نا اہل قرار دے دیا تھا جس کی وجہ سے وہ بوکھلا گیا ہے اور اب وہ، وہ گھٹیا حرکت کرنے کی کہہ رہا ہے جس کیلئے اس نے مجھ سے کروڑوں روپے کھائے ہیں۔ اسد، اس کا کچھ انتظام کرنا ہوگا اگر وہ ویڈیو سولیم تک چلی گئی تو بہت برا ہوگا"

اسد نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔

" کچھ نہیں ہوگا تم اس بات کو ذہن پر سوار مت کرنا۔ یہ بتاؤ بھابھی کیسی ہیں؟"

اس نے جان بوجھ کر موضوع بدلا کیونکہ تفکر کے سائے براق کے چہرے پر دیکھ کر وہ بے چین ہو گیا تھا۔ وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اگلے سوال پر اس کی بے چینی مزید گہری ہونی ہے کیونکہ اب براق کے چہرے پر تفکر ہی نہیں بلکہ غم بھی آن سمایا تھا۔

" کیا ہوا براق، کیا میں نے کچھ غلط پوچھ لیا۔ بھابھی ٹھیک ہیں نا؟" وہ براق کے اچانک کھڑے ہونے اور کمرے کے پردے ہٹانے پر گنجلک سوچوں میں گرفتار ہو گیا۔

" وہ ٹھیک ہیں اللہ انہیں ٹھیک ہی رکھے۔" کھڑکی کو سلائیڈ کرتے ہوئے وہ ٹھنڈی ہوا میں گہرے گہرے سانس لینے لگ گیا تھا۔ اسد نے اس کی دعا پر اچانک آمین کہا۔

" اگر ایسا ہے تو پھر تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو، براق، تم مجھ سے کچھ چھپا رہے ہو نا۔" وہ بیٹھا رہا کھڑا نہیں ہوا۔ اس نے کھڑا ہونا مناسب ہی نہیں سمجھا۔ وہ براق کا سائیڈ پوز دیکھ رہا تھا جس سے واضح اس کے چہرے پر پھیلے درد کو دیکھا جا سکتا تھا۔

" تم سے ایک بات پوچھوں؟" اسد اس کے سوال پر فوراً بولا تھا۔

" میں ہوں ہی اس لیے۔" براق نے چند ثانیے خاموشی میں گزارے۔

"محبت کیا ہوتی ہے؟" جس طرح کی براق کی حالت تھی وہ اسی قسم کا سوال تو قع کر رہا تھا۔

"محبت، محبت ہوتی ہے۔" اس نے بھی وہ کہا جو اس نے کہنا تھا۔ یوں بھی وہ کونسا اس جذبے سے آشنا ہوا تھا جو اس کو ڈیفائن کرنے میں زمین آسمان کے قلابے ملا دیتا۔ نکمے عاشقوں کے فضول سے سوال۔۔ آفرین۔

"محبت، محبت نہیں ہوتی اسد، محبت ایک سزا ہوتی ہے جو ہم جیسوں کے دلوں کو لگ کر اسے ناکارہ کر دیتی ہے۔ محبت ایک ظالم شے ہے جو اپنا قہر برساتے ہوئے ذرا نہیں ڈرتی۔ محبت اس دنیا کی سب سے خودغرض ترین چیز ہے۔ یہ ذلیل کروانے کے بہت گر جانتی ہے۔"

ہم خاک سے محبت کر کے خاک ہونے کو تو ترجیح دیتے ہیں لیکن نور سے دل لگا کر نور بننا ہمیں گوارہ نہیں۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ اب ہمارے نفس حد سے زیادہ کمزور ہو چکے ہیں۔ انہیں حب الٰہی کی بجائے حب بشر میں زیادہ چارم نظر آتا ہے۔ اگر وہ بشر کو چھوڑ کر اس کے پالنہار کی طرف مڑیں تو میرا نہیں خیال اتنا تھکیں گے جتنا براق شاہ تھک رہا تھا آپ کو کیا لگتا ہے؟

وہ رکا تھا مگر اسد نہیں وہ اپنے لب کھول رہا تھا جب براق کی آواز پھر سے اے سی کے ٹھنڈک والے کمرے میں گونجی۔

"سولیم کہتی ہیں انہیں آج بھی شاکر سے محبت ہے۔ وہ کتنا خوش نصیب ہے نا اسد۔" براق خلاؤں میں نظریں جماتے ہوئے بولا۔ اس چیز کی پرواہ کیے بغیر کہ اس کا دل ان لفظوں سے کس طرح چھلنی ہو رہا ہے۔

"تمہیں ضرور کوئی غلط فہمی ہوئی ہے بھابی ایسی نہیں ہیں تم انہیں غلط جج کر رہے ہو، دیکھو مجھے لگتا ہے تم دن بہ دن اس پروان چڑھتے بڑھاپے کے سبب سٹھیاتے جا رہے ہو۔ تمہیں ایک اچھے سے ڈاکٹر کی ضرورت ہے جو تمہارا علاج کر سکے، ایم شور۔"

ماحول میں چھائی کثافت کے اثر کو زائل کرنے کیلئے وہ ہنستے ہوئے بولا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو مجھے واقعی ایک طبیب کی ضرورت ہے جو مجھے اس روگ جاں سے نجات دلا سکے۔ واللہ میں نے بہت ظلم کیا ہے اپنے ساتھ، سولیم کے ساتھ اور عبداللہ کے ساتھ مجھے یہ نکاح نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

اب کے اسد کھڑا ہوا اور اس کا بازو تھام کر رخ اپنی جانب کیا۔

"ہروقت بے پر کی مت ہانکا کر، کیا یہ تو نے اپنی زندگی کو اتنا مشکل بنا لیا ہے۔ محبت، غم، ڈپریشن، انگزائٹی یہ سب کیا ہے براق؟ تو یہ نہیں ہے تجھے ایسا نہیں ہونا۔ دنیا کو دیکھ، خود کو دیکھ، کیا حال کر لیا ہے تو نے اپنا۔ بھابھی تجھے قبولتی ہیں تو ٹھیک اگر انہیں کسی ایرے غیرے سے محبت ہے تو، تُو بھی فاتحہ پڑھ دے ان کی محبت پر۔ براق شاہ تو اب بھی براق شاہ ہے ایک فائٹر۔"

وہ اسے شانوں سے تھام کر جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ کہیں دور سمندر میں اٹھا کر یا تو سولیم کو پھینک آئے یا پھر اس جان کے وبال کو جو دوستی کے نام پر اس کے ساتھ جونک کی طرح چپک گیا ہے۔

"پریشان ہو رہا ہے نا میری وجہ سے؟" وہ اسد کے چہرے پر چھائی بے چینی کو بھانپتے ہوئے بولا۔

"ہاں تو، تُو کر رہا ہے نا مجھے۔ نہ کر یار ایسا موو آن کر لے۔ بھاڑ میں ڈال اس محبت جیسی فضول سی چیز کو۔ سولیم شاکر کو چاہتی ہے چاہنے دے فل آن اگنور کر اور عبداللہ کے ساتھ اپنی لائف گزار۔ اسے اپنا مرکز بنا سولیم کے دائرے کو چھوڑ دے۔"

اس کی جھنجھلاہٹ عروج پر پہنچ گئی تھی۔ براق نے اس کی کلائیوں کو تھاما۔

"اوکے اوکے کول ڈاؤن، میں وہی کرونگا جو تُو کہہ رہا ہے۔ ابھی تو چل کر لنچ کرتے ہیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ آگے بڑھ گیا تھا۔

"جھوٹا ہے ایک نمبر کا جھوٹا۔" اس کے پیچھے چلتے ہوئے اسد نے اکتاہٹ سے کہا۔

آفرین براق آفرین۔

☆......☆......☆

"عبداللہ! آج کا اپنا ٹیسٹ دکھاؤ ہری اپ۔"

وہ لیپ ٹاپ پر دماغ کے حصوں پر لکھی گئی نئی سرچ کو پڑھنے میں مگن تھی جب اچانک اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔ عبداللہ جو گھر کے جانے کون سے کونے کھدرے میں تھا کو میڈ سے بلوا کر وہ کہہ رہی تھی۔ اس حکم پر عبداللہ کا سر جھک گیا۔ میڈ جا چکی تھی مگر عبداللہ ایک انچ بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا تھا۔

"میرے خیال سے میں نے کچھ کہا ہے عبداللہ۔" لیپ ٹاپ کی سکرین کو آف کرتے ہوئے وہ کرسی گھما کر اس کے جھکے چہرے کو دیکھ کر مخاطب ہوئی۔ جہاں اس کا چہرہ جھکا ہوا تھا وہیں اس کے ہاتھ بھی سامنے بندھے ہوئے تھے۔

"وہ۔۔ماما۔۔وہ، میں۔" اس نے اپنا سر مزید گردن کے ساتھ لگا لیا۔سولیم کے ماتھے پر شکنیں ابھریں۔

"وہ، میں کیا لگا رکھی ہے تم نے عبداللہ، یہ مت کہنا لاسٹ ٹیسٹ کی طرح اس ٹیسٹ میں بھی تم نے کم مارکس لیے ہیں کیونکہ اگر ایسا ہوگا تو میں بہت خفا ہو جاؤں گی تم سے۔"

عبداللہ نے اپنا اوپری لب دانتوں میں جکڑا اور پلکوں کو تیزی سے جھپکانے لگا۔دراصل وہ اپنے آنسوؤں کو کنٹرول کر رہا تھا۔

"ایم سوری ماما۔" آنسوؤں سے تر آواز سولیم کے کاندھے ڈھیلے کر گئی۔وہ اپنی جگہ سے اٹھی اور دو زانو بیٹھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لیا۔

"ادھر دیکھو عبداللہ، نظریں ملاؤ مجھ سے، جب غلطی کرتے ہیں نا تو اس کا اعتراف کرنا چاہیے۔ پہلے ہی معافی مانگ لینے سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔"

عبداللہ نے اپنی گہری پلکوں والی آنکھیں اٹھائیں۔تھوڑی سی جنبش نے کب کے رکے احساس کے پانی کو جگہ دے دی۔اس کا چہرہ ایک کے بعد ایک ٹوٹتے موتیوں میں بھیگتا چلا گیا۔

"میں نے بہت کوشش کی تھی ٹیسٹ صحیح کرنے کی مگر مجھ سے ہوا ہی نہیں۔" وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

سولیم نے اپنے ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھے۔

"عبداللہ، کوئی بھی چیز پرفیکٹ نہیں ہوا کرتی۔ چاہے وہ ٹیسٹ ہو یا زندگی۔کوئی نہ کوئی، کہیں نہ کہیں کمی رہ ہی جاتی ہے۔بات صرف اتنی ہے کہ اس کوشش میں ہمارا کتنا عمل دخل ہے۔ہم کتنی محنت کرتے ہیں اور کتنی جان ڈال دیتے ہیں اس چیز کو صحیح کرنے میں، اس بات میں سو فیصد صدق ہے کہ جتنی محنت ہوا کرتی ہے اتنا ہی پھل بھی ملا کرتا ہے۔آپ نے کم تیاری کی ہوگی اس لیے آپ کے مارکس کم آئے ہیں۔زیادہ کرتے تو زیادہ آتے۔ میں آج معاف کر رہی ہوں آئندہ گنجائش نہیں رہے گی۔اوکے؟"

اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیے وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ آج بھی عبداللہ اس سے ڈرتا تھا، سہمتا تھا پرانے ڈر اتنی جلدی ختم ہوا بھی نہیں کرتے۔

"میں وعدہ کرتا ہوں ماما پوری کوشش کرونگا۔" اپنی کھڑی ناک کو آستین سے رگڑتے ہوئے وہ وثوق سے کہہ رہا تھا۔ سولیم مسکرا دی۔

"گڈ، اب آپ جاؤ اور جا کر سٹڈی کرو۔" وہ سولیم کے کہتے ہی مڑ گیا تھا۔ کمرے سے باہر آتے ہی اس نے گہرا سانس لیا اور قدم آگے کو بڑھا دیے۔ اپنے روم میں پہنچ کر اس نے الو کی شکل کی گھڑی پر نظر ڈالی۔ سفید الو کی شکل کی گھڑی پر سرخ زبان یہاں وہاں ہلتی نظر آ رہی تھی۔ سوا تین بجے تھے۔ آج سولیم سستی کی وجہ سے جلدی گھر آ گئی تھی تبھی اسے سکول سے پک کر آئی تھی۔ عبداللہ اپنے بیڈ پر چڑھا اور اپنے ان ڈھیر سارے کھلونوں کو تکنے لگا جن میں سے آدھے مر چکے تھے اور جو آدھے زندہ تھے اب وہ چلتے ہوئے اس کے پاس آ رہے تھے۔

"تم کتنے روندو ہو عبداللہ، جب دیکھو روتے ہی رہتے ہو۔ اوہ کم آن اب کوئی جھوٹی تاویل مت دینا ہمیں۔ تمہاری سرخ ناک اور سوجی ہوئی آنکھیں بتا رہی ہیں کہ تم اپنی اس جلاد صفت ماما کے سامنے رو کر آئے ہو۔"

وہ آئرن مین جسے وہ علیشہ کے لیے چھوڑ آیا تھا اور بعد میں خط کو مسخ کرنے کے بعد اسے اٹھا لایا تھا ناک پر سے مکھی ہٹاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم میری ماما کے بارے میں ایسا نہیں کہہ سکتے ہو۔ اپنے الفاظ واپس لو۔"

براق جو اسد کے ساتھ لنچ کرنے کے بعد گھر سے کچھ ڈاکومنٹس اٹھانے آیا تھا دروازے کی کھلی جھری میں سے یہ آواز سن کر ٹھٹک کر رک گیا۔ اس کا اور عبداللہ کا کمرہ آمنے سامنے تھا اور یہ یقیناً عبداللہ کی ہی آواز تھی۔

"ہاں ہاں ہم جانتے ہیں کہ ہم ایسا نہیں کہہ سکتے تمہاری ماما کے بارے میں، مومیز آخر مومیز ہوتی ہیں ان کی ریسپکٹ کرنا بنتا بھی ہے۔ ہم معذرت خواہ ہیں۔"

یہ اس کا ٹیڈی بیئر تھا جو جھٹ سے مصلحتاً انداز میں بولا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ کوئی نہ چاہتے ہوئے بھی دروازے کے کنارے پر آ کر ٹک گیا ہے۔

"تم لوگوں کی معذرت کو قبول کرتا ہوں لیکن آئندہ دھیان رکھنا۔ میں اس لیے اپنی ہر بات تم لوگوں سے شیئر نہیں کرتا کہ تم مجھے یا میری فیملی کو برا کہو۔ میں پچھلی بار والی بات بھی نہیں بھولا ہوں۔"

غالباً لاسٹ ٹائم وہ علیشہ کا مذاق اڑا رہے تھے جو عبداللہ کو بالکل بھی پسند نہیں آیا تھا۔ جن لوگوں سے اسے محبت ہوتی ہے ان کے بارے میں فضول گوئی وہ کیسے بھول سکتا تھا۔ کیا بھول سکتا تھا؟ ہرگز نہیں۔

جیسے جیسے عبداللہ بول رہا تھا۔ ویسے ویسے براق کا دل اچھل کر حلق میں آرہا تھا۔ دنیا کا کونسا کرنٹ یا صدمہ نہیں تھا جو اسے اس سے لگ رہا تھا۔ وہ لبوں کو تر کرتا تھوک نگلتا جامد و ساکن کھڑا وہ سب سن رہا تھا جو اسے نہیں سننا چاہیے تھا۔ جو ہونا بھی نہیں چاہیے تھا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ اس کا بیٹا، اس کا عبداللہ کیونکر ایک نفسیاتی کیس بن سکتا ہے۔ براق کو لگا رفتہ رفتہ کوئی اس کے ٹانگوں سے جان کو ختم کر رہا ہے۔

"ٹھیک ہے، ٹھیک ہے ہم سمجھ گئے یہ بتاؤ اب کیوں روئے تھے تم؟"

"میں اس لیے رویا تھا کیونکہ میرے ٹیسٹ میں مارکس کم آئے ہیں اور ایسا چوتھی بار ہو رہا ہے۔"

اس سے زیادہ براق سے برداشت نہ ہوا۔ اس کا سینہ گھٹن کی زد میں تھا۔ اس گھٹن کو ختم کرنے کیلئے جھٹکے سے اس نے عبداللہ کے کمرے کا دروازہ وا کیا تھا۔ دروازہ کھلتے ہی اچانک عبداللہ نے اس سمت رخ کیا۔ اس کے ڈیڈی اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ حواس باختہ سا انہیں تکنے لگا۔ کیا انہوں نے سب سن لیا ہے؟ شاید نہیں، شاید ہاں۔ وہ اسی کشمکش میں گھرا براق کو دیکھنے میں مگن تھا جو پورے کمرے میں طائرانہ نگاہ گھماتے ہوئے اب اپنے ہمشکل کو دیکھ رہا تھا، دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

"عبداللہ، مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ کیا آج رات تم میرے ساتھ روم شیئر کر سکتے ہو؟"

وہ کوئی بھی مشکوک چیز نہ ملنے پر اس سے مخاطب ہوا جو اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"بالکل میں میسر ہوں گا ڈیڈی، السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام، ابھی آپ ایک کام کرو۔ نیچے جا کر کھیلو، کھیل صحت کیلئے بیحد ضروری ہے۔ میں آپ کی ماما سے مل کر آتا ہوں ہم شام کو بات کریں گے۔"

اس کے کمرے کے دروازے کو پورا کھول کر وہ جاتے جاتے اسے مڑ کر دیکھتے ہوئے اپنے کمرے میں گیا۔

وہاں سے وہ فائل اٹھائی جس کی اسے ضرورت تھی اور سٹڈی کی طرف مڑ گیا۔ وہ سولیم کی گاڑی کو نیچے دیکھ چکا تھا۔ تھوڑا متفکر ہوا تھا اسے دیکھ کر تبھی وہ تیز قدموں کے ساتھ اوپر آیا تھا لیکن عبداللہ کی آواز نے اسے روک دیا۔

"مجھے آپ سے اہم بات کرنی ہے سولیم۔" وہ اچانک سے سٹڈی میں آیا تھا۔ اس کے انداز میں عجلت بھری تھی۔ سولیم جو ٹانگ پر ٹانگ جمائے ایک ہاتھ سے مگ تھامے دوسرے سے پیج کو سکرول کیے اپنے مطالعے میں مگن تھی۔ اس کی اس طرح بنا دستک کی آمد پر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ اس کا پرنٹڈ دوپٹا ایک شانے پر تھا جبکہ ٹیل پونی کو دائیں کاندھے پر ڈالا ہوا تھا۔

"میرے خیال سے تمہیں ناک کر کے آنا چاہیے تھا۔" وہ اسے تہذیب سکھاتے ہوئے جتلا رہی تھی۔ براق نے اس کی بات کو یکسر نظر انداز کیا اور اس سے تھوڑے فاصلے پر کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اپنی فائلز کو اس نے میز کی سطح پر رکھ دیا تھا۔

"سولیم، مجھے آپ سے عبداللہ کے بارے میں بات کرنی ہے، میں نے آج وہ سب سنا جو بالکل ٹھیک نہیں تھا۔" اور اس کے بعد اس نے تمام روداد من وعن اسے سنا دی۔ جیسے جیسے وہ اسے سنا رہا تھا ویسے ویسے پریشانی سولیم کے چہرے پر بھی عیاں ہو رہی تھی۔

"ہمیں اس بارے میں کچھ کرنا ہوگا۔ عبداللہ کو ہم ایسے نہیں چھوڑ سکتے۔ میں نہیں چاہتا ہمارا بیٹا ابنارمل کہلائے۔ میں پریشان ہو گیا ہوں اس کیلیے۔"

آنکھوں میں فکر کا جہاں سجائے ماتھے پر بے بسی کے بل ڈالے وہ سولیم کو تک رہا تھا جس کے لب آپس میں پیوست تھے۔ آنکھوں میں نمی سی چمک اٹھی۔ دوسروں کا علاج کرنے والی اب اپنے بیٹے کا علاج کرے گی۔ یہی سوچ اس کا کلیجہ چھلنی کیے جا رہی تھی۔

"دعا نے مجھے بتایا تھا اس بارے میں، وہ اپنے کھلونوں سے باتیں کرتا ہے۔ میں نے اس کے کھلونے کمرے سے ہٹوا دیے تھے اور میڈیسنز یوز کروائی تھیں۔ افاقہ بھی ہوا تھا۔ اس کے بعد ہم سمجھے سب نارمل ہو چکا ہے لیکن اب وہ پھر سے۔" بات کرتے کرتے وہ اچانک رک گئی تھی۔ براق تھوڑا سا میز پر آگے کو جھکا۔ بالکل ویسے جیسے وہ پہلے جھکا کرتا تھا۔ سولیم کے رکنے کی وجہ بھی اس کا جھکنا تھا اور اس جھکنے نے اچانک اس کی آنکھوں

میں ماضی کے تلخ باب کھول دیے تھے۔

"سولیم، آپ کچھ بھی کریں لیکن پلیز عبداللہ کو اس فیز سے نکالیں، میں بھی مدد کروں گا۔ ہم اپنے بیٹے کو صحت مند کرلیں گے۔"

وہ اس کی بجائے خود کو زیادہ تسلی دے رہا تھا۔ اس کی گریفائیٹ آنکھوں میں پدرانہ درد موجود تھا۔ اس کی خندہ پیشانی عبداللہ کی اس حالت سے ڈھلک سی گئی تھی۔ اس سے پہلے سولیم اسے کچھ کڑوا بول دیتی۔ اس کا یہ انداز، یہ روپ اور ساتویں آسمان کو چھوتی عبداللہ کیلئے پریشانی نے اسے روک دیا۔ وہ اسے دیکھ رہی تھی، غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کرسی پر آدھا بیٹھا تھا آدھا میز پر جھکا تھا۔ اس کے ہاتھ میز کی سطح پر دھرے ہوئے تھے اور آنکھیں امید بھری نظروں سے سولیم کے چہرے کو تک رہی تھیں۔ ان امید بھری آنکھوں کی جوت بجھی نہیں بلکہ اس کا دیا اور تیزی سے پھڑ پھڑایا۔ اس سب کی وجہ اور کوئی نہیں سولیم کے جملے تھے۔

"ایسا ہی ہوگا۔" اس نے خود کو کہتے ہوئے سنا۔

"ٹھیک ہے، میں سوچ رہا ہوں کچھ عرصے کیلئے عبداللہ کو اپنے ساتھ شفٹ کرلوں۔ وہ تنہا نہیں رہے گا تو ان کھلونوں سے باتیں بھی نہیں کرے گا۔ ہم اسے روز کہیں نہ کہیں لے کر جایا کریں گے۔ ایسا کرتا ہوں میں اسے کچھ وقت لیے باہر لے جاتا ہوں۔"

"براق شاہ، کالم ڈاؤن۔ حواس برقرار رکھو اپنے، میں اس کا علاج یہیں کروں گی اور وہ ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے ہاں روم شفٹ کر سکتے ہو تم۔"

وہ اور بھی جانے کیا کیا بولتا چلا جاتا اگر سولیم اسے درمیان میں ٹوک نہ دیتی۔ وہ سر ہلاتے ہوئے خاموش ہوا تھا اس کے ساتھ ہی اس نے کرسی پر خود کو گرا لیا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں، آپ اس کی ماں ہیں، آپ اسے ٹھیک کرلیں گی۔" بات کرتے کرتے اچانک اس کے بائیں شانے میں شدید درد اٹھنا شروع ہوا تھا۔ اس درد کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اسے بیساختہ اپنے شانے کو تھامنا پڑ گیا۔ سولیم اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ دیکھ رہی تھی۔ اس نے، اس کے ہاتھ کو بھی دیکھا تھا جو بائیں شانے کو ہولے سے دبا رہا تھا۔ وہ جان گئی براق کو کیا ہو رہا ہے۔

"میں ایک اچھا باپ نہیں ہوں، میں ایک اچھا انسان بھی نہیں ہوں۔کاش ایسا نہ ہوتا۔"

کہتے ہوئے اس نے اپنے کوٹ میں سے گولی نکال کر زبان کے نیچے رکھی۔پے در پے ملنے والے دردوں نے اس کا برا حال کر دیا تھا۔وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کیا کرے کیا نہ۔

درد اس کی جان نکال رہا تھا۔وہ کرسی کی بیک پر ٹیک لگائے درد کے کڑے مراحل سے گزر رہا تھا اور سامنے بیٹھی ایک اچٹتی نگاہ اس پر ڈال کر اپنے سابقہ کام میں مصروف ہو گئی تھی۔اس کی بلا سے اسے کچھ بھی ہو۔

☆......☆......☆

"تم مجھے کب تک ایسے قید رکھو گے؟"

وہ آج اس کے کمرے میں آیا تھا۔یہ ملاقات ہفتے بعد ہوئی تھی۔معروش اس آسائشوں سے بھرے ہال نما کمرے میں تنہا رہ کر اوب گئی تھی۔اسے آزادی چاہیے تھی جو کہ اس کا حق تھا۔

"معلوم نہیں۔" خلیفہ نے اس کے کمرے میں سے تمام وہ چیزیں ہٹا دی تھیں جن سے ایک انچ بھی خطرے کا گمان ہو۔وہ بک ریک کے پاس کھڑا مختلف کتابوں کو نکال نکال کر ٹٹول رہا تھا۔

"یہ کیا بات ہوئی معلوم نہیں، خلیفہ تبریز، تم میرے ساتھ ایسا نہیں کر سکتے۔"

وہ اس کے لفظوں پر مڑا تھا۔

"تم نے کہا تھا اب سے تم مجھے نوفل بلایا کرو گی، کیا تم بھول گئی ہو؟"

وہ بیڈ پر سے نیچے اتری اور اس کے عین سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"وہ سب میں نے ایک کمزور لمحے کے سبب کہا تھا اور مجھے اس پر ریگرٹ ہے۔" سینے پر ہاتھ باندھے سر اٹھائے وہ بالوں کا جوڑا باندھے خلیفہ کی گہری داڑھی پر نگاہ جماتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ اب اسے اس کی آنکھوں سے گھن آتی تھی۔

"اچھی چیزوں پر ریگرٹ نہیں کیا کرتے معروش، اور۔" وہ اپنی عادت سے مجبور ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو سیٹ کرنے ہی والا تھا کہ معروش جھٹکے سے پیچھے ہوئی۔اس کا پیچھے ہونا خلیفہ کو ناگوار گزرا تھا۔

"مجھ سے فاصلہ رکھ کر بات کیا کرو، مجھے تم بالکل نہیں پسند۔"

خلیفہ نے کتاب چھوٹی میز پر رکھی۔

"اور اگر یہاں نوفل ہوتا پھر؟"

"تو پھر میں اس کے گلے لگ جاتی۔"

خلیفہ تمسخر آمیز انداز میں مسکرایا۔

"شاید تم بھول رہی ہو میں ہی نوفل ہوں۔" وہ اسے جتاتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھا تھا قبل اس کے کہ وہ مزید کچھ کہتا معروش بول اٹھی۔

"تمہارے کہہ دینے سے جھوٹ سچ نہیں بن جاتا۔ میں جانتی ہوں کہ تم صرف خلیفہ ہو اور کوئی نہیں اور ہاں اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ زیادہ عرصے تک میں یہاں بند رہوں گی تو یہ تمہاری غلط فہمی ہے۔ تم مجھے اس طرح سے نہیں رکھ سکتے۔"

خلیفہ رک گیا تھا۔ اسے رکنا پڑا معروش کے پر تیقن لفظوں نے اس کے قدم وہیں جما دیے تھے۔ وہ ایک ابرو چڑھائے اسے انتہائی استعجاب میں ڈوبا دیکھتا رہا۔ اسے وقت لگا تھا لفظوں کو ترتیب دینے میں۔

"تم نے ایسا کیونکر کہا کہ میں نوفل نہیں ہو سکتا، وہ کیا چیز ہے جس نے تمہیں شک میں مبتلا کیا؟" آنکھوں میں ڈھیروں سوال لیے وہ ماتھے پر بل ڈالے کھڑا تھا۔ معروش نے شانے اچکائے۔

"میں تمہیں بتانے کی مجاز نہیں ہوں، مجھے باہر جانا ہے دروازہ کھولو۔" اپنا سٹول اٹھا کر اس نے سر پر باندھا۔ خلیفہ چند ثانیے اسے تکتا رہا۔ وہ اپنے چھوٹے گول گیند والے بیگ کی چین کو کندھے پر ڈال چکی تھی۔

"تم جانتی ہو میں ایسا کیوں ہوا اتنا ظالم، اکھڑ اور بے حس۔" اس کی تیاری کا نوٹس لیے بنا ہی وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔ معروش اچانک اس کی بدلتی ٹون پر ٹھٹھرا گئی۔

"نہیں اور میں جاننے میں دلچسپی بھی نہیں رکھتی۔"

"میں ایسا ہمیشہ سے نہیں تھا معروش، کوئی بھی ویسا نہیں رہتا جیسا وہ ہوتا ہے۔ وقت ہر ایک کو بدل دیتا ہے، بدلنے پر مجبور کر دیتا ہے پھر جو سامنے والا دیکھتا ہے نا وہ سب دھوکا ہوتا ہے ایک سراب، ایک مایا۔"

معروش آنکھوں پر چشمے کو لگا چکی تھی۔ اسے خلیفہ کی ان بے پر کی باتوں میں چنداں دلچسپی نہیں تھی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو کوئی بھی ویسا نہیں رہتا جیسا وہ ہوتا ہے، میں تمہارے سامنے زندہ مثال ہوں۔کل تک میں معروش حبیب تھی ایک آزاد پنچھی اور آج فقط ایک قیدی۔"

تضحیکی انداز میں کہتے ہوئے اس کا روم روم ڈھلکتا ہوا محسوس ہوا۔خلیفہ نے آگے بڑھ کر دروازے کو ان لاک کیا اور اس کی کلائی تھام کر باہر آ گیا۔

"تم قیدی نہیں ہو بلکہ تم صیاد ہو جو قید کرنا جانتا ہے، میں بھی تمہارے سامنے جاوید مثال ہوں کیونکہ میں تمہارا قیدی ہوں۔"

اپنی بات کے اختتام پر وہ مسکرایا تھا۔وہ لوگ اسی راہداری سے باہر کی اور جا رہے تھے جس سے پہلے گئے تھے۔ ویسے ہی کھچڑی بالوں والے سیاہ فام گارڈ ہاتھ میں رائفلز تھامے الرٹ کھڑے تھے۔سفید ماربل سے ڈھکی یہ عمارت ایک مردہ خانے سے کم نہ تھی۔کم از کم معروش کو تو وہ مردہ خانہ ہی لگتا تھا۔

"اوہ پلیز، اگر تو تمہیں یہ لگتا ہے تمہاری ان باتوں سے میں امپریس ہو جاؤں گی تو بھول ہے تمہاری، تم ایک شیطان صفت انسان ہو اور وہی رہو گے زیادہ رومیو بننے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"اوئے رومیو!"

کسی نے اسے پیچھے سے آواز دی تھی۔وہ اچانک مڑا تھا۔مڑ کر دیکھا تو وہ دو ہزار اکیس نہیں تھا بلکہ انیس سو اٹھانوے تھا جہاں سنہری آنکھوں والا لڑکا جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے تیز تیز سڑک پر چل رہا تھا۔اس کے قدموں میں تیزی اس نسوانی آواز سے اور بڑھی تھی۔

"اوئے رومیو، رکو مجھے تم سے کوئی بات کرنی ہے۔۔۔اینا کے سلسلے میں۔" اینا کے حوالے پر وہ نوعمر لڑکا رک گیا تھا۔وہ سرخ بالوں والی لڑکی جس کے ماتھے پر بالوں کی موٹی جھالر کٹی تھی۔گھٹنوں تک آتی سرخ سکرٹ کے نیچے سفید جرابیں پہن کر ہاتھوں میں کتابیں پکڑے اس کے قریب آ کر رکی اور گہرے گہرے سانس بھرنے لگی۔

"اینا کا نام کیوں لیا؟" وہ اس کے تاثرات کو ٹٹولتے ہوئے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھ رہا تھا۔وہ جانتا تھا یہ لڑکی اینا کی کلاس فیلو ہے۔

"کیونکہ مجھے تمہیں اس کے متعلق کچھ بتانا ہے۔" اس کا سانس توازن پر آ گیا۔ ڈھیلی ڈھالی

شرٹ، چھوٹے کٹے بال اور قیمتی پینٹ میں ملبوس وہ لڑکا اس بات پر ماتھے پر بل سجا گیا۔

"لیکن یہاں نہیں، تمہیں میرے ساتھ کافی شاپ میں چلنا ہوگا۔" وہ یکدم اس کی آفر سے انکاری ہوا۔

"ہرگز نہیں جو کہنا یہیں کہو۔" وہ اڑیل نوجوان تھا اپنی بات پر ڈٹتے ہوئے بولا۔ وہی سرخ بالوں والی لڑکی ایک قدم اس کے قریب آئی اور کتاب میں ایک سفید کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھانے لگی۔

"اینا تم سے ملنا چاہتی ہے، یہ اس کی منگنی کا کارڈ ہے۔ اس کا شرابی باپ اسے چند پیسوں کے عوض بیچ رہا ہے اسے تمہاری مدد درکار ہے۔"

سرخ بالوں والی لڑکی کے ہونٹ بھی سرخ تھے جن سے وہ ایک ہی سانس میں یہ سب بول گئی۔

"لیکن میں کیا اس کی مدد کر سکتا ہوں؟"

"یہ میں نہیں جانتی، بس تم اس سے مل لو اور یاد رکھنا یہ ملاقات خفیہ ہوگی۔" وہ یہ کہہ کر رکی نہیں، آگے بڑھ گئی۔ اس نوعمر لڑکے نے اس پھولوں سے سجے کارڈ کو کھول کر دیکھا تو اندر اینا کا نام بہاروں کی مانند اس میں جگمگاتا ہوا نظر آیا۔ اس نے نظر اٹھائی وہ لڑکی لوگوں کے ہجوم میں آگے چل رہی تھی۔ چلتے چلتے اس نے مڑ کر تام سن کو دیکھا۔ پیچھے سے آتا آدمی زور سے اس نوعمر لڑکے کی پشت سے ٹکرایا تھا۔ خلیفہ نے اچانک سے خود کو گرنے سے بچایا۔ معروش کی کلائی کو تھام کر چلتے، ماضی میں گھومتے خلیفہ کو اتنا ہوش نہیں رہا تھا کہ وہ پاؤں سیڑھی کے پہلے اسٹیپ پر نہیں بلکہ دوسرے پر رکھ رہا ہے جس سے اس کا توازن بگڑا تھا مگر جلد ہی وہ سنبھل گیا۔ آخر کو وہ اس چیز میں ہی تو ماہر تھا۔ بڑے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل کر دیتا تھا۔ زندگی کو متوازن کر دیتا تھا یہ تو پھر اس کا بیلنس تھا۔

"لگتا ہے تم اپنے حواسوں میں نہیں ہو سنبھل کر چلو ورنہ منہ کے بل گرو گے۔" اس پر چوٹ کرتے ہوئے وہ پورچ میں آئی تھی۔ خلیفہ نے بھی آنکھوں پر گلاسز لگائے کہ دھوپ کچھ زیادہ ہی تھی آج۔

"تم اب بھی خلیفہ کو ہلکا لے رہی ہو کمال ہے، تمہاری ساری پرانی دھمکیاں پانی کا بلبلہ ثابت ہوئی ہیں پھر بھی تم اپنی اکڑ پر قائم ہو۔ داد دینی پڑے گی تمہیں۔" ہنستے ہوئے وہ معروش کو آگ بگولہ کر گیا تھا۔ اس نے دانت پیستے ہوئے خود کو گاڑی میں بٹھایا۔

"جس دن میرا رابطہ ہیڈ کوارٹر سے ہو گیا اس دن تم یہ بات کرنا۔" سینے پر ہاتھ باندھے وہ سیاہ تارکول کی

سڑک کو گھورنے لگی۔

" کیوں کیا اس دن آسمانی قوتیں تمہاری مدد کو اتریں گی؟" ڈیش بورڈ سے چیونگم کو اٹھا کر اس نے منہ میں ڈالا تھا۔ ایک معروش کی طرف بھی بڑھائی تھی جسے پکڑنے سے اس نے منع کر دیا۔

" آسمانی ہی اتریں گی، تم ملحد ہو میں نہیں ہوں مجھے میرے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔" خلیفہ نے اس کی بات پر لب بھینچے تھے۔ وہ واٹر فال کے پاس آ کر رکے گاڑی سے سب سے پہلے اترنے والی معروش تھی۔ خلیفہ بھی طوفانی انداز میں چلتی ہوا کو چیرتا ہوا معروش کے پاس آ کر رکا جو اپنا چشمے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے سر پر رکھ رہی تھی لیکن ہوا کی تیزی کے سبب اس نے اسے پرس میں ڈال دیا۔

"تم سے ایک بات پوچھوں خلیفہ تبریز۔" جھرنے کا پانی ہوا کے سبب اپنے چھینٹے ان تک پھینک رہا تھا۔ اس کی بوندوں کو چہرے سے صاف کرتے ہوئے وہ اس کے چیخنے پر بولا۔

" حالانکہ اگر میں نے انکار کیا پھر بھی تم نے پوچھنا ہی ہے۔ بولو کیا جاننا چاہتی ہو؟" اس کی کلائی مضبوطی سے تھامے قریب آتے ہوئے وہ بھی اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔

" مجھ سے محبت کرتے ہو؟" وہ دودھیا جھرنے اور اس کے آس پاس بڑے بڑے درختوں کو ہوا کے دوش پر اڑتا دیکھ کر پوچھ رہی تھی۔ خلیفہ نے چہرے کا رخ اس کی طرف کیا۔

" میں رومیو نہیں ہوں۔" وہ اس کی سابقہ بات پر چوٹ کرتے ہوئے ہنسا تھا مگر معروش کے سنجیدہ انداز میں گھورنے پر وہ گھومتا ہوا عین اس کے سامنے آ کر رکا۔ جس جگہ وہ کھڑے تھے وہاں پتھر ہی پتھر تھے، طوفانی چلتی ہوا تھی، جھرنے کا شیر کی چنگھاڑ والا شور اور اونچائی تھی۔ معروش چلتے چلتے اونچائی کے سرے پر آ گئی تھی۔ اس کے اور گہرائی میں واقع ندی کے درمیان صرف ایک پتھر کا فاصلہ تھا جس پر اب خلیفہ کھڑا تھا۔ اپنے بند شوز کو مضبوطی سے جمائے وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتا محتاط سا معروش کے سامنے آن کھڑا ہوا۔

" اگر محبت نہ ہوتی تو تم یہاں نہ ہوتی، میں یہاں نہ ہوتا اس جگہ نہ کھڑا ہوتا۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتا ہوا وہ کہہ رہا تھا۔

" آل رائٹ۔" وہ اپنی سوچ پڑھے جانے پر ہتھیار ڈالتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں دھکا نہیں دے رہی بلکہ درخواست کرتی ہوں تم سے۔۔مر جاؤ۔"

خلیفہ نے آنکھیں سکیڑیں اور لبوں کو سیٹی کے سے انداز میں گول کیا۔

"یعنی تم مجھے دھکا دینے والی تھی، مجھے دھکا دو معروش، میں دیکھنا چاہتا ہوں یہ دھکا مجھے کیا دیتا ہے۔زندگی یا موت۔" اس کے ہاتھ اب بھی جیب میں دھرے تھے۔تیز ہوا اوپر سے جھرنے کا شور اور پانی کی بوچھاڑیں۔ وہ اپنی جگہ سے کافی پیچھے ہٹ گئی تھی، مڑ گئی تھی۔مڑ کر اس نے جلدی سے چشمہ آنکھوں پر لگایا تھا کہ نمی لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی آنکھوں میں آن سمائی تھی۔

"پپی برتھ ڈے نوفل۔" خود سے بڑبڑاتے ہوئے وہ خلیفہ سے دور جا رہی تھی جو اسی پتھر پر توازن قائم کیے اسے تک رہا تھا۔

"شکریہ معروش۔" اس کی دل کی بات کو پڑھ کر وہ خود سے ہمکلام ہوا۔

☆......☆......☆

عمران سنڈے کی صبح کے سورج کے طلوع ہونے سے پہلے ہی اپنی کافی شاپ میں آ گیا تھا۔روز کے معمول کی طرح وہ اپنے آفس میں آ کر بیٹھا اور پچھلے کھاتوں کا رجسٹر کھول کر چیک کرنے لگا۔اس نے سفید کور والے اس رجسٹر کو اٹھا کر ابھی کھولا ہی تھا کہ اس میں سے ایک کاغذ نیچے گرا۔اپنے پاؤں پر گرے کاغذ کو اس نے جھک کر اٹھا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ کس قسم کا پرچہ ہے؟" خود سے سوال کرنے کے بعد وہ اسے کھول رہا تھا۔جیسے ہی اس نے کاغذ کو کھولا ہزار والٹ کا جھٹکا اسے لگا تھا۔اس کے دماغ میں ایک کوندا سا لپکا۔کاغذ کو مٹھی میں دبوچے اس نے کانپتے ہاتھوں کے ساتھ حفیظ کا نمبر ڈائل کیا تھا جسے چند ثانیے کے بعد ہی اٹھا لیا گیا۔

"سلام سر، میں عمران بول رہا ہوں نوفل کا دوست۔" وہ سرگوشی کے سے انداز میں سنبھلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

حفیظ اسے پہچان گیا تبھی چھوٹتے ہی بولا۔

"میں پہچان گیا ہوں۔بولو کیا سراغ ملا؟" وہ لوگ ایک بڑی ساری سکرین پر کوئی فوٹیج دیکھ رہے تھے جس دوران اس کا فون آیا تھا۔حفیظ اس فوٹیج پر نگاہیں جمائے ہی اس سے مخاطب ہوا۔

"میرے پاس نوفل کے دوست کا سابقہ ایڈریس ہے جہاں وہ قیام پذیر تھا اور وہیں سے ہی وہ اچانک غائب ہو گیا تھا۔ نوفل نے مجھے وہ پتا اور اپنے دوست کا فون نمبر دیا تھا جو میرے پاس اس کاغذ میں درج ہے۔"

حفیظ اس بات پر چونک گیا۔ جھٹ سے کرسی کی بیک چھوڑ کر اٹھا۔

"یہ تو بہت زبردست خبر سنائی ہے تم نے، ایک کام کرو وہیں رہو میرے آدمی تم تک پہنچتے ہیں۔ او کے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلا کر فون رکھا۔ اس کاغذ کی اس نے دو چار تصاویر اتاریں اور حفیظ کے نمبر پر بھیج دیں۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ دھاڑ کی آواز کے ساتھ دو چار مشٹنڈے اس کے کمرے میں آئے اور راستے میں پڑی کرسی کو لات مارتے ہوئے اس تک پہنچے۔

"ابے سالے، زیادہ خون سے کھیلنے کا شوق ہو رہا ہے تجھے۔ بھول گیا کہ اب بھی اس ملک میں راج خان کا چلتا ہے۔" چمکتی ہوئی گنج والا آدمی اس کی گردن کو دبوچتے ہوئے غرایا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی گرفت مزید بڑھتی بلی کی چال کے ساتھ دو لوگ کمرے میں داخل ہوئے اور گنیں ہاتھ میں تھامے ان غنڈوں کی گردنوں پر کچھ چبھا کر انہیں نیچے گرا دیا۔ دھڑام کی آواز سن کر وہ گنج والا آدمی مڑا اور مڑتے ہی ایک گھونسا اس کا دانت توڑ گیا۔

"تم بھی بھول گئے ہو کہ خان راج اب ختم ہوا، یہ ملک تمہارے باپ کا نہیں ہے۔ سمجھے۔" گھٹنوں کے بل بیٹھتے ہوئے اس آفیسر نے ایک آنکھ بند کر کے سلنڈر نما چیز کو ہونٹوں پر رکھا اور زور سے پھونک ماردی۔ اس میں سے نکلنے والی باریک سوئی جو گنجے آدمی کی گردن پر لگی تھی اسے سیکنڈ میں سلا گئی۔

"تم نے اچھا کام کیا، حکومت ضرور تمہیں اس کا انعام دے گی۔ ہیلو سر کام ہو گیا ہے تین بندے ہاتھ لگے ہیں۔ یس سر۔" وہ آدمی عمران کا شانہ تھپکتے ہوئے فون پر کسی سے بات میں لگ گیا تھا۔ بات کے اختتام پر اس نے مڑ کر عمران کو دیکھا جس کا چہرہ لٹھے کی مانند سفید تھا۔

"وہ پرچہ دکھاؤ جو تمہارے پاس ہے۔" اس نے اپنی ہتھیلی آگے بڑھائی۔ عمران نے جلدی سے سفید کاغذ اس آدمی کی ہتھیلی پر دھر دیا۔ جسے پکڑتے ہی جیب میں رکھتے ہوئے وہ ان آدمیوں کو کندھے پر بوری کی طرح اٹھا کر باہر کو لپکے تھے۔

"یہاں جو کچھ بھی ہوا تم نے نہیں دیکھا دوست، یہ بات یاد رکھنا۔" وہ جاتے جاتے کہنا نہیں بھولا تھا۔

عمران نے ان کے جاتے ہی خود کو کرسی پر گرا لیا۔ وہ لمبے لمبے سانس بھر رہا تھا بالکل ویسے ہی سانس خواجہ ریاض، اس کے بھانجے شاہد اور صوبائی وزیر ظاہر بھی بھر رہے تھے۔ وجہ بالکل سادہ سی تھی۔ ان کے تمام گناہوں سے رفتہ رفتہ پردہ ہٹ گیا تھا۔ خواجہ ریاض کو تو بہت پہلے ہی سزا دے کر سیاست سے برخاست کر دیا گیا تھا اور جیل میں ان کی سزا کی مدت کو بڑھا دیا تھا۔ ان کے ساتھ ہی بھتہ خوری کے الزام پر ان کے بھانجے شاہد کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس کی کیس کی سماعت ہوئی اور وہ بھی مجرم قرار دیتے ہوئے جیل کی سلاخوں کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ ان کا کوئی سورس کوئی ساتھی کام نہیں آیا تھا اور وہ دونوں جیل میں ہاتھ ملتے رہ گئے تھے۔

اس کے بعد باری آتی ہے صوبائی وزیر ظاہر کی تو کرپشن کے کیس میں انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا۔ ان کی تمام پرانی فائلز کھولی گئیں۔ جس میں ثابت تھا کہ ان کا ایک فارم ہاؤس جو انہوں نے خلیفہ تبریز کو بیچ دیا تھا بھی کو برا کا ایک بڑا اڈا تھا جس میں انتہائی گھناؤنے کام سرانجام پاتے تھے لیکن بیچارہ صوبائی وزیر اس بات کو پروو نہیں کر سکا کہ خلیفہ نے انہیں اس فارم ہاؤس کے جعلی ڈاکومنٹس دکھائے تھے۔ جن میں درج تھا کہ وہ یہ فارم ہاؤس صوبائی وزیر سے خرید رہا ہے۔ اس نے ایسا کیا بھی اس لیے تھا کہ کبھی اگر کوئی مشکل ہو جائے تو وہ نہ پھنسے بلکہ سامنے والی پارٹی پھنس جائے۔ خلیفہ اور اس کی سوچ یونو۔ اسی وجہ سے انہیں شوکاز نوٹس بھیجنے کے کچھ عرصے بعد ہی حراست میں لے لیا گیا۔

لمبی سماعت چلی، کیس کو مختلف طریقوں سے لڑا گیا لیکن ہار ان کے ہاتھ میں ہی آئی۔ پاکستانی قانون، پاکستانی پولیس اور پاکستانی عدلیہ کو برا کہنے والے، نشانہ بنانے والے آج ان کے سبب ہی جیل کی سلاخوں کے پیچھے تھے اور اپنے تاریک مستقبل کو سوچتے ہوئے ٹھنڈی آہیں بھر رہے تھے۔

پاکستانی پولیس اور ایجنسیاں کوبرا جیسے مضبوط گینگ پر ہاتھ ڈالنے کے بعد الرٹ ہو گئی تھیں۔ جگہ جگہ ناکہ بندی اور چھاپے مارے گئے تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں بچے، بچیاں بازیاب کر کے ڈرگز مہم چلا کر ملک کو اس گندگی سے پاک کرنے میں جت گئے تھے۔ اسی وجہ سے پاکستان میں موجود شرح اغواء میں خاطر خواہ کمی آئی تھی۔ کالجز اور یونیورسٹیز کو بھی اس جیسے زہر سے پاک کرنے کیلئے وہاں پر مختلف سیمینارز منعقد کیے گئے اور پولیس کی نفری کو تعینات کیا گیا تاکہ کسی بھی مشتبہ شخص کو پا کر اسے حراست میں لیا جائے۔ معروش جس کالج میں

یمن بن کر کچھ عرصے کیلئے گئی تھی اس کالج میں سے بھی اس تمام عملے کو حراست میں لے لیا گیا تھا جو مستقبل کے ستاروں کو ماند کرنے کا سامان پیدا کرتے تھے۔

"مجھے بتاؤ، کیا پاکستانی پولیس میں اتنی طاقت آگئی ہے کہ تم لوگ اس سے ڈر کر بیٹھ گئے ہو۔ چار ماہ سے کام میں تیزی سے کمی آئی ہے جانتے ہو کتنا شدید نقصان ہوا ہے ہمیں۔"

سمندر خان نے پاکستان میں واقع اپنے بندوں کو وڈیو کال ملائی تھی۔ ان کے سامنے لیپ ٹاپ کھلا ہوا تھا جس کی سکرین پر چھوٹے بلاکس میں مختلف جگہوں کی لائیو کوریج نشر ہو رہی تھی۔

"ڈر نہیں گئے ہیں خان محتاط ہو گئے ہیں۔ جس قدر سختی بڑھ گئی ہے اگر محتاط نہ رہے تو پکڑے جانے کا خدشہ ہے۔"

"بکواس بند کرو اور میری بات کان کھول کر سنو۔ مجھے ایک ہفتے کے اندر اندر چند بچے چاہئیں۔ اگر وہ بچے یہاں نہیں پہنچے تو یاد رکھنا تم لوگوں نے اوپر پہنچ جانا ہے۔" سمندر خان نے انہیں غصے سے ڈپٹا تھا۔

لیپ ٹاپ کی سکرین کو گراتے ہوئے انہوں نے سگار کا لمبا کش بھرا تھا۔ انہیں ابھی ابھی معلوم ہوا تھا کہ خلیفہ معروش کو لے کر باہر گیا ہے۔ اسی بات نے ان کا فشار خون بڑھا دیا تھا۔

"اگر مجھے اپنا کام، اور انڈر ورلڈ میں نام برقرار رکھنا ہے تو مجھے خلیفہ کا کچھ کرنا پڑے گا، اس کی خودسریاں حد سے زیادہ بڑھتی جا رہی ہیں۔" آنکھوں کو سکیڑے وہ خلاء میں گھورتے پہلی بار زندگی میں وہ خطرناک عزائم سوچ رہے تھے جنہیں سوچنے کا انہوں نے کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا۔

☆......☆......☆

لوگ ہمیں نہیں قبولتے۔ اگر ہم ان کے سامنے حیا کی چادر بھی اوڑھ کر چلے جائیں وہ تب بھی ہمیں ایکسپٹ نہیں کریں گے۔

آسمان سے برستی گرمی میں پرنٹڈ لان کی فراک کے ساتھ گلے میں رومال ڈالے ماڈرن سی رخسانہ اپنے محلے آئی تھی۔ وہی محلہ جس کو اس نے بیدردی سے چھوڑ دیا تھا۔ جہاں سے اسے اس کی کالی قسمت نکال کر لے گئی تھی۔ کچی، ٹوٹی پھوٹی سڑکیں، خستہ حال نالیاں، عجیب وغریب دکانیں اور بوسیدہ گھروں پر مشتمل یہ محلہ اپنی

آغوش میں اس کی یادیں لیے ہوئے تھا۔ وہ آزاد ہونے کے بعد کئی بار یہاں پر آ چکی تھی۔ اپنے گھر کے سامنے سے گزر چکی تھی جو اب اس کا گھر نہیں رہا تھا بلکہ مٹی کا ڈھیر بن چکا تھا۔ لوگوں سے سننے کو ملا تھا کہ یہ گھر زلزلے کے باعث گر گیا تھا اور اس کے ملبے تلے اس گھر کے تمام مکین جا سوئے تھے مگر حقیقت وہ جانتی تھی کہ کس قسم کا یہاں پر زلزلہ آیا ہوگا اور کون کیسے اس دنیا کو چھوڑ کر گیا ہوگا۔

"بیٹا! میں ہر روز آپ کو یہاں آتے ہوئے دیکھتی ہوں۔ آپ کون ہو اور کسے تلاشتی رہتی ہو؟" ایک عمر خیدہ عورت اسے رشید کی دکان کے سامنے رکتے دیکھ کر پوچھ رہی تھیں وہ غالباً وہیں سے ابھی سامان لے کر لوٹی تھیں۔

"شکل وصورت اور حلیے سے تو کسی اونچے طبقے سے معلوم ہوتی ہو پھر تمہارا یہاں آنا محلے والوں کو سمجھ نہیں آتا۔" اس نے چمکتے سورج کے نیچے کھڑے ہو کر اپنی نم آلود آنکھوں کے ساتھ اس بوڑھی عورت کے چہرے کو ٹٹولا جہاں تجسس کے ساتھ ساتھ اس کیلئے ستائش بھی موجود تھی۔ وہ کیسے اس عورت کو بتاتی کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آئی ہے۔ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی عبایہ میں قید کسی کے بھی گھر آنے جانے سے گریز کرنے والی لڑکی جسے آپ لوگ رخسانہ کے نام سے جانتے تھے وہی ہے۔ وہ جس کا باپ انتہائی خوددار اور مذہبی تھا جو محلے کی عورتوں کو اپنے گھر صرف اس لیے نہیں آنے دیتا تھا یا اپنی بچیوں کو وہاں اس لیے نہیں جانے دیتا تھا کہ وہ لوگ غیبت جیسے گناہ کی مرتکب نہ ہوں۔ وہ کیسے بتاتی کہ میں وہی رخسانہ ہوں جو کبھی اپنے دروازے کی چوکھٹ میں بھی کھڑی نہیں ہوئی تھی اور آسائشات کی خواہش اور گھریلو جھگڑوں سے عاجز ہو کر اسی دہلیز کو رات کے اندھیرے میں پار کر گئی تھی۔ وہ کیسے بتاتی انہیں؟ بتا سکتی تھی؟ اس نے اپنے سر کو جھکایا اور ہولے سے اسے جنبش دی جیسے وہ بہت بھاری ہو اور ہاں وہ بھاری ہی تو تھا گناہوں کے بوجھ سے بھاری۔

"مجھے یہاں سکون آتا ہے اماں، اس لیے میں یہاں آ جاتی ہوں۔ میرا اس دنیا میں کوئی نہیں۔" اسے رشید سے محبت نہیں تھی بلکہ وہ اس سے عقیدت کر بیٹھی تھی۔ وہی رشید جو اس سے نکاح کرنے کیلئے تیار تھا اور وہ اس کے نکاح کو ٹھکرا کر اچھی قسمت کے چکر میں بری تقدیر خود کے حصے میں لکھوا آئی تھی۔ وہی رشید جو اب تین بچوں کا باپ تھا اور اپنی زندگی میں خوش تھا۔ صد شکر کہ یہ پسماندہ علاقہ آج بھی اتنی حیثیت نہیں رکھتا تھا کہ انٹرنیٹ کو اپنی

زندگیوں میں جگہ دے سکے ورنہ اب تک وہ کئی بار یہاں پر سنسار کردی جاتی۔

"نہ پتر، ایسا نہیں کہتے، کوئی تنہا نہیں ہوتا، ہر ایک کے پاس سب رشتوں سے بڑھ کر ایک رشتہ ہے اور وہ ہے ہمارے رب کا، وہ جب ساتھ ہے تو پھر کیسی تنہائی۔ تم ایک کام کرو میرے گھر آجاؤ میری دو بیٹیاں ہیں۔ تمہیں دیکھ کر ضرور خوش ہونگی۔"

رخسانہ نے جھٹ سے آنسو پونچھے اور نفی میں سر ہلاتے ہوئے پیچھے کو ہوئی۔

"نہیں آپ کا شکریہ۔" کہتے ہی وہ مڑ گئی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کا برا سایہ کسی بھی معصوم لڑکی پر پڑے تبھی بنا مڑے وہ لمبے لمبے ڈگ بھر کر وہاں سے چلی آئی تھی۔ اس محلے سے نکلنے کے بعد وہ سڑک پر آ گئی تھی۔ رکشہ کروا کر وہ اس میں بیٹھی اور رومال سے چہرے کو ڈھانپ لیا۔

"بہن جی، ایک بات پوچھوں؟" رکشے والے نے شیشے میں سے جھانکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

رخسانہ نے نظریں اٹھائیں۔ اسے وہ آدمی ٹھیک نہیں لگا۔

"نہیں آپ ایک کام کریں رکشہ روک دیں۔" اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ وہ آدمی مسکرا دیا۔

"پتا نہیں کیوں مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔" اس نے ہمت بڑھاتے ہوئے کہا تھا۔ رخسانہ نے موبائل اٹھا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور کان سے لگا دیا۔

"ہیلو پولیس اسٹیشن، سر مجھے ایک رکشے والے کے خلاف رپورٹ درج کروانی ہے۔ ہراسمنٹ کی۔" اس سے پہلے وہ مزید بولتی رکشے والے نے جلدی سے بریک لگائی اور آدھا مڑتے ہوئے گڑگڑایا۔

"او بہن، خدا کا خوف کریں میرے رکشے سے اتریں اور رکھ دیں فون، میں نے کب آپ کو پریشان کیا۔ میں تو کہہ رہا تھا میں نے آپ کو کہیں دیکھا ہے۔"

رخسانہ تپتی دوپہر میں اس کے رکشے سے اتری اور ریمنٹ بھر کر پوائنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں ایک لڑکا نما آدمی پسینے سے بھیگا ہوا فون سے کسی سے لڑنے میں مصروف تھا۔

"یار، حد ہے اب تک تم لوگوں سے کار نہیں بھیجی گئی۔ گرمی کا عالم دیکھا ہے۔ ایک سیکنڈ کے اندر اندر کار بھیجو ورنہ میں نے یہیں کھڑے کھڑے پگھل جانا ہے، اس سے بہتر تو لندن تھا۔" فون کو کان سے ہٹا کر اپنے فیروزی

پسینے سے گیلی شرٹ کے دو بٹن کھولے وہ کالر سے اسے جھلاتے ہوئے اس نے گردن کو موڑا۔سیاہ رومال کو سر اور منہ پر ڈھانپے وہ لڑکی اسے قابل رشک لگی تھی۔رخسانہ نے نگاہ موڑ کر اس لڑکے کو دیکھا جو دلچسپی سے اسے تک رہا تھا۔اس کے متوجہ ہونے پر ایک قدم آگے بڑھا گیا۔

"ہیلو، میں اسد ہوں آپ کا نام کیا ہے؟ میرے خیال سے پاکستان میں تعارف حاصل کرنے پر مار نہیں پڑا کرتی۔میں نے کسی آرٹیکل میں پڑھا تھا کہ پاکستان بہت ترقی کر چکا ہے اور یہاں پر یہ چیزیں بہت معمولی سمجھی جاتی ہیں۔"

گرمی سے بوکھلایا ہوا اسد وقت گزاری کیلئے اپنا دماغ بٹانے کی غرض سے اس سے ہمکلام ہوا تھا۔رخسانہ نے اسے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اوکے مرضی ہے آپ کی۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ کالر کو بار بار جھاڑ رہا تھا۔اسی دوران ایک سیاہ کار اسے اپنے پاس رکتی ہوئی دکھائی دی۔

"آپ چاہیں تو میں آپ کو لفٹ دے سکتا ہوں، یقین کریں میں ایک شریف شہری ہوں۔میری شرافت کے چرچے لندن میں بھی بہت مشہور تھے۔"

وہ کار کا دروازہ کھول کر کھڑا اس سے پوچھ رہا تھا۔رخسانہ نے چند لمحے کھڑے ہو کر سوچا پھر قدم آگے بڑھا دیے۔اسد اس کے بیٹھنے پر خوش ہوا تھا۔اس کی خوشی کیوں تھی یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"میں نے آپ کو پہچان لیا ہے آپ وہی ہیں جو میری گاڑی سے ٹکراتے بچی تھیں۔میں درست ہوں نا۔" اے سی کار میں بیٹھتے ہی وہ اس کی جانب رخ کرتا پوچھ رہا تھا۔رخسانہ سنبھل گئی۔تارکول کی سڑک پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس نے دل کی دھڑکن پر کنٹرول کیا۔یہ دھڑکن اس لیے پروان چڑھ رہی تھی کہ کہیں اس کا بھانڈا نہ پھوٹ جائے۔کہیں یہ شخص بھی۔۔۔اس نے کچھ برا سوچتے سوچتے سر کو جھٹکا تھا۔

"آپ ٹھیک ہو میں اتفاق سے وہی ہوں۔" منہ پر سے کپڑے کو گراتے ہوئے اس نے نظریں جھکائی ہوئی تھیں۔اسد نے ایک نگاہ اس پر ڈالی پھر دبی مسکان لبوں پر سجالی۔

"آپ سے ایک بات کہوں، ماضی کو بھلانے میں ہی عافیت ہے جو ہمارے ساتھ ہو چکا ہوتا ہے وہ ہم نہیں

چاہتے، کوئی بھی نہیں چاہتا بس قدرت آزمائش کے طور پر اس سزا کو ہمارے لیے تجویز کر دیتی ہے تو آزمائش سے نکلنے کے بعد ہمیں موو آن کر لینا چاہیے۔ دنیا کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے۔ دنیا بیکار لوگوں کی جگہ ہے۔ حیران مت ہوں مجھے نیوز دیکھنے کا کریز ہے۔"

رخسانہ کا دل اچانک سے بہت بھاری ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں جھڑی لگ گئی۔

"اتنی بڑی آزمائشیں تو نہ ہوا کریں ناجو اعصاب ہی چٹخا دے۔" اس کی آواز زکام زدہ ہو گئی تھی۔ اسد نے یوٹرن لیا۔ لینے کے بعد بولا۔

"جتنا بڑا قدم ہوتا ہے اتنی ہی بڑی آزمائش ہوا کرتی ہے۔ سوری، میں آپ پر چوٹ نہیں کر رہا۔ فیکٹ بتا رہا ہوں۔ میں کوبرا گینگ اور آپ سب لوگوں کے بارے میں تفصیل سے پڑھ چکا ہوں۔ میں ہر خبر کو توجہ سے سنتا اور پڑھتا ہوں یہ میری بچپن کی عادت ہے۔"

رخسانہ سر جھکائے خود کی قسمت پر ماتم کناں تھی۔ چار ماہ سے وہ لوگوں سے بچتی، چھپتی پھر رہی تھی۔ کیا پتا تھا یوں کوئی اچانک سے چار ماہ بعد اس کے سامنے آئے گا اور کہے گا کہ وہ اس کے بارے میں سب جانتا ہے۔ اس کا دل شرمندگی سے بھر گیا۔ وہ مغموم لہجے میں بولی۔

"ہاں یہ صحیح ہے۔ ہمارے گناہ جتنے بڑے ہوتے ہیں اتنی ہی بڑی ہمیں آزمائش دی جاتی ہے اور میں نے کبھی بھی اس بات کو لے کر اللہ سے شکوہ نہیں کیا بس کبھی کبھی دل بہت بھر جاتا ہے۔"

اسد نے ہاتھ بڑھا کر ٹشو اس کی طرف بڑھایا جسے وہ تھام کر آنکھوں کو رگڑنے لگی۔

"اس طرح کے گینگ کے لوگ قیدیوں کو آسانی سے چھوڑتے نہیں ہیں اور یہ میں ہی نہیں بلکہ پورا ملک جانتا ہے کہ وہ گینگ ختم نہیں ہوا بلکہ کچھ عرصے کیلئے منظر عام سے ہٹ گیا ہے۔ تو اس سب میں آپ کا اس طرح بغیر کسی سکیورٹی کے پھرنا خطرے سے خالی نہیں، مجھے لگتا ہے وہ لوگ آپ پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں کیونکہ آپ ان کی خاص مہرہ تھیں اور اندر کی کافی باتیں جانتی ہیں۔ نہیں؟"

محتاط سے لہجے میں پوچھنے کے بعد وہ ایک نظر اس پر ڈال گیا تھا۔ دھوپ کی تمازت اتنی تیز تھی کہ سامنے کے شیشے میں سے ایسے اندر گھس رہی تھی جیسے کوئی غنڈے بغیر پوچھے آپ کے گھر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ لاوے

سے زیادہ تپتا ہوا سورج تھا۔ پتا نہیں اسے کس پر غصہ آیا تھا جو وہ اپنا غصہ اب بیچارے زمین والوں پر اتار رہا تھا۔

اسد نے اے سی میں بھی آئے پسینے کو صاف کیا۔

"میرے پاس جتنی بھی انفارمیشنز تھیں میں وہ دے چکی ہوں۔ اب میں بیکار ہوں اگر کو برا مجھے مروا بھی دے تو کیا فرق پڑتا ہے۔ یوں بھی زندگی کو گھسیٹ رہی ہوں۔"

اسد کو اس کے مایوسی میں گھلے الفاظ بالکل اچھے نہیں لگے تھے۔ اس نے رخسانہ کی بتائی ہوئی جگہ پر کار کے ٹائر چرچرائے۔

"میرا نہیں خیال ایک سینس ایبل انسان کو اس طرح کی باتیں کرنی چاہئیں۔ جینے کیلئے ایک وجہ بھی کافی ہوتی ہے۔" وہ کسی ناصح کی طرح اسے سمجھا رہا تھا۔ وہ ایسا کیوں کر رہا تھا یہ وہ خود بھی نہیں جانتا تھا۔

"اور میرے پاس وہ وجہ نہیں ہے، میرا کوئی بھی نہیں ہے۔" اس نے سیٹ بیلٹ کھولتے ہوئے کہا۔ اسد نے چند لمحے اسے دیکھا اور پھر توقف کے بعد بولا۔

"ضروری نہیں جینے کیلئے کسی سہارے کی ضرورت ہو۔ اگر کوئی رشتہ نہیں ہے تو کیا ہوا، دوست بنالو، زندگی کافی سہل ہو جائے گی۔"

کار کا دروازہ کھولتی ہوئی وہ ایک دم ٹھٹکی تھی۔ مڑ کر اسے دیکھا۔

"مجھ ایسی گناہ کی پوٹلی کو کون دوست بنائے گا، آپ مذاق کرتے ہوئے اچھے نہیں لگے۔" وہ کار سے اتر گئی تھی۔ اسد نے شیشے کو فولڈ کرتے ہوئے سر اس میں سے باہر نکالا اور اونچی آواز میں بولا۔

"یہ بات کہتے ہوئے تھوڑا سوچنا چاہیے تھا آپ کو کیونکہ میں تو آپ کو اپنا دوست مان چکا ہوں اور ضرور آپ سے رابطے میں رہنے والا ہوں۔ چاہے آپ چاہیں یا نہ۔"

کہتے ہی اس نے کار سٹارٹ کردی تھی۔ رخسانہ نے ماتھے پر ہاتھ کا چھجہ بناتے ہوئے اس کی کار کو دور جاتے ہوئے تکا، جو دھول اڑاتی تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔ وہی دھول اسد کی بات سے اس کے دل و دماغ میں غبار جمع کرنے لگی۔ گدلا، گہرا، مٹی آلود غبار۔

☆......☆......☆

"تو پھر حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ کے حکم سے ایک کشتی بنائی اور اس کشتی میں اس دنیا میں موجود تمام جانداروں کا ایک ایک جوڑا اٹھایا تا کہ وہ آنے والے سونامی سے بچ سکیں لیکن ان کی بیوی اور بیٹے نے ان کی بات نہ مانی اور عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے۔"

عبداللہ براق کے سینے پر سر رکھے لیٹا ہوا تھا اور براق اس کے بالوں میں محبت سے ہاتھ چلا رہا تھا۔ جب سے براق کو عبداللہ کی کنڈیشن معلوم ہوئی تھی وہ تب سے اسے خود کے روم میں شفٹ کر گیا تھا تبھی اب براق کے کمرے میں جا بجا کھلونے بکھرے ہوئے تھے۔

"ڈیڈی! ان کے بیٹے نے ان کی بات کیوں نہیں مانی تھی؟" عبداللہ سر اٹھا کر اس سے دست سوال ہوا۔

"کیونکہ وہ نافرمان تھا اور جو نافرمان ہوا کرتے ہیں انہیں سزا ضرور ملا کرتی ہے۔ جو اپنی مومیز کی، ڈیڈیز کی باتیں نہیں مانتے، ان سے بدتمیزی کرتے ہیں یا ان کا دل دکھاتے ہیں اللہ انہیں پنش کرتا ہے۔ پھر وہ دکھی ہو جاتے ہیں۔"

عبداللہ نے فوراً سے اپنا ہاتھ براق کے پیٹ کے گرد باندھا۔

"یعنی جب ماما کی وجہ سے میں آپ کو چھوڑ کر جا رہا تھا تو میں بھی برا کام کر رہا تھا۔ پھر میں نے بھی دکھی رہنا تھا کیونکہ میں آپ کو ہرٹ کر رہا تھا۔ ایم سوری ڈیڈی۔"

براق کے لفظ لب انداز میں پھیلے۔ اس نے جھک کر عبداللہ کے ماتھے پر بوسہ دیا۔

"آپ دکھی نہ ہوتے عبداللہ کیونکہ اللہ پاک نے ماما کا درجہ ڈیڈی سے بلند رکھا ہے سب سے پہلے آپ نے ان کی بات کو ماننا ہے۔ ان کو عزت دینی ہے اور ان سے زیادہ محبت کرنی ہے۔ آپ جانتے ہو نا، ماما آپ کی سٹڈی کو لے کر کتنی ٹینس ہیں۔ آپ ٹوائز کے ساتھ جو کانورسیشن کرتے ہوئے اس کو لے کر کتنی پریشان ہیں۔ آپ کو ماما کو پریشان نہیں کرنا ہے عبداللہ۔"

سویلم بالوں کا جوڑا باندھے وہاں سے گزر رہی تھی جب براق کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ان کے کمرے کا دروازہ آدھا کھلا تھا۔ براق نے جان بوجھ کر دروازے کو کھلا رکھا تھا تا کہ جب سویلم وہاں سے گزرے تو اسے معلوم ہو جائے۔ آج صبح سے ہی سویلم غائب تھی۔ الفا سے آ کر وہ جو اسٹڈی میں گھسی تھی پھر ڈنر کیلیے بھی

نہیں آئی تھی۔ اوپر سے سٹڈی کا دروازہ بھی اندر سے لاک کیا ہوا تھا تبھی براق نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا رکھا۔ وہ سولیم سے بات کرنا چاہتا تھا۔ اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ سولیم سے جب تک دن میں ایک بار بات نہ کر لے اس کا دل یونہی بے چین رہتا تھا جس طرح اب دروازے کو تکتے ہوئے تھا۔

"آپ کے دل میں جو بھی باتیں ہوا کریں، چاہے کچھ بھی ہو وہ آپ مجھ سے یا ماما سے شیئر کیا کرو۔ ہم دونوں کو اپنا فرینڈ بناؤ۔ علیشہ سے کہہ دو، دعا ماما سے ڈسکس کر لو لیکن ان ٹوائز کو ہماری جگہ مت دو۔ آپ جانتے ہو جب آپ ان کھلونوں کے ساتھ باتیں کرتے ہو تو مجھے لگتا ہے جیسے میں اس دنیا کا سب سے برا ڈیڈی ہوں جس کا بیٹا اس سے زیادہ اپنے کھلونوں کو اہمیت دیتا ہے اسے نہیں۔"

وہ نروٹھا لہجہ اپنا گیا تھا۔ سولیم کی آنکھوں میں مرچیں بھریں۔ آج وہ دن تھا جس دن اس کی دو عزیز ہستیاں اسے چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ وہی دن جس کی رات اس کی زندگی کی تاریک ترین رات تھی جب وہ انگاروں پر لوٹی تھی اور اس کی عزت کو تار تار کیا گیا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھرتے ہوئے خود کو براق کے کمرے کے آگے سے گزارا۔ اس کے قدموں میں عجلت تھی۔ وہ عجلت جو کسی ان چاہے انسان سے بھاگنے میں ہوا کرتی ہے۔ عبداللہ سے بات کرنے کے دوران براق نے کتھئی رنگ کے آنچل کو اپنے دروازے کے سامنے سے لہراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے پیار سے عبداللہ کے سر کو اٹھا کر تکیے پر رکھا۔

"ایسا نہیں ہے ڈیڈی، میرے لیے آپ ہی سب کچھ ہیں۔ میں آئندہ اپنے کھلونوں کو اہمیت نہیں دوں گا آج کے بعد میں ایسا کر بھی نہیں سکتا۔" براق کا افسردہ انداز اس کے ننھے دل کو دہلا گیا تھا۔

"آپ دو منٹ ویٹ کرو میں ماما سے مل آؤں۔" اس کے ماتھے پر بوسہ دیتے ہوئے وہ بیڈ سے نیچے اترا اور اپنی گرے ٹی شرٹ کو پیچھے سے درست کرتے ہوئے کمرے سے باہر آ گیا۔ جینز کی شرٹ کی پچھلی پاکٹ میں رکھے ہوئے انہیلر کو نکال کر اس نے سولیم کے کمرے کے دروازے کے پاس آنے تک حلق میں سپرے کیا اور آہستہ سے دروازے پر دستک دینے لگا۔

"سولیم! آپ اندر ہیں؟" دستک دینے کے ساتھ ہی اس نے اپنے پاؤں پر نظریں جماتے ہوئے سوال کیا۔ ملنے کی جلدی میں وہ شوز پہننا بھی بھول گیا تھا۔ اسے خود پر ترس اور ہنسی آئی۔

"نہیں، میں دوزخ میں ہوں براق شاہ۔" ابھی اس نے کمرے کے دروازے کو بند ہی کیا تھا کہ براق کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرا گئی۔ آنسو ملی آواز میں لڑکھڑاہٹ بھی تھی۔ اس لڑکھڑاہٹ کو محسوس کرتے ہوئے اس نے چہرہ اوپر اٹھایا۔

"اور بدقسمتی سے وہ دوزخ میرا مقدر ہو چکی ہے۔" شاکر کی تصویر پر نگاہ ڈالتے ہوئے اس کی آنکھوں سے سیل رواں جاری ہو گیا تھا۔ صبح اس سے دعا بھی ملنے آئی تھی لیکن وہ اس سے نہیں ملی تھی۔ آج کے دن اسے کسی سے بھی نہیں ملنا ہوتا تھا۔

"آپ ٹھیک نہیں ہیں، مجھے آپ کی فکر ہو رہی ہے۔"

سولیم غصے سے آگے بڑھی، کلائی سے آنسوؤں کو رگڑ کر اس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھولا تھا۔ بلیک جینز، گرے شرٹ میں ملبوس براق شاہ جس کی آنکھوں میں کپڑوں کی جھلک آرہی تھی نے اسے دیکھ کر سر اوپر اٹھایا۔

"تمہیں اگر میری فکر ہوتی نا تو اس جہنم میں مجھے نہ دھکیلتے، مجھے زندگی میں ہی موت نہ دیتے۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ ہاتھ میں دروازے کی ناب کو پکڑے سوجی، متورم آنکھوں کے ساتھ اس سے سراپا سوال تھی۔ اس انسان سے جس کے پاس اس تلخ سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وقت صدیوں کی طرح دونوں کے درمیان سے سرکتا گیا اور اس سرکتے وقت نے براق کا چہرہ پشیمانی کے بوجھ تلے جھکا دیا۔

"میں۔" لفظ ساتھ نہیں دے رہے تھے، لفظ ترتیب نہیں پا رہے تھے۔

"میں، معذرت خواہ ہوں۔" اس نے چہرہ اوپر نہیں اٹھایا تھا جھکائے رکھا تھا، سولیم کے سوال کے دوران ہی وہ اسے جھکا گیا تھا۔ ایسے جیسے کوئی مجرم ہو اور وہ تھا بھی۔

"وہ میرے سامنے سر جھکائے معافی کا طلبگار تھا میں اسے کیسے نہ معاف کرتی جبکہ وہ میرے سامنے تھا اور یہی میری زندگی کی سب سے بڑی حقیقت تھی۔"

گھور خاموشی تھی اور اس خاموشی میں صرف دھڑکنوں کا ارتعاش تھا جو سنا جا سکتا تھا۔ اس ارتعاش میں خلل سولیم کی آواز نے ڈالا تھا۔

"معافی؟ ایک لفظ ایک بودہ لفظ جو گناہ کبیرہ کرنے کے بعد بھی بول دیا جاتا ہے جسے منہ سے نکالنے کے

بعد ذرا سی بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔ کتنا آسان ہوتا ہے نا تم لوگوں کیلیے اس لفظ کو منہ سے نکالنا۔ کبھی اس لفظ کو اور اپنے کیے گئے گناہوں کو تولنا اور ایمان داری سے اس کا نتیجہ نکالنا، تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ تمہارا یہ لفظ میری نظر میں کیا وقعت رکھتا ہے۔"

دنیا جہان کی حقارت اس کے لہجے میں آن سمائی تھی۔ اس کی سماعتوں میں زہر انڈیل کر وہ دروازہ بند کر گئی۔ ہاں بالکل اسی طرح جس طرح قسمت نے براق شاہ پر اپنا دروازہ بند کیا تھا۔ وہ لب بستہ سا اس کے دروازے کے باہر سر جھکائے کھڑا رہا اور وہ اندر چاچو کی تصویر نکال کر روتی رہی۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا چاچو، مجھے چھوڑتے ہوئے آپ کو ایک سیکنڈ بھی خیال نہیں آیا کہ اس کے بعد میرا کیا ہوگا۔ میں کیسے جیوں گی۔ میں ٹوٹ گئی ہوں آپ کے بغیر، میں سولیم نہیں رہی چاچو۔"

ہچکیوں سے روتے ہوئے اس نے چاچو کی تصویر کو آنکھوں سے لگایا ہوا تھا۔ اس کا دل بہت بھر گیا تھا۔ بہت زیادہ۔ ایک کندھے، ایک مہربان کندھے کی اسے اشد ضرورت تھی۔ پچھلے ساڑھے سات سالوں سے پروان چڑھتی یہ ضرورت اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہی تھی مگر اسے کوئی ایسا نہیں مل رہا تھا جس کے سامنے وہ کھل کر رو سکے۔ زور زور سے چیخے اور اپنے وہ تمام درد کھول کر رکھ دے جو وہ محسوس کر رہی تھی، کرتی آ رہی تھی۔ اس نے آنسو رگڑتے ہوئے اپنا فون ڈھونڈا اور اس کا لاک کھولنے کے بعد ایک نمبر ملانے لگی۔ یہ وہ نمبر تھا جو وہ گزشتہ ساڑھے سات سالوں سے ملاتی آ رہی تھی۔ یہ شاکر کا نمبر تھا جو کہ اب بھی بند تھا۔

"شاکر! مجھے تمہاری ضروت ہے، مجھے سنو، مجھے کوئی سننے والا نہیں رہا۔ تم کہاں چلے گئے ہو شاکر پلیز واپس آ جاؤ۔"

سیل فون کو واپس بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رو دی۔ اس کے دروازے کے باہر براق نے اپنے وجود کو جنبش دی تھی۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا ماربل کی ٹھنڈک کو محسوس کرتا ہوا اپنے کمرے میں آیا جہاں عبداللہ لیمپ کی روشنی آن کیے سو چکا تھا۔ وہ خراماں خراماں چلتا ہوا اس کے پاس آیا، آ کر رکا اور رک کر اسے تکنے لگا۔ ایک زخمی مسکان تھی جو عبداللہ کے چہرے پر پڑ کر اس کے لبوں پر آن سمائی تھی۔ اس نے خود کو جھکایا اور عبداللہ کے ماتھے پر لب رکھ دیے۔ لمحے سرکائے تھے اس نے، وقت کو بیت جانے دیا تھا۔ دل کو وہیں

روکے رکھا تھا جہاں وہ تھا۔ لبوں کو اس کے ماتھے پر سے ہٹانے کے بعد وہ اپنا ہاتھ اس کے ماتھے پر پھیرتے ہوئے بالوں کو پیچھے کر رہا تھا۔

"آئی لو یو۔" ہولے سے بولتے ہوئے اس نے سائیڈ دراز سے سگریٹ کیس نکالا اور دبے قدموں سے باہر آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں اس کا سیل فون بھی تھا۔ وہ ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے باہر لان میں آیا اور فاؤنٹین کی سطح پر خود کو ٹکاتے ہوئے سگریٹ سلگانے لگا۔

"زمانے نے دو دوستوں کو جدا کر دیا۔ واللہ بڑا دل کر رہا تھا آج تیرے ساتھ وقت بتانے کو۔" فون کے اٹھاتے ہی اسد کی مسخری آواز اس کے کان میں گونجی۔

رات آج تاریک نہیں تھی کیونکہ آج چاند پورا تھا اور اس کے آس پاس موجود تارے بھرپور انداز میں چمک رہے تھے۔ تمام عالم اس وقت ٹھنڈی روشنی میں منور تھا۔ وہی چاند جو آسمان کی زینت تھا۔ براق کے عین پیچھے فوارے کے پانی میں جھلملا رہا تھا۔ ادھ کھلی کلی کے طرز کا وہ فاؤنٹین اب بھی اس کی پتیوں میں سے پانی کو گرا کر فوارے کے پیالے میں پھینک رہا تھا جس کے سبب وہ چاند جو آسمان سے اتر کر براق شاہ کے گھر میں موجود فاؤنٹین میں پناہ گزین ہوا تھا پانی میں ادھر ادھر اچھل کود کر رہا تھا۔

"اسد، لندن میں جو تو نے ڈیل کی ہے اس کی میٹنگ کب تک ہے؟" سگریٹ کے لمبے کش کے بعد وہ آہستہ سے بولا۔ اب بھی اس کے پاؤں میں چپل نہیں تھی۔ وہ گھاس کی نمی کو تلوؤں میں محسوس کر رہا تھا۔

"آئی تھنک کہ اگلے ہفتے ہے۔ میں شیڈول چیک کر کے بتاتا ہوں، خیریت ہے؟"

براق نے اس کے سوال پر اپنی آنکھوں کو اوپر کی جانب اٹھایا تھا۔ سویلم کے کمرے کی لائٹ جل رہی تھی یعنی کہ وہ جاگ رہی تھی اور یہ جگراتا کتنا اذیت ناک ہے یہ وہ بہت اچھے سے جانتا تھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے۔ میں نے جانے سے انکار کیا تھا لیکن اب میں جاؤں گا۔" اس سے پہلے وہ مزید کچھ بولتا اسے کھانسی چڑھ گئی تھی۔ سگریٹ اس کی دو انگلیوں میں قید تھی۔ چاندنی میں اس کا شعلہ ایسا لگ رہا تھا جیسے دہکتی ہوئی آگ ہو۔ دھواں ہر سو پھیلا تھا اور اس پھیلے ہوئے دھوئیں میں براق کا چہرہ کہیں غائب ہو کر رہ گیا تھا۔

"براق! تو سموکنگ کر رہا ہے؟" اسد کے یک لخت پوچھنے پر اسے شدید اچنبھا ہوا۔ بھلا ٹیکنالوجی اتنی ترقی

کیسے کرسکتی ہے کہ فون میں سے وہ اس کی سمیل سونگ لے، ہو ہی نہیں سکتا۔

"آئی کین سمیل براق شاہ، ایک سیکنڈ سے پہلے سگریٹ کو پھینک، نہیں تو میں نے وہیں آکر تجھے سیدھا کرنا ہے۔ جانتا ہے ناتُو سانس کا مریض ہے اور یہ تیرے لیے کتنی خطرناک ہے۔"

وہ بولا نہیں، دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ کی پچ اتنی زیادہ تھی کہ براق کو فون کان سے چند انچ پیچھے کرنا پڑا۔

"یہ ممکن نہیں ہے مجھے اس کی ضرورت ہے۔" اس نے احتجاج کیا۔

"تیری ضرورت کی تو ایسی کی تیسی۔ رک کمینے تُو ایسے نہیں سدھرنے والا۔ تجھے میں آکر بتاتا ہوں۔"

اس نے براق کی سنے بغیر ہی کال کاٹ دی تھی۔ براق نے جلدی جلدی دو تین سگریٹوں کو سلگا کر ان کے بڈز کو ٹھکانے لگا دیا۔ فاؤنٹین کے پانی سے اچھی طرح کلیاں کرنے کے بعد وہ آدھی سے تھوڑی کم سلگی سگریٹ کو انگلیوں میں دبائے لان میں ٹہلنے لگا۔ اس سگریٹ کو اس نے اس لیے بچا کر رکھ دیا تھا تا کہ وہ اسد کو بتا سکے کہ یہ وہی سگریٹ ہے جس پر اسد نے اسے ٹوکا تھا اور یہ بات سچ بھی تھی۔

آفرین۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھوں کے پپوٹے شدید بھاری ہو رہے تھے۔ اتنے زیادہ کہ انہیں کھولنا محال لگ رہا تھا لیکن پھر بھی ان بند آنکھوں کے باوجود بھی وہ چلتے دماغ کے ساتھ محسوس کرسکتا تھا کہ اس وقت وہ پکی زمین پر نہیں بلکہ نرم فوم پر لیٹا ہوا ہے۔ چھت پر پنکھا چل رہا ہے اور اس کی دائیں سائیڈ پر کوئی بیٹھا ہے جو گیلی گیلی چیز اس کے ماتھے اور بازوؤں پر رکھ رہا ہے۔ اس نے بند پلکوں کو جنبش دی اور ہلدی کی خوشبو کو سونگھتے ہوئے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اچانک اسے کھانسی کا دورہ پڑا تھا کیونکہ اسے ہلدی پسند تھی اور نہ ہی اس کی خوشبو۔

"آرام سے آرام سے، بدھا تمہیں صحت دیں۔" وہ اٹھ کر بیٹھنا چاہتا تھا مگر اس کا جسم مفلوج تھا یا وہ کسی چیز میں جکڑا ہوا تھا۔ نسوانی آواز پر اس نے گردن کو موڑ کر دیکھا۔ چھوٹی آنکھوں اور سیاہ رنگت والی صحت مند عورت جس کے سر پر دو انچ جتنے کھچڑی بال جمع تھے نرم آواز میں اسے دعائیں دے رہی تھی۔ اس نے بولنا چاہا مگر بول نہ پایا۔

"میں جانتی ہوں تم اس وقت صدمے میں ہو اور جس قسم کا تشدد تم پر کیا گیا ہے اس نے تمہاری آواز کو حلق میں اٹکا دیا ہے۔ یقیناً اس بات میں کوئی شک نہیں کہ تم اپنی یادداشت بھی کھو چکے ہو۔" وہ عورت اس لڑکے نما آدمی کی آنکھوں کو تکتی ہوئی بولی جن میں ہراس چھپا تھا۔

"خوف نہ کھاؤ یہ جگہ تمہارے لیے محفوظ ہے۔ یہ لیرا ہے میری بیٹی اسی نے تمہیں بچایا ہے۔ جب وہ لوگ تمہیں موت کے منہ میں چھوڑ کر جا رہے تھے تب بدھا نے اسے تمہاری مدد کو بھیجا، یہ ان لوگوں کا اسی وقت سے تعاقب کرنا شروع ہو چکی تھی جب سے اس نے انہیں تمہیں جانوروں کی طرح گھسیٹتے ہوئے دیکھا۔"

وہ اپنی بیٹی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی جو اس کے عقب سے برآمد ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں چاندی کا پیالہ تھا جس پر عجیب سی زبان میں کچھ کندہ کیا ہوا تھا۔ اس لڑکی کے ہاتھ گہرے سانولے تھے لیکن انگلیاں لمبی اور مخروطی تھیں۔ انگلیوں کے کنارے پر جمے ناخن اس وقت گہرے نیلے رنگ میں رنگے تھے جیسا نیلا رنگ اس کے ہاتھوں پر تھا، ویسا ہی بالوں کا بھی تھا۔ اس کے بال لمبے اور گھنے تھے لیکن سانپ جیسی لہروں کے حامل تھے۔ ان بالوں کی کچھ لٹوں میں رنگ برنگے بیڈز چٹیاں کر کے لگائے گئے تھے۔ باقی کہیں کہیں ان چٹیوں کے پاس سے نیلے رنگ کی سٹریکنگ چھلکتی تھی۔

اس لڑکی کی آنکھیں بڑی بڑی آنسو کی شیپ کی تھیں جن کے کنارے چونچ والے تھے، گہری رنگت، موٹے موٹے ہونٹ اور کھڑی ہوئی ناک۔ اس کی ناک کے نتھنے کے درمیان والی جگہ پر بالی جھول رہی تھی۔ اس کے بازو برہنہ تھے اور کہنی سے اوپر مختلف کڑے خود میں سمائے ہوئے تھے۔ وہ انہیں ہاتھوں میں چاندی کا پیالہ پکڑے اپنی ماں کے عقب سے نمودار ہوئی اور آنکھوں میں ہمدردی کے علاوہ اور بھی بہت کچھ سموئے اس آدمی کو تک رہی تھی جس کا چہرہ جمے ہوئے خون اور میل کو صاف کرنے سے نکھر آیا تھا۔

"ماں، مجھے نہیں لگتا اس سے یہ سب باتیں کرنی چاہئیں۔ اسے اس وقت آرام کی ضرورت ہے۔" وہ اسی دیوان پر ٹک کر بیٹھی جس پر وہ آدمی لیٹا ہوا تھا۔ اس نے پیالے میں ڈوبا پتا نکالا اور اس کے ماتھے پر رکھ دیا۔

"مجھے لگتا ہے تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ یقیناً یہ کچھ دیر آرام کرے گا تو بہتر ہو جائے گا ہمیں اس کا نام نشان نہیں پتا اس لیے میں اسے نام دے رہی ہوں آج سے یہ درخن ہے۔"

پر عنڈسکرٹ والی وہ موٹی عورت اپنی کرسی چھوڑ کر کھڑی ہوئی تھی۔ جاتے جاتے اس نے اعلان بھی کر دیا تھا جسے لیرا نے جھٹ رد کیا۔ وہ پتے پر دھرا ہاتھ اس آدمی کے گال پر لے جاتے ہوئے بولی۔

"اہم ہم، اسے میں ہی نام دوں گی کیونکہ یہ حق صرف میں رکھتی ہوں۔ یہ درخن نہیں لیران ہے۔ لیرا سے لیران۔"

وہ آدمی گردن کو جھٹکا دیتے ہوئے اس کے ہاتھ جھٹک رہا تھا۔ لیرا اس کی بے چینی پر مسکرا دی۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید اسے تنگ کرتی اس کی جینز میں رکھا سیل فون چنگھاڑ اٹھا۔ وہ جھٹکے سے وہاں سے اٹھی اور اس جگہ کو چھوڑ کر ندی کے کنارے آئی کہ ان کا گھر ندی کے کنارے تعمیر تھا۔

" کہو، کس لیے یاد کیا۔" لہجے میں حد درجے بیزاریت سموئے اس نے زمین کو کھرچتے ہوئے کہا۔

"تمہارے گھر میں کون زیر علاج ہے؟"

وہ شاکڈ ہوئی مگر سنبھل کر بولی۔

"وہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔ میری آبرو بچانے کیلئے غنڈوں سے لڑائی کے دوران زخمی ہو گیا۔"

اس نے جھوٹ بولتے ہوئے بال کان کے پیچھے اڑسے تھے۔ اس کان کے جس میں ڈھیر ساری بالیاں یکے بعد دیگرے جھول رہی تھیں۔

"تمہارا کب سے بوائے فرینڈ ہونے لگ گیا۔ جہاں تک میری معلومات ہے تم خود کو لڑکا کہتی تھی اور مردوں سے تم کو نفرت تھی۔ پھر یہ کیا چکر ہے؟"

وہ تلخی سے مسکائی۔

"میرے خیال سے میں ایک عورت ہوں اور اپنی زبان سے بڑھ کر اپنے جذبوں پر فوقیت رکھنا میرا حق ہے۔ وہ مجھے اچھا لگا تو میں نے اسے دل کا مالک بنا لیا۔ دیٹس اٹ۔"

اس کا انداز ایسا تھا جیسے وہ بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ پانی کی لہریں رفتہ رفتہ اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگی تھیں جس پر اس نے بند باندھ دیا کہ وہ مضبوط تھی اور رونا اس کی توہین۔

"ٹھیک ہے اپنا اور آپا ماں کا خیال رکھنا۔ گڈ بائے۔" اس نے سیل فون کان پر سے ہٹایا اور لہراتے پانیوں

والی ندی کو زخمی نگاہوں سے تکنے لگی۔اس کے بنجر دل میں کتنے سالوں بعد ایسی شادابی آئی تھی کہ دل تھا جھوم جھوم جاتا تھا۔ارمان تھے بڑھ بڑھ جاتے تھے۔وہ نہیں جانتی تھی کسی مرد کی چاہ اتنی طاقت ور ہو سکتی ہے کہ اس جیسی لڑکی کو پگھلا دے۔اس کے دل میں بھی محبت کے غنچے کھلا دے۔

"محبت۔"

ایک سیکنڈ، کیا اسے اس لڑکے سے پہلی نظر کی محبت ہو گئی ہے؟ کیا وہ واقعی اس کا بوائے فرینڈ ہو سکتا ہے؟اس نے مڑ کر برآمدے کی سمت دیکھا جہاں لیران پھر سے نیند میں غرق ہو چکا تھا۔سفید پردہ ہوا کے دوش پر منٹ منٹ بعد اٹھتا اس کے درشن کروا رہا تھا۔سبزے اور ندی کے درمیان میں واقع اس کا گھر جہاں بہار کے ہزار ہا رنگ کے پھول کھلے تھے سب اس شخص کے آگے ہیچ نظر آنے لگے جو اس وقت سفید کپڑے میں جکڑا اس دنیا سے بے خبر سو رہا تھا۔وہ مسکرائی تھی۔اس کی مسکراہٹ کے ساتھ ہی تیز ہوا کا جھونکا پھولوں کو جھومنے پر مجبور کر گیا۔ندی کے پانی کی لہروں نے بھی اس اقرار پر کنارے کا رخ کیا کہ دیکھیں تو صحیح اس لڑکی کے جذبوں میں صدق ہے بھی یا نہیں اور ہاں وہاں سچائی تھی فقط پاک و صاف سچائی۔

خوش آمدید محبت!

☆......☆......☆

وہ اپنے کام میں مست تھا۔آنکھوں پر چشمہ لگائے محویت سے فائل کی ورق گردانی کر رہا تھا جب اس کا ایک کارندہ دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے اندر داخل ہوا۔خلیفہ نے نظریں اٹھا کر اسے استفہامیہ انداز میں دیکھا۔

"سب خیریت ہے؟"

وہ آدمی تیزی سے اندر آیا۔اس کا انداز بوکھلایا ہوا تھا۔

"سر، وہ میڈم کی طبیعت ناساز ہے۔وہ بے ہوش ہو چکی ہیں۔"

خلیفہ اچانک اپنی کرسی سے کھڑا ہوا۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے نا تو؟"

"فائل کو وہیں پھینکتے ہوئے وہ اپنے آفس سے باہر آیا۔اس نے نیلے رنگ کی شرٹ پہن رکھی تھی جس کے

اوپری تین بٹن کھلے ہوئے تھے۔ایسا اس لیے تھا کہ یہاں کی گرمی نا قابل برداشت ہو چلی تھی۔وہ اس آدمی کی معیت میں چلتا ہوا نانو کے کمرے میں آیا۔اس نے نانو کو بھی اسی بلڈنگ میں منتقل کر دیا تھا جہاں معروش تھی لیکن اس بات کو مخفی رکھا تھا۔

وہ جلدی سے کمرے میں آیا اور ڈاکٹر کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے نانو پر جھکا۔ان کا ماتھا ٹھنڈا تھا اور نبض بہت آہستہ چل رہی تھی۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟"اس نے مڑتے ہوئے اپنے ڈاکٹر سے پوچھا۔وہ اسٹیتھو اسکوپ کو سائیڈ پر رکھتے ہوئے بولا۔

"بلڈ پریشر ہائی ہے اور شوگر لیول لو،ان کو سٹریس ہے شاید تبھی یہ اس حد تک نڈھال ہیں۔"

خلیفہ نے ڈاکٹر سے نگاہ ہٹا کر نانو کے نحیف چہرے پر نظریں ڈالیں پھر کچھ سوچ کر اس نے ایک نمبر ڈائل کیا تھا۔تھوڑی دیر بعد ہی معروش دروازے کے فریم کو کراس کرتے ہوئے بھاگ کر اندر آتی ہوئی نظر آ رہی تھی۔ وہ آتے ہی نانو کے بیڈ کے کنارے ٹک گئی۔اس وقت وہاں خلیفہ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے انہیں؟ اگر انہیں کچھ ہوا تو میں نے تمہیں چھوڑنا نہیں ہے۔"وہ ان کے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے غصے سے کھڑی ہوئی۔

"بی پی اور شوگر کی پرابلم ہے۔تم اس مسئلے کو زیادہ ہائی نہ لو۔"وہ اس کے ہونق پنے کو بھانپتے ہوئے تحمل سے گویا ہوا۔معروش لب بھینچتے ہوئے واپس ان کے پاس بیٹھی۔

"تم تو کہو گے نا،کوئی رشتہ جو نہیں ہے تمہارے پاس،محروم لوگ ایسی ہی سخت باتیں کیا کرتے ہیں۔"

خلیفہ نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا،اس کے دل کو یہ بات بڑی زور سے لگی تھی۔

"میرے خیال سے مجھے اپنے گلے میں ہز بنڈ اور تمہارے گلے میں وائف والا پینڈنٹ ڈال ہی دینا چاہیے تا کہ تم ہم دونوں کی حقیقت کو فراموش نہ کر سکو۔"

معروش کی آنکھوں میں مرچیں بھریں۔اس نے انہیں زور سے میچا تھا۔

"تم یہاں کھڑے ہو کر شور مت مچاؤ،نانو کی نیند ڈسٹرب ہو جائے۔"اس سے پہلے وہ اپنی بات مکمل کر پاتی

خلیفہ نے اسے بازو سے تھام کر کھڑا کیا اور اس کمرے سے باہر نکال کر اسی کے ساتھ ملحق دوسرے کمرے میں لے آیا۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی سعی کرتی رہی مگر خلیفہ کی گرفت نے چھڑانا ناممکن بنادیا۔

"میری بات غور سے سنو معروش، تم میری ہو اور اس بات کو اپنے اس چھوٹے سے دماغ میں اچھے سے بٹھا لو۔" وہ اس کی کنپٹی پر انگلی بجاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ وہی انگلی جس میں کھوپڑی کی شکل والی انگوٹھی سجی تھی جس نے خلیفہ کی لمبی انگلی کو جوائنٹ تک کور کیا ہوا تھا۔

"میرے علاوہ تمہاری زندگی میں کوئی نہیں ہے۔ نہ ہی ہوگا اور نہ ہی ہونا چاہیے تم صرف خلیفہ تبریز کی ہو۔" اس کے انداز میں وہ جنون تھا جو اس سے پہلے اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ دھاگوں میں چھپی تھیں اور چہرے پر ایسی چیز تھی جو اس نے پہلی دفعہ دریافت کی تھی۔

"برا تھا، ہوں اور رہوں گا، یہ میری فطرت اور پیشہ ہے۔ تم چاہے لاکھ سر پیٹ لو میں اپنے مؤقف سے ایک انچ نہیں ہٹوں گا لیکن اس سب کے باوجود مجھ سے محبت کرنا، میرے سارے رائیٹس پورے کرنا اور ہمیشہ میرے ساتھ رہنا تم پر فرض ہے۔ تم نے بھٹکنا نہیں ہے یمن، تم بھٹک گئی تو مجبوراً مجھے تمہاری جان لینی ہوگی۔ اچھے سے جانتی ہو تم، میں اپنی کمزوری کو زندہ نہیں رکھتا۔ تمہیں سانس لینا تھا تبھی آج ہم یہاں ہیں۔"

زمین کی اور اشارہ کرتے ہوئے اس نے سختی سے معروش کے بازوؤں کو دبوچا تھا۔ آج اسے کیا ہوا تھا؟ وہ یہی سوچے جارہی تھی۔

"کون سے مؤقف کے بارے میں بات کررہے ہو؟" وہ خود کو کہتے ہوئے سن رہی تھی۔

"ایک اور بات اچھے سے ذہن نشین کرلو معروش، تمہیں مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا، کسی میں اتنی جرأت ہی نہیں۔" اس کی بات کو یکسر نظرانداز کرتے ہوئے اس نے معروش کو خود سے لگالیا تھا۔ ڈھیر سارے سوالات کی بھرمار لیے وہ اس سے لگی کھڑی تھی۔ اس نے سنا خلیفہ کی دھڑکنیں عجیب سی اتھل پتھل کا شکار ہورہی ہیں۔ اچانک اس کے دماغ میں کوندا سا لپکا تھا۔ وہ اس سے الگ ہونا چاہتی تھی مگر اس مزاحمت پر خلیفہ نے اس کے گرد گھیرا تنگ کرلیا۔ وہ انسکیور ہوگیا تھا۔ پہلی بار ایسا ہوا تھا جب اسے انسکیور ہونا پڑا۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ جو وہ پہلے تھا اب نہیں رہا۔ پاکستان سے آنے کے بعد وہ بالکل بدل گیا تھا۔ اتنا زیادہ کہ کسی کام میں اس کا دل نہیں لگ رہا

تھا اور جو وہ کر رہا تھا وہ، وہ کرنا نہیں چاہ رہا تھا اور آج کی انسیکورٹی کال کی خبر کی بدولت تھی جو اسے ملی تھی۔

"سر، تشدد کی زیادتی کے سبب وہ آدمی مر گیا ہے۔ ہم اس کی لاش کو جنگل میں چھوڑ آئے ہیں۔"

رات کی تاریکی میں خلیفہ ڈرنک کرنے میں مصروف تھا۔ کھلی کھڑکی سے آسمان پر چمکتے ہیرے با آسانی دیکھے جاسکتے تھے۔ چھوٹی سی کرسٹل کی گول میز پر ایک سبز رنگ کی بوتل اور چکور چھوٹا گلاس رکھا ہوا تھا جس میں خلیفہ تیز سنہری مشروب ڈالتا ہوا دیکھا جاسکتا تھا۔ اس کی آنکھیں اور نشہ آور مشروب ہم رنگ تھا۔ وہ اس گلاس کو لبوں سے لگا کر پھر سے بھر رہا تھا کہ سیل فون بجنے لگا۔ اس نے کال ریسیو کی اور یہ الفاظ سنے۔

"وہ مر گیا ہے یہ اچھی بات ہے مگر تم لوگ اسے جنگل میں ایسے کیسے چھوڑ سکتے ہو۔ میں نے کہا بھی تھا اگر کبھی اس طرح کی سچویشن درپیش ہو تو اسے جلا ڈالنا۔"

وہ مشروب کافی پر اثر تھا تبھی دو پیگ پر ہی اس کی آنکھوں میں سرخی در آئی تھی، سانسیں تیز تر ہوئیں اور حواس مختل ہونے لگے۔

"سر، ہم ایسا ہی چاہتے تھے مگر ہمیں لگا اگر درندے اس کی بوٹیاں نوچ لیں تو یہ زیادہ اچھا ہے۔"

وہ نہایت چالاکی کے ساتھ سندر خان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خلیفہ کو بھی اعتماد میں لے گئے تھے۔ وہ تضحیکی انداز میں مسکرایا۔

"تم لوگوں کے چاہنے سے اگر دھندہ چل نکلے تو آج سب ختم ہو۔ میں نے حکم دیا تھا کہ وہ مرنا نہیں چاہیے لیکن چلو کوئی نہیں، اس بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ موت تو ہر ایک کا نصیب ہے لیکن میری دوسری بات سے انحراف تم لوگوں کو قضا کی طرف لے آئی ہے۔ افسوس کہ آج کی رات تم جہنم میں بسر کرنے والے ہو۔ ہیو گریٹ ڈیتھ۔"

فون کو بند کرنے کے فوراً بعد ہی دور کہیں اس ہٹ میں ضرور بلاسٹ ہو رہا ہوگا جہاں کبھی وہ آدمی یرغمال بنا کر رکھا گیا تھا اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اس ہٹ میں موجود وہ دو آدمی اس وقت جہنم واصل ہو چکے ہوں گے۔ خلیفہ کے لبوں کی مسکراہٹ سمٹی اور اس کے کانوں میں رمیز کے الفاظ گونجنے لگے جو کہ یہ تھے۔

"خلیفہ، اس آدمی کے بعد معروش اگلا ٹارگٹ ہے خان کا، وہ ہر اس شخص کو راستے سے ہٹانے کا ارادہ رکھتے

ہیں جو تمہیں خود میں مصروف کیے ہوئے ہیں۔ خان کو لگتا ہے تم بدلتے جا رہے ہو۔"

گلاس کے پیندے میں موجود شراب میں رمیز کا چہرہ جھلملا رہا تھا اور وہ اس سے وہ سب کہہ رہا تھا جو اس کے جاسوسوں نے اسے بتایا تھا۔

"اگر خان یہ سوچ رہے ہیں تو غلط سوچ رہے ہیں۔ نجانے کیوں مجھے ایسا لگنے لگا ہے جیسے اب خان کو میری ضرورت نہیں رہی۔" رمیز کے ساتھ ہی اسے خود کا چہرہ بھی دکھائی دیا۔

"غلط سوچ رہے ہو۔ وہ بس تمہارے لیے محتاط ہو گئے ہیں۔ تم جانتے ہو، جو تم ہو ان کیلئے وہ کوئی اور نہیں ہے۔" خلیفہ نے اس لایعنی گفتگو کو ختم کرنے کیلئے گلاس میں موجود مشروب حلق میں انڈیل دیا۔ اسے وہ سب نہیں سننا تھا جو وہ پہلے سے جانتا تھا۔

"ہم اپنے غرور کے آگے مجبور ہو جاتے ہیں اور یہ مجبوری ہمیں خود میں محصور کر دیتی ہے۔ پھر ہم سب سے کٹ کر، اکڑ کر بالکل تنہا رہ جاتے ہیں جس طرح میں رہا یعنی کہ خلیفہ تبریز۔" گلاس کو ہاتھ میں پکڑتے ہوئے وہ لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ دیوار گیر ونڈو کی طرف آیا جس کے پردے آل ریڈی سرکے ہوئے تھے۔

"خان کو لگتا ہے میں مصروف ہو گیا ہوں تو ٹھیک ہے، ان کا یہ لگنا حقیقت میں ڈھالتے ہیں جو مجھ سے جیسا گمان کرتا ہے میں ویسا ہی ہو جاتا ہوں۔ پتا نہیں یہ لوگ اس بات کو سمجھتے کیوں نہیں۔" اس کے لب آپس میں جڑے تھے اور آنکھیں دور اندھیروں میں ساکن۔

وہ لوگ جس جگہ تھے۔ جس ملک میں تھے اس ملک نام اور قانون پوری دنیا میں خراب تھا۔ یہاں پر کوئی بھی، کسی کو بھی، کبھی بھی، کچھ بھی کہہ سکتا تھا، کر سکتا تھا۔ سر عام سڑکوں پر لوٹ مار ہوتی تھی، آبروریزی کی جاتی تھی، بلاسٹ اور کڈنیپنگ جہاں معمول کی بات تھی۔ قتل ایسے ہوتے تھے جیسے پرندوں کا شکار۔ ڈرگ کھلے میں بلاخوف وخطر بیچی جاتی تھی۔ گھروں کو دن دہاڑے سب کے سامنے لوٹ لیا جاتا تھا اور ناکارہ پولیس کچھ بھی کرنے سے قاصر تھی۔ یہ وہ ملک تھا جو گناہوں کا اڈا تھا جو خلیفہ کی سلطنت تھی۔ وہی سلطنت جس میں اب اسے مارنے کی سازشیں ہو چلی تھیں۔

دور، بہت بہت دور پہاڑ کی اوٹ میں چھپا وہ سیاہ فام اپنی موٹی آنکھوں میں سے ایک کو میچے خلیفہ پر نشانہ

تانے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں شراب سے لبریز گلاس تھامے ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں پھنسائے وہی خلیفہ تبریز جو یہاں کے مجرموں اور غنڈوں میں اپنا نام کما گیا تھا۔ جس کی بدولت یہاں وہ سہولتیں میسر ہوئی تھیں جو کبھی تصور بھی نہیں کی جاسکتی تھیں۔ جہاں نام تو سمندر کا تھا مگر سکہ صرف اسی کا چلتا تھا۔ وہی خلیفہ آج انہی لوگوں میں سے ایک کے ہاتھ میں اپنی زندگی کی ڈور پکڑائے سٹل کھڑا تھا۔

گنتی شروع ہوئی، انتظار بڑھنے لگا۔

تین

دو

خلیفہ نے اپنی سنہری آنکھیں اوپر اٹھائیں، گلاس کو ایک جھٹکے سے ہونٹوں سے لگا کر خالی کیا اور لبوں کا ایک کنارہ پھیلا گیا۔

"ایک۔" یہ ایک اس آدمی کے کان میں موجود بلوتوتھ سے نہیں ابھرا تھا بلکہ وہ خلیفہ تھا جو وہاں جامد کھڑا بولا تھا۔ اس کا ایک سرگوشی نما، تضحیک میں لپٹا، تکبر سے سجا تھا۔ اس کے ایک کہنے کی دیر تھی بے آواز گولی اس آدمی کو موت کی آغوش میں لے گئی جو خلیفہ کو مارنے کی تیاریوں میں تھا۔

"ریسٹ ان ہیل۔"

بھاری، مدہوش آواز کے ساتھ کہتے ہوئے وہ سابقہ پوزیشن میں کھڑا رہا۔

"سمندر خان کا اگلا ٹارگٹ معروش ہے۔"

وہ خلیفہ جو ہاتھ میں خالی گلاس لیے کھڑا تھا ان لفظوں کو سن رہا تھا اور بالکل ایسے ہی الفاظ معروش کو خود سے لگائے خلیفہ کے کانوں میں بھی گونج رہے تھے۔ آنکھوں میں ان دیکھی سی آگ لیے وہ ہونق بنی معروش کو خود سے لگائے سیدھا ہاتھ اس کے سر پر رکھے کھڑا رہا ہے۔ وہ کیا کر رہا ہے۔ وہ کیا کرنے والا ہے یہ وہ اچھے سے جانتا تھا۔

"گڈ بائے غدارو۔"

☆......☆......☆

دعا اپنے لان میں لگے پودوں کی کانٹ چھانٹ میں مصروف تھی۔ اس کے ساتھ ہی علیشہ بھی پتوں کو اپنی

چھوٹی سی قینچی سے تراش رہی تھی۔شام کا وقت تھا اور آج ہوا بھی اچھی چل رہی تھی۔اسی سبب وہ اپنی قینچی اور بیلچہ لیے لان کا حلیہ بگاڑنے (بقول طلحہ کے) میں مگن تھی جب مین گیٹ کھلا اور ایک گاڑی اندر آتی ہوئی نظر آئی۔وہ کوئی اور نہیں بلکہ سولیم تھی جو رات کو شعلوں پر گزارنے کے بعد اپنوں میں پناہ ڈھونڈنے آئی تھی۔کتنا عرصہ ہو گیا تھا اسے کسی اپنے سے بات کیے ہوئے۔

آہ یہ خونی رشتے۔

دعا نے گردن موڑ کر آنے والی کو دیکھا جس کا سیاہ عبایہ تیز ہوا کے سبب پھڑ پھڑا رہا تھا۔وہ نقاب پر ہاتھ رکھتے ہوئے سیدھے چلنے کی بجائے مڑی اور لان کی گرین گراس پر قدم رکھتے ہوئے اس کی طرف بڑھنے لگی۔سبز گھاس پر سولیم کی سیاہ بلاک ہیل میں مقید پاؤں ایسے لگ رہے تھے جیسے شبنم کے قطرے ہوں۔وہ جوں جوں دعا کی طرف بڑھ رہی تھی توں توں اس کے دل کا غبار سر چڑھ رہا تھا۔وہ ابھی اس سے فاصلے پر ہی تھی جب علیشہ چہکتی ہوئی اپنی قینچی چھوڑ کر بھاگی اور اس کی ٹانگوں سے چمٹ گئی۔

"سولیم ماما۔" اس کی خوشی دیدنی تھی۔سولیم نے اس کے پونیوں والے سر پر ہاتھ پھیرا اور ڈبڈبائی نگاہوں سے بے نیاز بنتی دعا کو تکنے لگی جو اپنی سابقہ پوزیشن میں مصروف ہو چکی تھی۔علیشہ کو سائیڈ پر کرتے ہوئے وہ دعا کے سر پر پہنچی اور اس کے برابر بیٹھ گئی۔

"مجھے تمہارا کچھ وقت درکار ہے۔" اس کے لہجے کا افسردہ پن دعا بھانپ گئی تھی تبھی اس کی بڑی بڑی آنکھوں میں نمی اور ماتھے پر بل آن پڑے تھے۔

"اگر میں کہوں میں فارغ نہیں ہوں تو؟" اس نے ایک بڑی ٹہنی کو بلاوجہ کاٹ دیا۔

"تو میں کہوں گی۔۔۔پلیز۔"

دعا نے اس کٹی ٹہنی کو ڈسٹ بن میں پھینکا اور قینچی کو زمین پر پٹختے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔اس کے دیکھنے کے انداز پر ہی سولیم نے اپنے ہاتھ سیز فائر کے طور پر اٹھا لیے تھے۔

"یو نو واٹ سولیم خانم، تم اس دنیا کی اول درجے کی سفاک، خرانٹ، بے مروت اور بدتمیز عورت ہو۔تمہاری خودسری، تمہاری ہٹ دھرمی پر دل کرتا ہے تمہارا گلا گھونٹ دینا چاہیے۔" ہاتھ کی پشت سے اس نے آنسوؤں کو

رگڑا تھا۔علیشہ نے منہ بسور کر اپنی ماما کو دیکھا۔

"آپ اس طرح میری سولیم ماما کی انسلٹ نہیں کرسکتیں۔میں اس بارے میں براق انکل کو بتاؤں گی۔"

"براق کی چچی۔" دعا کی گھوری پر وہ سہم گئی تھی۔سہم کر ہی اندر بھاگی۔

"میں تمہاری ہر بات سے اگری کرتی ہوں دعا، میرا دل بہت اداس ہے۔" نمی آنکھوں میں ہی نہیں آواز میں بھی پنہاں تھی۔

"چاہوں تو میں تمہیں ذلیل کرسکتی ہوں اور کوئی شک نہیں کہ اس کا حق مجھے ہے لیکن چونکہ تم میری بہن ہو، تمہارا دکھ میرا ہے (چاہے میرا دکھ اس موٹی کا ہو یا نہ ہو) تو میں وہ سب سننے کیلئے تیار ہوں جو تم کہنا چاہتی ہو۔"

کانپتی آواز میں موجود لڑکھڑاہٹ ہوا کے دوش پر ہلتے پتے بھی سن رہے تھے۔سولیم نے آگے بڑھ کر اسے خود سے لگایا۔

"ایم سوری۔" اس کے لب ہولے سے تھرتھرائے تھے۔

"چاچو اور۔" وہ اس سے الگ ہوئی۔"شاکر کو کھونے کے بعد میں بہت پوزیسو ہوگئی ہوں دعا، میں نہیں چاہتی میرے بہت پیارے رشتے ایک ایسے انسان کی وجہ سے چھوٹ جائیں جس نے میری زندگی کو تباہ کردیا"

دعا اور وہ چلتے ہوئے کرسیوں پر آمنے سامنے آکر بیٹھ گئے۔دعا کو یاد آیا براق ہمیشہ اسی کرسی پر بیٹھتا ہے۔

"حالانکہ ہم نے تمہیں نہیں چھوڑا بلکہ تم ہمیں چھوڑ گئی ہو، سولیم، سب نے جو بھی کیا ہے تمہارے بھلے کیلئے کیا ہے۔براق ایک اچھا آپشن تھا۔" وہ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھے تسلی آمیز لہجے میں کہہ رہی تھی جب ایک بار پھر سولیم کا ماتھا "براق" لفظ پر ٹھنکا۔

"تم اسے بھائی کیوں نہیں کہتی۔نام سے کیوں بلاتی ہو؟ بھائی لگایا کرو اس کے نام کے آگے۔"

اچانک ہی گفتگو کا رخ سولیم کی اس بات سے پلٹ گیا تھا۔دعا نے اس کے ہاتھ کے اوپر سے اپنا ہاتھ ہٹایا۔

"کیوں بھئی، میں اسے جو بھی بلاؤں تمہیں اس سے کیا اور یوں بھی وہ میرا پہلا کرش ہے اور میرے حساب سے پہلے کرش کو بھائی کہنا گناہ کبیرہ ہوتا ہے اور تمہیں شرم آنی چاہیے اپنی بہن کو گناہوں کی اور دھکیل رہی ہو۔ چچ، چچ، چچ کیسی بہن ہو تم۔" گردن کو اکڑائے، لفظوں کو مضبوط بنائے اس نے کہا تھا۔کہہ کر سولیم کا منہ حیرت

زدہ کردیا۔وہ جان بوجھ کر بات میں مزاح کا دامن تھام گئی تھی۔ان دونوں کے درمیان جو خلا در آیا تھا اس کو مٹانے کے لیے اس طرح کی ہلکی پھلکی باتیں از حد ضرور تھیں۔

"تم دعا تم آہ، آفرین۔" ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے وہ گردن موڑ گئی۔پھر اچانک آگے کو جھک کر بولی۔

"تم۔۔۔بھول گئی ہو اس نے جو میرے ساتھ کیا تھا۔میرا وہ تلخ دور جب میں نے اپنے شب و روز نیزوں پر گزارے تھے۔ان سب کو جاننے کے باوجود تم ایسا کس طرح کہہ سکتی ہو۔" اس نے اپنی سی بھرپور کوشش کی تھی دعا کو احساس جرم دلانے کی اور ہر بار کی طرح اس بار بھی وہ ناکام رہی تھی۔

"کسی نے کبھی مجھے کہا تھا کہ جو لوگ اپنے ماضی میں رہتے ہیں اسے حال کے ساتھ گھسیٹ کر چلتے ہیں وہ کبھی خوش نہیں رہ سکتے۔ان کا حال کبھی آباد نہیں رہ سکتا۔وہ اتنے ہی تہی داماں رہتے ہیں جتنا کہ وہ پہلے تھے۔" سولیم کے الفاظ اسے ہی لوٹاتے ہوئے وہ پرسکون تھی۔سولیم نے چند ثانیے اسے تکا پھر لبوں کو بھینچتے ہوئے سر ہلا گئی۔

"میرا دل بھرا ہوا تھا دکھ سے، سوچا تھا کسی اپنے کے پاس جاؤں گی تو شاید سکون مل جائے لیکن میں غلط تھی۔" دعا کی اکڑی گردن میں لچک آئی۔اس نے سولیم کے بھینچے لبوں کو نظروں میں رکھا اور کہا۔

"بالکل تم سو فیصد غلط ہو، تمہیں واقعی کسی "اپنے" کے پاس جانا چاہیے تھا۔وہ اپنا جو تمہاری ایک نظر التفات کا منتظر ہے، جو تمہارے ایک میٹھے بول پر اپنا سب کچھ قربان کرنے کیلئے تیار ہے۔وہ انسان جسے اللہ نے تمہارا سب سے زیادہ اپنا بنا دیا ہے اگر تم اس کے پاس جاتی تو یقیناً تمہارے دکھی دل کو قرار ملتا۔"

سولیم نے میز پر سے اپنا پرس اٹھایا اور جھٹکے سے اٹھ کر وہاں سے چل دی۔دعا نے اس کی گاڑی کو گیٹ سے نکلتے ہوئے دیکھا تھا۔جونہی سولیم کی گاڑی گیٹ سے باہر نکلی دعا کا فون تھرتھرا اٹھا۔اس نے سیل کو نگاہوں کے سامنے کیا اور رخ موڑ کر مرروال کی جانب غصے سے دیکھا جہاں علیشہ کریڈل کو نیچے رکھتے ہوئے نظر آرہی تھی۔

"چغل خور، خالہ پر گئی ہے ایک نمبر کی شکایتی۔"

اس نے سبز بٹن کو سلائیڈ کیا اور فون کو کان سے لگا لیا۔

"میں نے سنا ہے آج آپ لڑی ہیں۔" براق ٹہلتے ہوئے اپنے آفس کے روم کے ٹیرس پر آیا اور گرل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔وہ دعا کے الفاظ سن رہا تھا جو کہ یہ تھے۔

"جس سے سنا ہے نا اس کی تو آج خیر نہیں، خالہ کی طرح چغلیاں لگانے کی محترمہ میں جو عادت آتی جا رہی ہے نا اسے تو میں ختم کرتی ہوں۔"

وہ ایک بار پھر سے مڑ کر دیکھ رہی تھی مگر اس بار وہاں علیشہ نہیں تھی۔

"خبردار اگر میری بیٹی کو کچھ کہا تو، یاد رکھو بیٹیاں ڈیڈیز کو جو بتاتی ہیں وہ چغلیاں نہیں ہوتیں بلکہ خبر ہوتی ہے اور ہاں میری سولیم کے بارے میں آپ کی رائے غلط ہے۔"

گرل کو تھامتے ہوئے وہ ٹہل رہا تھا۔ یہاں سے وہاں، وہاں سے یہاں ٹپ ٹاپ سا براق شاہ۔

"ہالفظوں کو شوگر کوٹ مت کیا کریں میرے ساتھ، میں اس چیز میں چیمپئن ہوں اور جو آپ کی سولیم ہے نا اللہ ہی اس بلا سے بچائے سب کو۔"

براق اس کے انداز پر ہنس دیا تھا۔ اس کی ہنسی ایسی کھنک زدہ تھی کہ دعا ٹھہر سی گئی اس کا دل ٹھہر سا گیا۔ اس نے آسمان کی طرف نگاہ ڈال کر اللہ سے بیساختہ دعا کی کہ یا تو سولیم کا دل براق کے لیے نرم کر دے یا پھر براق کے دل کو سولیم سے پھیر دے۔

"آج پھر فائٹ ہوئی ہے؟" ہنسنے کے بعد اس نے پوچھا تھا۔

"براق، جہاں تک میں جانتی ہوں سولیم کبھی بھی آپ کو قبول نہیں کرے گی۔ اس کے دل میں وسعت نہیں ہے آپ کیلئے۔ یہ وہ ساحل ہے جس کے کنارے پر سر پٹخنے سے صرف آپ ہی زخمی ہوں گے اس لیے کہہ رہی ہوں کچھ کریں اپنی زندگی کا۔"

کسی ناصح کی طرح سمجھاتے ہوئے وہ آخیر میں روہانسی ہو گئی۔ براق ہولے سے مسکرایا۔ بنفشی ٹکڑوں سے سجے آسمان پر نگاہیں گھمائیں اور نرم آواز سے بولا۔

"پتا ہے دعا، مجھے سولیم سے کبھی کسی چیز کی لالچ نہیں رہی، مجھے ان کی محبت، ان کی توجہ نہیں چاہیے میں بس ہمیشہ سے یہ چاہتا ہوں کہ سولیم دن میں دو منٹ مجھ سے بات کر لیں، بغیر کسی غصے کی آمیزش یا ماضی کی تلخیوں کے اور رہی زندگی کے کچھ کرنے کی تو میں اس بارے میں سوچ رہا ہوں۔"

وہ اس کی بات سے ٹھٹک گئی تھی۔

"کس طرح کی سوچ؟ کیا پلان ترتیب دیا ہے آپ نے۔" اس کے لفظوں کی عجلت پر براق نے فوراً سے کہا تھا۔

"عبداللہ کی کاؤنسلنگ سٹارٹ ہے اس کے بعد میں واپس لندن چلا جاؤں گا۔فکر نہ کریں میں فرار نہیں ہو رہا ہوں بلکہ مجھے ایسا لگتا ہے اس سے سولیم کو ریلیف ملے گا۔شاید وہ بھی ایسا چاہتی ہوں۔"

شانے اچکاتے ہوئے اس نے پانیوں سے لہجے میں کہا۔دعا اس پرسکون لہجے کے پیچھے مخفی تشنگی و درد کو پہچان گئی تھی۔اس نے کال کو کاٹ کر میز پر پٹخا۔اس کا دل برا ہو رہا تھا، بہت برا۔اس برے ہوتے دل میں براق کا چہرہ تھا جو کوٹ میں سیل فون رکھ کر ٹیرس سے اندر کمرے میں آیا اور کمرے کو پھلانگ کر باہر آ گیا۔

"مسٹر شاہ۔" اس آواز پر اس کے قدم ٹھٹکے تھے۔جھٹکے سے مڑ کر دیکھا وہ کوئی اور نہیں بلکہ ٹرکر تھا۔براق کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر حیرت کے ساتھ شاک ابھرا۔

"اتنے حیران مت ہوں، میرا آنا تو طے تھا۔کیا نہیں تھا؟" کمزور لاغر سا ٹرکر جو براق سے کافی چھوٹا تھا غربت اور نشے کی لت کی وجہ سے براق سے کافی بڑا لگ رہا تھا۔وہ اس کی ناک کے پاس آ کر رکا اور اوپر سے نیچے تک اسے دیکھا۔

"میں نے تو سنا تھا عبایہ والی کے عشق میں مبتلا ہو کر تم نے خود کو تباہ کر لیا ہے۔تم بوڑھے ہو گئے ہو یعنی وہ سب رومرز تھیں اور سراسر جھوٹ۔تم تو وہی ہو، ویسے ہی ہو جیسے لندن میں ہوا کرتے تھے۔بس فرق یہ ہے کہ تم نے اپنی داڑھی بڑھالی ہے۔"

براق نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے اس کے یہ الفاظ سنے اور ماتھے پر تیوریاں لے آیا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟"

ٹرکر نے اپنی بھنویں اوپر کو اچکائیں۔

"واؤ، تمہاری آواز کی پچ بھی وہی ہے زبردست، کیا ہو جب سرخیوں میں ایک بار پھر براق شاہ چھا جائے۔"

دونوں ہاتھوں کو پھیلاتے ہوئے اس نے براق کے آہستہ آہستہ سرخ پڑتے چہرے کی طرف دیکھا۔

"اپنی حد میں رہو ٹرکرسان، تم شاید بھول رہے ہو کس سے مخاطب ہو۔"

ٹرکر قلیپس کرتے ہوئے اونچا ہنسا۔ اس کی ہنسی کی آواز مین ہال تک تو گئی ہی ہوگی جہاں سب ورکر اپنا سامان سمیٹتے چھٹی کر کے جا رہے تھے۔

"ڈوڈ، جس نے تمہارے بارے میں جھوٹی افواہیں پھیلائی ہیں اس کی پشت پر تھپکی دینے کو دل کر رہا ہے سیر یکسلی، ایک انچ بھی اپنی پرسنالٹی سے نہیں سر کے ہو تم ماسوائے بالوں میں اترتی اس چاندی کے۔ کیا یہ بھی فیشن کے تحت ہے یقیناً ایسا ہی ہوا ہوگا، تم امیر زادے نیا فیشن اپلائے نہ کرو ہو ہی نہیں سکتا۔"

براق نے اپنے جبڑے بھینچے تھے۔

"خیر پوائنٹ کی بات پر آ جاتے ہیں۔ تم نے پوچھا تھا میں یہاں کس لیے ہوں تو بتا تا چلوں۔" وہ براق کے مزید قریب آیا۔ اتنے کہ اس کی ناک براق کی ناک سے مس ہونے لگی۔

"میں یہاں تمہاری دنیا برباد کرنے آیا ہوں، تم نے پہلے روک کر مجھے جیل بھجوا کر اچھا نہیں کیا۔ اب قدرت تمہارے ساتھ اچھا نہیں کرنے والی ہے۔"

اپنی بات پوری کر کے وہ پیچھے ہٹا تھا۔ براق تا ہنوز اسی پوزیشن میں کھڑا رہا۔

"اگر تمہیں لگتا ہے میں ان طفل دھمکیوں سے ڈر جاؤں گا تو بھول ہے تمہاری، تم شوق سے اپنے شوق پورے کر سکتے ہو۔ ایکسکیوز می۔" بات کے اختتام پر وہ مڑ گیا تھا۔ مڑتے ہی ہزار اندیشے تھے جو اس کے دل کے قریب منڈلانے لگے تھے۔ وہ ڈسٹرب ہو گیا تھا بہت زیادہ ڈسٹرب۔

"نئی پریشانی مبارک براق شاہ!"

☆......☆......☆

عمران کے دیے پتے پر خفیہ ایجنسی کے بندوں نے چھان بین کی تو معلوم ہوا کہ وہ آدمی جسے نوفل اپنا دوست کہتا تھا وہ غائب نہیں ہوا تھا بلکہ لوٹ ماروں کا نشانہ بن کر اس فانی دنیا کو خیر باد کہہ گیا تھا۔ تبھی وہ غائب تھا اور اس کا سیل فون آف۔

"سر، ہمیں اوپر سے اجازت مل گئی ہے، ہم اس ملک میں جا سکتے ہیں جہاں معروش کو رکھا گیا ہے۔ یہ سب

اس جگہ کی ڈیٹیلز ہیں۔"

حفیظ نے چند فائلز میز پر دھریں جنہیں ڈپٹی ڈائریکٹر نے اٹھا کر کھولنا شروع کر دیا۔

"یہ تو بہت بہتر ہو گیا، کوبرا کی یہاں سے شفٹنگ کے بعد کرائم ریشو میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے لیکن اختتام ابھی نہیں ہوا۔ چلو یہاں جا کر اس چیز کو جڑ سے ختم کرتے ہیں۔"

عینک کو آنکھوں پر سجاتے ہوئے وہ ورقوں کو الٹ رہے تھے۔ حفیظ نے مزید کہا۔

"سر عمران کا کیا کرنا ہے اب، وہ واقعی نوفل کا دوست تھا اور ایک عام شہری۔ اس کا تعلق ان مافیا گروہ سے بالکل بھی نہیں ہے۔ اس کا ریکارڈ پوری طرح سے صاف ہے۔"

حفیظ کے کہنے پر انہوں نے سر اٹھایا۔

"کرنا کیا ہے اسے کہانی سے نکال دیتے ہیں۔ یوں بھی جتنے زیادہ کریکٹرز ہوں اتنی گنجلک پیدا ہوتی ہے اور قارئین بور ہو جاتے ہیں۔ میرا نہیں خیال رائٹر یہ چاہتی ہے کہ اس کے ریڈرز بور ہو کر اس ناول کو بند کر دیں اس لیے عمران کا قصہ یہیں ختم کرو اور پرواز بھرنے کی تیاری پکڑو۔"

حفیظ نے مسکراتے ہوئے انہیں سلیوٹ مارا۔

"لیس سر۔"

جہاں پاکستان میں سے چائلڈ لیبر کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی وہیں ہیومن ٹریفکنگ کے متعلق سنجیدگی سے سوچا گیا تھا۔ وقت کٹھن تھا اور اقدامات مشکل کیونکہ اس ملک کا بیشتر امیر طبقہ اور نام نہاد شرفاء و پولیٹیشنز اپنی امارت کے پیچھے اسی کام کو اپنائے ہوئے تھے لیکن پاکستانی حکام نے اب ان کے خلاف سخت سے سخت ایکشن لینا شروع کر دیا تھا تبھی تو جا بجا ریڈز مارے جا رہے تھے اور ملک میں کڑی سکیورٹی نافذ کر دی تھی۔

"کوبرا گینگ کے مین لیڈر جس بلڈنگ میں محصور ہیں اس کی شناخت ہو گئی ہے سر۔" حفیظ کنٹرول روم میں آیا تھا جہاں ڈھیر سارے کرسیوں پر بڑی سکرینز کے آگے بیٹھی اس کی فورس اس ملک پر نظر رکھے ہوئے تھی جہاں خلیفہ تبریز اور سمندر خان نے پناہ حاصل کی تھی۔ اگر انہیں لگتا تھا کہ "مرنے" کے بعد وہ آزاد ہو جائیں گے تو یہ ان کی سراسر غلط فہمی تھی۔ جال تو ان کیلئے بہت پہلے ہی بچھ چکا تھا بس اب شکاری کو کھینچنے کی باری تھی۔

"گڈ۔" حفیظ نے چائے کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

"اب بس ایجنٹ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ وہاں سے گرین سگنل ملنے کے بعد ہی اس آپریشن کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں گے۔"

آرڈر دینے کے بعد وہ ان تمام جگہوں کی بریفنگ لے رہا تھا جس کے بارے میں رخسانہ نے انہیں بتایا تھا۔ ان تمام جگہوں کو سیل کر دیا گیا تھا اور جتنے بھی لوگ وہاں سے برآمد ہوئے تھے انہیں ان کی فیملی تک پہنچا دیا گیا تھا۔ کچھ ایسے تھے جو بغیر شناخت کے تھے اور اب بھی ان کے پاس ہی تھے۔ رخسانہ سوچ رہی تھی کتنا اچھا ہوتا اگر وہ بھی ان لوگوں کے پاس ہوتی یوں سڑکوں پر رل تو نہ رہی ہوتی۔

"مجھے لگتا ہے پاکستان کی سڑکیں آپ کو خاصی پسند ہیں تبھی آپ ہر وقت یہیں پائی جاتی ہیں۔" دور سے ہی اسے پہچاننے کے بعد اسد نے گاڑی کو اس کے قریب روکا تھا۔ رخسانہ نے کالی چادر کا پلو منہ پر سے ہٹایا اور اس وجیہہ انسان کو اپنے پاس رکتے دیکھا۔

"اور مجھے لگتا ہے آپ کو یہ راستہ۔" وہ اس پر ہلکی چوٹ کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اسد اس کی بات پر قہقہہ لگا گیا۔

"آپ کا حس مزاح کافی اسٹرانگ ہے۔ آئیں میں آپ کو ڈراپ کر دوں۔" اپنی کار کی جانب اشارہ کرتے ہوئے وہ اس کے بالوں کی لٹوں کو چہرے پر لہراتے دیکھ کر چونک گیا۔ اس چونکاہٹ میں کچھ عجیب سا تھا جو اسد کے دل کی رفتار کو ہولے ہولے بڑھا رہا تھا۔ اس نے جلدی سے نظریں نیچے کرتے ہوئے ماتھے کو کھجایا۔

"میں آپ کی آفر کو قبول کر سکتی ہوں لیکن کیا آپ۔"

اس سے پہلے رخسانہ کی بات مکمل ہوتی ایک اور کار تھی جو ان کے قریب رکی تھی۔ اس سیاہ کار کے شیشے فولڈ ہوئے اور براق کا سر کھڑکی میں سے دکھا۔ وہ سیاہ گاگلز آنکھوں پر سے ہٹاتے ہوئے اسد کے بعد اس لڑکی پر نگاہ ڈال رہا تھا جو سیاہ چادر کو خود پر لپیٹے کھڑی تھی۔ ہوا کے دوش پر اس کی چادر کا پلو مچھلی کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ اسد نے رخسانہ کے تعاقب میں چہرے کو موڑا اور براق کو وہاں دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

"ہے ڈوڈ، تم یہاں۔" وہ فوراً سے اسے چھوڑ براق کی طرف آیا اور کار کی سطح پر ہاتھ رکھ کر جھک گیا۔

"اگر تم میسر ہو تو آؤ، مجھے تم سے اہم بات کرنی ہے۔"

اس کے چہرے پر پھیلی ہوائیاں اسد کا ماتھا ٹھنکا گئیں۔ اسد نے سیکنڈ میں اثبات میں سر ہلایا کہ واقعی اسے براق سے زیادہ کوئی عزیز نہیں تھا۔

"جاوید، آپ مس کو ان کی منزل پر چھوڑ آئیں، رخسانہ، ان پر یقین کریں یہ ایک قابل بھروسہ انسان ہیں آپ کو آپ کے گھر پر بحفاظت چھوڑ دیں گے۔"

رخسانہ کو وہیں کھڑا چھوڑ کر وہ عجلت میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھا اور سیٹ بیلٹ لگانے لگا۔ جب وہ سیٹ بیلٹ لگا رہا تھا تب براق کار کو رخسانہ کے پاس سے گزار کر لے جا رہا تھا۔ وہ تپتی دھوپ میں چلتی ہوا کے نیچے کھڑی اس کار کو دور جاتے دیکھ رہی تھی۔

"کیا پریشانی ہوئی ہے؟ تمہارے چہرے پر پھیلی گڑبڑاہٹ بتا رہی ہے جیسے کچھ بہت غلط ہوا ہے۔" وہ اس کے چہرے کو کھوجتے ہوئے ایک سانس میں پوچھ بیٹھا۔ براق کا ایک ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھا جبکہ دوسرا ماتھے کو سہلا رہا تھا۔

"ٹرکر آیا تھا۔" اس نے ونڈ سکرین پر نگاہ جمائے ہوئے کہا جس میں سے سورج کی تیز کمان سی شاعیں اس کی گریفائیٹ آنکھوں میں پڑ رہی تھیں۔ کان میں موجود گولڈن بالی ان شعاعوں کو کراس کرتے ہوئے اسد کی تھوڑی سے ٹکرا رہی تھیں۔

"کون آیا تھا؟" اسد کو لگا اسے سننے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔

"ٹرکر، ٹرکر سان۔" اس نے اسد کے چہرے کی طرف منہ کر کے واپس سیدھا کیا۔

"وہ ابھی آیا تھا اور مجھے بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہے وہ سولیم سے رابطہ کرے گا۔ آج نہیں تو کل وہ ضرور سولیم کے پاس جائے گا اور میں نہیں چاہتا کہ ایسا ہو اس لیے میں اسے پیسے دینے کا سوچ رہا ہوں۔"

اسد جانتا تھا براق کن کرائسز سے گزر رہا ہے۔ اس پر ٹرکر کا سولیم سے رابطہ رکھنا ضرور اور مشکلات کو بڑھانا ہے اس لیے اس نے وہ تجویز پیش کی جو ابھی اس کے دماغ میں آئی تھی۔

"میں پولیس سے کانٹیکٹ کرتا ہوں، ہم اتنی جلدی اس سے بلیک میل نہیں ہو سکتے۔ اس کے پاس تمہاری ویڈیوز ہیں یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ میرے خیال سے اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جن کے پاس تمہاری ویڈیوز ہوں گی۔"

اسد کی بات پر اس نے لب بھینچے تھے۔ ایک بہت بڑا ٹیک اوور کرنے کے بعد وہ ایف فائیو کی جانب اپنی کار کو موڑ رہا تھا۔

"وہ صرف ویڈیوز نہیں ہیں بلکہ میرے گناہوں کا پلندہ ہیں، سولیم مجھ سے اور نفرت کرنے لگیں گی۔"

اس نے احتجاج کیا تھا پھر گہرا سانس بھرتے ہوئے کار کو ایک سائیڈ پر روکا اور اسد کی طرف مڑا۔

"اس کے پاس اس رات کی ویڈیو ہے۔" اس نے لرزش بھری آواز میں کہا۔ اسد ان لفظوں پر ڈھیلا پڑا۔

"اور یقیناً تر کروہ ویڈیو ہی سولیم کو دکھائے گا اگر اس نے ایسا کر دیا تو میں مر جاؤں گا اسد!"

محبت کا کتنا بھیانک روپ اس کے سامنے آ رہا تھا۔ اس رشتے کے کیسے خطرناک موڑ تھے جو وہ دیکھ رہا تھا۔ دیکھ کر گھبرا رہا تھا۔ گھبرا کر اپنے دل میں تازہ تازہ کھلے کونپل میں جھانک رہا تھا جو ابھی بھی تازہ تھا۔

"کیا محبت اتنی بے اعتباری ہوتی ہے؟" اس نے یک لخت سوال کیا براق نے لبوں کو تر کیا۔

"یک طرفہ محبت بہت بے اعتباری ہوتی ہے اسد، بہت زیادہ۔" وہ اپنے سب سے اچھے دوست کے جھکتے چہرے کو آس و نراس سے تک رہا تھا جس پر سونے کے زرد ذرے فیری لائٹس کی طرح چمک رہے تھے۔

"کچھ کرتے ہیں تم فکر نہ کرو۔" اسد نے کہیں دور سے اپنی آواز سنی تھی۔

۞......۞......۞

اسد کے ساتھ دل ہلکا کرنے کے بعد وہ چور انداز میں گھر آیا تھا محتاط قدم تھے اور سنبھلتی ہوئی سانس، براق نے ٹی وی لاؤنج میں سے منی ہیسٹ کے کریکٹر کی آواز سنی تو اسے اندازہ ہو گیا کہ سولیم اندر ہے۔ تبھی کہنی پر بلیزر ڈالے وہ جلدی سے اس دروازے کو عبور کرتا ہوا سیڑھیاں پھلانگ کر او پر اپنے کمرے میں آیا جہاں عبداللہ چھوٹی سی سیٹ کی گئی میز پر جھکا کچھ کرنے میں مصروف تھا۔ اس کی پشت براق کی طرف تھی تبھی وہ اس کی آمد سے بے خبر تھا۔ پورے دن میں پہلی بار ایک الوہی سی مسکان براق کے لبوں پر آئی تھی۔ وہ دبے قدموں کے ساتھ چلتا ہوا عبداللہ کے نزدیک آیا اور جھک کر اس کے گرد ہاتھ باندھ لیے۔

"میرا بیٹا کیا کر رہا ہے؟" وہ اس کے شانے پر ٹھوڑی ٹکائے اس ڈرائنگ کو دیکھنے لگا جو عبداللہ بنا رہا تھا۔ پنسل سے اسکیچ بن چکا تھا بس اب رنگ بھرنے والے تھے اس میں۔

"ڈیڈی، میں آپ کو بنا رہا ہوں۔"

براق اسے چھوڑ کر دائیں سائیڈ پر آیا اور تھوڑا سا میز کے کنارے پر ٹکنے کے بعد اس کاغذ کو اٹھا کر آنکھوں کے سامنے کرنے لگا جس پر عبداللہ نے پینٹنگ بنائی تھی۔

"ہمم، آپ مجھے بنا رہے ہو دیکھتے ہیں۔" اس نے جیسے ہی اس اسکیچ پر غور کیا لبوں کی مسکان ویسے ہی ختم ہوئی تھی۔ اس نے تحیر کے عالم میں ڈوبتے ہوئے عبداللہ کی طرف دیکھا۔

"یہ۔۔ یہ میں نہیں ہوں۔" ایک پھندا سا تھا جو اس کے حلق میں اٹک گیا تھا کیونکہ یہ تصویر میچ کے دوران کی تھی جب وہ رنگ میں کھڑا اپنا بیلٹ سر سے اونچا کیے کھڑا تھا۔

"نہیں ڈیڈی، یہ آپ ہی ہیں۔ ایک سیکنڈ میں آپ کو دکھاتا ہوں بلکہ مجھے آپ سے کچھ سوالات بھی پوچھنے تھے۔" اپنی کرسی کو پیچھے کرتے ہوئے وہ میز کی دراز میں ہاتھ مار رہا تھا۔ تھوڑے سے تردد کے بعد ایک تصویر کو نکال کر اس نے براق کے سامنے کیا۔

"کل یہ تصویر ہمارے میل باکس میں سے نکلی تھی۔ یہ آپ ہی ہیں نا ڈیڈی، آپ ایک فائٹر تھے آپ نے مجھے بتایا کیوں نہیں؟"

براق کا پارہ چڑھتا جا رہا تھا۔ وہ سرخ چہرے اور بھینچے ہونٹوں کے ساتھ وہاں بیٹھا تھا۔

"عبداللہ، آپ مس گائیڈ ہوئے ہو، ہاں یہ سچ ہے کہ میں فائٹر ہوں۔ ہر کوئی ہوتا ہے لیکن اس تصویر میں جو انسان ہے وہ میں نہیں ہوں یہ کوئی اور ہی ہے۔ تصویر کو اتنا غور سے مت دیکھو عبداللہ، اپنے ڈیڈی کے لفظوں پر یقین کرو۔"

اس نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے تصویر لی اور اپنے غصے کو پس پشت ڈالتے ہوئے مسکرایا۔

"میں نے سوچا تھا آج میں آپ کے ساتھ فٹ بال کھیلوں گا لیکن مجھے لگتا ہے آپ کو اس میں دلچسپی نہیں۔"

اس نے نامحسوس انداز میں تصویر کو مروڑ کر مٹھی میں بند کیا۔

"نہیں ڈیڈی، میں کھیلوں گا اور ہم اسد انکل کو بھی بلائیں گے، میں اس بات پر یقین کر چکا ہوں کہ یہ تصویر آپ کی نہیں ہے جس طرح میں آپ کی طرح ہوں کوئی اور بھی ہو سکتا ہے، ہے ناں؟"

براق نے آہستہ سے سر اثبات میں ہلایا۔ بچوں کا یہی تو پلس پوائنٹ ہوتا ہے کہ وہ بہت جلدی اور بڑی آسانی سے بہل جاتے ہیں عبداللہ بھی بہل گیا تھا۔

وہ اپنی ڈرائنگ کو بھول کر پر جوش سا کھڑا ہو کر الماری میں سر دیے کچھ تلاشنے میں مصروف ہو گیا تھا۔ براق جانتا تھا وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے۔ اس نے اسد کو ٹیکسٹ کیا اور سیل کو میز پر رکھتے ہوئے نیچے آ گیا۔ ٹی وی لاؤنج میں سے ابھی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ براق نے اس کے دروازے پر رک کر مصنوعی سانس کا سپرے منہ میں کیا اور اندر آ گیا۔ سولیم کے ہاتھ میں پاپ کارن باؤل تھا جس میں سے ایک ایک کر کے وہ پاپ کارن کھا رہی تھی۔ ابھی اس کا ہاتھ منہ کی طرف گیا ہی تھا کہ اسے رک جانا پڑا۔ وجہ براق کا وہاں ہونا تھا۔ سولیم نے ایک نگاہ براق پر ڈالی اور پھر واپس اپنے سابقہ مشغلے میں مصروف ہو گئی۔

"اسد آ رہا ہے۔ آپ یہیں رہیں گی یا کمرے میں جائیں گی؟"

سولیم نے گردن کے پیچھے سے گزار کر دوپٹے کو آگے ڈالا ہوا تھا۔ ایسے جیسے لڑکے مفلر لیتے ہیں۔ بالوں کا ڈھیلا ڈھالا جوڑا بنائے آستینوں کو کہنیوں تک فولڈ کرتے ہوئے وہ بے نیازی اس کی بات سن رہی تھی۔

"فی الحال میں مووی دیکھ رہی ہوں۔" اس کے وجود کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے وہ ٹانگ پر ٹانگ جمائے

صوفے پر بیٹھی رہی۔ براق نے اثبات میں سر ہلا کر خود کو موڑا اور لاؤنج کے دروازے کے پردوں کو برابر کرنے لگا۔ ایسا کرتے ہوئے سولیم نے ایک نظر اس پر ڈالی تھی۔ پردوں کو اچھے سے برابر کر کے تسلی کرنے کے بعد وہ دروازہ بند کر کے باہر چلا گیا تھا۔ ہاں جاتے جاتے اسے ہدایت کرنا نہیں بھولا تھا جو کہ یہ تھی۔

"متوقع ہے کہ اسد اندر آئے اس لیے جب آپ کو کمرے میں جانا ہو تو مجھے بیل دے دینا۔"

وہ اب بھی اسے نہیں دیکھ رہی تھی۔ براق نے گہرا سانس بھرا اور وہاں سے چلا گیا۔ مووی ختم ہونے کے بعد اس نے کچھ دیر نیوز دیکھی تھیں۔ اس کے بعد وہ ٹی وی آف کر کے بیٹھ گئی۔ ابھی اس نے ٹی وی آف کر کے سیل فون اٹھایا ہی تھا کہ باہر سے شور وغل کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ وہ سیل فون کو ہاتھ میں پکڑے باہر آئی اور چلتی ہوئی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔ کمرے میں موجود بالکونی میں کھلتے شیشے کو سلائیڈ کرتے ہوئے وہ گرل تک آئی اور اس پر دونوں ہاتھ جما کر نیچے دیکھنے لگی۔ جہاں براق، اسد، عبداللہ اور طلحہ سماں باندھے ہوئے تھے۔ وہ سب یونیفارم میں ملبوس تھے جس کا کلر گہرا نیلا تھا۔ براق اور عبداللہ کی ٹیم تھی جبکہ طلحہ اور اسد دوسری ٹیم میں تھے۔ علیشہ ایمپائر کا رول نبھا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں موجود سیٹی وقفے وقفے سے بجنے میں مصروف تھی بیچاری سیٹی کی شامت!

"ڈیڈی، آپ مجھے ہرا دیں گے۔" عبداللہ طلحہ کے گول کرنے پر اونچی آواز میں چیخا تھا۔ سولیم نے اپنی کھڑی ناک کے ساتھ تھوڑا سا اور خود کو جھکا کر نیچے جھانکا جہاں براق دونوں گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ہانپنے میں مصروف تھا۔ وہ عبداللہ کے کہنے پر انہیلر کو شارٹس کی زپ میں سے نکال کر منہ میں سپرے کر رہا تھا۔

"ارے تمہارا یہ ڈیڈی بوڑھا اور ناکارہ ہو چکا ہے۔ یہ آل ریڈی تمہیں ہرا چکا ہے۔" اسد نے مزے سے ایک اور گول کرتے ہوئے کہا تھا جس پر علیشہ وہیں سے چیخی۔

"خبردار جو میرے براق انکل کو بوڑھا کہا تو۔ یہ جوان ہیں ماشاءاللہ سے۔"

اسد گیند کو انگلی پر گول گھماتے ہوئے اس کی بات سے محظوظ ہوا۔ براق ہاتھ کے اشارے سے ٹائم کی بات کر رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" عبداللہ اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ سولیم ان دونوں کو اندھیرے میں

کھڑی دیکھتی رہی۔

"میں تمہیں ہارنے نہیں دوں گا عبداللہ، ان کی تو ایسی کی تیسی۔" اپنی جگہ سے کھڑے ہونے کے بعد اس نے دونوں کندھوں کو اس انداز میں جھٹکا جیسے کبھی وہ رنگ میں جانے سے پہلے جھٹکتا تھا۔

"یووو۔۔"

عبداللہ بھاگتا ہوا میدان میں آیا جہاں براق واقعی اسد اور طلحہ کو ٹف ٹائم دے چکا تھا۔ اس نے وقفے وقفے سے تین گول کیے تھے جوان باپ بیٹے کو جتوا گئے تھے اور اب وہ سب گھاس پر چت لیٹے آسمان کو تکنے میں مگن تھے۔ سویلم ان کے اس طرح لیٹنے سے فوراً پیچھے ہٹی تھی۔

"معافی میں بہت طاقت ہوتی ہے ڈاکٹر، چاہے پھر اس کیلئے دل پر پیر ہی کیوں نہ رکھنے پڑیں۔" وہ جھولے پر آ کر بیٹھ گئی تھی۔ آج کے سیشن میں ہوئی اس ڈھلتی عمر والی عورت سے باتیں اس کے دماغ میں گونجنے لگیں۔

"میں نے اس انسان کو معاف کر دیا جو کوٹھوں پر اپنے شب و روز گزارتا تھا۔ اللہ نے اس کیلئے ندامت کا در کھولا تھا یعنی اسے ایک موقع دیا تھا سدھرنے کا۔"

وہ آہستہ آہستہ جھولے کو ہلا رہی تھی۔ اندھیری بالکونی میں جڑے لبوں کے ساتھ بیٹھی وہ نجانے کیا کھوجنے میں مگن تھی۔

"اب میں خوش ہوں مطمئن ہوں۔"

اس نے آسمان پر نگاہ دوڑائی۔ وہی آسمان جو نیچے لیٹے چاروں کی نظروں کا مرکز تھا۔ سویلم نے فون کو آنکھوں کے سامنے کیا۔

"متوقع ہے کہ اسد اندر آئے اس لیے جب آپ کو کمرے میں جانا ہو تو مجھے بیل دے دینا۔"

اس نے سیل فون کا لاک کھولا اور میسجز میں جانے لگی۔ اس کے پاس براق کا نمبر سیو نہیں تھا۔ جو لوگ اسے پسند نہیں ہوتے تھے وہ ان کے نام کو اپنے سیل فون میں بھی رکھنا پسند نہیں کرتی تھی اس لیے اس نے براق کا نمبر سیو نہیں کیا تھا۔ میسجز والا فولڈر کھول کر اسے زیادہ نیچے جانا نہیں پڑا تھا ہر روز کی طرح آج بھی براق کا میسج اسے علی

الصبح آیا تھا جو کہ نئی صبح مبارک کا تھا۔ سولیم نے وہاں سے اس کے نمبر کو کال لوگ کی طرف منتقل کیا اور بٹن پر ہاتھ رکھ دیا۔

"یار، یہ تو سراسر چیٹنگ ہے، دھاندلی ہوئی ہے ہمارے ساتھ، اچھے بھلے ہم جیت رہے تھے۔" طلحہ زمین پر چت لیٹا اکتایا ہوا سا بولا۔ وہ براق کے ایک میسج پر اپنا آفیشل ڈنر چھوڑ کر آ گیا تھا اور اب ہارنے کے بعد پچھتا رہا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔

"میرے ڈیڈی سے کوئی نہیں جیت سکتا۔" براق کے ہاتھ پر سر رکھے لیٹا عبداللہ اترا کر بولا تھا۔ طلحہ اس کی بات پر یکدم مڑا اور کہنی پر سر ٹکا کر بولا۔

"کتنے فلپ ہو تم اپنی بڑی ماما کی طرح، بجائے اس کے، کہ تم میری دلجوئی کرو، میرے زخموں پر اور نمک چھڑک رہے ہو عبداللہ میں تمہیں اپنا فرمانبردار بیٹا کہتا تھا۔"

"ہاں ہاں منا لینے دو انہیں اس معمولی جیت کا مزہ۔ یہ دونوں بھول رہے ہیں کہ ہم نے کئی بار ان کو دھول چٹائی ہے۔" اسد طلحہ کے جلے کٹے انداز پر فوراً سے بولا تھا۔ آج کی اچانک ہار پر تو وہ خود بھی حیران تھا لیکن کہیں دل کے اندر اسے بہت خوشی بھی ہوئی تھی کہ اس کا جگری یار آج اپنی اولاد کی خاطر فارم میں آیا اور ہاری ہوئی بازی جیت لے گیا۔ سچ میں اس میں آج بھی وہ گٹس ہیں۔

"عبداللہ، جلنے کی بو کتنی زیادہ آ رہی ہے نا؟ ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی بہت بری چیز جل رہی ہے۔"

براق نے اسد اور طلحہ کے سامنے عبداللہ کا مسئلہ رکھا تھا تب سے وہ ہر ویک اینڈ پر ایک فٹ بال میچ رکھتے تھے۔ اس بارے میں بھی انہیں طلحہ سے ہی معلوم ہوا تھا کہ عبداللہ کو فٹ بال میچ بہت پسند ہے۔ پچھلے کچھ مہینوں سے وہ یہ میچ کھیلتے آ رہے تھے۔ پہلے عبداللہ کا ذہن بٹانے کی غرض سے کھیلتے تھے پھر ان کا خود ہی اس میں انٹرسٹ ڈویلپ ہو گیا تھا تبھی ہار بہت بری طرح کھل رہی تھی۔

"ہاں، لوگوں کی خوش فہمیاں۔" یہ طلحہ تھا جس پر دعا کا اچھا خاصا رنگ چڑھ گیا تھا۔ اس سے پہلے براق اسے جواب دیتا اس کی کا سیل تھرتھرا اٹھا۔ وہ عبداللہ کو طلحہ کے بازو پر منتقل کر کے اپنی ٹی شرٹ درست کرتا اٹھا اور کچھ فاصلے پر رکھی میز پر پڑا اپنا سیل فون اٹھا لیا۔ نام پڑھ کر اس نے اچانک اندر کی طرف دیکھا تھا۔

"یار، آپ لوگ بیٹھو میں ابھی آتا ہوں۔"

وہ دونوں سمجھ گئے تھے اس لیے کوئی جواب نہیں دیا۔ طلحہ کے دل میں سوال مچل رہے تھے لیکن عبداللہ کی موجودگی میں وہ ان کو پوچھنا نہیں چاہتا تھا اس لیے براق کو اندر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ براق نے مین ڈور کو کراس کیا اور ٹی وی لاؤنج کی طرف آیا جہاں سے ابھی بھی آوازیں آ رہی تھیں۔ بس فرق اتنا تھا کہ اب کی بار نیوز کاسٹر کی آواز تھی جو گونج رہی تھی۔

"آ جائیں سولیم۔" وہ دروازے کو کھولتے ہوئے اندر آیا اور اسے دیکھتے ہوئے بولا جو صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھے بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر کھڑی ہوئی اور چھوٹے قدم اٹھاتی اس کے پاس آئی۔

"تمہارا سانس کیوں پھولا ہوا ہے؟" وہ نہیں جانتی تھی ایسا کیوں پوچھ رہی ہے مگر وہ پوچھ رہی تھی اور پوچھ کر براق کو حیرت کے سمندر میں غلطاں کر رہی تھی۔

"شاید میچ کھیلنے کی وجہ سے۔"

وہ اس کے نزدیک آ کر رک گئی۔ براق نے سولیم کی بادامی آنکھوں میں اپنی گریفائیٹ آنکھیں ڈالیں۔ اسی لمحے، بالکل اسی لمحے براق کے دل نے بیٹ مس کی تھی۔ اس کے دل کی رفتار تیز ہوئی۔ اتنی تیز کہ اسے لگا اس کی آواز سولیم تک پہنچ جائے گی بلکہ سولیم ہی کیوں ٹی وی لاؤنج سے باہر لاؤنج میں، اس سے باہر پورچ اور پورچ سے بائیں مڑتے ہی آتے گارڈن میں موجود طلحہ اور اسد تک بھی اس کے دل کی آواز چلی جائے گی۔ ان سب کو چھوڑو بلکہ اس پورے عالم میں اسے لگ رہا تھا اس کی دھڑکنوں کا ارتعاش گونج رہا ہے۔

"تم پینتیس کے ہو اور میرا نہیں خیال کہ کوئی پینتس کی عمر کا آدمی اس قدر نحیف ہوتا ہے کہ اسے ایک میچ تھکا دے۔ فار شور تمہارے اندر کا نظام بگڑ چکا ہے۔"

براق نے اوپری ہونٹ دانتوں میں پکڑ کر سر کو جھکایا تھا۔ جھکا کر اس نے آنکھیں اوپر کو اٹھائیں۔

"آپ نے وہی کہا ہے جو ڈاکٹرز کہتے ہیں۔" اسے سولیم کا یوں باز پرس کرنا کتنا اچھا لگ رہا تھا یہ صرف وہی جانتا تھا۔ یہ ایک ہیلدی ٹاک تھی جو ان دونوں کے درمیان ہو رہی تھی ورنہ تو وہ اس کی شکل دیکھنے کی روادار نہیں تھی۔ براق کے دل کی دھڑکنیں پر لگا کر اڑنے لگیں۔

"تو پھر تم نے اس بارے میں کیا سوچا ہے، کیا ساری زندگی ایسے ہی رہو گے؟ تم ایک فائٹر تھے اور فائٹر نوے کی عمر بھی چست رہتے ہیں، کیا نہیں رہتے؟"

اس کی آنکھوں میں ادب تھا۔ انداز میں وہ احترام تھا جو کسی بہت ہی معتبر انسان کیلئے ہوتا ہے اور سولیم اس کیلئے معتبر ہی تو تھی۔

"اچھا سوچا ہے، میرا علاج چل رہا ہے۔"

"براق یار، کہاں رہ گیا؟"

اسد کی آواز پر برق رفتاری سے سولیم کے آگے آیا تھا۔ سولیم اس کے اس طرح سامنے آنے سے من بھر کی ہوگئی۔ کیا زندگی تھی جس سے چھپتی پھرتی تھی، جس سے پردہ داری تھی، جس کو اپنا ناخن دکھانے کے لائق بھی نہیں سمجھتی تھی آج وہی، ہاں وہی انسان صرف اس کے دیدار کا حق دار ہو گیا تھا۔ وہی تھا جو محرم کے درجے پر فائز ہو کر اسے بے بس کر گیا تھا۔ وہ انسان جس سے چھپنا چاہتی تھی اسے اپنی اوٹ میں کیے اس کا محافظ بنا کھڑا تھا۔ آہ یہ زندگی اور اس کے تلخ ایکسپیرئنس! اپنے وجود کی باڑ میں اسے چھپاتے ہوئے وہ مڑا تھا۔ سولیم جو اس کو غور سے سن رہی تھی اچانک اسد کی آواز سن کر گھبرائی۔ اس سے پہلے وہ دوپٹے کو سر پر ڈالتی براق کے خود کے سامنے تن کر کھڑے ہونے پر وہ ٹھہر سی گئی تھی۔ براق کی چوڑی پشت کے پیچھے وہ مکمل طور پر چھپ گئی تھی۔ اس کی پشت کے پیچھے جس نے اسے اس کے اپنوں کے سامنے رسوا کر دیا تھا۔ اس انسان کی باڑ میں کھڑی تھی جو کبھی اس کیلئے گندے ارادے رکھتا تھا۔ وہی انسان جو اب اس کا شوہر تھا اور اسے اپنے بھائیوں جیسے دوست کی نظر سے بچا رہا تھا۔ آنکھوں میں بیساختہ امڈتی نمی اور دھڑکتے دل کے ساتھ وہ براق کو خود کے انتہائی قریب کھڑے دیکھ کر نظریں جھکا گئی۔ وہ اس کے اتنے نزدیک کھڑا تھا کہ سولیم کی ناک اور براق کی پشت میں آدھ انچ کا بھی فاصلہ نہیں تھا۔ سولیم کی سانسیں براق کی سفید شرٹ کو ہلا رہی تھیں۔

"میں یہیں ہوں کہا تو تھا انتظار کرو آتا ہوں۔" اس کے لفظ درشتی میں لپٹ گئے تھے۔ محسوس کیا جانے والا غصہ تھا اس کے لفظوں میں۔

"کیا ہو گیا ہے، تپ کیوں رہے ہو دس منٹ سے غائب ہو اس لیے آیا ہوں۔" آنکھ مارتے ہوئے وہ

جان بوجھ کر نروٹھے لہجے میں بولا۔ براق نے آنکھیں پھیلائیں۔

"ہاں تو ٹھیک ہے نا آ رہا ہوں میں، جاؤ۔" اسد کی شرارت کو بھانپتے ہوئے اس نے تنبیہہ لہجہ اختیار کیا۔ وہ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں باز آ جانے کیلئے وارن کر رہا تھا۔

"میں کیوں جاؤں بھلا، بھابھی کہاں ہیں؟" وہ دو قدم آگے بڑھا تھا۔ براق اچانک سے پیچھے ہوا۔ ایک قدم پیچھے کرتے ہی وہ سویلم کے ساتھ ٹکرا گیا تھا۔ براق نے فوراً سے ہاتھ پیچھے کو کیا۔ اس ہاتھ نے سویلم کی کلائی کو تھاما تھا۔ ایک سیکنڈ میں ایسا لگ جیسا پورا عالم سناٹے میں آ گیا ہو۔ سب کچھ پاؤس ہو گیا ہو۔ حتیٰ کہ سانسیں بھی، دل کی وہ دھڑکن بھی جو سائرن بجاتی محبتوں کی وادی میں پرواز کن تھی۔ براق کے چہرے کا رنگ اڑا۔ اسد اس کے بدلتے رنگ دیکھ کر ہونٹوں میں ہنسی کو بھینچتے ہوئے واپس مڑ گیا تھا۔ جاتے جاتے اس نے براق کو وی دکھایا تھا جس نے اسد کے جاتے ہی سویلم کا ہاتھ چھوڑا اور مڑ کر کہا۔

"ایم سوری، میں ڈر گیا تھا کہیں آپ گر نہ جائیں۔" سویلم اسے دیکھے بنا وہاں سے نکلی تھی۔ براق نے اسے پریشان کن نگاہوں سے جاتے دیکھا۔ شاید وہ اس سے ناراض ہو گئی تھی۔ آج تو اسد کی خیر نہیں۔

☆......☆......☆

"ایسے کیسے مر گیا وہ؟ کس نے شوٹ کیا اسے؟" سمندر خان کے ماتھے پر سے پسینہ پھوٹ پڑا تھا جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کا وہ سنائپر مارا گیا ہے جس کو انہوں نے خلیفہ کو ختم کرنے کیلئے ہائر کیا تھا۔

"معلوم نہیں خان، بس یہ پتا ہے کہ جس وقت وہ خلیفہ پر نشانہ تانے بیٹھا تھا عین اسی لمحے اسے کسی نے اپنی گولی کا نشانہ بنا لیا۔" وہ رمیز تھا جو جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے خان سے مخاطب تھا۔ ہاں وہی رمیز جو خود کو خلیفہ کا وفادار کہتا تھا، جس کے دعوے دوستی کو لے کر بہت بڑے بڑے تھے آج وہی رمیز سمندر خان کے ساتھ مل کر ڈبل کراس کھیلتے ہوئے خلیفہ کو ختم کرنے کا منصوبہ بنا رہا تھا اور اس نے ایسا اس لیے کیا تھا تا کہ وہ پاور اور رتبہ جو خلیفہ کو حاصل ہے اس کے ختم ہونے کے بعد اسے مل جائے، کون ہوتا ہے گناہوں کی دنیا میں وفادار، کون نبھاتا ہے ایسے کاموں میں عہد وفا۔ یہاں پر سب کو صرف ایک چیز چاہیے ہوتی ہے اور وہ ہوتی پاور۔ ان کے نزدیک پاور ہے تو سب کچھ ہے۔ پاور کے آگے کچھ نہیں حتیٰ کہ خونی رشتے بھی اس پاور کے آگے بے مول ہو جاتے ہیں۔

اگر ایسا نہ ہوتو کیوں جھوٹے مرڈر کیسز سامنے آئیں؟

"اسے ہم پر شک تو نہیں ہو گیا؟" سمندر خان نے جوڑ توڑ کرتے ہوئے جھٹ سے کہا۔

"ہو ہی نہیں سکتا، میں اسے اس بات پر قائل کرنے کی کوشش کر چکا ہوں کہ آپ اسے اپنا سب کچھ مانتے ہیں۔وہ سب پر شک کرسکتا ہے لیکن آپ پر نہیں۔"

رمیز نے گھورتی نگاہ خان کی نئی سیکرٹری پر ڈالی جو ساشا کی سیٹ کو بخوبی سنبھال چکی تھی۔وہ لڑکی اسے شروع دن سے ہی پسند تھی تبھی اس پر ایک نگاہ غلط ڈال کر اس کے لب پھیلے تھے۔ہک نے بھی جوابی کارروائی کی اور اصل کے ساتھ سود والا کام کرتے ہوئے مسکرانے کے ساتھ آنکھ بھی ماردی۔

"تم اچھا کام کررہے ہو رمیز، اور مجھے پورا بھروسہ ہے کہ تم جلد ہی خلیفہ کی جگہ سنبھال لو گے۔" اس کے ہاتھ میں آس کا جگنو تھماتے ہوئے ان کے چہرے پر کرب کے آثار رقم تھے۔جو بھی تھا خلیفہ ان کا فیورٹ تھا۔

"میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا خان، یہ بتائیں اگلا لائحہ عمل کیا اختیار کرنا ہے؟" وہ بلاشبہ خلیفہ کی موت کی بابت پوچھ رہا تھا۔وہ سب اس وقت خان کے کمرے میں تھے جہاں سرخ چادر سے ڈھکے بیڈ پر خان نیم دراز تھے۔ان کے دائیں طرف ہک بیٹھی ہوئی تھی جبکہ رمیز گول بیڈ کے سامنے کھڑا ہوا تھا۔اس کے عقب میں سنہری کشیدہ کاری والا دیوار گیر سفید دروازہ تھا جو اس وقت بند تھا۔

"یہ کام آسان نہیں ہے رمیز، اگر ہوتا تو آج وہ زندہ نہ ہوتا۔"

" کون زندہ نہ ہوتا خان؟" اچانک دروازہ کھول کر خلیفہ اندر آیا تھا۔بوٹل گرین شرٹ کے کف لنکس بند کرتے ہوئے وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ ان سب پر افتاد کی طرح نازل ہوا تھا۔رمیز اس کے آنے پر بوکھلایا تھا مگر اس نے اپنی بوکھلاہٹ پر لگام لگائی اور مڑا مڑ کر اس پر نظر ڈالی جو کف لنکس بند کرنے کے بعد ان تینوں کو سر اٹھا کر دیکھنے لگا تھا۔اس کے ماتھے پر ڈھیر ساری لائنز بن گئیں۔

"سب ٹھیک ہے؟" رمیز دانت نکالتا ہوا آگے بڑھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے بس ہم مخالف پارٹی کے آدمی کو ڈسکس کررہے تھے۔تم آؤ۔"

خلیفہ نے اپنے کھلے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے اکٹھا کیا اور کلائی میں بندھی سپرنگ پونی میں انہیں جکڑ لیا۔

بھورے بالوں میں وہ سیاہ پونی دور سے بھی دیکھی جا سکتی تھی۔ خلیفہ صوفے پر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر بیٹھا اور اسے جھلاتے ہوئے ان تینوں کو چندھی آنکھوں سے تکنے لگا۔

"اٹلی کے کچھ لوگ ہیں جو کل ہم سے ملنے آنے والے ہیں۔ انہیں کچھ بچے اور لڑکیاں درکار ہیں، سائنٹسٹ ہیں اور کچھ ایکسپیرمنٹس کرنا چاہتے ہیں۔ پاکستان سے چونکہ ہم خالی ہاتھ آئے تھے تو جو یہاں کا مال ہے وہ انہیں دے دیتے ہیں۔ پارٹی تگڑی ہے منافع کروڑوں کا ہونے والا ہے۔"

سمندر خان نے اس کی بات کو خاموش نگاہوں سے سن کر رمیز کے ساتھ نظروں کا تبادلہ کیا۔ یہ نظروں کا تبادلہ خلیفہ کی عقاب سی نگاہوں سے مخفی نہ رہ سکا۔ وہ مسکرا دیا۔

"صحیح ہے۔ جیسا تم کہو گے ویسا ہی ہوگا۔ رہی پاکستان کی بات تو میں نے آرڈر دے دیا ہے۔ کچھ دنوں بعد وہاں کام پھر سے شروع ہو جائے گا اور ویسے ہی ہوگا جیسے پہلے ہوا کرتا تھا۔"

خلیفہ ان کی بات پر چونکا۔ ٹانگ پر سے ٹانگ اتاری اور صوفے پر تھوڑا آگے ہو کر بیٹھ گیا۔

"آپ نے حکم دے دیا مگر کب؟"

سمندر خان نے ایک بار پھر سے رمیز کی طرف اچٹتی نگاہ ڈالی جواب خلیفہ کے ساتھ جگہ بنا کر بیٹھ گیا تھا۔

"میرے خیال سے میں حکم دے سکتا ہوں اس میں اتنی حیرانی کی بات نہیں ہے۔" سیاہ سلک کے نائٹ سوٹ میں گورے گلابی سمندر خان خلیفہ کو اس وقت بہت اجنبی لگے۔ اسے ان میں سے وہ وائبز آئیں جو اسے اپنے دشمنوں میں سے آتی ہیں۔

"بلاشبہ یہ سچ ہے لیکن شاید آپ بھول رہے ہیں۔ اس یونٹ کا اہم مہرہ میں ہوں تو میرے الفاظ بھی خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ میں نے کہا تھا پاکستان میں حالات ابھی درست نہیں۔ وہاں کام شروع کرنا اپنے کریئر کو مکمل طور پر ڈبانے کے مترادف ہے۔ میرے خیال سے یہ ایک احمقانہ عمل تھا۔"

سمندر خان اس کی بات سن کر سیخ پا سے اپنی جگہ سے ہٹے۔ انہوں نے خود کی ٹانگوں پر ڈلی سرخ چادر کھینچ کر اتاری جو اڑتی ہوئی تک کے گھٹنوں پر جا گری۔ وہ بارود بنے خلیفہ کے سر پر پہنچے اور اونچی آواز میں دھاڑے۔

"یعنی تم مجھے احمق کہہ رہے ہو؟ ہاں تم نے ابھی یہی کہا تمہاری جرأت بھی کیسے ہوئی مجھے اس طرح سے

مخاطب کرنے کی، اپنی اوقات مت بھولو تم۔"

رمیزان کے بھڑکنے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ ان کا بازو تھامے کول ڈاؤن رہنے کا کہہ رہا تھا جبکہ ہک سینے پر بازو باندھے بڑے مزے سے اس سین کو انجوائے کر رہی تھی۔ خلیفہ نے صوفے کی بیک پر بازو پھیلائے اور آبرو اچکاتے ہوئے خان کو دیکھا۔

"خان، خان، خان۔" وہ کھڑا ہوا۔ خان سے لمبا چوڑا اور جوان۔

"مت ظلم کرواپنے آپ پر، آپ جانتے ہو اس عمر میں اس طرح سے دھاڑنا پھیپھڑوں کیلئے کتنا مضر ہے اور جس حساب سے آپ الکوحل کا استعمال کرتے ہو آپ کو تو زیادہ خیال رکھنا چاہیے اس بات کا۔ نہیں؟"

"اور ویسے بھی میں آپ کو احمق نہیں کہہ رہا تھا۔ آپ کے حکم کو احمق کا درجہ دیا ہے میں نے کیونکہ وہ، وہی تو تھا ایک طفلانہ عمل۔"

اس نے اپنی شیری سی چمکتی سنہری آنکھیں تھوڑی چند حکمران کی بغاوت سے لبریز آنکھوں میں ڈالیں۔ کون کہہ سکتا تھا یہ وہی آنکھیں ہیں جن میں کبھی خلیفہ کیلئے محبت کا سمندر موجود ہوتا تھا۔ ہا محبت، بکواس۔

"اپنی حد میں رہو تام سن۔"

ان کی آواز پورے کمرے میں گونج اٹھی۔ اس آواز کی پچ اتنی زیادہ تھی کہ رمیز کے کان میں سیٹیاں بجنے لگ گئیں۔ اس سے پہلے خلیفہ کچھ کہتا اچانک سے وقت نے پلٹا کھایا تھا۔ وہ جہاں کھڑا تھا وہاں کھڑا نہیں رہا بلکہ وہ تو اس دور میں پہنچ گیا تھا جس نے اسے اس طرح بنایا تھا۔ اس نے دیکھا وہ سمندر خان کے کمرے میں نہیں بلکہ یہ ہائی سکول کی کلاس ہے جہاں وہ خود کو کھڑا ہوا دیکھ رہا ہے۔ وہ نیچے کھڑا ہے جبکہ پرانا خلیفہ قطار در قطار رکھی بینچز میں سے چوتھے نمبر کے بینچ کے پاس۔ وہ اونچائی پر کھڑا تھا۔ اس نے ڈینم کی ہڈ والی گرے رنگ کی جرسی پہنی ہوئی تھی۔ دونوں کندھوں پر سیاہ بیگ لٹکایا ہوا تھا اور گرے ہی رنگ کی جینز تھی جو نظر آ رہی تھی۔ یہ والا خلیفہ چھوٹے بالوں کا حامل تھا۔

"اپنی حد میں رہو تام سن، تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی میری منگنی میں مداخلت کرنے کی۔"

سیاہ سلک سے بالوں کی درمیان کی مانگ نکالے انہیں کانوں کے پیچھے اڑسائے وہ لڑکی اپنی جنرل کو سینے

سے لگائے کھڑی تھی۔ غصہ اس کی چھوٹی سی ناک کا مکین تھا۔

"اینا، وہ لڑکا صحیح نہیں ہے۔" ٹام سن کی احتجاجی آواز نیچے کھڑے خلیفہ نے سماعت پھٹتے ہوئے سنی تھی۔

"تو پھر کون صحیح ہے، تم، وہ انسان جو اتنی چھوٹی سی عمر میں دو لوگوں کا قاتل ہے، جو نشے کرتا ہے، جس کا کردار بھی برا ہے اور ارادے بھی، مت بھولو میری دوست نے تمہارے ساتھ شرارت کی ہے۔ مجھے تمہاری کوئی مدد درکار نہیں۔ میرے ڈیڈ میری جہاں منگنی کر رہے ہیں وہ اس دنیا کا سب سے اچھا انسان ہے۔ سمجھے تم۔" اینا کے منہ سے اس طرح کے الفاظ سننے سے بچنے کیلئے ہی تو وہ اس سے چھپتا پھرتا تھا۔ دور دور سے اسے دیکھتا تھا اور دل کو بہلا لیتا تھا لیکن جب سے اسے اینا کے ہونے والے منگیتر کے بارے میں معلوم ہوا وہ اس سے بات کرنے سے رہ نہ سکا۔ وہ خود کو نہیں روک پایا تھا اس کے سامنے آنے سے۔ شاید وہ روک لیتا تو آج اتنی تکلیف نہ ہوتی۔

"میں نے ایسا کب کہا کہ میں صحیح ہوں، جانتا ہوں جو میں ہوں وہ کوئی اور نہیں ہو سکتا۔" اس کا چہرہ جھک گیا تھا۔ جھک تو آواز بھی گئی تھی تبھی بمشکل سنائی دی۔

"بالکل ٹھیک کہا تمہاری طرح بزدل کوئی نہیں ہو سکتا۔ اب میں چاہے کرپٹ انسان سے منگنی کروں یا بچوں کے باپ سے، تمہارا دخل اندازی کرنے کا کوئی حق نہیں بنتا۔"

وہ موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو سموئے تیز تیز سیڑھیاں پھلانگتی نیچے اتری تھی۔ یہ وہ انسان تھا جس کے خواب اینا نے خوامخواہ سجا لیے تھے۔ اس کی خود میں دلچسپی اسے آپ ہی آپ ٹام سن کے قریب لے گئی تھی مگر ٹام سن کی بزدلی، اس کی چپ اور اس کے ریکارڈ نے اینا کے چھوٹے سے دل میں کئی زخم ڈال دیے تھے۔ وہ بیس کی سرحد کو چھوتا لڑکا اپنی چندھی ہوئی آنکھوں سے اس سیاہ سلکی بالوں والی کو سیڑھیاں اترتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کے اترنے کے انداز کی وجہ سے بالوں میں لہریں بن رہی تھیں جو اس بیس سال کے لڑکے کے دل کو پھیرنے کیلئے مچل رہی تھیں۔ خلیفہ نے دیکھا وہ لڑکا اس کے پیچھے بھاگا ہے۔ بھاگنے کے دوران وہ بول بھی رہا تھا۔

"اینا، میں تم سے شادی کیلئے تیار ہوں، ہم کہیں دور چلے جائیں گے۔ میں چھوڑ دوں گا وہ سب جو تم چاہتی ہو۔" بیگ کو سنبھالتے ہوئے وہ اس کے سامنے آیا تھا جو اب خلیفہ سے بس کچھ ہی فاصلے پر کھڑی تھی۔

"تم نے کیا کہا؟" حیرت کے غوطے لیتے ہوئے وہ استفسار کر رہی تھی۔ٹام سن نے زبان سوکھے ہونٹوں پر پھیری۔

"میں گناہوں سے توبہ کرلوں گا اور تمہیں لے کر یہاں سے چلا جاؤں گا۔یقین کرو میں ہمیشہ سے ایسا نہیں تھا۔اتھما نے مجھے ایسا بنا دیا ہے اور موسیٰ کا قتل میں نے صرف اس لیے کیا تھا تاکہ وہ تمہیں مزید ہراس نہ کر سکے۔" گردن جھکائے اعتراف کرتا ہوا وہ خلیفہ کو زہر لگا تھا۔اگر وہ آج یہ اعتراف اس چھوٹی سی لڑکی کے آگے نہ کرتا تو آج وہ نہ ہوتا جو وہ ہے۔

"اب یہ ممکن نہیں ٹام سن،امید کرتی ہوں زندگی میں آگے تم کبھی دیر نہیں کرو گے۔میں تمہارے لیے نہیں ہوں۔" بے مروتی کی انتہا کو پار کرتے ہوئے وہ مڑ گئی تھی۔ٹام سن نے چہرہ اوپر کو اٹھایا اور لبوں کو جنبش دی۔

"اینا،کیا تم میرے بنا رہ پاؤ گی؟"

اس لڑکی نے دل پر پتھر رکھا اور بول کر اپنے عقب میں کھڑے لڑکے کے جذباتوں کو کچل گئی۔

"ہاں،میں رہ لوں گی۔آخر کو زندگی نام ہی اس چیز کا ہے۔"

وہ اس کا نام پکارتا ہوا آگے بڑھا تھا۔

"اینا۔"

ایک ٹھوکر اسے لگی تھی۔وہی ٹھوکر اسے ماضی سے حال میں لے آئی جہاں اس کی آنکھوں کے سامنے سمندر خان کھڑے تھے۔ان کے پیچھے ان کی سیکرٹری اور سائیڈ پر رمیز۔

"میں اپنی حد میں ہی ہوں خان لیکن شاید آپ حد بھول گئے ہیں۔یاد رکھیں خلیفہ ہے تو آپ ہیں،خلیفہ ہے تو یہ مقام ہے۔یہ کام چل رہا ہے نہیں تو طغیانی میں ڈولتی اس کشتی کے مقدر میں غرق ہو جانا تھا۔"

ماضی کی تلخی کو لفظوں میں سموئے وہ سرخ آنکھیں ان پر گاڑ کر چلا گیا۔خان اس کے انداز پر مٹھیاں بھینچتے رہ گئے۔لبوں کو آپس میں ملائے وہ پھولتے تنفس کے ساتھ رمیز کو تک رہے تھے۔وہ کیا سوچ رہے ہیں یہ جان کر رمیز نے حیرت سے آنکھیں پھیلائیں۔

"سچ میں خان؟" اس کی آواز دور کھائی سے سنائی دی تھی۔خان نے اٹل لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔سچ میں اس لڑکی کو اعتماد میں لو اور جلد از جلد ختم کرواؤ اس باغی کو۔"

ہنہہ لک ہوز سینگ جو سب سے بڑا غدار تھا۔

☆......☆......☆

"تمہیں ہوش میں دیکھ کر دل کو یک گونہ سکون محسوس ہوا ہے۔ کیا تم بتا سکتے ہو کون ہو اور یہاں کس طرح پہنچے؟"

لیرا برآمدے میں اس کے سامنے کرسی پر بیٹھی تھی۔ سفید پردے دیواروں کے ساتھ بندھے تھے اور وہاں سے نیلے ندی اور سبزے کو آسانی سے دیکھا جاسکتا تھا۔ اس کھلے برآمدے میں سے پانی ملی ہوا اندر داخل ہو کر لیرا کے بالوں کو ہلا رہی تھی۔ وہ ان کو کانوں کے پیچھے اڑستے ہوئے اس سے مخاطب تھی جس کے ہاتھ میں مٹی کا پیالہ تھا اور وہ اس میں موجود شوربے کو چمچ سے منہ میں ڈال رہا تھا۔

"مجھے کچھ یاد نہیں۔" اس کی بھاری آواز ہوا کے ساتھ ملتی ہوئی لیرا کے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ اس آواز کی شیرینی اور لوچ میں کھوسی گئی۔ (کاش تمہیں کبھی یاد نہ آئے)

"مجھے افسوس ہے اس بات کا لیران، بلاشبہ تم ایک حسین مرد ہو۔" گلوز سے سجے ہونٹوں پر مسکان ابھارے وہ اس کے سر کو دیکھ رہی تھی جہاں دو ہفتوں بعد چھوٹے چھوٹے بال نکل آئے تھے۔ ماتھے پر ابھی بھی چوٹوں کے نشان تھے اور چہرہ اس کی وجہ سے تھوڑا سا بگڑا ہوا۔ ایسا اس لیے تھا کیونکہ زخم تازہ تھے۔

"کیا میرا نام لیران ہے؟" شوربے سے لبریز چمچ کو منہ میں لے جاتے ہوئے وہ اس لڑکی کی بات پر چونکا تھا۔ اپنی گھنی پلکوں والی آنکھوں کو جنبش دے کر اسے دیکھا جو شانے اچکا رہی تھی۔

"پتا نہیں یا شاید ہاں۔"

وہ چند ثانیے اسے تکتا رہا۔ لیرا اس کے تکنے کے انداز سے پزل ہوئی۔

"ایسے مت دیکھو، مرد کا ایسا دیکھنا اچھا نہیں ہوتا۔" بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑستی ہوئی وہ اس کی سیاہ آنکھوں میں ڈوبنے سے پہلے سنبھلی۔ اس لڑکے کی نگاہوں کی تپش قطرہ قطرہ اسے پگھلا رہی تھی۔

"لیرا۔" سوچ میں مغلوب آواز ایسی تھی کہ لیرا کو لگا وہ انسان اسے تباہ کرنے دنیا میں اترا ہے۔ اس کا چہرہ

سرخ ہوا۔ وہ سرخ چہرے کے ساتھ پلکیں اٹھا کر اسے سننے لگی جو کہہ رہا تھا۔
"پچھلے سات دنوں سے جب سے میں ہوش میں آیا ہوں مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی چیز ہے جس کی مجھے ضرورت ہے۔ میرے ہونٹ خشک ہو رہے ہیں اور بدن میں چونٹیاں دوڑ رہی ہیں۔ کیا تم بتا سکتی ہو وہ چیز کیا ہے؟"
اور وہ مر جاتی اسے کبھی نہ بتاتی کہ اسے کس چیز کی ضرورت ہے۔ بھلا وہ کیسے اسے دوبارہ نشے کا عادی بنا سکتی تھی۔ اچھا تھا جو وہ سب بھول بیٹھا تھا۔
"مسکراہٹ کا پتا ہے؟" وہ اس بیساختہ سوال پر مٹی کے پیالے کو نیچے رکھ گیا۔ لیرا اس کے یوں تھم جانے پر منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسی تھی۔
"مسکراہٹ کی کمی ہے تم میں اور اسی چیز کی ضرورت ہے۔ مسکراؤ گے تو یہ سب علامتیں ظاہر نہیں ہوں گی۔" وہ اس ہنستی ہوئی لڑکی کی بات سے متفق نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں میں سوالات کنڈلی مارے بیٹھے تھے۔ وہ جانتا تھا جو وہ لڑکی کہہ رہی ہے ایسا کچھ نہیں ہے۔
"جھوٹ مت بولو۔ جھوٹ بولتے ہوئے اچھی نہیں لگ رہی تم مجھے۔۔۔ مجھے کسی چیز کی طلب ہو رہی ہے مجھے وہ چاہیے۔" اچانک بالکل ایک سیکنڈ میں ہی وہ آدھ بھرے پیالے کو زمین پر پٹخ کر چیخا تھا۔ اس سے پہلے وہ خود کو زخمی کرتا لیرا نے اس کے ہاتھ سختی سے تھام لیے۔
"تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے لیران۔ تم مسکراؤ گے تو یہ طلب ختم ہو جائے گی۔" وہ برق رفتاری سے اس مسہری سے ننھی زنجیروں کو لیران کے ہاتھوں کے گرد جکڑ رہی تھی جو خاص اس صورتحال کیلئے یہاں باندھی گئی تھی۔ وہ زور زور سے سر اور پیر پٹختے ہوئے چیخ رہا تھا۔
"نہیں یہ سب جھوٹ ہے۔ مجھے۔۔۔ مجھے وہ چاہیے۔"
لیرا نے اسے بڑی مشکل سے قابو کیا۔ زنجیروں میں قید لیران کی جینز کے پائنچے اور پیٹ سے شرٹ اس مزاحمت کے سبب اوپر ہو چکی تھی۔ وہ تیز تیز سانس لیتے ہوئے خود پر جھکی اس لڑکی کو سرخ آنکھوں سے دیکھ رہا تھا جو اونچی آواز میں چیخی۔

"تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے لیران۔ میں نے کہا تمہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔" آنکھوں کو میچتے ہوئے وہ گردن کی رگیں پھلا کر دھاڑی۔ لیران کا سینہ ابھی بھی سانس لینے کے سبب اوپر نیچے ہو رہا تھا۔ وہ لڑکی اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے جھکی ہوئی تھی اس کے بال لیران کے سینے پر گرے تھے اور چہرہ ناک کے قریب تھا۔

"تم آئندہ خود کو نقصان نہیں پہنچاؤ گے۔ تم پینک نہیں ہو گے۔" گزشتہ سات دنوں سے وہ خود کو اسی طرح اذیت میں مبتلا کر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ میں وہ نارمل ہوتا تھا تو دوسرے میں یونہی بے قابو ہونے لگ جاتا تھا اور خود کو زک پہنچا دیتا تھا۔ اب بھی اس کے بازو سے خون رسنے لگ گیا تھا۔

"تم جانتی ہو نا میں نہیں رک سکتا۔ مجھے تکلیف ہوتی ہے لیرا، پلیز میری تکلیف دور کر دو۔ میں جانتا ہوں تم ایسا کر سکتی ہو۔" وہ آنکھوں میں آنسو سموئے خود پر جھکی اس لڑکی کو کہہ رہا تھا جو اس کے اس طرح التجا کرنے سے ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹی تھی۔ ہٹتے ہی وہ مڑ گئی۔ اس کی پکار کو نظر انداز کر کے وہ اپنی جیپ میں آ کر بیٹھی اور درشت انداز میں اسے سڑک پر ڈالنے لگی۔

"لیرا، لیرا، میری مدد کرو لیرا، پلیز میری مدد کرو۔" وہ اس کی دوہائیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے لب بھینچے تیز رفتاری میں جیپ کو دوڑا رہی تھی۔ اس کے دماغ میں جھکڑ چل رہے تھے اور آنکھیں پانیوں کی آماجگاہ بنی ہوئی تھیں۔ پر پیچ راستوں کو پیچھے چھوڑنے کے بعد وہ ایک گیٹ کی اور لے جانے لگی۔ قبل اس کے وہ قریب آتی اسے دیکھ کر ہی دروازوں کو فراخ بخش دیا گیا تھا۔ لیرا اس میں سے جیپ کو گزارتی آگے بڑھی اور ایک جگہ بریک لگا کر چھلانگ لگا کر اس میں سے اتری۔

"دوپہر مبارک ہو لیرا۔" ناک کی سیدھ میں چلتے ہوئے وہ اس طرح کے بیشمار الفاظ سن رہی تھی۔ اس نے سیڑھیوں کو پھلانگنے کے بعد یوٹرن لیا اور ایک دروازے کو دھکیل کر اندر آ گئی۔ سامنے ہی بڑی ساری کرسی پر خلیفہ تبریز آنکھوں پر عینک سجائے بیٹھا تھا۔ وہ لمبے ڈگ بھرتی اندر آئی اور میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر غصے میں چیخی۔

"کیا تم مجھے بتاؤ گے یہ سب تماشا کب ختم ہو گا؟"

خلیفہ نے آہستہ سے نگاہ صفحے پر سے ہٹائی اور فوریسٹ لیڈی کو فرصت سے دیکھا جو سلیولیس بٹنوں والے

مٹی رنگ کے ٹاپ اور جینز میں ملبوس تھی۔اس کے نیلی لٹوں والے بال کلائیوں کو چھو رہے تھے جن میں سلور کڑے پہنے گئے تھے۔خلیفہ نے اس کے انداز پر فائل کو میز پر رکھا اور سینے پر ہاتھ باندھ لیے۔

"کس تماشے کی بات کر رہی ہو؟" وہ لیرا کی ناک کی بالی کو دیکھ رہا تھا جو روشنی کو رفلیکٹ کرتی چمک رہی تھی

"اوہ کم آن خلیفہ،تمہارے منہ سے اس طرح کی باتیں سوٹ نہیں کرتیں۔تم اچھے سے جانتے ہو میں کس بارے میں بات کر رہی ہوں۔" طیش اب بھی اس کے انگ انگ سے پھوٹ رہا تھا اور پھوٹتا بھی کیوں نا، لیران کی حالت تھی ہی ایسی کہ وہ اس سے زیادہ غصے کا مظاہرہ کرتی۔

"اس بارے میں سوال تم اپنے باپ سے کرو۔یہ کام اس کی مرضی کے مطابق چلتا ہے۔" وہ سمندر خان کے بارے میں کہہ رہا تھا۔لیرا اس کی پتا نہیں کون سی بیوی میں سے تھی لیکن اپنی تمام اولادوں میں سے سمندر خان کو بیحد پیاری تھی۔وجہ اس کا نڈرپن اور ذہین ہونا تھا۔اپنی ماں کے مرنے سے پہلے تک وہ ساشا کا کام سنبھالے ہوئے تھی۔چھوٹی سی عمر میں ہی وہ اس کام میں ماہر ہوگئی تھی لیکن جونہی اس کی ماں نشے کی لت سے اس جہاں کو چھوڑ کر گئی لیرا نے بھی اپنے باپ کے کام کو خیر باد کہہ دیا۔اس کے نزدیک رشتے اہم تھے یہ کام نہیں۔اسی درد کو محسوس کرتے ہوئے اس نے کئی احتجاج کیے تھے کہ اس کا باپ یہ کام چھوڑ دے مگر اس کے سارے احتجاج مٹی کا ڈھیر ثابت ہوئے۔

"میرا باپ کس کے اشاروں پر چلتا ہے یہ میں اچھے سے جانتی ہوں۔پلیز خلیفہ ختم کرو اس کھیل کو اور کتنی محبتوں کو اس آگ میں جھونکو گے۔" وہ مضبوط لڑکی روہانسی ہوگئی تھی۔ہوتی بھی کیوں نا،خلیفہ کے ٹھکرانے پر دل میں جو سوراخ ہوئے تھے وہ ابھی تو بھرنے شروع ہوئے تھے۔ان کی بھرائی کا کام لیران نے ہی تو کیا تھا جو ان لوگوں کے ظلم کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گیا تھا۔ہاں وہ جانتی تھی کہ لیران کو خلیفہ نے ہی محصور کیا ہوا تھا اور وہ اسی کے بندے تھے جو لیران کو درخت کے نیچے چھوڑ گئے تھے۔وہ ان دونوں آدمیوں کو پہچان کر ہی سب جان گئی تھی۔تبھی لیران کو اس نے سب سے مخفی رکھا ہوا تھا ورنہ کیا ہونا ہے اس کی خبر اسے تھی۔

"ہاہاہا۔۔۔یو میڈ مائی ڈے (تم نے میرا دن بنا دیا) کیا لیرا کبھی کبھی تم دل کو خوش کر دیتی ہو۔بائی دا وے تمہاری یہ سوچ انتہائی طفلانہ ہے کہ اگر ہم نے اس کام کو ترک کر دیا تو لوگوں کی محبتیں برباد ہونے سے بچ جائیں

گی" وہ سینے پر ہاتھ باندھے کرسی کو جھلاتے ہوئے اس لڑکی کے اجڑے چہرے کے پیچھے موجود کہانی کو پڑھنے کی سعی میں تھا جس پر ہزار پردے ڈالے گئے تھے۔ لاکھ بھی ڈل جاتے خلیفہ اس کو کھوج لے گا کہ جس چیز میں اسے دلچسپی ہو جاتی تھی پھر وہ اس کی نظر سے بچ جائے ناممکن۔

"محبتیں ویسے بھی برباد ہو جایا کرتی ہیں لیرا، ان کو برباد کرنے کیلئے ایک عمل ہی کافی ہوتا ہے، ایک لفظ یا ایک سوچ۔" وہ جانتی تھی خلیفہ پاکستان سے کسی لڑکی کو لے آیا ہے اور دعویٰ کرتا ہے کہ وہ اس کی بیوی ہے۔ اسے دکھ ہوا تھا یہ جان کر کہ خلیفہ کو محبت ہو گئی۔ اس نے تو دل سے دعا کی تھی کہ اس سنگدل کو کبھی محبت نہ ہو۔ آہ۔۔ یہ رد ہوتی دعائیں بھی نادل کو بہت ٹھیس پہنچاتی ہیں۔

"خلیفہ، انسان اپنے گھر سے ہی شروع کرتا ہے نیکی یا بدی اس کی شروعات وہ وہیں سے کرتا ہے جہاں اسے یقین ہوتا ہے کہ اس کے عمل کو غور میں لایا جائے گا اس لیے میں تم لوگوں کو یہ کہتی ہوں پلیز خان کو کہو، یہ سب چھوڑ دے۔ تم کہو گے تو وہ مان جائیں گے۔" میز پر سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے وہ سیدھی ہوئی تھی۔ اس کے لہجے میں غصے کی جگہ التجا گھل آئی تھی۔ خلیفہ کو اس کا ملتجی لہجہ محظوظ کر گیا۔

"بات فقط اتنی ہے لیرا کہ اب میں وہ نہیں جو میں تھا اور خان اب وہ نہیں جو وہ تھے۔ وقت کا چکر دیو پلٹ چکا ہے، طوفان کے اندیشے ہیں اور کہانی بدلنے والی ہے۔ ہو سکتا ہے یہ جو چینج آ رہا ہے یہ تمہاری خواہش کی تعبیر ہو۔" دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسائے گرے سوٹ میں ملبوس خلیفہ تبریز اپنے لفظوں کے دھاکوں سے اس کے کانوں میں سیٹیاں بجا گیا۔ وہ دونوں بھنوروں کو آپس میں ملائے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

"یہ کیا کہا تم نے، کیا تمہارے اور خان کے بیچ کچھ ہوا ہے؟" وہ جانتا تھا لیرا خان کو ناپسند کرنے لگی ہے تبھی اس کے آگے وہ سب بول دیا جو اس کا دل کر رہا تھا بولنے کو۔ اس نے ہاتھوں کی انگلیوں کو آزاد کیا اور اپنی جگہ چھوڑ کر میز کے پیچھے سے نکلا۔ لیرا اسے گردن ٹیڑھا کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔

"ابھی تک تو نہیں ہوا اور دعا کرو ہو بھی نہ ورنہ۔۔" اس نے بات کو دانستہ درمیان میں چھوڑ دیا۔ اس سے پہلے لیرا کے لب ہلتے کلک کی آواز سے دروازہ کھلا تھا۔ وہ معروش حبیب تھی جو دروازے کے فریم میں نمودار ہوئی تھی۔ لیرا نے پورا مڑ کر اسے لڑکی کو تکا جس کے سر پر سرخ رومال بندھا تھا اور جو خلیفہ کے دیکھنے پر اس سے کہہ

رہی تھی۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے خلیفہ۔اٹس ارجنٹ۔" کہتے ہی اس نے دروازے کو بند کر دیا۔لیرا نے خلیفہ کی اور زخمی مسکان سجا کر دیکھا۔

"تو یہ ہے وہ۔"

خلیفہ ان سنی کرتے ہوئے میز پر سے گھڑی اٹھاتا مڑ گیا تھا۔باہر آ کر اس نے یہاں وہاں نگاہیں گھمائیں تو معروش کو ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑے پایا جس پر دو سفید گھوڑے بنے ہوئے تھے اور ان گھوڑوں کی آنکھوں میں کیمرے نصب تھے۔وہ ان کیمروں پر نگاہ ڈالے اس کی منتظر تھی جو سائیڈ پر آ کر رکا تھا۔

"کہو، کس لیے یاد کیا؟" وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے سوال کر رہا تھا۔معروش کو اب اتنی اجازت تھی کہ وہ با آسانی اس بلڈنگ میں پھر سکتی تھی۔

"مجھے سمندر خان نے کہا ہے کہ میں تمہیں ختم کر دوں۔" اپنی بات پوری کرنے کے بعد وہ نظروں کا زاویہ بدل گئی تھی۔اس نے دیکھا خلیفہ کے چہرے پر کسی بھی قسم کے تاثرات نہیں ہیں۔وہ نارمل کھڑا تھا بالکل ایسے جیسے کچھ دیر قبل تھا۔

"دلچسپ، اس کیلئے انہوں نے کون سا طریقہ تجویز کیا ہے؟" وہ اتنے اشتیاق سے پوچھ رہا تھا جیسے یہاں اس کی نہیں کسی اور کی بات ہو رہی ہے۔معروش الجھن آمیز انداز میں اسے تکنے لگی۔

"انہوں نے کہا تھا میں تمہیں گلے لگاؤں اور اس کے بعد یہ سلائی تمہاری گردن کی پشت میں چبھو دوں۔ اس سے یقیناً تم مر جاؤ گے۔" وہ ہاتھ کو آگے کر کے بند مٹھی کو کھولے کہہ رہی تھی جس پر ایک کرسٹل کی ڈبیا تھی اور اس کے اندر فوم میں دھنسی ہوئی سونے سی چمکتی باریک سلائی۔خلیفہ نے بے صبرے بچے کی طرح اس ڈبیا کو اٹھا کر کھولا اور اس سوئی نما سلائی کو آنکھوں کے سامنے کر کے دیکھنے لگا۔اس سوئی کی اور خلیفہ کی آنکھوں کی رنگت بالکل ایک جیسی تھی۔

"تو پھر تم نے کیا کہا؟" وہ سوئی کتنی زہریلی تھی یہ وہی جانتا تھا۔معروش جان جاتی تو کبھی اسے نہ لیتی۔اسے اپنی وہ تمام قربانیاں یاد آ گئیں جو اس نے سمندر خان کیلئے دی تھیں۔

"میں نے انہیں انکار کردیا۔" معروش کے جواب پر وہ جھٹکا کھا کر اسے دیکھنے لگا۔ ماتھے پر سلوٹیں تھیں اور آنکھوں میں استفہام۔ دودھیا روشنی پھینکتے بلب کے نیچے کھڑا وہ انسان تحیر کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"تم نے ایسا کیوں کیا؟ تمہارے پاس تو نادر موقع تھا یہاں سے رہائی کا۔ تم جانتی ہو جب تم میرے قریب آتی ہو تو میں تمام جمع تفریق بھول جاتا ہوں، فراموش کر دیتا ہوں کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں۔"

معروش کے نچلے دانتوں پر اوپری دانتوں کا وزن بڑھنے لگا تھا۔ وہ اس کی سونے کی پرت میں ڈوبی آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں گاڑ کر ایک قدم آگے آئی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر کہنے لگی۔ وہ جو کہہ رہی تھی وہ یہ تھا۔

"میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ مجھے تم سے حقیقت جاننی تھی؟"

خلیفہ نے اس ڈبی کو مٹھی میں جکڑا۔ معروش کا انداز ویسا ہی تھا جیسے پاکستان میں ہوا کرتا تھا۔

"کس قسم کی حقیقت؟" وہ بھول گیا تھا کہ اندر لیرا اس کی منتظر ہے۔ معروش سے بات کرتے ہوئے وہ اس قسم کی چیزیں بھول ہی جایا کرتا تھا۔

"نوفل کی، یہ بات تم بھی جانتے ہو اور میں بھی کہ جو تم کہہ رہے ہو وہ سچ نہیں ہے۔ تم نوفل نہیں ہو۔" معروش کے اتنے وثوق سے کہنے پر وہ نفی میں سر ہلا گیا۔

"تمہاری سوئی یہاں سے کبھی نہیں ہٹنی ڈیر وائفی، سپیس دے کر شاید میں نے غلط کیا، تمہیں اپنے روم میں شفٹ کروں گا تبھی یقین کرو گی میں ہی تمہارا حق دار ہوں۔۔۔ سلی یو۔"

تضحیک کے رنگ خود پر چڑھائے وہ مڑ گیا تھا۔ معروش دانت کچکچائے کھڑی رہی۔ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ کوئی ان کی باتیں غور سے سن رہا ہے۔ سن کر ان کے درمیان موجود حائل تلخی کو بڑے گہرے طریقے سے آبزرو کر رہا ہے، کر کے دماغ میں منصوبے بن رہا ہے، کوئی بہت خوش ہے۔

لیرا بہت خوش ہے۔

☆......☆......☆

ڈھلتے سورج میں وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ گول میز پر سبز رنگ کا مشروب پڑا ہوا تھا

جس میں موجود سٹرا نسوانی ہاتھوں کی زد میں آتے ہوئے تواتر سے ہل رہا تھا، گول گول چکر کھا رہا تھا۔ رخسانہ سلنڈر نما بند جار میں جس کی کیپ چیک دار تھی کے اندر موجود سٹرا کا وہ حصہ جو باہر نکلا ہوا تھا کو ہلا رہی تھی۔ اس کے ہاتھ کی حرکت میں اضطراب تھا اور چہرے پر تفکر کی شکنیں۔ اس سب کے برعکس اسد بڑے کول انداز میں گول گلے والی بھوری ٹی شرٹ پر ویسے ہی رنگ کا بلیزر پہنے اسے تک رہا تھا۔ اس کے لبوں پر مسکان تھی۔ وہی مسکان اس کے لفظوں میں بھی گھلی تھی جو کہ یہ تھے۔

"اتنا سوچنا سانے، جو زیادہ سوچتا ہے وہ کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔" اپنے پیٹ کو میز سے لگائے اس نے منٹ مارگریٹا کا سپ بھرا۔ بھرتے ہوئے اس گھنگھریالے بالوں والی لڑکی کو دیکھ رہا تھا جو پرسوچ انداز میں نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"یہ ممکن نہیں، میں اس قابل نہیں ہوں کہ شادی جیسے بندھن میں بندھ سکوں۔ آپ کسی اور کو ڈھونڈ لیں، مجھے چھوڑ دیں۔" اس کے عقب میں بہت سارے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ یہ ایک اوپن ائیر ریسٹورنٹ تھا جہاں وہ ست رنگی چھتریوں کے نیچے کرسیاں سنبھالے ہوئے تھے۔ رخسانہ کے پیچھے بڑی بڑی چوٹیاں سبزے میں ڈھکی نظر آتی تھیں۔ اسد انہی چوٹیوں کے اوپر سے سورج کی سنہری چادر کو سرکتے دیکھ کر بولا۔

"اگر ایسا ہے تو میں تو پھر زیرو ہوں کیونکہ پیار، محبت، شادی یہ سب مجھے افسانوی باتیں لگتی ہیں۔" وہ ہنسا تھا۔ "براق کہتا ہے کہ میں ایک بنجر انسان ہوں جس کی کوئی خواہش نہیں حالانکہ وہی سب سے زیادہ میرے لیے پریشان ہوتا ہے۔ اگر اسے میں بتا دوں کہ میں تمہیں پروپوز کر چکا ہوں تو یقین کرو پہلے میرا سر پھاڑے گا اس کے بعد پورے اسلام آباد میں مٹھائیاں تقسیم کروائے گا۔"

اپنے دوست کے تذکرے پر اس کا چہرہ الوہی مسکراہٹ سے سج گیا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بیساختہ اس سے پوچھ بیٹھی۔

"معلوم ہوتا ہے جیسے آپ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہو۔"

اسد نے گہری سانس بھری۔

"درست کہا، میں براق کیلئے بہت اہم ہوں۔ وہ مجھے مجھ سے زیادہ چاہتا ہے۔" اس نے بات ختم کرنے

کے بعد جھولتی لٹ کو اپنی نظروں کے حصار میں رکھا تھا۔اس لٹ کی وجہ سے ہی اس کی نظریں پھسلیں اور اپنے قریب آتی سولیم پر جا پڑیں۔اسد اسے دیکھتے ہی کھڑا ہوا تھا جو ڈارک پرپل رنگ کا عبایہ زیب تن کیے اس کے سر پر آ کھڑی ہوئی۔

"اسد، یہ تم ہی ہو نا؟" اپنا زنجیر والا پرس میز کی سفید سطح پر رکھ کر وہ اس لڑکی کو نگاہوں کے حصار میں لے رہی تھی جو مرون رنگ کے کپڑوں میں ملبوس تھی۔بھوری چادر اس کے بھورے بالوں پر جم کر ایک جیسی ہی لگ رہی تھی

"جی، یہ میں ہی ہوں۔آپ یہاں خیریت۔" وہ بوکھلا سا گیا تھا۔یہاں وہاں نظروں کو گھماتے ہوئے لبوں کو کاٹ کر اس نے پھیکی مسکان چہرے پر سجائی تھی۔

" کیا میں یہاں نہیں ہو سکتی؟" پتا نہیں یہ اس کا رعب تھا یا عزت کا درجہ جو وہ شرمندہ سا ہو رہا تھا۔سولیم کی نگاہیں اب بھی اس لڑکی پر ہی تھیں۔

" نہیں بھابھی، آپ تو ہر جگہ ہو سکتی ہیں۔آئیں بیٹھیں میں آپ کیلیے۔۔۔"

" کچھ منگوانے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ کرسی کو کھینچ کر اسے بیٹھنے کا کہہ رہا تھا سولیم کھڑی رہی بیٹھی نہیں اس لیے اس کی بات قطع کرتے ہوئے بولی۔

"میں یہاں ایک کلائنٹ کو ڈیل کرنے آئی تھی۔تمہیں دیکھا تو چلی آئی کیا میں نے غلط کیا؟ ہیلو لڑکی، مجھے سولیم شفیق کہتے ہیں۔یہ میرے دیور ہیں۔"

اسے جواب دینے کے بعد وہ بالآخر رخسانہ سے مخاطب ہو ہی گئی تھی۔وہ سر ہلاتے ہوئے مسکرا دی۔

"میں رخسانہ ہوں۔" اس کی مدھم سی آواز ابھری تھی۔اسد خجل سا ہنس دیا۔

"یہ میری دوست ہیں اور۔" سولیم کو اچانک اس کے پزل ہونے پر ہنسی آئی مگر وہ کنٹرول کر گئی۔ابھی کچھ دیر قبل جب وہ یہاں سیشن سے فارغ ہوئی تھی تو اس کی نگاہ دور بیٹھے اسد پر پڑ گئی جو ایک لڑکی کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا۔سولیم اسے چندھی آنکھوں سے دیکھے گئی۔اچانک اس کے دل میں شرارت ابھری تبھی وہاں یہاں پہنچ گئی۔

"اسد، اس کے بعد گھر آنا تم۔بات کرنی ہے تم سے۔" اپنی نظروں میں کاٹ پیدا کرتے ہوئے وہ ان

دونوں کو دیکھتے ہوئے پلٹی تھی۔اسد تو اس کی نظروں سے مغموم ہو کر رہ گیا تھا۔اس کے پلٹتے ہی بیٹھا۔اس میں تو اتنی بھی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ اسے چھوڑنے کا کہہ دے۔

"آپ ٹھیک ہو؟" رخسانہ کے بیساختہ کہنے پر وہ پہلے نفی میں اور پھر اثبات میں سر ہلا گیا۔

"پتا نہیں براق کیسے گزارا کرتا ہے ان کے ساتھ، میرا بیچارہ دوست۔" وہ ہولے سے منمنایا تھا۔

"کچھ کہا؟" رخسانہ کو اس کی حالت ٹھیک نہیں لگی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں آپ پروپوزل پر غور کیجئے گا۔" جوس کو پیتے ہوئے اس کے دماغ میں ابھی بھی سویلم کا سراپا گھوم رہا تھا جو اس کے دل کو بے چین کر گئی تھی۔وہی سویلم اپنا پرس سنبھالتے ہوئے نقاب کے پیچھے سے مسکراتی ہوئی اپنی کار کا دروازہ کھولنے لگی جب اچانک کوئی اس کے دائیں سائیڈ سے آیا تھا۔اس نے بازو سے نگاہیں اس آنے والے کے چہرے پر ڈالیں اور پھر اسے ایسا لگا جیسے ساری دنیا گھوم گئی ہو۔ایک بڑا سارا گول چکر کھا کر دنیا رکی تھی۔اس کی آنکھیں ساکن ہوئیں اور سانس تھم گیا۔

"ہیلو ڈاکٹر، کیسی ہو؟" وہ ٹرکر تھا جو چیونگم چباتے ہوئے اپنی اندر کو دھنسی آنکھیں اس پر گاڑے پوچھ رہا تھا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" اس کی آواز میں درشتی گھل گئی۔ٹرکر نے فوراً سیز فائر والے انداز میں ہاتھ کھڑے کیے۔

"کیا ڈاکٹر، تم تو ابھی بھی دبنگ ہو۔ مجھے تو لگا تھا اس رات کے بعد۔" اس نے دانستہ بات درمیان میں چھوڑی تھی۔سویلم نے اچانک ہاتھ کی مٹھیاں بنائیں۔

"بکواس بند کرو اپنی اور آئندہ میرے راستے میں آنے کی کوشش بھی مت کرنا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" اپنی لمبی مخروطی انگلی کھڑی کیے وہ شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھور کر بولی تھی۔پارکنگ لاٹ میں چھائے گہرے سکوت میں اس کی دبی آواز بھی گونج گئی۔

"اچھا تو آپ کیلئے نہیں ہونے والا، خیر دھمکی دینے نہیں آیا ہوں بس یہ کہنے آیا ہوں کہ آپ کل مجھ سے مل رہی ہیں۔اگر نہ ملیں تو واللہ واقعی اچھا نہیں ہونا۔" آنکھ کا کونا دباتے ہوئے وہ الٹے قدموں مڑا۔سویلم نے گاڑی میں بیٹھنے کے بعد جھٹکے سے دروازہ بند کیا تھا۔اس کے دماغ میں سوچوں کے جھکڑ چلنے لگ گئے۔بھلا ٹرکر

کس رات کی بات کر رہا تھا؟ کہیں وہ۔۔۔ نہیں نہیں ایسا بالکل بھی نہیں ہو سکتا وہ کچھ نہیں جانتا۔

خود کو تسلیوں کی ڈور تھما کر وہ گھر آئی جہاں براق، عبداللہ اور دعا زور و شور سے لڈو کھیلنے میں مگن تھے۔

"السلام علیکم۔" سولیم نے اونچی آواز میں سلام کیا تھا جس کا مشترکہ جواب ان تینوں نے ہی دیا۔ وہ نقاب کو منہ سے الگ کرنے کے بعد وہیں بیٹھ گئی۔ میز پر رکھے جگ اور گلاس میں سے اس نے پانی پیا اور ان دونوں کو دیکھنے لگی جو ایک دوسرے سے بری طرح الجھ رہے تھے۔

"عبداللہ! آپ کے چار نمبر آئے ہیں۔ آپ پانچ پر رکھ رہے ہو آپ کیسے میری گوٹ کو جیل میں ڈال سکتے ہو۔" سفید شرٹ کے بازو کہنیوں تک فولڈ کیے وہ ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"ڈیڈی! دو نمبر سے میں نے اپنی گوٹی پکائی تھی اس کے بعد باری چلنے پر میرے تین نمبر آئے ہیں تو پانچ ہوئے نا۔ آپ کیا کر رہے ہیں گوٹ پٹنے پر اتنا ہائپر کیوں ہو رہے ہیں۔" وہ شرارتی ہنسی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔ براق کا چہرہ سرخ تھا اور وہ لبوں کو بھینچے نفی میں سر ہلا رہا تھا۔

"ہو ہی نہیں سکتا۔ آپ کے تین نہیں دو نمبر آئے تھے۔ آپ خالہ بھانجے میرے ساتھ مل کر چیٹنگ نہ کریں۔ میں بتا رہا ہوں درمیان میں چھوڑ دوں گا گیم۔" اپنی نیلی گوٹ کو گھر میں پٹختے ہوئے وہ غصے سے لال پیلا تھا۔ یہ اس کی آخری گوٹ تھی جو پٹ کر واپس اندر جا رہی تھی تاکہ باقی تینوں کے ساتھ مل کر اندر پارٹی کرے۔ دعا اور عبداللہ اپنی ایک ایک گوٹ پکا بھی چکے تھے اور ایک وہ تھا جس کا ابھی تک توڑ بھی نہیں ہوا تھا اور چاروں کو قید کروا چکا تھا۔ وہ مان گیا لڈو اس کے بس کی بات نہیں۔ ہاں شطرنج لگاتے تو پھر بتاتا وہ کہ جیت کسے کہتے ہیں۔

"چچ، چچ، چچ کیا براق، اپنی ہار کو تسلیم نہ کرنے کا اچھا بہانا ڈھونڈا ہے۔" دعا کی آواز پر سولیم نے اس کے آسودہ چہرے کو تکا۔ آج پھر اسے دعا کا براق کو اس کے نام سے پکارنا اچھا نہیں لگا تھا اور اس سے زیادہ ناگوار اسے خود کا اگنور کیا جانا لگا۔ وہ کب سے وہاں بیٹھی تھی۔ مجال تھی جو کوئی اس سے بات بھی کر لے حتیٰ کہ عبداللہ نے بھی اسے روز کی طرح آ کر ہگ نہیں دیا تھا۔ وہ پیچ و تاب کھاتی ان سب کو یونہی چھوڑ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ بالوں میں برش کر رہی تھی جب براق دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

"سولیم، عبداللہ کی میڈیسنز ختم ہو گئی ہیں۔ آپ بتائیں ریپیٹ کروانی ہیں وہ یا پھر نئی رکمنڈ کریں گی؟" اس

نے آئینے میں براق کا عکس دیکھا جو قدم قدم چلتا آگے آ رہا تھا۔ وہ ایک مقام پر آ کر رک گیا۔ اس کی کھڑی ناک کے اوپر جڑی آنکھیں سولیم کی پشت پر گرے بالوں پر جم گئی تھیں۔ سولیم اس کی محویت پر اپنا ہاتھ ساکن کر گئی۔

"میں اس بارے میں سوچوں گی۔" سولیم کی بیزار سی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے جھٹ سولیم کے سراپے کو شیشے میں دیکھا۔ اس کا چہرہ بجھا سا پریشان دکھتا تھا۔

""سب ٹھیک ہے؟""

وہ اچانک اس کی بات درمیان میں قطع کر گئی۔ "سب ٹھیک ہے براق شاہ، اور اگر تم اس کمرے سے چلے جاؤ گے تو اور بھی بہتر ہو جائے گا۔" برش کو ٹیبل پر رکھتے ہوئے وہ مڑی تھی۔ براق اس کے اس اجنبیت بھرے لہجے اور تلخی میں ڈوبے انداز پر خجل سا ہوا۔

"آپ فکر نہ کریں میں نہ صرف آپ کے کمرے سے جا رہا ہوں بلکہ اس گھر سے بھی جا رہا ہوں۔ اگلے ہفتے میری لندن کی فلائٹ ہے پھر کب آؤں معلوم نہیں۔ ہو سکتا ہے آؤں ہی نا۔"

شانے اچکاتے ہوئے وہ نارمل انداز میں کہہ رہا تھا۔ بظاہر تو وہ نارمل تھا لیکن اندر جو توڑ پھوڑ ہو رہی تھی نا وہ اس کے گلے میں آہستہ آہستہ درد آمیز گولا بنا رہی تھی۔ سولیم کے چہرے کے تاثرات اس کی بات پر اچانک بدلے۔

"اس سب کا کیا مطلب ہے؟" اسے خود کی آواز سنائی دی تھی۔ براق نے نچلے لب کو جکڑتے ہوئے چھوڑا۔

"میں نے سوچا ہے مجھے آپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہیے اس لیے میں سب کچھ چھوڑ کر واپس جا رہا ہوں۔ موم ڈیڈ سے بات کی تھی ان کا ابھی وہاں سے آنے کا ارادہ نہیں ہے اس لیے میں نے طلحہ سے بات کر لی ہے۔ وہ آپ لوگوں کی خبر گیری رکھے گا۔ عبداللہ کی طرف سے آپ فکر مند نہ ہوں میں اس سے کانٹیکٹ میں رہوں گا۔ میں نے اپنا اور آپ کا اکاؤنٹ کمبائن کروا لیا ہے اور ایک دو قابل بھروسہ میڈ دیکھی ہیں جو کل یا پرسوں سے جوائننگ دے دیں گی، عبداللہ کی میڈیسنز کے بارے میں جلدی بتا دینا تاکہ میں لے آؤں۔"

اپنی بات کر کے وہ رکا نہیں تھا۔ سولیم نے ڈریسنگ ٹیبل کے کونے کو سختی سے تھاما۔ وہ اپنی حالت پر عجیب سی

ہو رہی تھی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اسے ہو کیا رہا ہے۔ اگر براق جا رہا ہے تو اچھی بات ہے۔ وہ جائے اسے کیوں اس بات سے فرق پڑ رہا ہے؟

اس کا سیل فون چنگھاڑ اٹھا، آنکھوں میں مقید نادیدہ سی نمی کو اس نے گہرا سانس بھر کر پیچھے دھکیلا اور سبز بٹن کی طرف انگوٹھے سے سکرول کرتے ہوئے اس نے سیل کو کان سے لگالیا۔

"خیریت، اتنی تاخیر سے کال کی؟" سولیم کو لگا اس کی آواز میں بھی پانی گھل آیا ہے۔

"وہ مجھے چھوڑ رہا ہے۔" بے تابانہ آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ سولی چونکنے کے ساتھ ساتھ متجسس ہوئی۔

"کون؟ کون کس کو چھوڑ رہا ہے؟" تحیر میں لپٹی آواز میں خوف کی چنگاریاں تھیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے دو لوگوں کی کہانی کیونکر میچ ہو سکتی ہے؟

"میرا شوہر۔" اس ڈھلتی عمر والی لڑکی کی آواز لڑکھڑاہٹ میں مبتلا تھی۔ سولیم کو اپنے ٹھنڈے کمرے میں گھٹن محسوس ہونے لگی۔ ایسا لگا جیسے کوئی اس کے گلے کو دبوچ رہا ہو۔

"وہ کہتا ہے، میرے ساتھ رہنے کے قابل نہیں۔ اس میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ میری سرد مہری برداشت کر سکے ڈاکٹر، کیا آپ کو بھی ایسا لگتا ہے جیسے وہ کہتا ہے یعنی کیا میں واقعی اس کیلئے پتھر ہوں حالانکہ میں اسے معاف کرنے کا ارادہ کر چکی ہوں۔"

وہ عجلت میں تھی اس کی آواز میں ایسی تیزی تھی جیسے کوئی مسافر اپنی بس پکڑنے میں رکھتا ہے۔

"اگر وہ جا رہا ہے تو اسے جانے دو۔ ہو سکتا ہے یہی سب کیلئے بہتر ہو۔" اس کی نگاہ ارادتاً شاکر کی تصویر سے ٹکرائی تھی جو براق کو زچ کرنے کی غرض سے وہ دیوار پر آویزاں کر چکی تھی۔ اس تصویر میں وہ اور شاکر تھے، ہنستے مسکراتے شاکر نے کھلے بالوں والی سولیم کے شانوں کے گرد بازو حمائل کیے ہوئے تھے۔

"نہیں، ایسا کچھ بھی نہیں ہے اور اگر ہوتا تو ہم ملتے کیوں؟" اس نے احتجاج کیا، سولیم ہنوز اپنی نگاہیں شاکر کے چہرے پر گاڑے ہوئے تھی۔

"ہماری راہیں نہ جڑتیں ڈاکٹر، میں ایسے انسان کو خود سے کیسے دور کر سکتی ہوں جو جیتا بھی ہے تو میری خاطر، جس کی مردہ آنکھوں میں جان پڑتی ہے تو مجھے دیکھ کر، جس کا دل دھڑکتا ہے تو صرف میرے لیے، میں

ایسے انسان کو خود سے دور نہیں جانے دوں گی۔ ہاں میں ایسا ہی کروں گی۔ میں اسے روک لوں گی کیونکہ یہی طے ہے۔"

وہ چپ ہو گئی تھی۔ چپ تو سولیم بھی تھی جو اپنے بھینچے لب آہستہ سے جدا کر رہی تھی، اس کی آواز کی لہریں فون کے چھوٹے سے سوراخوں سے ٹکرائیں۔

"اس سب کے باوجود کہ وہ تمہاری عصمت ریزی کا مرتکب ہوا تھا؟" اس کی آواز خلاؤں کا سفر طے کر کے نکلی تھی۔

"ہاں، اس سب کے باجود کیونکہ وہ اب وہ نہیں رہا جو پہلے تھا۔ اس نے خود کو مجھ میں ڈھال لیا ہے۔ خود کو وہ بنا لیا ہے جو میں ہوں۔" اس کی پرزور مذمت پر سولیم کے دل نے ٹھنڈی آہ بھری۔

" کیا جان یا عزت کیلئے صرف ایک معافی کافی ہے؟ کیا گناہ کبیرہ کو دھونے کیلئے ایک معافی کی بوند ہی کافی ہوتی ہے؟ میں نے تو سنا تھا بلکہ پڑھا تھا کہ گناہ کبیرہ کی کوئی معافی نہیں تو پھر یہ سب کیا ہے؟ کون سے لوگ ہیں ہم، کس دنیا میں جا رہے ہیں؟ کس سمت رواں دواں ہیں ہماری سوچوں کے تانے۔"

وہ اس کی بات سنے بغیر ہی فون کو کان سے ہٹا گئی تھی۔ نگاہیں ہنوز شاکر کی تصویر پر جمی تھیں۔

"وقت سرکتا ہے لمحے بیتتے ہیں، بیت جانے کے بعد یہ احساس دلا جاتے ہیں کہ جو ہم سے بچھڑ گیا تھا وہ شاید اتنا اہم نہیں تھا بلکہ جو بچھڑ رہا ہے وہی سب کچھ ہے۔ اس کے وجود سے ہی حیات ہے۔ وہ نہیں تو زندگی کے کوئی معنی ہی نہیں۔ وہ ہے تو پوری دنیا ہے، روشنی ہے ورنہ تو ہر جگہ اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ وہ اندھیرا جو اپنی تاریکی و گہرائی میں سب کچھ چھپا لیتا ہے۔ عیب بھی اور عبادت بھی۔ بس اب اللہ سے یہی دعا ہے کہ جو چھوٹ گیا ہے اس پر دل کو صبر عطا کرے اور جو ہاتھوں سے سرک رہا ہے اسے روکنے کا حوصلہ ملے ورنہ دلوں نے پھر سے خالی رہ جانا ہے۔"

شاکر کی تصویر سے اس نے بہت آہستہ سے نگاہیں ہٹائی تھیں۔ پلکوں کے ہلتے ہی دو قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔

☆......☆......☆

رات کا وسط تھا جب اس کی آنکھ کھلی تھی، کھلنے کے بعد بھی اس کو اندھیرا ہی نصیب ہوا تھا کیونکہ وہ گھپ اندھیرے میں سونے کا عادی تھا۔ ہلکی سی بھی روشنی کی لکیر اسے ڈسٹرب کر دیا کرتی تھی۔ تبھی ہر رات کی طرح آج کی رات بھی اس کے کمرے میں قبر جیسا سناٹا اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس نے اس سیاہی کی دبیز چادر میں چھت کو تلاشنا چاہا جو تھوڑے سے تردد کے بعد اسے دکھائی دینے لگ گئی۔ یعنی اس کی آنکھیں اس سیاہی سے مانوس ہو گئی تھیں تبھی وہ باآسانی اب سب دیکھ سکتا تھا۔ سچائی بھی تو اس اندھیرے کی طرح ہی ہے جو نظر نہیں آتی اور جب آجاتی ہے تو گمراہی کو جڑ سے مٹا دیتی ہے۔

خلیفہ چت لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔ اس کی بھنویں آپس میں ملی ہوئی تھیں اور ماتھے پر سلوٹیں موجود تھیں۔ رات کے اس پہر اس کی آنکھ کھلنا کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ آنکھ تب ہی کھلتی تھی جب کوئی بڑا سانحہ پیش آتا تھا اور اب بھی ایسا ہی کچھ ہوا ہوگا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر لیمپ کی زرد روشنی کمرے کو عطا کی اور نیند کے خمار سے بوجھل آنکھوں کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔ اس وقت وہ ڈھیلے سے ٹراؤزر اور سیاہ بنیان میں تھا۔ اس کے بھورے بال کھلے ہوئے تھے اور گہری داڑھی بکھری ہوئی۔ اسی بکھری داڑھی والے چہرے پر سخت تاثرات سجا کر اس نے مخمل کی چادر کو خود پر سے سرکایا اور پاؤں میں سوفٹ شوز ڈالتا ہوا دروازے کی اور بڑھا۔ جاتے جاتے اس نے احتیاط کے طور پر میز پر رکھی چھوٹی پسٹل اٹھا کر ٹراؤزر میں پھنسائی اور اس پر بنیان کو سیٹ کر دیا۔ وہ دروازہ کھول کر باہر آیا اور دائیں بائیں گردن گھما کر جائزہ لینے لگا۔ پھیکی روشنی میں ڈوبی گیلری اس وقت سنسان تھی۔ سوائے مریل روشنی کے وہاں کچھ نہیں تھا۔ وہ واپس اندر مڑنے لگا تھا جب ٹھٹک گیا۔

"ایک منٹ، اس کے سارے گارڈز کہاں ہیں؟"

اسے آدھا سیکنڈ بھی نہیں لگا ہوگا پورا باہر آنے میں۔ وہ دانت پیستے ہوئے آس پاس دیکھ کر آگے بڑھا۔ اس کے پاؤں کی دھمک اور تیز سانسوں کی آواز نے رات کے سناٹے میں خلل پیدا کر دیا تھا۔ خطرے کی بو کو بھانپتے ہوئے اس نے پسٹل کو ٹراؤزر کی قید سے آزاد کیا اور لوڈ کرتے ہوئے ایک ہاتھ میں نیچے کو لٹکائے آگے بڑھنے لگا

"گارڈز، گارڈز۔" وہ جان بوجھ کر غرا رہا تھا تاکہ جو چوہوں کی طرح چھپ کر بیٹھا ہے وہ سامنے آئے۔ اس کے قدم معروش کے کمرے کی طرف تھے۔ جلد ہی وہ وہاں پر تھا اور یہ دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کہ معروش کے

کمرے کا دروازہ کھلا ہے۔ کندھے سے دروازے کو کھول کر وہ پسٹل سامنے کر کے برق رفتاری سے اندر آیا مگر بے سود رہا۔ خاموشی وہاں اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ نہ معروش اور نہ ہی بیڈ پر کوئی سلوٹ، بیڈ پر سلوٹ۔۔۔؟ بیڈ پر سلوٹ کیوں نہیں ہے؟

"آ۔آ۔آ۔خان۔" دانتوں کو چبا کر وہ دھاڑتا ہوا کمرے سے آیا اور باہر آتے ہی واویلا کر دیا۔ اس کے خاص خاص بندے ہڑبڑا کر اپنے کمروں سے باہر نکلے تھے اور خلیفہ کو سیڑھیاں پھلانگتے دیکھ کر اس کے پیچھے لپک گئے تھے۔

"ہر طرف آدمی بھیجو، جال بچھا دو بندوں کا۔ وہ دونوں یہاں سے باہر نہیں جانے چاہئیں۔ اگر وہ یہاں سے باہر چلی گئی تو واللہ تم سب کی روحوں نے جسموں سے باہر نکل جانا ہے۔"

جیپ میں بیٹھ کر آرڈر دیتے ہوئے اس کے سر پر جنون سوار تھا۔ وہ جیپ سٹارٹ کر رہا تھا جب اسے جھٹکا لگا۔ اس جھٹکے نے ہی اسے دو ہزار ایکیس سے نکال کر دو ہزار میں لا پٹخا تھا جہاں ہر طرف انیسویں صدی کو خیر باد کہنے کا شور مچ رہا تھا۔ اس شور میں وہ بھی تھا۔ چرچ کے احاطے میں کھڑا ہوا جینز شرٹ پہنے لبوں کو بھینچے۔

"کیا ہوا ٹام سن، تم خوش نہیں لگ رہے؟" حلقوں زدہ مگر ابھرتی جوانی والا وہ لڑکا سپاٹ چہرے کے ساتھ آسمان پر ہوتی آتش بازی کو تک رہا تھا، ایتھما کی بوڑھی آواز پر اس نے آنکھ کی پتلیوں کو ہلکا سا ہلایا۔

"کل رات جو ڈوز تم نے دی تھی وہ بیکار تھی۔ اس نے مجھے سرور دینے کی بجائے میری نیند چھین لی۔ ہنہہ، تمہاری ڈرگز بھی سیم تم لوگوں کی طرح ہے بکواس۔"

ایتھما اس کے غصہ پر زیر لب مسکائی۔ اس سنہری آنکھوں والے لڑکے کے چہرے پر ویسی ہی آگ تھی جیسی آسمان پر برستے پٹاخوں میں۔

"اور ایسا کیوں ہوا یہ بھی تم جانتے ہو، کل کی کمائی کم ہوئی تھی۔ تم نے بہت معمولی مقدار میں ڈرگ کو سیل کیا تھا تو انعام بھی اسی حساب سے ملنا تھا۔ جتنی محنت کرو گے اتنے پیسے ملیں گے۔ ویسے تمہاری ڈیمانڈ روز بہ روز بڑھتی جا رہی ہے۔"

اس نے ٹام سن کے بازو میں اپنا بازو پھنسایا تھا جسے اس نے جھٹک دیا۔ کل اس نے ڈرگ کیوں کم بیچی تھی

یہ وہ اچھے سے جانتا تھا۔ اسے سب چھوڑنا تھا خود کیلئے، اینا کیلئے۔ دونوں کے مستقبل کیلئے۔ وہ اینا کی درخواست پر ہی تو یہ سب کر رہا تھا۔ بیشک وہ اسے رد کر چکی تھی مگر وہ جانتا تھا جس دن اس نے برائی کو خیر باد کہہ دیا اینا اس تک لوٹے گی۔ اسے لوٹنا ہی پڑے گا کیونکہ یہی تو ٹام سن کی خواہش تھی۔

"یہ بات ہم دونوں سے مخفی نہیں کہ مجھے غلط راہ پر لگانے والی کون ہے۔ میری طلب کو بڑھانے کے پیچھے کس کا ہاتھ ہے سو اپنا منہ بند رکھو بوڑھی عورت، تمہاری آواز پگھلا ہوا سیسہ ہے۔"

لہجے میں زہر گھول کر وہ حتی المقدور کوشش کر رہا تھا کہ اتھما اس کے حلقوں کا راز نہ جان جائے۔ اسے معلوم نہ ہو جائے کہ وہ پچھلے چھ دنوں سے اس سے جو ڈرگ لیتا ہے وہ اس کے حلق میں نہیں بلکہ کموڈ میں جاتی ہے۔ اتھما اس کی بات پر اونچی آواز میں ہنس پڑی۔ اتنی اونچی آواز میں کہ ان کے پیچھے کھڑے چرچ کے باقی لوگ بھی متوجہ ہو گئے۔

"اچھا مذاق کر لیتے ہو ٹام سن، بات سنو۔" وہ اس کے مزید قریب آ گئی تھی۔ اتنی کہ چرچ کے فادر کو اس کا یوں ٹام سن کے قریب کھڑا ہونا ناگوار گزرا مگر وہ چپ رہے کیونکہ اتھما اور اس کے گینگ کی پاور کو وہ اچھے سے جانتے تھے۔ یہ بات بھی ان سے پوشیدہ نہیں تھی کہ اتھما نے ٹام سن کو اپنا ٹارگٹ بنایا ہوا ہے۔ وہ چرچ میں پلتے پچاس بچوں، بچیوں میں سے صرف ایک کو اپنے کام کیلئے چنتی تھی۔ ان پچاس میں سے ایک ٹام سن تھا باقی تو سب اس کے بائیر ہوتے تھے۔

"تم نے اب تک کوئی بھی لڑکی نہیں اٹھائی حالانکہ میں نے کہا تھا، تم نے ایسا کرنا ہے۔ دیکھو ٹام سن، اتنی دیری اچھی نہیں ہوتی۔ کیا پتا تمہاری یہ دیری کسی دوسرے پر گراں گزر رہی ہو۔"

اس کی بات عام سی تھی مگر لہجے میں عیاں ہوتا معنی بھر پور تھا۔ اتنا بھر پور کہ وہ جوان لڑکا سر سے پیر تک کانپ گیا۔

"کہنا کیا چاہ رہی ہو؟" اس کا دل سینے میں غوطہ زنی کرنے لگا۔ آسمان پر اب بھی رنگ برنگے پٹاخے پھوٹ رہے تھے۔ ان کی روشنی سب کی آنکھوں کو منور کر رہی تھی اور رنگ دھنک رنگ بنا رہے تھے۔ ٹام سن کے چہرے پر اس وقت پیلا رنگ تھا، نہیں بالکل بھی نہیں، یہ پٹاخوں کی دین نہیں تھا بلکہ یہ تو دل کے مچلنے کی وجہ سے تھا، کسی کو کھونے کے ڈر کے سبب تھا۔

"یہی کہ جو دوسروں کو بدلنے کی کوتاہی کرتا ہے تقدیر اسے بدل کر رکھ دیتی ہے۔"

استھما کی بات پوری ہوتے ہی وہ چرچ کے احاطے کو چھوڑ کر بھاگا تھا۔اس کے قدم اتنے بڑے بڑے تھے جیسے کوئی چیتا چھلانگ لگاتا ہوا آگے بڑھ رہا ہو۔وہ اپنے پیچھے ہجوم کو چھوڑ کر سر کے اوپر سیاہ آسمان پر منور ہوتی روشنی اور پٹاخوں کے دھماکوں کو نظرانداز کرتا ہوا، ہوا کے دوش پر بھاگ رہا تھا جب اس کا پاؤں کسی چیز سے ٹکرایا اور وہ منہ کے بل نیچے گرا۔جہاں وہ نیچے گرا تھا وہیں جیپ کے اسٹیئرنگ سے خلیفہ کا ماتھا ٹکرایا تھا۔اس نے لبوں کو کچلتے ہوئے ماضی کو لپیٹ کر نیچے پھینکا اور گاڑی کو واڑا لے گیا۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں معروش؟" نانو کی کپکپاتی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔وہ ایک سرنگ تھی جو اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔معروش ہاتھ میں لالٹین تھامے تحمل سے آگے بڑھ رہی تھی۔نانو نے اس کے بازو کو دونوں ہاتھوں سے دبوچا ہوا تھا۔وہ اس سے لگی چل رہی تھیں۔

"خلیفہ کی قید سے بہت دور۔" اس نے آہستگی سے کہا تھا۔نانو آگ کی روشنی میں اس لڑکی کو تکنے لگیں جو کبھی اس آگ سے بہت ڈرتی تھی۔

"میں یہ جانتی ہوں، تم بتاؤ یہ راستہ کہاں ختم ہوتا ہے؟" ان کے سر پر دوپٹہ جما ہوا تھا اور نحیف ہاتھ لرز رہے تھے۔

"سمندر خان کے مطابق، یہ راستہ جنگل کے اس حصے تک ہمیں پہنچائے گا جہاں سے سمندر قریب ہے وہاں ایک بوٹ ہماری منتظر ہو گی اور وہ بوٹ ہم دونوں کو پاکستان لے جائے گی۔"

اس نے پتھروں سے بچتے ہوئے نانو کو اس تفصیل سے آگاہ کیا جو سمندر خان نے اسے دی تھیں۔یہ سرنگ بالکل تازہ کھودی گئی تھی۔تبھی پاؤں کے نیچے زمین پر چھوٹے چھوٹے پتھر کے ٹکڑے تھے جو جوگرز میں بھی چبھ رہے تھے۔اس نے سیاہ جوگرز پہنے ہوئے تھے۔ویسے ہی نانو کے پاؤں میں بھی تھے۔سر سے لے کر پیر تک وہ دونوں سیاہ لباس میں تھیں کہ سمندر خان کے مطابق رات کی سیاہی ان کے کپڑوں کو خود سے لپٹا کر ان دونوں کو سب کی نگاہوں سے اوجھل رکھے گی۔

"کیا یہ سب اتنا آسان ہے؟" اس نے نانو کی جانب نگاہ کی اور پھولے ہوئے سانس کے ساتھ نفی میں سر ہلا دیا۔وہ رات گیارہ بجے سے لگاتار چل رہے تھے اور اب گھڑی تین کے ہندسے کو چھونے والی تھی۔اسے اپنی

فکر نہیں تھی بلکہ نانو کی تھی جن کے پاؤں شل ہو چکے تھے۔اسی وجہ سے وہ ٹہلنے والے انداز میں آگے بڑھ رہی تھیں۔

"نہیں نانو، یہ سب بہت مشکل ہے۔ میں جانتی ہوں ہم پکڑے جائیں گے۔" نانو اس کی بات پر الجھ گئیں، الجھ کر رک گئیں اور رک کر پاس رکھے بڑے سارے پتھر پر ستانے کی غرض سے بیٹھ گئیں۔معروش نے اپنے کندھوں پر موجود بیگ میں سے پانی کی بوتل نکال کر ان کی طرف بڑھائی۔

"ایک گھونٹ پینا کیونکہ زیادہ پانی چلنے میں دشواری پیش کرے گا۔" نانو اس کی بات نظرانداز کرتے ہوئے بولیں۔

"اگر تم جانتی ہو کہ ہم نے پکڑے جانا ہے تو پھر اتنے تردد کی وجہ معروش! میں نہیں چاہتی وہ جانور فارم میں آ کر تمہارے ساتھ کچھ الٹا سیدھا کر بیٹھے۔اس سے کوئی بعید نہیں۔"

نانو کی آنکھوں میں خوف کی نمی چمک اٹھی تھی۔معروش ان کے سامنے دوزانو بیٹھی اور ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر گویا ہوئی۔

"جانتی ہوں اس سے کوئی بعید نہیں لیکن کوشش بھی تو کرنی چاہیے۔اگر اس نے کھوج لیا تو دیکھی جائے گی۔ابھی ہمیں یہاں سے باہر نکل کر بوٹ تک پہنچنا ہے۔میرے لیے ایک موبائل فون تک رسائی انتہائی ضروری ہے نانو، اٹھیں اور کوشش کریں۔"

معروش نے کھڑے ہو کر ہتھیلی ان کے آگے کی تھی جسے تھام کر وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کھڑی ہو گئیں۔

"مجھے وہ آدمی انتہائی زہر لگتا ہے، خاص کر اس کے وہ لمبے بال، جب تم اپنی ٹیم کے ساتھ اسے حراست میں لینے لگو تو سب سے پہلے اس کے بال کٹوانا۔بھلا مردوں کو سوٹ کرتا ہے وہ عورتوں کی طرح بال بنائیں یا جوڑا باندھیں۔"

وہ اس کے ساتھ لگیں پھر سے شروع ہو گئی تھیں۔اس تمام عرصے میں ان کے منہ سے خلیفہ کیلئے برائیاں ہی نکلی تھیں۔اسی خلیفہ کیلئے جو بے دھڑک خان کے میٹنگ روم میں گھسا اور ان کی کرسی پر اپنے بوٹ جما کر پستول تان لیا۔

"کوشش کی تھی، بہت کوشش کی تھی خان، کہ جو تمہارے اور میرے درمیان پردہ ہے وہ قائم رہے مگر افسوس ایسا نہ ہوسکا۔" وہ ان کے سرخ وسپید ماتھے پر اپنی پسٹل کی سلور نال کو رکھے آنکھوں میں جنون طاری کیے بول رہا تھا۔ خان اس کے بکھرے حلیے اور لفظوں پر سرد نگاہوں سے اسے تکنے لگے۔ اس وقت کمرے میں خان کا خاص کلائنٹ، ان کی نئی سیکرٹری اور خان کے کوئی موجود نہ تھا۔

"خلیفہ، اپنی لمٹ کراس۔" اس سے پہلے اس آدمی کے الفاظ مکمل ہوتے اس نے ایک جھٹکے سے مڑ کر اس کے ماتھے کو نشانے پر لے لیا۔ ایک گولی پر ہی وہ ٹھنڈا ہو چکا تھا۔

"خاموش، بالکل خاموش کوئی شور نہیں۔" آنکھیں نکال کر وہ دھاڑا۔ خان منہ کھولے اس پرانے کی لاش کو تکنے لگے جن سے ان دونوں کی ہی بڑی گاڑھی چھنتی تھی۔ انہیں یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہی کلائنٹ زمین پر پڑا ہے اور اس کا دماغ ٹکڑے ٹکڑے ہو چکا ہے۔ انہیں اس منظر کو قبول کرنے میں وقت ہوئی۔

"یہ تم نے کیا، کیا خلیفہ تم اتنے خاص بندے کو کیسے مار سکتے ہو؟" خان نے اٹھنے کی کوشش کی تھی مگر خلیفہ نے ہاتھ کے جھٹکے سے انہیں واپس کرسی پر پٹخ دیا۔

"بالکل اسی طرح، جس طرح آپ مجھے مروانے کی سازش کر سکتے ہیں۔ ایسا ہو رہا ہے تو کچھ بھی ہو سکتا ہے خان، کچھ بھی، تم بھی مر سکتے ہو۔"

خان کے دانت کچکچانے کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ وہ اس بپھرے ہوئے شیر کے حصار میں تھے جو واقعی تھوڑی سی اونچ نیچ ہونے پر انہیں چیر پھاڑ سکتا تھا۔

"معروش کے ساتھ کیا، کیا ہے؟" وہ ان کے چہرے کو کھوجتے ہوئے پوچھ رہا تھا جو خطرناک عزائم تیار کرنے میں اپنے دماغ کو الجھا رہے تھے۔

"کچھ بھی نہیں، وہ سرنگ کے راستے سمندر کی طرف بڑھ رہی ہے۔" اس سے نگاہیں چراتے ہوئے وہ بولے تھے۔ خلیفہ نے سختی سے اپنی مٹھیوں کو بھینچا۔

"خان! عزت اور مقام بہت مشکل سے بنتا ہے، اسے گرائیں نا، احترام کرتا ہوں آپ کا اس لیے چھوڑ رہا ہوں ورنہ اس آدمی کی طرح آپ بھی قضاء کر چکے ہوتے۔"

اس نے پاؤں کرسی سے ہٹا کر پسٹل والا ہاتھ نیچے گرایا، دو قدم آگے بڑھا اور پھر گردن کو تھوڑا سا خم دے کر ان سے مخاطب ہوا۔

"آج کے سانحہ کے بعد یاد رکھیں کہ ہم دونوں کی راہیں اب جدا ہیں۔ میں نے آپ کو مردہ تصور کرلیا ہے۔" بات کہہ کر وہ رکا نہیں تھا۔ خان نے اس کے جاتے ہی کرسی سے اٹھ کر ٹہلنا شروع کیا۔ خلیفہ کا باغی پن اس کی آنکھوں میں موجود جنون اور یہ اعلان ان کا فشار خون بلندیوں تک پہنچا گیا تھا۔ انہیں لگا ان کے دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ وہ ضبط کی آخری سیڑھی کو چھوتے ہوئے اپنے خاص کلائنٹ کی لاش تک پہنچے جس کا منہ کھلا ہوا تھا۔

"آہ ooo.....خلیفے آہ ooooo......"

زور سے مٹھیاں بھینچے وہ دانت کے کونوں کو آپس میں ملائے گردن کی رگوں کو پھلاتے ہوئے اس آدمی کی لاش کو ٹھوکر مار کر کھڑے ہوئے تھے۔ وہ، وہ کرنے جا رہے تھے جو انہیں نہیں کرنا چاہیے تھا۔

☆......☆......☆

اس کی آنکھیں بند تھیں اور ان بند آنکھوں کو ہوا بڑے پیار سے چھو کر گزر رہی تھی۔ کچی مٹی کی بھینی سی خوشبو اس کے اعصابوں کو وہ فرحت بخش رہی تھی جس سے کافی عرصہ وہ دستبردار رہا تھا۔ ندی کی باغی لہروں کا شور اور انگنت چرند پرند کے گیت فضا میں رس گھول رہے تھے۔ وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ دیئے آنکھیں بند کیے ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ اس کے سر پر شفاف نیلا آسمان تھا اور بھورے چمڑے کے بوٹ چکنی ریت پر جمے تھے جو وقتاً فوقتاً پانی کی لہروں سے بھیگ جاتے تھے۔ وہ پچھلے بیس منٹ سے یہاں کھڑا تھا اور اگلے کئی بیس منٹ کھڑا رہتا اگر لیرا ہاتھ میں کافی کا مگ تھامے اس کے قریب نہ آتی۔ وہ اس کے قریب آئی اور محبت پاش نگاہوں سے اس کے صبیح چہرے کو تکنے لگی۔ کتنا سکون تھا نا آج اس کے وجود پر، وہ مسکاتے ہوئے اس کی بند پلکوں کو تک رہی تھی۔

"کیا کر رہی ہو؟" آہستہ آواز میں استفسار کیا گیا۔

"تمہیں دیکھ رہی ہوں۔" دل سے جواب دیا گیا۔

"اس سے کیا ہوگا؟" کوئل کی کوک کو نظر انداز کر کے اس نے آنکھیں کھولیں، کھول کر اس لڑکی کے چہرے

پڑا لیں۔

"سکون ملے گا مجھے۔" وہ اس کی آنکھوں میں اپنے عکس کو دیکھ کر خوش ہوئی تھی۔ وہ تیزی سے صحت یاب ہو رہا تھا اور یہی بات لیرا کے دل میں گلشن کھلانے کیلئے کافی تھی۔ مسرور سے انداز میں اس نے کافی کا مگ اس کی جانب بڑھایا تھا جسے کچھ پل تکنے کے بعد تھام لیا گیا۔

"غلط راہ پر چل رہی ہو، بہت دشوار ہے یہ راستہ۔" جانے کون سے وقت کے دکھ تھے جو اس کے پیارے چہرے پر سایہ کر گئے۔ لیرا کا دل چاہا وہ ہاتھ بڑھا کر اس دکھ کی پرت اس کے چہرے سے کھینچ ڈالے لیکن۔۔۔

آہ یہ دل کی خواہشیں۔

"شاید تم نہیں جانتے، مجھے دشواریاں پسند ہیں۔" اس نے کافی کو حلق میں انڈیلا اور بہتی ندی کے اس پار دور جنگلوں پر نگاہ ڈال لی جو پورے شان کے ساتھ کھڑے تھے۔

"سمندر خوبصورت ہوتے ہیں مگر ہر سمندر اچھا نہیں ہوتا کچھ میں زہر گھلا ہوتا ہے۔ وہ زہر جونسوں کو کاٹ دے۔ جس طرح وہ زہر رگوں کو جلانے کا کام کرتا ہے اسی طرح میں سمندر کو بھی جلانا چاہتا ہوں۔ جانتی ہو میں کس سمندر کی بات کر رہا ہوں؟"

لیرا اس کی بات پر کرنٹ کھا کر رہ گئی۔ وہ دو قدم اس سے دور ہوئی تھی۔ خوبصورت چہرے والے اس لڑکے کی آنکھوں میں وحشت تھی۔ وہ اس کے سانس کو پھلانے لگی۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتی کافی کا سپ لینے کے بعد وہ پھر سے بولا تھا۔

"لیکن اس سے بھی پہلے میں کسی اور کو ختم کروں گا وہ جو قابل نفرت ہے، وہ جس کے مقدر میں دردناک موت ہے وہ جسے خلیفہ تبریز کہتے ہیں۔"

لیرا کو لگا کسی نے اس کا گلا جکڑ لیا ہو، پوری قوت لگا کر اس نے بولنے کی کوشش کی تھی۔

"کون ہو تم؟" اس کے لب بری طرح کانپ رہے تھے اور آنکھیں پوری دنیا جتنی پھیل گئیں۔

"لیران۔" اس نے یک لفظی جواب دیا، دے کر قصہ ہی ختم کر دیا۔ وہ اب اس کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ آنکھیں نیلے جھاگ سے پانی پر جمی تھیں۔ وہی جھاگ جو اس کی آنکھوں کی شبیہہ بنا ہوا تھا۔

"نہیں۔" وہ آگے آئی۔ "میں جان گئی ہوں تم وہ نہیں ہو جو میں کہتی ہوں۔ تم، تم گمنامی کی سرحد سے لوٹ آئے ہو۔ بتاؤ کون ہو تم۔" ایک ہاتھ میں کپ پکڑے دوسرے سے اس کا ہاتھ جھنجھوڑتی وہ اس کا رخ خود کی جانب کر گئی تھی۔ اس پیارے چہرے والے نے اس کی طرف دیکھا اور لبوں کے کناروں کو پھیلاتے ہوئے کہا۔

"اپنی شناخت بتا دوں گا تو تم مجھ سے بدظن ہو جاؤ گی اور میں ایسا نہیں چاہتا کیونکہ میں نے تمہارے معصوم دل کا راز پا لیا ہے۔ مجھے دکھ ہو گا تمہاری آنکھوں میں آنسو دیکھ کر۔"

لیرا نے لب بھینچ کر سر کو نیچے گرایا پھر اٹھا کر مضبوط لہجے میں بولی۔

"پہلی بار دل کے ٹوٹنے پر درد ہوتا پھر عادت ہو جاتی ہے درد کی، تمہاری ذومعنی بات مجھے بہت کچھ سمجھا گئی ہے لیران، لیکن سن لو میں اپنی آخری سانس تک تمہارے ساتھ ہوں۔ تمہیں خان کو مارنا ہے آسانی سے مار لو گے لیکن جہاں بات خلیفہ کی آتی ہے وہ بہت وحشی ہے اس کے منصوبے اسی کی طرح گنجلک ہوتے ہیں۔"

وہ اسے ڈرا نہیں رہی تھی بلکہ حقیقت سے آگاہ کر رہی تھی۔ لیران اس بات پر ایسے ہنسا جیسے بچوں کی بات پر مسکرایا جاتا ہے۔ تضحیک کے رنگ چہار سو بہاروں کی طرح پھیل گئے تھے۔

"ہر صبح طلوع ہونے والے سورج کا بھی زوال ہوتا ہے۔ ایک بار جو غروب ہو جائے پھر وہ نکلا نہیں کرتے۔ خلیفہ کے بھی زوال کے دن گنے جا چکے ہیں۔"

وہ جہاں رہ رہا تھا اس ملک میں خلیفہ اور خان کی اجارہ داری تھی۔ بچہ بچہ ان کے نام اور کام سے اچھے سے واقف تھا۔ یہ پاکستان نہیں تھا جہاں وہ اپنی شناخت کے خول میں اپنے کام کو چھپاتے۔ یہاں پر ان کی دہشت اور ان کے سکے کا بول بالا تھا اس لیے لیرا کے سامنے بے دھڑک یہ بات کرنا عام بات تھی۔ ہاں جو کسی بات اس کے منہ سے برآمد ہوئی تھی وہ ان کی تباہی و بربادی کی تھی۔ یہ بات اس کے خلاف بھی جا سکتی تھی اگر مقابل پور پور اس کا اسیر نہ ہوتا تو۔

"معلوم ہے اور میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جہاں تک مدد ہو گی کروں گی، ایک خوش خبری سننے کیلئے خود کو تیار کر لو۔" وہ اس کے مزید نزدیک آئی۔ اتنی کہ اس کا شانہ لیران کے بازو سے ٹکرانے لگ گیا۔ وہ آنکھوں میں تجسس لیے اسے تک رہا تھا۔

"خلیفہ اور سمندر خان کے درمیان پھوٹ پڑ چکی ہے۔ سمندر خان اسے مروانے کی تیاریوں میں ہیں اور رمیز سائیڈ بدل چکا ہے۔"

وہ متجسس سا اسے دیکھ کر بولا۔ "یہ سب کیسے جانتی ہو؟" وہ سر کو تھوڑا جھکائے اسے دیکھ رہا تھا اسی انداز میں پوچھا۔

"میرے لئے آسان ہے۔" شانے اچکاتے ہوئے وہ پیچھے ہوئی اور اس کے چہرے کو نظروں میں جذب کرنے لگی۔ دکھ کی لہریں اس کے سر سے لے کر پیر تک جا رہی تھیں مگر اس نے دل کو کنٹرول کیا۔

"جب میں یہاں سے چلا جاؤں گا تو تم کیا کرو گی؟" وہ اس کا خود کو محویت سے تکتا پا کر پوچھ رہا تھا۔ لیرا نے پلکوں کو زور سے جھپکا۔

"تب تک میں بچوں گی ہی نہیں۔" وہ ہولے سے منمنائی تھی۔ پھر مسکرا کر بولی۔ "تو میں تمہارے پیچھے پیچھے آجاؤں گی۔"

دل کو دلاسہ دے کر اس نے ساحل پر سر پٹختی لہروں پر نگاہ جمائی۔ لیرا ن کی دلکش ہنسی اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ پڑے تھے۔ ان آنسوؤں میں سے کسی کا چہرہ نظر آ رہا تھا۔ غور کرنے پر وہ چہرہ واضح ہو گیا۔ وہ اور کوئی نہیں معروش تھی جو ہلکی سی زرد روشنی دیکھ کر جذبات سے مغلوب چہرے کے ساتھ نانو کو خود سے لگائے تیز تیز آگے بڑھی۔

سورج طلوع ہو چکا تھا۔ یہ صبح صادق کا وقت تھا تبھی پرندوں کی ضرورت سے زیادہ بولنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ ان آوازوں کی سمت چلتے ہوئے سرنگ کے کنارے تک پہنچی۔ جیسے ہی اس نے قدموں کو جنگل کے چرمر پتوں پر دھرا، اس کے شانے ڈھلک گئے۔ اکتاہٹ بھرا سانس تھا جو اس کے لبوں سے برآمد ہو رہا تھا۔

"خلیفہ۔" نانو کی پژمردہ سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ گاڑی کے بونٹ پر بیٹھا وہ لبوں میں دبی سگریٹ کو شعلہ دیتا ہوا نظر آ رہا تھا جب نانو کی سرگوشی اور پتوں کی قدموں تلے پسنے کی آواز پر اس نے سر اوپر اٹھایا۔ ان دونوں پر نگاہ ڈالتے ہی اس نے پہلی انگلی میں پہنی گھڑی والی انگوٹھی میں وقت دیکھا۔

"کچھ زیادہ دیر نہیں کر دی تم نے آنے میں؟" لائٹر کو جیب میں رکھتے ہوئے وہ بونٹ سے اترا۔

"میرے حساب سے تو دو گھنٹے پہلے آنا چاہیے تھا تمہیں۔ اوہ اچھا سمجھ گیا، نانو کی وجہ سے دیر ہوئی ہے نا، کمال کرتی ہو تم بھی۔ بیکار کام کیلئے تم نے نانو کو وقت دیا، انہیں تھکا دیا۔ حد ہے معروش۔"

وہ چلتا ہوا اس کے پاس آیا۔ اس وقت وہ یہاں تنہا نہیں تھا سات آٹھ لوگ اور بھی تھے جو دو جیپوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ خلیفہ کے اشارے پر وہ سب اپنی اپنی جیپ کو ریورس کر کے واپس لے گئے۔

"تم جانتی ہو پچھلے چار گھنٹوں سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ ایک پل کو تو گمان ہوا کہیں تم بیچ کے راستے سے فرار نہ ہوگئی ہو مگر پھر میرے اہم بندے نے بتایا کہ تم اس راستے سے انجان ہو۔" اس نے اپنے لب اس کے کان سے کچھ فاصلے پر رکھے جو سٹول میں چھپے ہوئے تھے۔

"یقین کرو تبھی دل کو یک گونہ سکون ملا تھا۔" بات کہہ کر وہ پیچھے ہوا۔ معروش نے اس کے عقب میں پھیلے خاموش جنگل کو تکا پھر برق رفتاری سے کوٹ کی پاکٹ سے پسٹل نکال کر اس پر تان لی۔

"راستے سے ہٹ جاؤ کیونکہ تم اچھے سے جانتے میرا ہاتھ بالکل بھی اسے چلانے سے نہیں کانپتا۔" اس کی گردن کی ہڈی پر پسٹل کی نال رکھ کر وہ آہستہ آواز میں غرائی تھی۔ خلیفہ کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ چھوٹا، وہ تالیاں بجاتے ہوئے ہنسا تھا۔

"معروش، مجھ سے بہتر یہ کون جانے گا بھلا۔ بائی دا وے تمہیں پرانے روپ میں دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ آؤ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر مڑنے لگا تھا مگر معروش کے سٹل کھڑے رہنے پر وہ بھنویں اچکا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میں چلوں گی تمہارے ساتھ مگر نانو کو جانے دو۔ ورنہ ایک گولی تو ضرور تمہارے مقدر کی ہے۔"

سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ اسے دھمکی دے رہی تھی۔ خلیفہ نے تمہارا کچھ نہیں ہو سکتا والے انداز میں گردن کو ہلایا۔

"دھمکی دیے بغیر بھی بات ہو سکتی ہے بیوی، رہی نانو کی بات تو اب ان کا جانا امپاسبل ہے۔ وہ ضرور وہاں میرا بھانڈا پھوڑ دیں گی جو کہ میں نہیں چاہتا۔"

حتمی بات کر کے وہ پھر سے مڑنے لگا تھا جب معروش نے اپنا ہاتھ جھٹک کر چھڑوایا اور دونوں ہاتھوں میں

پسٹل تھام کر غرائی۔

"خلیفہ تبریز، ساری زندگی تمہارے ساتھ رہنے کو تیار ہوں مگر نانو کا یہاں گھٹ گھٹ کر رہنا مجھے گوارا نہیں۔ تمہارے پاس دو سیکنڈ ہیں چوائس کے۔ نانو کو جانے دو ورنہ گولی کھانے کیلئے تیار رہو۔"

وہ ہونٹوں پر ہتھیلی کو رگڑتے ہوئے ایک جست میں اس تک پہنچا اور پستول کو شانے پر رکھ کر اپنے ہاتھ سے اس کی اس انگلی پر زور بڑھا دیا جو ٹریگر پر جمی تھی۔ ٹھاہ کی آواز آئی تھی جس نے پرندوں کو فضا میں منتشر کر دیا تھا۔ ایک سرخ شعلہ خلیفہ کے شانے کے دوسرے حصے سے نکل کر دور کہیں پہنچ گیا۔ خون کی آبشار تھی جو شانے کے آگے پیچھے سے بہنے لگی۔

"ایک بار جو بات کہہ دوں تو سن لیا کرو، مجھے موت سے ڈر نہیں لگتا۔" آنکھوں کو نکالتے ہوئے وہ دبی آواز میں دھاڑا تھا۔ نانو کی تو فائر کی آواز پر ہلکی سی چیخ نکلی تھی جبکہ معروش سٹل کھڑی رہی۔ ایک انچ بھی اس کے تاثرات میں فرق نہیں پڑا تھا۔ اس نے دھواں اڑاتی نال والی پسٹل کو واپس کوٹ میں رکھنا چاہا مگر وہ بھی خلیفہ کی قید میں آ گئی۔

"تو پھر تم کس چیز سے ڈرتے ہو خلیفہ؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے سراپا سوال بنی کھڑی تھی۔ نانو اس کے بازو تھامے اب بھی اس سے لگی ہوئی تھیں۔ وہ اس سے کہہ رہی تھیں۔

"جانے دو معروش، تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں تمہارے بغیر رہ لوں گی۔ میں ایسا ہرگز نہیں کر سکتی۔" نانو کی پھولی آواز کو نظر انداز کر کے خون ابلتے شانے کے ساتھ وہ دو قدم پیچھے ہٹا پھر ایک طائرانہ نگاہ اس جنگل پر ڈالی جہاں چرند پرند کا شور کان پھاڑ رہا تھا۔ وہ اس شور میں ہولے سے بولا۔

"میں خود سے ڈرتا ہوں۔" اس کی آواز ان دونوں کے ساتھ ساتھ جنگل میں چیختے جانوروں نے بھی سنی تھی۔ تبھی تو وہ آوازیں مدھم ہو کر پیچھے دب کر رہ گئیں۔ ہوا بھی جو سائیں سائیں چل رہی تھی نے خود کو اس جگہ ٹھہرا لیا خیر تجسس تو ہر ایک چیز میں پنہاں ہے۔

"میں ڈرتا ہوں معروش اس روز سے جب میں خود کو دیکھ لوں گا اپنا عکس، اپنا چہرہ، اپنے کام، اپنی ذات۔ تم ہمیشہ سے کہتی ہو نا کہ میں وحشی ہوں، کبھی جاننے کی کوشش کی اس جانور کی داستان، کرتی تو سوال نہ کیا کرتیں دو

صفحات پڑھ کر سنی سنائی دیکھی دکھائی باتوں پر ایمان لا کر کسی کو جج نہیں کیا جا سکتا معروش خانم! اگر کسی انسان کو جاننا ہے تو اس کے ساتھ جڑنا ہوتا ہے، اس کی سوچوں کے ساتھ خود کی سوچیں ملانی ہوتی ہیں۔ اس کے بولنے کا انداز، رہنے کا ڈھنگ، اس کے طور طریقے سب کا خول خود پر چڑھانا ہوتا ہے۔ اگر آپ کسی انسان کو جاننا چاہتے ہو تو وہی بن جاؤ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ کنکشن ہی ریلیشن بناتے ہیں دو فائل کے پیجز نہیں۔"

کھلے بھورے گھنگھریالے بال، ایش گرے جینز اور ویسی ہی ٹی شرٹ پر لیدر کی بغیر سلیو کی جیکٹ، ڈیزرٹ شوز اور چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری کیے وہ دو انگلیوں میں قید سگریٹ کو زمین پر چھوڑ رہا تھا۔ بلندی سے پستی میں گرتا وہ شعلہ اب خلیفہ کے بوٹوں کی نذر ہوا۔ معروش اس سارے عمل پر نظر دوڑانے کے بعد بولی۔

"اس سب سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہیے؟" وہ سینے پر ہاتھ باندھے اس کے سگریٹ والے ہاتھ کو دیکھ رہی تھی جو خون سے بھر چکا تھا۔ سگریٹ بھی اسی سبب چپکنی گئی تھی کہ وہ اب ناقابل استعمال تھی۔

"دو دن اور ایک رات۔"

معروش کے ماتھے پر بل پڑے۔

"سمجھی نہیں۔" اسی انداز میں کہا بھی۔

"تم کچھ سمجھتی ہو جو یہ سمجھوگی۔" سر جھٹک کر اس نے کہا تھا پھر بات کے ساتھ بات جوڑی۔

"تم میرے ساتھ چلو، دو دن تک مجھے سنو، مجھے جانو۔ قسم کھاتا ہوں جو کہو گی کروں گا یو نو واٹ اب میں بھی فیڈ اپ ہو چکا ہوں۔ ان سب چیزوں سے ٹوسٹ نہیں آ رہا نا زندگی میں، مزا نہیں آ رہا جینے کا۔"

اس کے چہرے پر ذرا بھی تکلیف کے آثار نہیں تھے۔ وہ ایسے نارمل کھڑا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

"تبھی کہتی ہوں مر جاؤ۔ تمہاری موت بہت سے دلوں پر سکون کی پھوار بن کر گرے گی کیونکہ میں تم جیسے درندے کے ساتھ دو دن کیا، دو دہائیاں بھی رہ لوں تب بھی میرا دل تمہارے لیے میلٹ نہیں ہو سکتا، جو کچھ تم کر چکے ہو یا جو کر رہے ہو یہ سب تمہارے اندر موجود رائی کے برابر انسانیت، تمہارے جذبات اور تمہاری تکلیف پر پانی پھیر دیتے ہیں۔ تم دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر خود کا گوشت بھی نوچ لو گے نا تو تب بھی تم پر مسکرایا ہی جائے گا۔ ایم ڈیم شیور ایک بھی آنکھ ایسی نہیں ہو گی جو تمہارے لیے اپنا قیمتی موتی ضائع کرے۔ کتنے بدقسمت نکلے

تم۔"

"تم روؤ گی۔" وہ پر تیقن لہجے میں کہتا اس کا ہاتھ سختی سے تھام گیا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" وہ اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے بولی تھی۔ بولتے بولتے ٹھٹک گئی استفہامیہ نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔

" کہا نا تم روؤ گی، آج سے دس دن بعد جب میں مر جاؤں گا تو معروش حبیب، میرے مرنے پر ضرور روؤ گی۔ سنائی دیا تمہیں۔ میں نے کہا تمہارے آنکھیں بھیگیں گی، یو گاٹ اٹ۔ بس حیران ہو جاؤ کہ میں نے مرنے سے پہلے اپنی موت کی ڈیٹ ریلیز کر دی ہے۔ مجھے پڑھنے والے، مجھ سے نفرت کرنے والوں کو اور تمہیں میں بتا رہا ہوں معروش حبیب کہ میں آج سے دس دن بعد مر جاؤں گا اور ایسا ہو گا بھی۔"

وہ اس کا ہاتھ تھام کر چل پڑا تھا۔ معروش اس کے ساتھ کھنچی چلی جا رہی تھی۔ خلیفہ کے اشارے پر نانو کی طرف دور کھڑی جیپ بڑھ رہی تھی جس میں یقیناً انہوں نے بیٹھ کر وہیں لوٹنا تھا جہاں سے ان کی پوتی انہیں نکال کر لائی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" وہ پزل سی پوچھ رہی تھی۔

"جہاں اب تک تم نہیں گئی ہو، جہاں کوئی بھی نہیں جا سکا، مجھے تمہیں کچھ بتانا ہے۔" وہ اتنے بڑے بڑے قدم اٹھا رہا تھا کہ معروش کو اس کے ساتھ رہنے کیلئے تقریباً بھاگنا پڑ رہا تھا۔ وہ اس کے چہرے پر پھیلتی ان دیکھی سی لو کی آنچ سہہ کر گھبرا گئی تھی تبھی فوراً انکار کیا۔

" مجھے تمہاری باتوں میں دلچسپی نہیں۔"

"ابھی نہیں ہے بعد میں ہو جائے گی۔" وہ اس کی سنے بغیر چلے جا رہا تھا۔ ان کے پیچھے جنگل چھوٹ رہا تھا۔ جنگل کیا وہ تو حال کو بھی چھوڑے چلے جا رہے تھے۔ خلیفہ تبریز، معروش حبیب کو حال سے نکال کر ماضی میں گھسیٹ رہا تھا۔ سیاہ سٹولر میں مقید چہرے کے ساتھ معروش نے مڑ کر دیکھا تھا کہ دو ہزار اکیس بہت دور چلا گیا ہے اور اس کے قدم دو ہزار کی اور اٹھ رہے ہیں۔

☆......☆......☆

میٹنگ روم میں اس وقت سلائیڈز چل رہی تھیں جن کے آگے کھڑا براق شاہ اپنے نئے کلائنٹ کے ساتھ مغزماری کررہا تھا۔بیس منٹ کی اس میٹنگ نے اس کے اعصاب چٹخا دیے تھے۔جونہی کمرے سے اندھیرا چھٹا اور روشنی نے پناہ لی، براق نے گہرا سانس بھر کر مارکر کو میز کی سفید سطح پر رکھا تھا۔رکھنے کے بعد وہ اول شیک کی میز کے گرد بیٹھے بورڈ کے ممبرز پر اچٹتی نگاہ ڈال رہا تھا جو براق کے ساتھ ساتھ اس کی کمپنی کے دیگر لوگوں کی پریزنٹیشن سے کافی حد تک متاثر نظر آرہے تھے۔جنوبی کوریا کی اس مسلم کمپنی کے ساتھ براق پر یقین تھا کہ حلال میٹ کا کانٹریکٹ سائن ہوجانا ہے۔اس کے یقین کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا تھا کیونکہ اس کمپنی کے پراجیکٹ کا ہیڈ سلنڈر نما مائک کے آگے اپنے لب رکھ کر ہلانے لگا۔

"ہم متاثر ہوئے ہیں آپ لوگوں کا کام دیکھ کر، کمپنی اور فیکٹری کے وزٹ کے دوران ہی ہمیں کوالٹی کا اندازہ ہوگیا تھا اس لیے میں آپ کو ہماری کمپنی کے ساتھ کام کرنے پر مبارک باد پیش کرتا ہوں۔مسٹر شاہ، امید کرتے ہیں یہ ساتھ لانگ ٹرم کیلئے ہو۔" مسکراہٹ پاس کرتے ہوئے وہ براق کو بیٹھتے دیکھ رہا تھا۔اس نے بھی سر کو ہلکا سا خم دیکھ کر کہا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔" وہ آدمی چندھی نگاہوں کے ساتھ اسے گھور رہا تھا۔کانٹریکٹ کے لیگل پیپرز پر سائن وغیرہ کرنے کے بعد اس آدمی نے اپنے دل میں مچلتے سوال کو زبان دی اور براق سے مخاطب ہوا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے ماضی میں آپ کا تعلق باکسنگ کے ساتھ رہ چکا ہے۔کہہ دیں مسٹر شاہ کہ وہ ان بیٹ ایبل باکسر آپ ہی تھے۔میرا بھائی آپ پر کروڑوں لگایا کرتا تھا۔"

اسد اس کی بات سن کر بوکھلا گیا تھا۔براق نے ٹائی کی ناٹ خوامخواہ ڈھیلی کی۔

"ماضی کو بھلادیں کر چج، حال کی بات کریں۔جو حال میں بات ہے وہ ماضی میں کہاں۔" اسد براق کے چہرے پر پھیلی ناگواری کو دیکھتے ہوئے فوراً بولا۔براق کا سیل فون میز پر گھوں گھوں کی آواز کے ساتھ گھومنا شروع ہوا۔اس کی سکرین کے روشن ہوتے ہی براق سیل فون کو ہاتھ میں تھام چکا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔" سیل فون کو ہاتھ میں پکڑے وہ ان لوگوں کو پیچھے چھوڑ کر شیشے والے دروازے کو دھکیل کر باہر آیا۔باہر آتے ہی اس نے کال اٹینڈ کرلی کیونکہ یہ وہ کال تھی جسے وہ ہر صورت اگنور نہیں کرسکتا تھا۔

"السلام علیکم! سولیم، کیسی ہیں آپ؟" اس کی آواز پژمردہ تھی۔ سولیم اس کی آواز میں ڈسٹربنس کو پہچان گئی۔

"میں ٹھیک ہوں لیکن تم نہیں لگ رہے۔"

براق نے اچانک سے سر اٹھایا۔ سولیم اس کی پرواہ کر رہی ہے۔ اس کا دل خوش فہمی کے سمندر میں ڈوبنے لگا مگر اس نے خود کو بچا لیا کہ یہ ڈوبنا یہ غرق ہونا اس کیلئے پچھتاوے ہی لاتا تھا۔

"بس تھوڑا سا تھک گیا ہوں۔ آپ کہیں کس لیے یاد کیا۔" ماتھے کو سہلاتے ہوئے وہ ہموار لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سولیم کی اگلی بات نے اس کے سینے میں خوشگواریت کی لہر چھوڑ دی۔

"مجھے لگتا ہے میری کار میں کوئی تکنیکی خرابی ہوگئی ہے اور مجھے ارجنٹ کہیں جانا ہے۔" وہ اس کی تمہید پر پیارا سا تبسم لبوں پر سجا گیا، سولیم نے مدد کیلئے اسے بلایا وہ خوشی سے جھوم اٹھا۔

"اور اوبر کی کوئی رائیڈ فی الحال میسر نہیں تو کیا تم آسکتے ہو گھر؟" وہ اس کی بات ختم ہونے سے پہلے ہی حرکت میں آ گیا تھا۔ لفٹ میں کھڑے ہوتے ہوئے اس سے شائستہ انداز میں گویا ہوا۔

"میرے ہوتے ہوئے آپ کو اوبر کی ضرورت بھی نہیں ہونی چاہیے۔ مجھے اچھا نہیں لگا یہ سن کر کہ مجھ سے رابطہ کرنے سے پہلے آپ کسی انجان انسان کے ساتھ جانے پر آمادہ تھیں خیر آپ انتظار کریں میں پہنچ رہا ہوں۔"

شکوہ کرنے کے بعد وہ خاموش ہو گیا تھا۔ خاموش تو سولیم بھی تھی اور یہ خاموشی چند لمحوں پر محیط رہی۔ کوئی بات نہیں، کوئی الفاظ نہیں کوئی کلام نہیں۔ براق نے لفٹ سے نکلنے کے بعد فون کو آنکھوں کے سامنے کیا جو کال چلنے کا سندیسہ دے رہا تھا۔ اپنے ہاتھ پر ہوتے وائبریشن کے سبب اس نے جلدی سے فون کو کان سے لگایا اور سولیم کو سننے لگا کہ اس کے لیے اس دنیا میں سب سے دلفریب کام سولیم کو سننا تھا۔

"ٹھیک ہے تم آجاؤ۔"

بات ختم کرتے ہی وہ فون ہاتھ میں تھامے صوفے پر ڈھے گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی اسے کیا ہو رہا ہے، اس کے دل کو کیا ہو رہا ہے مگر یہ جو کچھ بھی ہو رہا تھا اسے ڈسٹرب کر رہا تھا۔ ابھی کچھ دیر قبل اسے ٹرکر کی کال آئی تھی۔ وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ مل کر اسے براق کے گھناؤنے چہرے سے آشنا کرنا چاہتا تھا۔ بیس منٹ پہلے اس نے سولیم

کو کال کی تھی اور وہ کہہ رہا تھا۔

"ڈاکٹر، میں نے کہا تھا ہماری ملاقات بہت اہم ہے اور اس میں کوئی شک نہیں وہ ہے بھی، میں تمہیں وہ سب دکھانا، بتانا چاہتا ہوں جس کے بارے میں تمہیں علم ہونا چاہیے آخر کو براق تمہارا لائف پارٹنر بن چکا ہے۔"

اس کے لفظوں میں چھپی دھمکی کی آنچ اور لہجے کا خباثت اسے چوکنا کر گئی تھی۔ تبھی کافی سوچ و بچار کے بعد اس نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سے ملاقات کر لی جائے تبھی وہ براق کو ساتھ لے جانا چاہتی تھی کہ اس ٹرکر سے کوئی بعید نہیں تھا، وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ ہارن کی آواز پر وہ سوچوں سے نکلی اور نقاب کو سیٹ کرتے ہوئے اس نے پرس کو کندھے پر ڈال لیا۔ عبداللہ اس وقت سکول تھا تبھی وہ ریلیکس سی لاؤنج کے ڈور کو لاک کرتی مڑ رہی تھی۔ گاڑی میں بیٹھے براق نے اس کے رائیل بلیو کلر کے عبایہ پر نگاہ ڈالی۔ وہ بہت کھلا تھا اور اس کا سٹول بہت بڑا تھا جس کے سلیوز چنٹ دار تھے اور ان میں موجود اس کی دودھیا ہاتھ بہت بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

"کپڑے کی تھان۔" ماضی کے الفاظ اس کے دماغ میں گونجے۔

"سولیم شفیق! مجھے کپڑے کی تھان لگتی ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے ٹیکسٹائل فیکٹری صرف اسی کیلئے بنائی گئی ہو بھلا اتنے زیادہ کپڑے کا استعمال بھی کسی لڑکی نے کیا ہے۔ لڑکیاں تو شارٹس میں ہی اچھی لگتی ہیں۔"

اسے اپنے الفاظ سنائی دیے تھے جنہیں سوچ کر اس کے چہرے پر شرمندگی کے آثار رقم ہو گئے۔ آنکھوں کو جھکا کر اس نے خود کے چہرے پر پھیلے تاثرات کو پرے ہٹایا اور سولیم کی موجودگی کو محسوس کرنے لگا جو گاڑی کا دروازہ بند کر کے سیٹ بیلٹ باندھ رہی تھی۔

"تم نے تھوڑی دیر کر دی۔" اس نے کار کو ریورس کرتے ہوئے موڑا۔

"معافی چاہتا ہوں ٹریفک زیادہ تھی آج، آپ نے جانا کہاں ہے؟" کوٹ کو اتار کر وہ پچھلی نشست پر رکھ چکا تھا۔ سولیم نے اس کی شرٹ کی سلوٹوں پر نگاہ ڈالی اور فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"سینٹوریس کے فوڈ کورٹ میں جانا ہے۔ ٹرکر سے ملنے۔" آخری جملہ اس نے توقف کے بعد ادا کیا تھا۔ براق نے اچانک سے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی گریفائیٹ آنکھوں میں کیا کچھ نہیں تھا اس وقت۔ بے یقینی، حیرانگی، خوف اور کرچیاں۔

"لیکن، لیکن کیوں؟ سولیم وہ آپ کو میرے خلاف بھڑکانا چاہتا ہے۔ وہ گڑے مردے اکھاڑ رہا ہے۔"

ایک سو چالیس اہم ہم راکٹ کی سپیڈ سے براق کا دل دوڑنے لگ گیا تھا۔ گرمی میں ٹھنڈے پسینے تھے جو اس کے ماتھے سے پھوٹ پڑے تھے۔

"اگر تم غلط نہیں ہو تو ڈر کس بات کا ہے براق شاہ، کار کو موڑنے کا سوچنا بھی مت ورنہ آئندہ کبھی بھی تمہیں نہیں پکاروں گی۔"

براق کے ارادے کو بھانپتے ہوئے اس نے لہجے میں سختی گھول دی تھی۔ وہ دانت پیستا ہوا کار کی سپیڈ بڑھا گیا۔ سولیم اس کے سرخ چہرے، کار کی بڑھتی رفتار اور اسٹیرنگ پر اس کے ہاتھوں کی گرفت کو تک رہی تھی۔ وہ براق کے اندر موجود لاوے کو پکتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کا غصہ پرواز کرتا جا رہا ہے اور یہی تو وہ چاہتی تھی۔ ٹرکر جیسے انسان کو راستے پر لانے کیلئے براق کا پرانے موڈ میں آنا ہی لازمی تھا۔

سٹوریس پہنچ کر وہ دونوں ایک ساتھ فوڈ کورٹ کی جانب بڑھے تھے جہاں سبز کرسی پر ایک کونے میں ٹرکر سان بیٹھا ہوا تھا۔ ایسے کہ اس کی کہنیاں میز کی سطح پر تھیں اور ہاتھ میں چھوٹا سا سمارٹ فون تھا۔ سولیم اور اس کے پیچھے آتے براق پر نگاہ پڑتے ہی اس نے لبوں کو سیٹی کے سے انداز میں گھمایا تھا۔

"واؤ ڈاکٹر، حیرت ہو رہی ہے آپ کو اس شخص کے ساتھ دیکھ کر لیکن مجھے اچھا لگا جو میں آپ کو دکھانے جا رہا ہوں اس پر براق کے تاثرات دیکھ کر بڑی تسکین پہنچی ہے مجھے۔"

اس سے پہلے براق آگے بڑھ کر سولیم کیلئے کرسی کھینچتا وہ خود ہی اپنی چیئر کو گھسیٹ کر سائیڈ پر کر گئی کہ وہ کرسی ٹرکر کے نزدیک پڑی تھی۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آنے والے نا، غلط کیا میں نے اتنے سال جو تمہیں کھلایا پلایا، اس کی جگہ مجھے تمہیں سلاخوں کے پیچھے دھکیلنا چاہیے تھا۔" وہ ایک سانس میں دانت چباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سولیم نے اس کے ستے چہرے کو دیکھنے کے بعد ٹرکر سے کہا۔

"مجھے فضول گوئیاں پسند نہیں ہیں ٹرکر، کام کی بات پر آؤ۔"

براق نے نخوت سے رخ بدلا تھا۔

"مجھے آپ کو کچھ دکھانا ہے۔" اس نے سیل فون آگے کیا تھا۔ براق چھوٹتے ہی بولا۔

"بکواس چیزیں ہی دکھا رہا ہے یہ آپ کو، اور آپ ہیں کہ چلی آئی ہیں اسے سننے۔ ٹرکرسان! آج کے بعد تم نہیں بچو گے۔" انگلی کو وارننگ کے سے انداز میں کھڑا کرتے ہوئے وہ بپھر گیا تھا۔ جو بھی تھا وہ اپنے اور سولیم کے بھنور میں پھنسے رشتے کو مزید ڈوبانا نہیں چاہتا تھا اس لیے ممکن حد تک کوشش کر رہا تھا کہ سولیم وہ سب نہ دیکھے جوٹرکر دکھانا چاہتا ہے۔

"بالکل ایسا ہی ہوگا، میں دلچسپی رکھتی ہوں تمہاری ویڈیوز میں۔" براق کو جواب دینے کے بعد وہ ٹرکر سے مخاطب ہوئی تھی۔ براق نے نامحسوس انداز میں انہیلر نکال کر حلق میں سپرے کیا۔ وہ ان کمفرٹیبل سا وہاں بیٹھا تھا۔ ٹرکر نے تمسخرانہ انداز میں آبرو اچکائی اور ویڈیو کلپ چلا دی۔ جہاں براق نازیبا حالت میں کسی میں مصروف تھا۔ سولیم نے ایک نگاہ اس کلپ پر ڈال کے سیل فون کو جھٹک دیا۔ براق کیلئے یہ ڈوب مرنے کا مقام تھا۔ اس کا دل کر رہا تھا کہ ابھی زمین پھٹے اور وہ اس میں آن سمائے۔ اس کا چہرہ خطرناک حد تک سرخ پڑ چکا تھا۔

"شاید براق شاہ درست تھا کہ تم نے مجھے بکواس چیزیں ہی دکھائی ہیں۔" اس کی آواز غصے سے پھٹ چکی تھی۔ براق اس کے اندازِ تخاطب سے اندازہ لگا گیا کہ وہ اس سے دوبارہ بدظن ہو چکی ہے۔ اس نے چیر پھاڑ دینے والی نگاہوں سے ٹرکر کو گھورا تھا۔

"چلیں نہیں دکھاتا بس ایک آخری چیز دیکھ لیں۔ اس کے بعد ہی فیصلہ کریں کہ آپ کیا چاہتی ہیں۔" اس نے کلپ آن کر دیا تھا۔ یہ بھی ساڑھے سات سال پہلے کا منظر تھا جب براق سے گناہ کبیرہ ہو گیا تھا۔ جس رات اس نے سولیم کو اور سولیم نے خود کو کھو دیا تھا۔ یہ دی عبایہ کا منظر تھا جہاں سے سولیم چلتی ہوئی براق کے گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہو رہی تھی۔ اس کلپ میں اس کی پشت تھی اور چال ڈولتی ہوئی۔ سولیم کے دل میں وہی اذیت دوڑ گئی جو کافی عرصے سے اس میں موجود ہے۔

"اس سب کا مقصد؟" براق کا سر ابھی بھی جھکا ہوا تھا اور لب دانتوں میں مضبوطی سے جکڑے ہوئے۔ وہ اسی انداز میں سولیم کو سن رہا تھا جو وہ ٹرکر کو کہہ چکی تھی اور اب ٹرکر اس سے ڈیمانڈ کر رہا تھا۔

"زیادہ نہیں بس یہی دو کروڑ روپے۔" اس نے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "اور اگر نہیں دیں گی تو یہ سب

ویڈیوز لیک ہو جائیں گی۔ ویسے بھی میرے سیل کی سپیس بہت بڑھ چکی ہے۔"

چیونگم چباتے ہوئے وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی مسکراہٹ سولیم کی اگلی بات سے اڑن چھو ہوئی۔

"اور تمہیں لگتا ہے میں ایسا کر لوں گی، اوہ کم آن ٹرکر، مان جاؤ کہ تم آج بھی بچوں جیسے ہو۔ ویسی ہی سوچ کے مالک، جان لو میں تمہاری دھمکیوں سے نہیں ڈرتی۔ تم بخوشی ان ویڈیوز کو لیک کر سکتے ہو۔ مجھے کوئی خوف نہیں۔ براق بزدل تھا اس لیے تمہارا پیٹ بھرتا گیا میں ایسا کچھ نہیں کرنے والی۔"

براق تاہنوز اسی پوزیشن میں بیٹھا تھا کہ اپنی سابقہ ویڈیو کے بعد اس میں نگاہ اٹھانے کی بھی سکت نہیں رہی تھی اور نہ ہی بولنے کی۔ آدھ سیکنڈ کی سولیم کی نظر جو اس ویڈیو پر پڑی تھی براق کو پشیمان کے سمندر کی تہہ میں لے گئی۔ وہ ان دونوں کو چپ چاپ سن رہا تھا۔

"مان لیا تمہیں اپنا خوف نہیں لیکن تمہارا یہ شوہر جو بدنام ہو گا وہ، اس کا کیا؟ میرے خیال سے یہ بھی تم سے ہی جڑا ہے اس کی بدنامی تمہاری بدنامی ہو گی۔"

ٹرکر گھبرا گیا تھا۔ سولیم نے اس کی گھبراہٹ کو با آسانی نوٹ کر لیا۔ ٹرکر کی بات پر اس نے ضبط کا دامن تھامے براق کو دیکھا اور پھر وہ الفاظ کہے جس نے براق کو شاک دلا دیا۔ اس نے پھٹی اور ہلکی نیم گیلی آنکھوں کے ساتھ سولیم کے چہرے کو دیکھا۔ اس کا دل جو کچھ دیر قبل زمین میں گرا جا رہا تھا ایک دم اپنی جگہ پر آ کر فٹ ہو گیا۔ اس نے خشک لبوں کو تر کیا تھا اور سولیم کو سننے لگا جو کہہ رہی تھی اور کہہ کر اس کا بچھڑا ہوا اعتماد اسے تھما رہی تھی۔

"بالکل ٹھیک کہا تم نے، ہم دونوں ایک ہی تو ہیں شوہر اور بیوی الگ الگ ہوتے بھی نہیں، براق کی بدنامی میری بدنامی ہے۔ اس کی ذات پر اچھلتا کیچڑ ضرور مجھے بھی میلا کرے گا لیکن تب جب اس کے کردار میں کوئی کھوٹ ہو۔ یہ جو سب تم دکھا رہے ہو اس سب کا تعلق اس کے ماضی سے تھا حال سے نہیں۔ ایک دنیا جانتی ہے اس کی ٹرانسفارمیشن کے بارے میں۔ سب کو پتا ہے کہ پہلے یہ جو بھی تھا اب یہ ایک شریف انسان ہے۔ اس کا کردار اتنا ہی مضبوط ہے جتنا ایک مسلمان کا ہونا چاہیے اور مجھے خوشی ہے کہ میں ایسے مضبوط کردار کے مالک انسان کی بیوی ہوں۔ افسوس کہ تمہاری کوشش رائیگاں گئی۔ چلیں؟"

بات ختم کرنے کے بعد وہ براق کے بے یقین سراپے پر نگاہ ڈال رہی تھی جس میں ایسے لگ رہا تھا جیسے

عرصہ دراز بعد زندگی پھونکی گئی ہو۔ اس کا سر میکانکی انداز میں ہلا۔

"شوق سے ان ویڈیوز کو وائرل کرو۔ کون پرواہ کرتا ہے۔" وہ پرس کو کندھے پر لٹکا کر کھڑی ہوئی تھی۔ کھویا کھویا سا براق اس کے ساتھ دو قدم آگے چلا۔ پھر کچھ یاد آ جانے پر اس نے حواسوں کو درست کیا تھا۔ اچانک مڑ کر وہ ٹر کر سان کے قریب آیا اور جھک کر ایک زوردار گھونسا اس کے جبڑے پر رسید کر دیا۔ بھلے وہ باکسنگ چھوڑ چکا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس کی تمام ٹرکس بھول چکا ہے۔ آج بھی اس کے گھونسے مارنے کا انداز ایسا تھا جیسے پہلے تھا۔ براق کے پنچ نے ٹرکر کے چہرے کو لہولہان کر دیا۔ اس کے چار دانت تو ضرور ٹوٹے تھے۔ حملہ کرنے کے بعد وہ اس کا سیل فون زمین پر پٹخ کر اسے بوٹ سے مسل رہا تھا۔

"جیل جانے کیلئے تیار ہو جاؤ ٹرکر، لمبے عرصے کیلئے خدا حافظ۔" ٹکڑے ٹکڑے سیل فون کو ٹھوکر سے اس کی جانب کھسکا کر وہ سویلم کی طرف بڑھ گیا تھا جو اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"اچھا کام کیا۔"

براق نے اسے نہیں سنا تھا۔ سنائی تو اسے کچھ بھی نہیں دے رہا تھا۔ نہ ہی ٹرکر کی آہیں اور نہ ہی چند لوگوں کی سرگوشیاں جو براق کے پنچ کی آواز سن کر وہاں آ گئے تھے۔ وہ دیکھ رہا تھا تو سویلم کا ہاتھ جو وہ براق کے چوڑے ہاتھ پر رکھ چکی تھی۔ اس کی ہتھیلی براق کے ہاتھ کی پشت پر تھی اور انگلیاں اس کی ہتھیلی تک آنے کی سعی میں۔ وہ اسی طرح اس کا ہاتھ تھام کر اسے کھینچتی ہوئی لے کر جا رہی تھی اور وہ اسی طرح ٹرانس کی کیفیت میں اس کے ساتھ کھنچا چلا جا رہا تھا۔

کچھ دور جانے کے بعد، مسافتیں طے کرنے کے بعد پوری دنیا کو فراموش کیے چلتے براق کو جھٹکا لگا تھا۔ جھٹکا سویلم کے ہاتھ چھوڑ دینے کا تھا۔ جھٹکا سویلم کی بے اعتنائی کا تھا۔ جھٹکا اس کا یکایک نگاہیں بدل لینے کا تھا۔ جھٹکا اس کی بات کا تھا جو اس نے کہی تھی۔ ہجوم کو چیر کر چلتا براق شاہ سویلم کی کہی بات سے اچانک سے اکیلا ہو گیا بالکل تنہا و لاوارث۔ وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"آج عرصہ دراز بعد خود کو واپس اس رات میں جاتا دیکھ کر، اپنی چال کی لڑکھڑاہٹ کو نوٹ کرتے ہوئے میرا بہت دل تھا براق شاہ، کہ تمہیں وہیں ختم کر دوں مگر میں ایسا نہیں کر پائی۔ خود کو روک گئی۔ جانتے ہو کیوں؟"

براق ٹھنڈے فرش کی یخ بستہ لہریں اپنے تلوؤں میں گھستی ہوئی محسوس کر رہا تھا۔ ایک سیکنڈ، وہ فرش کی ٹھنڈک نہیں تھی جو اس کے سر تک سرائیت کرتی جا رہی تھی بلکہ یہ تو وہ خوف تھا جو ایک بار پھر اس کے بدن سے لپٹ گیا تھا۔ وہی خوف جو محبوب کی جدائی کا سوچ کر ہی چاہنے والے کے دل کو جکڑ لیتا ہے۔ وہ خوف جو محبت کی ابتدا ہے اور اس کی انتہا تک قائم رہتا ہے۔

" کیونکہ میں نے سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیا ہے۔ میں چاہتی تو ڈٹ کر کے سامنے تمہیں گندا کر سکتی تھی لیکن نہیں کیا۔ اس کی بھی وجہ ہے اور وہ وجہ تمہارا مجھ سے منسلک ہونا ہے، عبداللہ سے جڑنا ہے۔ اپنے چاہے قاتل بھی کیوں نہ ہوں ان کا دفاع کرنا پڑتا ہے کیونکہ وہ اپنے ہوتے ہیں اور بدقسمتی سے تم میرے اپنے ہو۔ وہ اپنا جس کے ہونے پر میں اپنی قسمت پر روتی ہوں شرمندہ ہوتی ہوں۔ "

وہ جانتی تھی اس کے الفاظ براق کو گھائل کر رہے ہیں لیکن اس وقت یہ سب کہنا بیحد ضروری تھا۔ براق کی توڑ پھوڑ شاید اتنی زیادہ نہیں تھی جتنی اس کے اندر تباہی مچی ہوئی تھی۔ وہ رونا چاہتی تھی، ڈھیر سارا رونا اور اس کیلئے اسے اپنا کمرہ، اندھیرا اور تنہائی درکار تھی۔ تب تک وہ خود پر بند باندھ سکتی تھی کہ اتنی تو مضبوط تو وہ تھی ہی۔

تین بحری جہاز پاکستان سے تیار ہو کر جا رہے تھے۔ ان جہازوں میں سیاہ یونیفارم والی فورس موجود تھی جو جدید اسلحہ سے لیس تھی۔ چہروں پر نقاب چڑھے ہوئے تھے جن میں سے آنکھیں چھلکتی تھیں اور ہاتھوں پر گلوز تھے جن سے انگلیاں نظر آتی تھیں۔ ان بہت سے لوگوں کے درمیان سیاہ جینز کے ساتھ کا ہی رنگ کی شرٹ پہنے سر جھکائے کوئی بیٹھا تھا۔ وہ جس کی آنکھوں میں چنگاریوں کا سمندر موجزن تھا۔ وہ جس کے چہرے کی سختی چٹانوں کو بھی مات دے رہی تھی۔ وہ جس کے ہاتھ مخصوص انداز میں مٹھیوں کو بھینچے ہوئے تھے۔ وہ جسے براق شاہ کہتے تھے۔

"تمہاری یہاں آمد سمجھ سے باہر ہے۔" اس کے ساتھ بیٹھا سولجر مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ براق نے اپنی گریفائیٹ آنکھیں تحقیری انداز میں اٹھائیں۔

"یہی بات تمہارے لیے بھی کی جا سکتی ہے۔" وہ سولجر اس کے ایٹی ٹیوڈ پر بھنویں اچکا گیا۔

"دم ہے تم میں، کوشش کرنا یہ دم کہیں دشمن کے نرغے میں پہنچ کر نکل نہ جائے۔" اس آدمی کی آواز پر آس پاس بیٹھے لوگوں کی ہنسی گونج اٹھی۔ براق نے اچٹتی نگاہ چاروں اور گھمائی۔

"شاید تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔ میں براق شاہ ہوں ایک ناقابل شکست باکسر۔ مجھے کوئی مات نہیں دے سکتا۔ میرے داؤ سیکنڈ میں سانس روک سکتے ہیں۔"

اس کی سرد برف سے بھری آواز پر ہنسیاں تھمی تھیں۔ نگاہوں کا تبادلہ کرنے کے بعد سب اس کے سرخ مار دینے کے جذبے سے لبریز چہرے کو تک رہے تھے۔ بحری جہاز کے ہلنے پر وہ بھی لرزش میں تھا مگر اس کے ارادے ڈگمگاتے ہوئے نہیں تھے۔

"محبتوں پر جب ہاتھ ڈلتا ہے تو انسان اسی طرح بوکھلا جاتا ہے۔ میں تمہیں سمجھتا ہوں بے فکر ہو جاؤ۔ کامیابی تمہارا مقدر ہے۔" دور سے ایک ادھیڑ عمر آدمی کی آواز گونجی تھی۔ براق کے ماتھے کی رگیں تننے لگیں۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا۔ وہ اڑ کر وہاں پہنچ جائے جہاں اس کے دل کو قید کر دیا گیا تھا۔ اس کا خون رگوں میں لاوے کی طرح دوڑنے لگا۔ سرخ آنکھیں پھر سے جھک گئی تھیں۔

"جو محبتوں کو قید کرتے ہیں ان کی عزتیں بھی پھر آزاد نہیں رہتیں۔ ہمیں تم سے ہمدردی ہے لیکن ایک بات کہوں، تمہیں یہاں نہتے نہیں آنا چاہیے تھا بلکہ تمہیں تو آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ بیشک تمہاری جان خطرے میں ہے۔" وہی آدمی توقف کے بعد بولا۔ براق نے زمین کو گھورتے ہوئے جواب دیا۔

"جان تو پچھلے کچھ روز سے خطرے میں ہے سر، پچھلے چند دنوں سے میں نے اسے نہیں دیکھا۔ پچھلے کچھ دنوں سے میں آگ پر لوٹ رہا ہوں۔ روز کا جلنا باطل کو ختم کر کے ایک بار مرنے سے بہتر ہے۔ اب وہ ہو گیا جو کبھی نہیں ہوا تھا۔" اس کی آواز کی آنچ میں ایسی تپش تھی کہ سب کے اندر نادیدہ سے شعلے بھڑک اٹھے۔ تبھی یک آواز میں بولے۔

"باطل کو مات ہوگی اور حق کی فتح۔ بیشک رب پروردگار ہمارا محافظ ہے، بے شک وہ عزتوں کا محافظ ہے۔ نعرہ تکبیر، اللہ اکبر۔"

اس نعرے کی گونج چاروں اور پھیل گئی۔ خون جوش مارنے لگا اور نسوں میں روانی آگئی۔ براق کی تھوڑی پھر سے ہلکی ہلکی لرزنے لگی تھی۔ اس کا دل وقت کے ساتھ ساتھ مٹھی میں جکڑا جا رہا تھا۔ سانس تھا کہ پل پل ساتھ چھوڑ جاتا تھا۔ آنکھیں بند کر کے اس نے گہرا سانس بھرا۔

"آپ کو کچھ نہیں ہوگا، میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" وہ خود سے عزم کرتے ہوئے آب دوز کے چمکتے فرش میں خود کو تکنے لگا۔

ان ہی جہازوں میں سے ایک جہاز میں حفیظ بھی موجود تھا جو اسی طرح کے فرش پر مشتمل آب دوز پر آگے بڑھ رہا تھا۔ وہ کنٹرول روم میں اپنے ساتھی کے ساتھ تھا اور اس سے محوِ گفتگو تھا۔

"کمانڈر، اپنی رپورٹ؟" وہ کمرے میں آتے ہی بڑی ساری سکرینز میں سے ایک پر بیٹھے لڑکے سے مخاطب ہوا جو کرسی کو گھما کر اس کے جواب میں بولا۔

"یس سر، ریز جنگلات میں موجود چوٹی پر واقع ہٹ سے کچھ دور ایک مقام سے مل رہی ہیں۔ یقیناً ہمارا ساتھی وہیں پر ہے۔" اس بات پر حفیظ کے چہرے پر مسکراہٹ کی لہر دوڑ گئی۔

"میں جانتا تھا ایسا ہی ہوگا۔ یہ بتاؤ خفیہ راستے کی کیا رپورٹ ہے؟" سکرین پر وہ نقشہ دیکھ رہا تھا جس میں

سے چند لائنز سرخ رنگ کی تھیں یعنی یہ ان کا ہدف تھا جس تک انہیں پہنچنا تھا۔

"سرنگ میں سے دو راستے جاتے ہیں۔ ایک پوائنٹ سے بالکل سیدھا اور دوسرا عمودی رخ پر۔ جو عمودی راستہ ہے وہ زیادہ تر ہنگامی حالت میں ان لوگوں کے استعمال میں آتا ہے تاکہ دشمن اگر کبھی جنگل میں کھلتی سرنگ کے منہ تک پہنچے بھی تو وہ لوگ اندر سے ہی یوٹرن لے کر ان کی پہنچ سے دور نکل جائیں۔"

وہ کیز پر انگلیاں چلاتے ہوئے اسے تفصیل سے آگاہ کر رہا تھا۔ حفیظ نے خفیف سے انداز میں سر ہلایا۔

"بہتر ہو گیا، یہ معلومات خاصی اہم ہیں تم اس تک پیغام پہنچاؤ کہ ہم لوگ جلد پہنچنے والے ہیں۔ وہ وہاں تنہا نہیں ہے۔"

اس نے اثبات میں سر ہلایا اور چند ایک بٹن دبانے کے بعد حفیظ کو دیکھنے لگا۔ یعنی کہ وہ پیغام اس تک پہنچا چکا ہے۔ حفیظ کا چہرہ سوچ کا غماز تھا۔ وہ داڑھی کھجاتے ہوئے اس کے بارے میں سوچ رہا تھا جو ان سے خاصی دور بوٹ کے کنارے پر کھڑا تھا۔ اس کا ایک پاؤں گرل میں اڑا تھا اور دوسرا بوٹ کی سطح پر موجود تھا۔ دونوں ہاتھوں سے بوٹ کی سفید رنگ کی گرل کو تھامے وہ تاحدِ نظر پھیلے جھاگ اڑاتے سمندر کو تک رہا تھا۔ نیلے سمندر پر سفید جھاگ آسمان پر موجود بادلوں کی شبیہہ دے رہا تھا۔ اس کے بال پونی میں جکڑے تھے اور سونے سی سنہری آنکھیں ساکت تھیں۔ معروش اس کی دائیں سائیڈ پر کھڑی تھی اور اسے سن رہی تھی۔ جو دور غوطہ زنی کرتیں ڈولفنز کے ہجوم کو تک رہا تھا۔ وہ ان کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے بہت چاہا اس گند سے نکل جاؤں مگر میں کھنچتا چلا گیا اس سراب میں۔ جس میں، میں آج تک قید ہوں۔" اس کے لفظوں نے اچانک ساری جگہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بوٹ رفتہ رفتہ سبز گھاس میں بدلنے لگی۔ سمندر کی جگہ چرچ آ گیا جہاں آتش بازی ہو رہی تھی۔ حال پر ماضی کا رنگ چڑھنے لگا اور معروش تیزی سے حال کو نگلتے ماضی کو دیکھ رہی تھی جو اس کے پاؤں کے نیچے سے بوٹ کی سطح کو نکال گئی تھی۔ اب وہ بھی اسی چرچ کے سبزہ زار میں تھی جہاں وہ نوجوانی کی بھرپور لہر میں ڈوبا شخص زمین بوس تھا۔ خلیفہ تبریز نے آنکھ کے اشارے سے معروش کی توجہ اس جانب کروائی اور کہا۔

"دیکھو اسے اور جانو کیسے اس کی زندگی برباد ہوئی۔"

معروش نے دیکھا، اوندھے منہ گرا وہ لڑکا جوش و جنون سے پھر سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ اپنے نیچے کی زمین کو چھوڑ کر وہ دیوانہ وار دوڑتا ہوا اس کی حدود سے باہر نکل رہا تھا۔

"اینا خطرے میں ہے۔" خود سے بڑبڑاتے ہوئے وہ بیخ پاسی انتھما کو نظرانداز کرتا ہوا بائیک سنبھال گیا۔ اس سے پہلے اس نے فون نکال کر کان سے لگایا تھا۔

"ہیلو ایمی، اینا کا پتا ہے کہاں ہے؟" کانوں میں ہینڈز فری لگائے وہ خطرناک حد تک تیز سپیڈ میں بائیک کو دوڑا رہا تھا۔ ایمی اینا کی دوست تھی۔ ٹام سن کا اس کے بارے میں پوچھنا اسے اچنبھے میں مبتلا کر گیا تھا۔

"نہیں معلوم، لیکن تم کیوں دریافت کر رہے ہو؟" اینا اس سے دل کی ہر بات شیئر کرتی تھی۔ وہ اسے بتا چکی تھی کہ جس طرح ٹام سن اس سے خاموش محبت کرتا ہے اسی طرح وہ بھی اسے چاہتی ہے مگر اس کے کردار کی خرابی اور بری عادتیں اسے اس کی اور بڑھنے سے روک دیتی ہیں۔ وہ بھلا کیونکر ایک ڈرگ اسمگلر اور قاتل سے شادی کر سکتی ہے۔ وہ ہرگز اس سے تعلق نہیں جوڑے گی۔

"کیونکہ اینا مشکل میں ہے۔ جاؤ اور دیکھو کیا وہ گھر پر ہے؟ اگر ہے تو ٹھیک ورنہ مجھے انفارم کرو۔" معروش اس چھوٹے کٹے بالوں اور ہلکی شیو والے لڑکے جس کا نام ٹام سن تھا کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جنون کا جو سمندر دیکھ رہی تھی وہ ساتھ کھڑے خلیفہ کی آنکھوں میں نہیں تھا۔ وہ بس ساکت و جامد سا کسی مووی کی طرح اپنے ماضی کو جی رہا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا اس رات کو جس رات سے اس کی بربادی شروع ہوئی تھی۔ وہ دیکھ رہا تھا خود کو بائیک گرا کر پستول نکالتے ہوئے۔

"اگر ایسا ہو گیا تو میں سب کچھ برباد کر دوں گا۔ میں ختم کر دوں گا پوری دنیا کو۔" خاموش سا ٹام سن جس کے لفظ آپس میں جڑے رہتے تھے جنونی انداز میں آگے بڑھا تھا۔ وہ ایک گودام تھا۔ ان لوگوں کا خفیہ گودام جس میں وہ ہر طرح کا گناہ کرتے تھے۔ اس گودام کا دروازہ سرخ تھا اور وہاں سیاہ رنگ کے کراس کے ساتھ کھوپڑی بنی ہوئی تھی۔ اسی کھوپڑی کے نیچے فرنچ زبان میں موٹے حروف میں "خطرہ" لفظ کندہ تھا۔ معروش اور خلیفہ کیلئے اس لفظ کو پڑھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ اسی دروازے کو ٹھوکر کے سے انداز میں کھولتے ہوئے اندر بڑھتے ٹام سن کو دیکھ رہے تھے جس کے دروازہ کھولتے ہی کسی نے اس پر گولی چلائی تھی۔ گولی اس کے ہاتھ پر لگی تھی تبھی پستول

اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا تھا۔ وہ شدت درد کی وجہ سے دوزانو بیٹھا۔ ابھی وہ بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے اسے گریبان سے پکڑ کر اندر گھسیٹ لیا۔

"کام سے اور ہم سے غداری اچھی نہیں لڑکے، تم اس۔۔۔۔۔۔ کے پیچھے ہمیں دھوکہ دینے چلے تھے۔۔ چچ چچ چچ غلط کر بیٹھے۔"

وہ جانے کتنے عرصہ تک بیہوش رہا تھا لیکن جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک کرسی پر بندھا ہوا تھا۔ اس کا چہرہ لہولہان تھا اور پلکیں ماتھے پر چپکی ہوئیں۔

"تم سب کا واسطہ مجھ سے ہے اس لڑکی کو اس سب میں مت گھسیٹو۔"

نیم برہنہ مکمل ہوش میں موجود اینا دونوں بازو گھٹنوں سے باندھے بیٹھی تھی۔ اس کے بال کھلے تھے اور وہ نفرت آمیز نگاہوں سے اسے تک رہی تھی۔ ٹام سن اس کی نگاہوں کی نفرت سے مر گیا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اینا کے وہ التفات گھومنے لگے جو کبھی کمزور لمحوں کے تحت وہ اس پر کر دیا کرتی تھی۔ ٹام سن کی سنہری آنکھیں ماضی کے پانیوں سے بھرنے لگیں۔

"خلیفہ۔" لمبے سیاہ سلکی بالوں والی وہ لڑکی جو اسے خود کو چھپ کر دیکھے، پکڑ چکی تھی اس کے اصلی نام سے پکارنے لگی۔ ایک وہی تو تھی جو اسے اس نام سے کبھی کبھی پکار لیا کرتی تھی۔

"تم مجھے کیوں دیکھتے رہتے ہو؟ کبھی لائبریری میں کتابوں کے ریکس کے درمیان میں سے، تو کبھی جالیوں میں سے، کبھی گرل کو تھامتے ہوئے تو کبھی درخت کی اوٹ میں سے۔ تم ایسا کیوں کرتے ہو؟"

وہ کتابوں کو سینے سے لگائے آس پاس دیکھتی محتاط انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اس وقت ہائی سکول کے گراونڈ میں تھے۔ ٹام سن نے فٹ بال ٹیم کا یونیفارم پہنا ہوا تھا۔ میچ کے اختتام پر وہ بال کو زمین پر ہٹ کرتے ہوئے دور بیٹھی اینا کو وقفے وقفے سے دیکھ رہا تھا۔ دیکھتے دیکھتے اچانک پتا نہیں اسے کیا ہوا، وہ بال کو بغل میں دبوچ کر اسے تکتا رہا۔ سفید اور فیروزی لائنز والی یونیفارم میں ملبوس وہ اسے دیکھنے میں اتنا مگن ہو گیا کہ اس کا پاس آنا بھی نوٹ نہیں کر سکا۔ چونکا تو تب جب وہ اس کا نام پکار رہی تھی۔

"تم نے مجھے نوٹ کیا؟" اس کی مدھم آواز تھی اور آنکھوں میں احترام تھا۔

"کوئی بھی لڑکی کرسکتی ہے، میری بات سنو، ایسا مت کیا کرو یہ سب ٹھیک نہیں ہے۔" اس لڑکی کی سکرٹ گھٹنوں تک تھی اور اس کے بعد سوکس تھیں۔ بے بی شوز میں مقید اس کے پاؤں پر نگاہ گاڑتے ہوئے وہ ہلکی آواز میں بولا تھا۔

"میں جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا، مجھ سے یہ سب ہوتا چلا جاتا ہے۔" وہ ایسے شرمندہ ہو رہا تھا جیسے ایک شریف آدمی اپنی چوری پکڑے جانے پر سر جھکا لیتا ہے اور اس دور میں کم از کم اس وقت تک وہ شرمندہ ہی تھا، شریف بھی کہہ سکتے ہیں۔

"تمہیں نشہ کھا رہا ہے خلیفہ، برائی میں خود کو مت دھکیلو۔ تم اچھے لڑکے ہو، چاہو تو سدھر سکتے ہو۔" یہ ایک کمزور لمحہ ہی تھا جبھی تو وہ مشہور زمانہ "برے انسان" سے ہم کلام تھی۔ پورے سکول میں وہ بڑا مشہور تھا۔ سب کو معلوم تھا کہ وہ نشہ کرتا ہے اور بیچتا ہے۔ سب جانتے تھے کہ وہ اب تک دو لوگوں کا قتل کر چکا ہے۔ سب نے اسے جیل میں جا کر آتے ہوئے دیکھا تھا۔ ہر لڑکی اس سے بچتی تھی کہ وہ عزتوں کو لوٹنے والا بھی مشہور تھا۔ اس وقت تک یہ ساری باتیں مبالغہ آرائی کی حد تک پھیلائی ہوئی تھیں۔ ان میں سے کچھ سچ تھا اور آدھا جھوٹ اور یہ سب کرنے میں اینتھما، اس کے گینگ اور اس ہائی سکول کے پرنسپل کا ہاتھ تھا جو اینتھما لوگ کا ہی کارندہ تھا۔ وہ ان کے ساتھ مل چکا تھا کیونکہ اسے ڈھیر ساری دولت کمانی تھی۔ دولت کے نشے نے ہی اسے برے کاموں کی اور دھکیل دیا تھا اور یقین جانیں اس پر اسے ذرا بھی پچھتاوا نہیں تھا۔

"میں تمہاری نصیحت پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا، ایک برے انسان کو اچھا کہہ دینا ہی اس کا حوصلہ بڑھانے کے قابل ہے۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے میں واقعی اچھا ہوں۔"

دھیمے سروں میں کہتے ہوئے وہ مسکرا دیا تھا۔ اینا کو اس پر ترس آیا۔

"سب تمہیں برا کہتے ہیں ایسا کیوں؟" وہ بے وجہ بات کو طول دے رہی تھی۔ شاید اسے اس سے بات کرنا اچھا لگ رہا تھا۔ پچھم سے آتی ٹھنڈی ہوائیں ان دونوں کی ناکوں کو سرخ کر چکی تھیں۔ سردی کی آمد آمد تھی تبھی درجہ حرارت گھٹتا چلا جا رہا تھا۔

"شاید اس لیے کیونکہ وہ خود نیک ہیں یا شاید اس لیے کہ وہ میرے ذریعے دولت کمانا چاہتے ہیں۔ ان کیلئے

میں ایک پپٹ ہوں۔"

اینا کے سلکی بال ہوا کے دوش پر پیچھے کی جانب اڑ رہے تھے۔ کچھ چھوٹی لٹیں تھیں جو اس کے چہرے پر آ کر اسے تنگ کر رہی تھیں اور وہ بار بار ان کو کانوں کے پیچھے کرنے میں لگی ہوئی تھی۔ ٹام سن کا بہت دل چاہا کہ وہ آگے بڑھ کر اس کے بالوں کو کانوں کے پیچھے اڑسا دے یا پھر اپنی کلائی میں پہنے چوڑے جرسی کپڑے سے بنے بینڈ کو اس کے بالوں میں جکڑ دے۔ وہ اپنی ایک خواہش تو پوری نہیں کر پایا تھا مگر دوسری کر دی تھی۔ اس نے ہاتھ سے وہ بینڈ اتار کر اینا کی طرف بڑھایا جو سیاہ رنگ کا تھا اور اس پر سفید رنگ سے لبنانی زبان میں کچھ لکھا تھا۔ اینا چونکہ لبنانی نہیں جانتی تھی اس لیے اسے نہیں معلوم تھا کہ اس پر کیا لکھا ہے۔ وہ اس کے بڑھے ہاتھ کو تکتی رہی جس کی ہتھیلی پر وہ بینڈ پڑا تھا۔

"اگر آپ کو محبت ہونے لگی ہے تو اپنا دل بند کر لو اس سے پہلے کہ زمانہ آپ کی محبت کا دل بند نہ کر دے۔"

ہوا کی بڑھتی رفتار کے سبب اس نے بینڈ کو اس کی ہتھیلی سے اٹھایا اور بالوں کو اونچا کر کے اس میں جکڑ لیا۔

"تمہارا شکریہ، مگر ایک بات کہنا چاہوں گی، خود کو ایسا مت بنا دینا کہ لوگ تم سے نفرت کرنے لگیں، تم سے گھن کھانے لگیں، تمہاری موت کی چاہ کرنے لگیں۔ تم ایک اچھا انسان بننا۔ میں جانتی ہوں تم ایسا کرلو گے امید ہے تم میری بات سمجھ رہے ہو گے۔"

کسی ناصح کی طرح کہتے ہوئے وہ اس پر مسکراہٹ اچھال گئی تھی۔ اس کے مڑتے ہی ٹام سن کی آنکھوں میں اچانک کچھ گیا تھا۔ جس کے سبب وہ گیلی پڑ گئیں۔ ویسی ہی گیلی آنکھیں جیسی اس وقت بندھے ہوئے ٹام سن کی تھیں۔ وہ دیکھ رہا تھا اینا کی آنکھوں میں وہی کچھ ہے جو وہ اسے کہہ چکی تھی۔ اس کیلئے نفرت و حقارت، ترس و ہمدردی، گھن و رحم۔ وہ اسے تکتے ہوئے اس آدمی کے الفاظ سن رہا تھا جو سگریٹ سلگاتے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔

"ہم ضرور اس لڑکی تک رسائی حاصل نہ کرتے اگر تم ہم سے روگردانی کے مرتکب نہ ہوتے۔ اس دو ہزار کو خوش آمدید کرتی رات میں ہی اس لڑکی کے خاتمے کا نوٹس آیا تھا۔ ساتھ میں یہ بھی مینشن تھا کہ لائیو شو تمہارے سامنے چلایا جائے تاکہ آگے جب تم جوانی کے مزید جوش تک پہنچو تو دوبارہ رومیو بننے کا سوچو بھی نہ۔"

وہ سگریٹ کو پھینک کر اپنے آدمیوں کو اشارہ کر رہا تھا۔ ٹام سن کی روح اس کے اشارے پر نکلی۔

"تم لوگ کیا کرنے جا رہے ہو، ایسا مت کرو میں کہہ رہا ہوں نا، وعدہ کرتا ہوں آئندہ کسی شکایت کا موقع نہیں دوں گا۔ نہیں ایسا مت کرو ورنہ بخدا تم سب کو ختم کر دوں گا۔ میں نے کہا دور ہٹو اینا سے۔"

مضبوطی سے بندھے ہاتھ پاؤں میں وہ منہ سے کف نکالتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ وہ اینا پر ان تین آدمیوں کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ وہ اس کی چیخوں کے بوجھ تلے دب رہا تھا تبھی خود کو چھڑوانے کی کوشش میں کرسی سمیت گرا تھا۔ گرتے ہوئے وہ سب دیکھ رہا تھا جو وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔

"چھوڑ دو اینا کو۔" اس کی چیخ بھری پھٹی آواز گونجی تھی۔ سرخ ناک و منہ سے کف نکل رہا تھا۔ آنکھیں برسات کا منظر پیش کرنے لگی تھیں۔ معروش نے خلیفہ کے بازو کو سختی سے دبوچ کر خود کو اس کے پیچھے چھپا لیا تھا کہ یہ سب دیکھنے سننے کی اس میں تاب نہ تھی۔

"تم سب کو جیزز کا واسطہ ہے، میں کہہ رہا ہوں وہ سب کروں گا جو کہو گے۔ قتل کروں گا، ریپ کروں گا، زہر بیچوں گا۔ سب کروں گا مگر اسے چھوڑ دو۔"

اس کی آواز وقت کے ساتھ ساتھ دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔ آواز کے ساتھ اس کا احتجاج کرنے کا انداز بھی ماند پڑتا جا رہا تھا۔ معلوم نہیں کتنے دن یا ہفتے گزرے تھے مگر ان شب و روز میں وہ اینا کے ساتھ ہوتے ظلم کو لب بستہ سے انداز میں دیکھتا جاتا تھا۔ پہلے دن اس کا جوش و نفرت زیادہ تھی۔ وہ ان لوگوں کو گالیاں دیتا تھا، مغلظات بکتا تھا پھر وہ رونے لگ گیا تھا۔ کمزور مردوں کی طرح گڑگڑاتے ہوئے وہ زمین پر پڑا روتا تھا۔ اس کی رہائی کی بھیک مانگتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کا رونا بھی سوکھتا گیا۔ الفاظ حلق میں دب گئے اور آنکھیں ساکت ہو گئیں۔ اب وہ مکمل خاموشی کے ساتھ کسی بھی تاثرات کو چہرے پر سجائے اس تماشے کو دیکھتا تھا جس پر کبھی اس کا دل کٹتا تھا۔

آج اتنے دنوں بعد اس نے لبوں کے قفل کو توڑا تھا۔ توڑ کر بولا بھی تھا تو کیا۔

"مجھے لگتا ہے یہ مرنے والی ہے۔" اس کی آواز پر ان میں سے ایک نے مڑ کر اسے دیکھا اور اپنی جگہ سے اٹھ کر اس تک آیا۔ وہ کرسی پر بیٹھا تھا۔ اسی پوزیشن میں جس میں اسے بٹھایا گیا تھا۔

"تمہاری آواز بڑی ہموار ہے۔ کیا تمہیں ذرا بھی فرق نہیں پڑ رہا؟ کل جب کتوں نے اس لڑکی کے بازو کی

بوٹی نکالی تب بھی تم خاموش تھے۔ ہمیں تو لگا تھا واویلا کرو گے۔"

وہ فلیتو چباتے ہوئے مزے سے بولا تھا۔ درحقیقت اسے اکسانا تھا۔

"غلط لگا، تمہیں خود سے قیاس آرائیاں نہیں کرنی چاہئیں، یہ صحت کیلئے اچھی نہیں ہوتیں۔" سادے سے انداز میں کہتے ہوئے وہ خود کو تھوڑا سا جھکاتے ہوئے اس کے عقب میں سے تماشا دیکھ رہا تھا جہاں وہ تین اب ہاتھ جھاڑتے ہوئے اٹھ کر منتشر ہو گئے تھے۔

"دلچسپ، یعنی تم بھی ہم جیسے ہو گئے ہو۔ سن لو، کل تمہاری آزادی کا دن ہے مبارک ہو تمہیں۔ مجھے باس تک یہ خبر پہنچانی ہو گی۔"

وہ آدمی پُر جوشیت میں اس گودام میں بنے کمرے کے اندر داخل ہو گیا جہاں وہ تین بھی گئے تھے۔ ٹام سن نے زمین پر لیٹی ہوئی روتی اینا پر نگاہ ڈالی۔ وہ ہمیشہ کی طرح خاموش نگاہوں سے اسے تکتا رہا۔

"اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں تمہیں جان سے مار دیتی ٹام سن۔" وہ اسے خلیفہ نہیں کہہ رہی تھی۔ اس نام سے پکار رہی تھی جس سے سب اسے پکارتے تھے یعنی وہ بھی لوگوں میں شمار ہو چکی تھی۔ زہر میں بجھے اس کے الفاظ پر وہ مسکرایا اور اپنے مخصوص انداز میں بولا۔

"شاید تم بھول چکی ہو۔ آج سے چھ دن پہلے میں یہیں اس زمین پر گر کر ہی تو مرا تھا۔ تم نے دیکھا تو تھا جب میں مر رہا تھا۔"

وہ دونوں ہاتھ منہ پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ اس کی اتنی زیادہ آہ و بکا پر بھی وہ خالی آنکھوں کے ساتھ ہی رہا۔ کمرے میں گم ہوتا آدمی باہر آیا اور تیز دھار چاقو سے اس کے ہاتھوں اور پاؤں کی رسیاں کاٹ دیں۔

"اوپر سے حکم آیا ہے تمہیں ان رسیوں کی قید سے آزاد کر دیا جائے۔ آج رات تم یہیں رہو گے۔ کل اتھما تمہیں آ کر لے جائے گی۔" وہ آدمی اس کی رسیاں کاٹنے کے بعد کورس میں کہہ رہا تھا جب ٹام سن نے پھرتی سے اس کے ہاتھ سے چاقو جھپٹ کر اس کی گردن کی رگ کاٹ دی۔ وہ خرخر آواز نکالتے ہوئے زمین پر بن آب کی مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا۔ اینا اس منظر کو دیکھ کر دیوار سے جا لگی۔ اس آدمی کی آواز سن کر وہ تینوں آدمی بھی باہر آ گئے تھے جو اینا کی نسوانیت کو داغ دار کر چکے تھے۔ ٹام سن نے خاموش نگاہوں سے انہیں تکا اور پھر سرد آواز

میں بولا۔

"تم لوگوں کیلئے اتنی آسان موت تجویز نہیں کی میں نے۔ تم کتوں کو کھلائے جاؤ گے اور اگر ایسا نہ ہو سکا تو میں اپنے ڈوک کو اجازت دے دوں گا کہ وہ نومولودگی میں ہی انسانی گوشت کا عادی ہو جائے۔ جان جاؤ آج سے ٹام سن ہی تم لوگوں کا باس ہے۔ اینتھما یہ چاہتی تھی اور ایسا ہو گیا۔ کمرے میں جاؤ اور پستول دے کر جاؤ۔ ذرا سی بھی چالاکی تمہاری نسلیں تباہ کر سکتی ہے۔"

وہ تینوں آدمی مٹھیاں بھینچتے ہوئے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ ٹام سن نے مڑ کر دیوار سے لگی اینا پر نگاہ ڈالی جو اس کے دیکھنے کے انداز سے سہم گئی تھی۔

☆......☆......☆

"بڑی ماما! آپ سے ایک بات پوچھوں۔" کیک پر کینڈیز لگاتے ہوئے وہ دعا سے مخاطب ہوا تھا جو اس وقت ٹیبل کو سجانے میں مصروف تھی۔ وہ آج خاص عبداللہ سے ملنے آئی تھی۔ ساتھ میں علیشہ بھی تھی جو اپنے سٹف ٹوائے کو گود میں رکھے انہیں کام کرتا دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اسد بیٹھا تھا۔ عبداللہ کی آواز پر اسد کے ساتھ ساتھ دعا بھی متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہیں اجازت کی ضرورت نہیں ہے عبداللہ۔" وہ نیپکن کا فلاور بناتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ عبداللہ نے کیک کی وسط میں پرپل چیری کو گراتے ہوئے کہا۔

"آپ ماما سے خفا ہیں؟"

دعا کے ہاتھ نیپکن کو بل دیتے ہوئے تھم گئے تھے۔ کاؤچ پر بیٹھے اسد کو بھی یہ سوال پسند نہیں آیا تھا۔ وہ دعا کے دھواں دار چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو ایسا لگتا ہے؟" اپنے پرانے کام میں مشغول ہوتے ہوئے وہ فضول میں ہنستے ہوئے پوچھ بیٹھی۔ عبداللہ کو دعا کی ہنسی کھوکھلی لگی۔

"جی، تبھی تو آپ سے پوچھ رہا ہوں۔" وہ محتاط انداز میں اس کی جانب دیکھتا ہوا بولا۔ اسے ڈر لگنے لگا تھا کہ کہیں وہ غلط بات تو نہیں پوچھ رہا۔

"ایسا نہیں ہے بیٹا، آپ کی ماما میری بہن ہیں اور بہنوں سے ناراض نہیں ہوا جاتا۔ اگر آپ کو لگا ہے تو میں ضرور اس بارے میں سوچوں گی۔" نیپکن کو گلاب کی شکل میں ڈھالنے کے بعد بولی تھی۔ اسد اٹھ کر عبداللہ کے پاس آیا اور اس کیک کو جانچنے لگا جو دعا نے بنایا تھا اور عبداللہ نے سجایا تھا۔

"افوہ موم، کیا آپ کو نہیں پتا عبداللہ کے سوال بھی اسی کی طرح ہوتے ہیں۔ جسٹ اگنور یار۔" پیچھے سے علیشہ کی آواز آئی تھی۔ اسد نے محبت بھری نگاہ اس پٹاخہ پر ڈالی اور عبداللہ کی کمر کے گرد بازو حمائل کر کے بولا۔

"میرے دوست نے کیک کو اچھے سے ڈیکوریٹ کیا ہے۔ یہ ضرور آپ کے ڈیڈی کو پسند آئے گا۔ جانتے ہو کبھی اس کی سالگرہ ہر ملک میں ہر طرح کے لوگ مناتے تھے یہ تب کی بات ہے جب۔" وہ روانی میں بولتے بولتے اچانک رک گیا۔ براق کی خاص ہدایت تھی کہ عبداللہ کو کبھی اس کے ماضی کے بارے میں معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ اسد کی درمیان میں چھٹی بات پر دعا بھی چونکی ہوئی تھی۔ علیشہ کو ڈانٹ پلاتے اس کی ہونٹ تھم گئے وہ رخ موڑ کر ان دونوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"جب، آگے بولیں انکل آپ خاموش کیوں ہو گئے ہیں۔ کیا ڈیڈی بہت مشہور تھے۔" اس کا اشتیاق اس گفتگو میں بڑھ گیا تھا۔ دعا اپنی جگہ چھوڑ کر ان تک آئی اور عبداللہ سے مخاطب ہوئی۔

"عبداللہ، آپ اخلاقیات بھولتے جا رہے ہیں یہ تو میری تربیت نہیں تھی۔ میں نے آپ کو سمجھایا تھا نا کہ جب کوئی بات درمیان میں چھوڑ دے تو اس سے پوچھا نہیں کرتے، کریدتے نہیں ہیں یہ اچھی بات نہیں ہوتی۔" بڑے پیار سے وہ اسے سمجھا رہی تھی اور اسد متبسم نگاہوں سے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"سوری ماما، ڈیڈی کی بات تھی اس لیے پوچھ لیا۔" خجل سے انداز میں کہتے ہوئے وہ نادم لگا۔ اسد نے اس کی کمر کے گرد اپنے بازو کا زور بڑھایا اور کہا۔

"ارے کوئی نہیں یار، آپ پوچھ سکتے ہو۔ انفیکٹ وہ آپ کے ڈیڈی ہیں اور لیس یہ بات سچ ہے کہ آپ کے ڈیڈی بہت مشہور تھے۔ اچھے انسان مشہور ہی ہوا کرتے ہیں۔ جب آپ بڑے ہو جاؤ گے تو جان جاؤ گے۔"

اسد کو عبداللہ بہت پیارا تھا۔ ہوتا بھی کیوں نا اس کے جگری کی اولاد جو تھا۔ وہ محبت پاش نگاہوں سے اس کے نقوش کو کھوج رہا تھا جب باہر سے سلام کی آواز آئی تھی۔ وہ اور کوئی نہیں براق تھا جس کی آواز سنتے ہی علیشہ

اپنا سٹف ٹوائے چھوڑ باہر کو بھاگی تھی۔

"براق انکل۔" وہ اس کا نام پکارتے ہوئے ایکسلریٹ کی سپیڈ سے دوڑ کر اس کے پاؤں سے چمٹ گئی۔ خاموش سا براق جسے سولیم چھوڑ کر سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی تھی اس کے انداز پر وارفتہ ہو گیا۔ جھک کر اسے گود میں اٹھایا اور ماتھے پر بوسہ دینے لگا۔

"کیسا ہے میرا بیٹا۔" ساری کلفت اچانک اڑن چھو ہوئی۔ وہ اس کے ماتھے پر آئے بال سیٹ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"میں بور ہو رہی ہوں۔ آپ کو ایک راز کی بات بتانا چاہتی ہوں مگر وہ جو آنٹی ہیں نا اندر، انہوں نے مجھے وارننگ دی ہے کہ اگر میں نے اپنا منہ کھولا تو چار دن مجھے پاکٹ منی نہیں دیں گی اور آپ تو جانتے ہیں میں بغیر آئس کریم کھائے زندہ نہیں رہ سکتی۔"

وہ نان سٹاپ بولے جا رہی تھی۔ اندر وہی آنٹی جسے دعا کہتے ہیں اس کی اونچی آواز پر کڑوا گھونٹ بھر کر رہ گئی۔ یہ لڑکی ضرور اس کی ناک کٹوائے گی۔ اسد اور عبداللہ اس کی بات پر ہنسی اپنے حلق میں دبا گئے تھے۔ وہ سب براق کیلئے کی گئی ارینجمنٹس کو خفیہ رکھنا چاہتے تھے مگر انہیں سو فیصد یقین تھا کہ وہ پیٹ کی ہلکی ہر بار کی طرح اس بار بھی براق کو سب بتا دے گی۔ ایسی کوئی بات نہیں تھی جو وہ براق کو نہ بتاتی ہو۔ اس کا دن ہی نہیں نکلتا تھا جب تک وہ براق کو ایک ایک روداد نہ سنا دے۔ ان باتوں میں زیادہ تر شکایت کے پٹارا ہوتے تھے جنہیں وہ کام کرتے ہوئے سنتا چلا جاتا تھا۔

"لیکن میری ٹمی وزن سے بھاری ہوتی جا رہی ہے۔ جب تک میں آپ کو بتاؤں گی نہیں تب تک پریشان رہوں گی۔"

براق لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اسے لاؤنج سے باہر لے آیا۔ شیشے والے دروازے کو جو لان میں کھلتا تھا سلائیڈ کرنے کے بعد وہ اپنے قدم کرسیوں کی جانب بڑھا رہا تھا۔ ایک کرسی پر اسے اور دوسری پر خود بیٹھتے ہوئے وہ بولا۔ "میں جانتا ہوں میری بیٹی پر بہت ظلم ہوتا ہے لیکن وہ کیا ہے نا کہ جس بات سے بڑے منع کر دیں انہیں کیا نہیں کرتے۔ ہو سکتا ہے اگر آپ وہ بات کر دیں گی تو گڑبڑ ہو جائے۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

علیشہ نے ماتھے پر بڑوں والے انداز میں ہاتھ مارا۔

"افوہ، آپ پر بھی ماما کے رنگ چڑھ گئے ہیں۔" کہتے کہتے وہ اچانک آگے کو ہوئی اور رازدارانہ انداز میں بولی۔

"ٹھیک ہے میں آپ کیلئے اپنی پاکٹ منی گنوانے کیلئے تیار ہوں۔ راز کی بات یہ ہے کہ آپ کی برتھ سیلبریشن کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ کیک ماما نے بنایا ہے اور عبداللہ نے ڈیکوریٹ کیا ہے۔ اسد ماموں نے آپ کیلئے ایک گفٹ لیا ہے جس میں رسٹ واچ ہے۔ ماما آپ کیلئے پیکنگ میں گفٹ لائی ہیں جسے کھولتے ہی آپ نے مجھے دکھانا ہے اور ہاں۔" وہ تیزی میں بولتے ہوئے براق کے خشمگیں انداز کو بھی نوٹ نہیں کر پائی تھی جو آنکھوں کی پتلیوں کو سکیڑتے ہوئے اسے تک رہا تھا۔

"اور میں نے آپ کیلئے بیسٹ فرینڈ والا کارڈ بنایا ہے جسے آپ نے بہت پسند کرنا ہے۔"

براق نے لبوں سے سانس نکال کر دائیں جانب دیکھا اور پھر کہا۔ "کیا آپ کو نہیں لگتا آپ نے غلط کر دیا ہے۔ آئی مین آپ کو عبداللہ سے کچھ سیکھنا چاہیے۔"

علیشہ نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ "ہا، وہ بھوندو، اس کے بارے میں کچھ نہ کہیں وہ تو پٹ ہے پٹ۔" ہاتھ کو لہراتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی۔ براق کو اچانک اس پر ٹوٹ کر پیار آیا مگر عبداللہ کا دفاع بھی ضروری تھا۔

"خبردار علیشہ، آپ میرے بیٹے کو برا نہیں کہہ سکتیں۔ وہ اس دنیا کا سب سے اچھا بیٹا ہے۔" لبوں پر آئی ہنسی کو روکتے ہوئے وہ علیشہ کی پھٹی بے یقین آنکھیں دیکھ رہا تھا۔ سینے پر انگلیاں رکھتے ہوئے وہ سر کو آگے کر کے بولی۔

"اور میں کیا ہوں آپ کی، یعنی ماما کی طرح آپ بھی یہی کہیں گے یعنی میری کوئی ویلیو نہیں۔ آہ میرا نازک دل، اس میں درد ہو رہا ہے آپ کی بات سن کر۔" آنکھیں بند کرتے ہوئے کہہ کر وہ براق کو قہقہہ لگانے پر مجبور کر گئی۔ آگے بڑھ کر اس نے علیشہ کو ہگ کیا تھا۔ سولیم جو فریش ہونے کے بعد بالکونی میں رکھے اپنے جھولے پر آ کر بیٹھی تھی براق کے قہقہے پر متحیر رہ گئی۔ اس کا حیران ہونا بنتا بھی تھا کیونکہ کچھ دیر قبل کی شکست و ریخت کا جو جال تھا وہ بخوبی براق کے چہرے پر دیکھ چکی تھی۔ اس نے خود کو تھوڑا سا جھکا کر جالیوں سے جھانکا۔ وہ ہنسنے کے

بعد علیشہ کو خود سے لگا رہا تھا۔

"مجھے نہیں معلوم آپ اتنی چھوٹی سی نے یہ ڈرامے بازیاں کہاں سے سیکھی ہیں لیکن واللہ مجھے میرے بیٹے پر ترس آرہا ہے۔ وہ سیدھا سادھا اور آپ۔" اسے سینے سے لگائے وہ زیر لب بولا تھا ایسے کہ علیشہ کو لکھ اس کی بات سمجھ نہیں آئی۔

"سنا آپ نے۔ میرا دل کس قدر دھڑک رہا ہے۔ ایسا اس لیے ہے کیونکہ اسے تکلیف ہوئی ہے۔" منہ بسورتے ہوئے وہ اس سے دور ہوئی تھی۔ براق نے تھوڑی تلے ہتھیلی ٹکائی۔

"میرے دل نے آپ کے دل کو سمجھا دیا ہے کہ بیٹیاں ڈیڈیز کی بات پر دکھی نہیں ہوا کرتیں اور وہ یہ بات مان چکا ہے اس لیے مسکرا دیں۔" سولیم نے دیکھا، علیشہ اس کی بات پر دانت کھول کر مسکرا رہی ہے۔ اس کے بعد وہ اس کے ساتھ ہائی فائیو کرتے ہوئے اپنے لب اس کی ناک پر رکھ گئی۔ وہ ان دونوں کو یونہی چھوڑ کر آسمان کو تکنے لگی۔ اس آسمان کو جہاں سے سات پردوں بعد اس کا اللہ رہتا ہے۔ وہ جو اس کے دل کے درد، اس کی زبان کی خاموشی اور بدلتے رویوں سے اچھے سے آشنا تھا۔ وہ اسی اللہ سے جو دل کے درمیان حائل تھا مخاطب ہوئی۔

"مجھے نہیں معلوم یہ سب جو ہو رہا ہے ٹھیک ہے یا نہیں، نہیں جانتی اس کے بعد کیا ہوگا۔ میرا دل خالی ہی رہنے دو اللہ، اسے بھریں مت اگر یہ بھر گیا تو ڈوب جائے گا اور ڈوب جانے والے تو مر جاتے ہیں نا۔ میں نہیں چاہتی میرا دل مرے۔"

نم آنکھوں سے وہ آسمان کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ وقت گزرا تھا جب کسی نے بڑی شدت سے اس کا نام پکارا تھا۔ نہیں یہ شدت پہلی بار نہیں تھی ایسا تو ہر روز ہوتا تھا بس وہ ہی محسوس نہیں کر پاتی تھی کیونکہ وہ محسوس کرنے والوں میں سے تھی بھی نہیں۔

"سولیم!" براق بالکونی کی جالیوں کو کراس کرتا ہوا اس کے پاس آیا۔ وہی صبح والے سلوٹ زدہ کپڑے، چہرے پر تھکاوٹ اور گریفائیٹ آنکھوں میں خوشی کی چمک لیے وہ ہاتھ آگے بڑھائے کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر پریشانی کا ملگجا سا اندھیرا تھا جسے ٹٹولتے ہوئے وہ اب اس کی چوڑی ہتھیلی کو دیکھ رہی تھی جو اس کے سامنے تھی

اوراس پر عبداللہ کا بنایا کارڈ رکھا ہوا تھا۔وہ اس کارڈ سے نظریں ہٹا کر اسے تکنے لگی جو کہہ رہا تھا، پتا نہیں کیوں آج اسے اس کی بات ٹھیک طرح سے سنائی نہیں دے رہی تھی۔

" یہ پپی فیملی کارڈ عبداللہ نے بنایا ہے اور جانتی ہیں اس میں اس نے کیا لکھا ہے؟" چمکتے ہوئے لو زدہ چہرے کے ساتھ وہ اس کے پوچھنے سے پہلے ہی بول اٹھا۔

" عبداللہ نے اس میں فیملی قول لکھا ہے اور وہ اس کا خود کا تخلیق کردہ ہے۔سولیم، ہمارا بیٹا ٹیلنٹڈ ہے۔" کیا کوئی کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی براق ہے جو کچھ وقت پہلے دکھی تھا۔اتنا دکھی کہ اسے دیکھ کر دل پکڑ لیا جائے۔

" آئیں وہ آپ کو خود پڑھ کر سنائے گا۔" جذباتیت سے مغلوب لہجے میں وہ اس کی کلائی تھام کر اسے اٹھنے پر مجبور کر گیا تھا۔ایک جھٹکے سے سولیم اس کے کھینچنے پر اٹھی تھی۔اٹھنے کے بعد اس نے مڑ کر دیکھا ایک سولیم براق کے ساتھ کھینچی چلی جا رہی تھی تو دوسری متورم آنکھوں کے ساتھ اسے جاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔اس نے لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ چلتے ہوئے اس حیرت کدہ کو اور پھر براق کو تکا جو کمرے کے دروازے تک پہنچتے ہی اچانک سے رکا تھا۔وہ رک کیوں گیا؟ سولیم نے اس بات کا شدید نوٹس لیا۔براق مڑا، مڑ کر اس نے اپنی نگاہیں سولیم کی کلائی پر ڈالیں جہاں اس کا ہاتھ بھی موجود تھا۔اپنی جسارت ،اپنی اس فاش جسارت پر اس کے چہرے کی ہوائیاں اڑی تھیں۔اس نے لمحے سے پیشتر اس کے ہاتھ کو چھوڑ دیا۔براق کے ہاتھ میں قید سولیم کا ہاتھ ایک جھٹکے سے ہوا میں لہراتا ہوا تھم گیا تھا۔ساتھ چھوٹ گیا تھا، مضبوط و مستحکم ساتھ، تحفظ کا دائرہ جیسے مٹ سا گیا ہو، وعدے جیسے قضاء کی اور رخصت ہوں۔دل جیسے ڈوب گیا ہو اور سانس جیسے تھم گئی ہو۔

" معذرت۔" ایک لفظ بول کر کارڈ کو دروازے کے قریب رکھی میز کی سطح پر دھرتا ہوا وہ رکا نہیں تھا۔اسے لگ رہا تھا سولیم اس کی اس حرکت پر اس سے خفا ہو جائے گی اس لیے وہ مزید کچھ بھی کہے بغیر چلا گیا۔اس کا جانا سولیم کو بہت کھلا تھا۔وہ کھڑے قد کے ساتھ نیچے گری تھی۔اسے رونا آ رہا تھا، بہت زیادہ رونا۔مٹھیوں کو کھول بند کر کے گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ آنسوؤں کو حلق سے نیچے اتار رہی تھی۔اس کی آنکھوں کے سامنے شاکر کی تصویر تھی اور نیچے سے سالگرہ مبارک کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں۔براق کی پیدائش کے دن وہ خود کو مار گئی تھی۔اس سولیم کو ختم کر گئی تھی جو کبھی براق سے نفرت کیا کرتی تھی، جس کیلئے براق کا وجود اس دنیا میں ایک

بھار تھا، ویسا ہی بھار اب سولیم کے دل پر آن گرا تھا۔بس فرق اتنا تھا کہ وہ اس جذبے میں قید ہو گئی تھی جس میں کبھی ہونا نہیں چاہتی تھی۔

"ماما، فیملی کیک کٹ کرنے کی باری ہے۔دروازہ کھولیں۔" عبداللہ کی دستک پر اس نے اپنے گال پر بہتے آنسوؤں کو پونچھا اور خود کو باہر لے جانے کیلیئے تیار کرنے لگی۔مضبوط تو وہ شروع سے ہی تھی اپنے غم پر چادر ڈالنا اسے اچھے سے آتا تھا۔

"دو منٹس بعد آتی ہوں عبداللہ۔" اس نے خود کو کہتے ہوئے سنا تھا۔

☆......☆......☆

"پرفیکٹ۔"

گولی عین نشانے پر لگی تھی۔دور گھاس کا بنا پتلا گولی کی آواز سے سہم کر بری طرح ہلنے لگا۔اس کا سر نشانے پر تھا اور ٹکڑے ہو کر نیچے گر رہا تھا۔لیرا نے اسے نشانہ لگاتے دیکھا اور متاثر ہوتے ہوئے بولی۔

"میں نہیں جانتی تھی تم اتنے اچھے نشانے باز ہو،شروع سے تھے یا اب ایسا ہوا ہے؟"

وہ آج گشت پر نکلا تھا۔لیرا اور اس کی ماں کی خاص ہدایت پر بھی۔اس نے سیفٹی میٹرز نہیں لیے تھے بس سر پر ہڈ ڈالے وہ سڑکوں کو چھانتے ہوئے اس مکئی کے کھیت میں آ گیا تھا جہاں اس کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا اور اب لیرا کی آمد اسے چونکا گئی تھی۔

"تم یہاں کیسے پہنچی؟" اس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ ایک دوسرے پتلے کو تاک رہا تھا۔آنکھیں چندھی تھیں اور کھڑی ناک پر محسوس کی جانے والی تمتماہٹ، لیرا نے اس کے کھڑے نقوش کو دل میں اتارا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

"تم کہیں بھی چلے جاؤ مجھے پتا لگ جائے گا۔میرا مطلب ہے یہ میرا شہر ہے اور میں اس کے چپے چپے سے واقف ہوں۔یہاں کے لوگ مجھے جانتے ہیں۔انہوں نے ہی بتایا کہ تم یہاں آتے ہوئے دیکھے گئے ہو۔" اس کے گھورنے پر وہ فوراً بات سنبھال گئی تھی۔گردن کی سائیڈ کو کھجاتے ہوئے اسے جانے کیوں لیرا ان کے دیکھنے کے انداز میں خفگی محسوس ہوئی۔

"ایک بات کلیئر کر دوں لیرا، جیسا تم سوچ رہی ہو ویسا بالکل نہیں ہو سکتا۔ ایسا ہونا طے ہی نہیں۔"

''تم اتنے وثوق سے کیسے کہہ سکتے ہو؟'' وہ جھٹ اس کی بات کاٹ گئی تھی۔ سرخ رنگ میں رنگے اس کے ناخنوں کی شبیہہ آنکھوں میں دکھنے لگی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دیتا فضا میں گولیوں کی آوازیں گونجنے لگیں۔ وہ ایک جھٹکے سے لیرا کے سر کو زمین پر کر کے خود بھی بیٹھا تھا۔ وہ اسے پروٹیکٹ کر رہا تھا۔ اس کے سر کو کہنی میں چھپائے شانے سے لگاتے ہوئے مکئی کی لمبی لمبی شاخوں میں چھپ گیا تھا۔ ایک ہاتھ میں پستول تھا اور آنکھوں میں گہرے ارادے۔ لیرا نے شانے کے پاس سے اس کے دل کی دھڑکن سنی۔ اس لے میں وہ ڈوب سی گئی۔

"لیران۔۔۔ آئی لو یو۔" اسے خود کے دل کی آواز سنائی دی جو اپنی آواز لیران کے دل تک پہنچانے کی سعی میں تھا۔

"تم یہاں بیٹھو میں دیکھ کر آتا ہوں۔" وہ کھڑا ہونے لگا تھا جب لیرا نے اس کا بازو کھینچ لیا۔

"یہ سب یہاں نارمل ہے۔ کچھ بھی نہیں ہوا ہم دونوں چلتے ہیں۔'' اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں ڈالتے ہوئے وہ مخمور لہجے میں بولی تھی۔ وہ چند سیکنڈ اسے دیکھتا رہا پھر یکدم کرنٹ کھا کر کھڑا ہوا تھا۔

"تمہارا شکریہ میں چلا جاؤں گا۔" ایک بار پھر سے اس کا ہاتھ لیرا کی گرفت میں تھا۔ گولیوں کی آوازیں دور سے ہنوز آ رہی تھیں۔ لیران کو اس گرفت میں کوفت محسوس ہونے لگی۔ وہ اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے گھوم کر اس کے سامنے آئی۔ سبز چست بنیان نما ٹی شرٹ اور سفید جینز میں بالوں کی اونچی پونی کے ساتھ وہ ناک کے درمیان جھولتی چھوٹی سی بالی کے نیچے موجود سرخ رنگ سے سجے ہونٹوں کو ہولے سے ہلا گئی۔

"لیران! کیا ایسا ممکن نہیں کہ۔" وہ اس کے دوسرے ہاتھ کو بھی تھام کر بہت قریب آ گئی تھی۔ لیران نے اس کے بہکتے انداز کی سخت مذمت کی۔

"نہیں۔" وہ لمحے کے ہزارویں حصے میں اس کی بات کاٹ گیا۔ اس کے انداز میں درشتی تھی۔ "ایسا بالکل بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔ اپنی سوچ کو یہیں جھٹک دو لیرا، ورنہ مجھ سے گلہ نہ کرنا کہ بنا بتائے غائب ہو گیا کیونکہ اگر تم باز نہ آئیں تو میں ایسا ہی کروں گا۔"

اس کے دونوں ہاتھوں کو جھٹکتے ہوئے وہ مڑ گیا تھا۔ اس چیز کی پرواہ کیے بغیر کہ دور گولیاں چل رہی ہیں۔ مکئی کے کھیت اس کی دل آزاری پر خون کے آنسو رو رہے ہیں یا پھر وہ لڑکی جو اس کے عقب میں کھڑی ہے وہ اس کی بے اعتنائی پر اپنا دل کاٹ چکی ہے۔ وہ ان سب باتوں کو نظر انداز کر کے مڑ گیا تھا۔

لیرا نے آنسوؤں کو نکلنے سے روکا اور اس کے پیچھے بھاگی۔

"ہے۔ تم تو سنجیدہ ہو گئے۔ میں مذاق کر رہی تھی یار، چل کرو۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولی تھی۔

لیران نے چلتے چلتے اس کی بات کا جواب دیا۔

"تم جانتی ہو مجھے اس طرح کے مذاق پسند نہیں۔ پھر بھی کر جاتی ہو۔ یہ سب میرے مزاج کے خلاف ہے سو نیکسٹ ٹائم کیلئے بی کیئر فل۔"

سیاہ جیکٹ کو تھوڑا اوپر اٹھا کر وہ چلتے ہوئے پستول کو بیلٹ میں اٹکا رہا تھا۔ مکئی کے کھیت دور چھوٹ گئے تھے۔ آبادی آ گئی تھی۔ کھچڑی زدہ بالوں والے لوگ یہاں وہاں ٹہلتے ہوئے نظر آنے لگے تھے۔

"ٹھیک بابا، خیال رکھوں گی۔ یہ بتاؤ آج موڈ کیوں آف ہے۔ کیا اس سب کا تعلق مجھ سے تو نہیں۔" لیران کے خشمگیں انداز میں دیکھنے پر وہ ہنس دی۔

"تمہیں کچھ زیادہ خوش فہمی نہیں اپنے بارے میں۔" کہتے کہتے اچانک اس کی نگاہ کسی کی گاڑی پر پڑی تھی۔ اندر بیٹھے انسان کو دیکھ کر اس کا دل اچانک سے دھڑکا تھا۔ وہ جھٹ سے مڑا اور ہڈ کو ناک تک کھینچ گیا۔ لیرا کو اس کا یہ انداز کھٹک گیا، تجسس کے مارے وہ پوچھ بیٹھی۔

"کیا دیکھا تم نے لیران، بتاؤ مجھے۔" وہ اس کے سامنے آ گئی تھی۔ آنکھوں میں سوال کی بوچھاڑ تھی۔ لیران کے ایک لفظ پر وہ پانی ہو گئی۔

"خلیفہ تبریز کو۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی بھی تھی۔" گاڑی کے گزرنے کی آواز وہ سن چکا تھا تبھی سابقہ پوزیشن میں آ کر چلنے لگا۔ ہڈ ماتھے تک کیا اور جیکٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈال لیے۔

"ہاں دیکھا میں نے، وہ لڑکی اس کی بیوی ہے۔ معروش حبیب شاید یہی نام ہے اس کا۔" اپنے ذہن پر زور ڈالتے ہوئے وہ اسے بتا رہی تھی۔ لیران کچھ نہیں بولا بس چلتا رہا۔

"یہ بات ناقابل یقین ہے کہ خلیفہ جیسا بندہ ایک عورت پر قناعت کر کے بیٹھ چکا ہے۔ حالانکہ اس سے اس چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی۔" لیران تضحیکی انداز میں مسکرایا۔

"ہوسکتا ہے اس سب کے پیچھے اس کا کوئی مقصد ہو۔ کیا کہا جاسکتا ہے۔"

لیرا اس کی بات سے متفق ہوگئی تھی۔ اتنا تو وہ جان چکی تھی کہ وہ لڑکی بھی خلیفہ کو پسند نہیں کرتی اور زبردستی اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس نے اس بات کو زبان دی تھی۔

"ہاں ممکن ہے کیونکہ جہاں تک میں نے نوٹ کیا ہے وہ لڑکی اس کے ساتھ بالکل خوش نہیں۔ ایسے انسان کے ساتھ کوئی خوش رہ بھی کیسے سکتا ہے۔"

لیران دکانوں پر بیٹھے آدمیوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے چلتا رہا۔ اس بات پر اسے ریمارکس پاس کرنے تھے اور نہ ہی اس نے کیے۔ لیرا جو ہمیشہ کی طرح اس کے ساتھ بات کو طول دینا چاہتی تھی اس کی خاموشی پر خجل سی ہوگئی۔

وہ بھی خاموشی سے چلنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں خلیفہ کی بیوی تھی۔ وہی بیوی جو کاؤچ پر بیٹھی اسے سن رہی تھی۔ جو سنہری شربت کو حلق میں انڈیل رہا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"ہر انسان پیدائشی برا نہیں ہوتا معروش! لوگ، ماحول، حالات اور دل انسان کو برا بنا دیتے ہیں۔ فطرت اچھی ہوگی تو آپ ان سب عوامل کے باوجود اچھے رہو گے۔ فطرت بری ہوگی تو برے ہی رہو گے۔ اگر فطرت درمیانی ہوگی تو پینڈولم کی طرح جھولتے رہو گے۔ کبھی اچھے کبھی برے، کبھی برے تو کبھی اچھے۔"

وہ ہائی ڈوز لے رہا تھا اور پھر بھی نشہ اس پر اس طرح نہیں چڑھ رہا تھا جس طرح سے چڑھنا چاہیے۔ بقول اس کے خود کہ وہ ایک نشہ ہے۔ ایک ناقابل تسخیر انسان! اتنا ناقابل تسخیر کہ آج تک وہ خود تک بھی پہنچ نہیں سکا تو دوسروں کی تو بات ہی اور ہے۔

"استھما نے مجھے برا بنایا، بنا بلکہ بنتا ہی گیا۔ یہ سلسلہ اتنا آگے تک گیا کہ پیچھے مڑ کر دیکھنے میں فقط دھند ہی نظر آتی ہے۔ آنکھوں میں مرچیں ڈال دینے والی دھند۔ جانتی ہو جب یمن سے متعارف ہوا تو کیا سوچا تھا میں نے؟" وہ اس سے سوال کر رہا تھا جو ساکت مجسمے کی طرح براجمان اپنے دل کے تمام کواڑ بند کیے اسے سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"اینا کے ساتھ مرنے کے بعد پہلی بار دل میں زندہ ہونے کی خواہش جاگی اور جنگ چھڑ گئی۔اس سب کو چھوڑ دینے کی جو میری تباہی کا ذمہ دار ہے پہلی بار میں نے سوچا کہ کیوں نہ میں بھی نارمل لوگوں کی طرح جیوں اور سب بھلا دوں۔تم جانتی ہو یہی خواہش آج پھر سے میرے دل میں جاگ رہی ہے۔"

وہ اسے نہیں دیکھ رہا تھا، شیشے کے گلاس میں موجود اپنے مشروب کو تک رہا تھا جو اَب اس کے دماغ پر اثر انداز ہونے لگا تھا۔

"معروش! تمہاری چاہت اول روز سے ہی ہو گئی تھی، آج بھی ہے اور اسی چاہت کے عوض میں سب کچھ چھوڑنے کیلئے تیار ہوں۔یاد ہے میں نے تم سے کہا تھا، محبت اپنی جگہ اور کام اپنی جگہ، میں اپنے کام کو چھوڑتا ہوں، سب کچھ چھوڑ دوں گا۔یہ دھندا، یہ کالکیں یہ دولت سب پھینکنے کیلئے تیار ہوں بس تم راضی ہو جاؤ۔ہم دنیا کے کسی ایسے کونے میں چلے جائیں گے جہاں کوئی ہمیں نہ پہچانتا ہو، کوئی نہ جانتا ہو۔ہم دونوں ایک نارمل لائف جئیں گے ایک مکمل زندگی۔"

اس کے لہجے میں التجا در آئی تھی۔گلاس کو شیشے کی میز پر رکھ کر وہ اٹھ کر اس کے پاس آگیا۔اس کے ہاتھ کو تھام کر آنکھوں میں کہکشاں سجائے وہ اس کے ایک ہاں کا منتظر تھا۔اس ہاں کا جس کے بعد سب کچھ بدل جانا تھا ویسی ہی ہاں جیسی کی توقع اسے اینا سے بھی تھی۔

"میں تمہارے لیے سرنڈر کرنے کیلئے تیار ہوں، سب خفیہ باتیں ریکارڈ کراؤں گا۔وہ سب بتاؤں گا جو اس یونٹ کو ختم کرنے کیلئے کافی ہوگا۔معروش! میں بھی تھک گیا ہوں۔اب سکون چاہیے۔بولو کیا تم اس سکون کو دلانے میں میری مدد کرو گی؟" آنکھوں میں آس لیے وہ اچانک اپنی انا کو زمین میں گاڑ گیا تھا۔اس کے اندر جو توڑ پھوڑ ہو رہی تھی اس کا ادراک معروش کو رفتہ رفتہ ہونے لگا تھا۔آنکھیں سکیڑے لبوں کو سیئے وہ اسے سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"میں تمہیں دکھاتا ہوں معروش، اس رات کے بعد کیا ہوا۔تم وہ سب دیکھنے کے بعد ضرور مجھ سے رحمدلی کرو گی۔تمہارے دل میں میرے لیے وسعت جاگ جائے گی۔تم دیکھو آؤ میں تمہیں دکھاتا ہوں۔"

جذباتیت سے کہتے ہوئے اس نے رخ موڑا۔سامنے دلخراش ماضی سرتانے کھڑا تھا۔اس کمرے کے ایک

حصے میں پھر سے ماضی زندہ ہو گیا تھا۔ کمرہ آدھا بٹ گیا۔ ایک حال تھا تو دوسرا ماضی۔ معروش دیکھ رہی تھی کہ ایک بھرپور نوجوان جس کے بال چھوٹے ہیں اور وہ خون آلود کپڑوں اور چہرے کے ساتھ اپنی کرسی کے پاس کھڑا ہے۔ اب چل کر اس لڑکی کے پاس جا رہا ہے جو دیوار سے چپک کر بیٹھی ہوئی ہے۔ وہ سہمی ہوئی ہے اور بیمار بھی۔

"میں نے غلط کیا اینا، تم سے دل لگا کر میں نے بہت غلط کیا۔" وہ لڑکا دوزانو اس کے پاس آ کر بیٹھا اور اپنی چیک دار شرٹ اتار کر اس لڑکی پر ڈال دی۔

"مجھ ایسے انسان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا ہم لوگ رشتوں کیلئے بنے ہی نہیں۔" اس کی آنکھیں خشک تھیں لیکن الفاظ رو رہے تھے۔ اینا نے بمشکل لبوں کو ہلایا۔

"میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی ٹام سن، تم بھی اذیت سے مرو یہ میری خواہش ہے۔"

ٹام سن؟ کیا اس نے اسے ٹام سن بلایا تھا؟ وہ لڑکی جو ساری دنیا سے کٹ کر اس خاموش طبع لڑکے کو اس کے ڈاکومنٹری نام سے پکارتی تھی آج وہی اسے ٹام سن کہہ رہی تھی۔ وہ نام جو اس کیلئے ایک تکلیف تھا۔ گلے کا طوق تھا۔ دوزانو بیٹھے لڑکے کی آنکھیں یونہی ساکت رہیں۔ جیسے پہلے تھیں۔ ہاں اندر بہت۔۔ بہت اندر ایک اذیت کی لہر اٹھی تھی جو پورے بدن میں سرایت کر گئی تھی۔ اینا کی نفرت اس کیلئے وہ آخری چیز تھی جو وہ تصور کر سکتا تھا۔

"تم نے مجھے برباد کر دیا، تمہاری وجہ سے میں تباہ ہو گئی۔ مجھے مار دو تم۔ میں جانتی ہوں یہ کام تم بخوبی کر لو گے۔ پلیز مجھے اس اذیت سے چھٹکارا دلا دو۔ تمہیں تمہاری جھوٹی محبت کا واسطہ۔"

"مجھے بہت تکلیف ہو رہی ہے خلیفہ، بہت زیادہ۔ پلیز مجھ پر احسان کر دو مجھے تم مار دو، میں جانتی ہوں تم یہ کر سکتے ہو۔ ایک تم ہی تو ہو جو یہ کر لو گے جو مجھے آسانی سے موت دے دے گا۔ نہیں تو میں پل پل مروں گی۔ پلیز خلیفہ میری بات مان جاؤ۔"

وہ بلک بلک کر رو دی تھی۔ اس کے ہاتھ منہ پر دھرے تھے۔ بے خودی میں، بیگانگی میں وہ اسے پھر سے خلیفہ پکار اٹھی تھی۔ اس کی آواز اس کمرے میں گونجنے لگی۔ وہ خلیفہ جو اب اس لڑکی کیلئے ٹام سن تھا تھوڑا سا جھک کر آگے ہوا اور اس لڑکی کا سر خود کے شانے سے لگا گیا۔

"ہاں میں ایسا کروں گا۔ ایک میں ہی تو ہوں جو یہ سب کر سکتا ہے۔ میں آج کے بعد یہ سب کرتا رہوں گا۔

تمہارے لئے بیحد ضروری ہے اینا کہ تم پرسکون کی نیند سو جاؤ، یہ دنیا، اس میں بستے لوگ بہت بے رحم ہیں۔تم اپنے خلیفہ کی طرح پرسکون ہو جاؤ اور چھوڑ دو اس جسم کو جو محض ایک آزمائش کے کچھ نہیں، آنکھیں بند کرو کہ تم آزاد ہونے والی ہو۔"

آہستہ سے اس کے کان میں پھسپھساتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔اس کے بائیں ہاتھ میں پستول تھا جس کی نال اینا کی کمر پر رکھتے ہوئے اس نے ایک ساتھ چار فائر کر دیے۔اینا جھٹکے کھاتے ہوئے اچانک ٹھنڈی ہوئی تھی۔ٹام سن نے اس کی آخری سانس اپنے کان کے پاس سنی اور کئی ساعتیں اسی پوزیشن میں گزار دیں۔

کون دیکھ سکتا تھا کہ گولی چلاتے ہوئے اس بے حس انسان کے ہاتھ کس قدر لرزش کا شکار ہوئے ہیں۔کون دیکھ سکتا تھا اس آخری آنسو کو جو گال پر سے لڑھکتا ہوا اس مردہ محبت کے بالوں میں جذب ہو رہا تھا جو اپنے ساتھ اسے بھی مار گئی تھی۔کون محسوس کر سکتا تھا بھلا اس کے درد کو؟ آخر کون؟

معروش نے حیرت سے خلیفہ کو تکا، اس کی حیران آنکھیں کہہ رہی تھیں تم ایسا کیسے کر سکتے ہو؟ مگر پھر وہ اپنے سوال پر ہی مسکائی، تضحیکی مسکراہٹ کہ وہ جانتی تھی خلیفہ سے کچھ بھی توقع کی جا سکتی ہے۔

"ناقابل یقین، ہمیں لگا تھا تم ایسا کبھی نہیں کر پاؤ گے لیکن باس شروع دن سے یہی چاہتا تھا۔" اس آواز پر حال میں موجود خلیفہ پر سے نگاہ ہٹا کر وہ ماضی کی اور نظر ڈال گئی جہاں ایک آدمی گودام کے خفیہ کمرے سے نکل کر باہر آیا اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ بولا۔اینا کو چھوڑ کر وہ مڑا مڑ کر کھڑا ہوا اور کھڑے ہو کر چندھی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔وہ آدمی اس کے اس انداز میں تکنے پر خائف ہوا تھا۔

"ٹام سن۔" بڑی شدت سے اس کی بات کاٹی گئی۔

"ٹام سن نہیں خلیفہ تبریز، حفظ کر لو خود بھی اور اپنے باس کو بھی رٹا دو یہ بات۔آج سے خلیفہ تبریز کا دور شروع ہوا۔"

اور پھر جو اس نے کہا وہ کیا بھی۔ایتھما کو اس میں دلچسپی تھی وہ اس کی دلچسپیوں کو پورا کرتے ہوئے اسے اپنا غلام بنا چکا تھا اور اسی طرح وہ باس تک پہنچا تھا جس کا سر قلم کرنے کے بعد اس نے اپنا چارج سنبھال لیا تھا۔وہ دن تھا اور آج کا دن۔خلیفہ تبریز منہ زور گھوڑے کی طرح دوڑتا ہی گیا۔اس کے راستے میں ہزار

قدغنیں آئی تھیں، لاکھ باڑیں تھیں جنہیں عبور کرتے ہوئے وہ بنا مڑے، بنا رکے آگے سے آگے بڑھتا چلا گیا۔ ظلم و جبر کا رنگ اس پر ایسا چڑھا کہ پھر اتر نہ پایا۔ رحم کیا ہوتا ہے وہ بھول گیا، انسانیت کسے کہتے ہیں اسے یاد نہ رہا۔ ان تینوں آدمیوں کو کتوں کو کھلانے کے بعد اس نے ایتھما کے ساتھ بھی یہی کیا تھا۔ سب سمجھتے تھے اسے اپنی "ماں" سے پیار تھا لیکن درحقیقت وہ اس سے نفرت کرتا تھا۔ ایسی نفرت جو بدن کو نیلا کردے، روح کو خاک اور دل کو کوئلہ۔

نفرت و انتقام کا یہ نا ختم ہونے والا سلسلہ چلتا رہتا اگر یمن حیات اس کی زندگی میں نہ آتی۔ اسے معروش سے اتنی محبت نہیں ہوئی تھی جتنی یمن سے ہوئی تھی۔ شاید اس کی وجہ اس کا انداز تھا جو کہیں نہ کہیں اینا سے ملتا تھا۔ اس کے بالوں کا سٹائل، اس کی آنکھوں کا رنگ اور اس کی گھبراہٹ۔ سب میں ہی تو اینا تھی تو وہ دل میں چنگاری کی طرح پڑے اس شعلہ کو کیونکر نہ ہوا دیتا، کیسے نہ روکتا خود کو اس کی اور جھکنے سے۔ وہ ہار گیا تھا اس سے مگر صد افسوس اپنی اس ہار کا اسے بہت دیر بعد ادراک ہوا۔ اس وقت جب پانی سر سے گزر چکا تھا۔

"اگر میں سوال کروں کہ کیا تمہیں اینا کے بارے میں علم تھا تو تم کیا جواب دوگی؟" اپنی آواز سے وہ اسے ماضی سے کھینچ کر لے آیا تھا۔ معروش نے چونک کر اسے دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

"میں اس بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی۔ یہ سب اتفاقیہ ہوا۔" اور وہ سچ ہی تو کہہ رہی تھی۔ اسے بھلا اینا اور خلیفہ کی خفیہ محبت کے بارے میں کیسے پتا ہو سکتا تھا۔ وہ لک جو اس نے لی تھی وہ تو سب اس لیے تھا تاکہ اس کی پہچان نہ ہو سکے۔ خلیفہ نے اس کی بات پر یقین کیا۔

"یہی ہوا ہوگا۔" کچھ توقف کے بعد وہ اس کے چہرے کو تک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں وہ سب کہہ رہی تھیں جو معروش نہیں سننا چاہتی تھی۔

جو الفاظ لبوں سے برآمد نہیں ہوتے نا انہیں آنکھیں بول دیا کرتی ہیں اور دل ان لفظوں کو پڑھ لیا کرتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں چہرہ ایک کھلی کتاب ہے۔ ہو سکتا ہے وہ ٹھیک ہوں لیکن میرا نظریہ کہتا ہے کہ وہ ہماری آنکھیں ہیں جو دل کی زبان کو خود پر سجا لیتی ہیں، جو ہم نہیں کہہ سکتے وہ آنکھیں کہہ دیتی ہیں، چہرہ تاثرات کا گڑھ ہے جبکہ آنکھیں لفظوں کا جہاں۔

معروش اس کے چہرے کے پیچھے چھپے سوال کو جان گئی، جان کر بولی۔
"نوفل مجھے ہمیشہ کہتا ہے کہ

Follow your inner moonlight, don't hide the madness.

اور یہ بات کافی اٹریکٹو ہے جس پر میں نے بھی عمل کرنا شروع کر دیا ہے\ ہوتے ہیں نا کچھ لوگ جن کے حرف حرف پر لبیک کہنے کو دل کرتا ہے۔ نوفل ان میں سے ہی ایک ہے۔"
خلیفہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔
"یہاں پر اس بے تکی بات کا کیا ذکر۔ یہ سب وہ تو نہیں جو میں کہنا چاہ رہا ہوں۔"
معروش تلخی سے مسکائی۔
"تم لفظوں کی گہرائی تک نہیں جاتے خلیفہ، میری بات کا مطلب انتہائی سادہ ہے اور وہ یہ کہ میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔ آئی ڈونٹ کیئر، تم مرو یا جیو۔ اس سے میرا کوئی سروکار نہیں۔ تمہارا میلوڈرامہ بیک سٹوری مجھے ذرا بھر متاثر نہیں کر سکا کیونکہ جو کہانیاں میں نے تمہارے مظالم سہتی لڑکیوں کی سنی ہیں، جو دکھ کی داستانیں ان کے خاندانوں نے بتائی ہیں ان سب کے سامنے تمہاری کہانی تو نہایت ہیچ ہے۔ بالکل ریت کے ذرے کی طرح۔ میں نے صرف ایک انسان سے محبت کی ہے اور وہ ہے نوفل خان۔ اب وہ تم ہو یا نہیں یہ تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن ہاں ایک بات یاد رکھنا، میں کبھی بھی تمہارے آگے جھک نہیں سکتی۔ تم چاہے ایسی لاکھ کہانیاں سناؤ میری بلا سے۔"
خلیفہ کی سنہری آنکھوں میں اس کے الفاظ سے شاک ابھرا تھا۔ ماتھے پر جال بچھا کر وہ انجان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔
"تم کہتے ہو نا کہ تمہیں سکون چاہیے۔ اس زندگی سے تم فیڈ اپ ہو گئے ہو تو سنو، آج میں بھی اینا کی طرح کہتی ہوں۔" وہ تھوڑا آگے جھک گئی تھی۔ وہی سیاہ سوٹ اس کے بدن پر تھا جو بھاگتے سمے اس نے خود پر چڑھایا تھا۔ سر پر ٹرکش سٹائل سٹولر بندھا تھا اور آنکھوں میں نفرتوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر۔
"مر جاؤ۔" وہ سرگوشی میں دھاڑی تھی۔ "ایک ایسی موت جو دکھی دلوں پر مرہم ثابت ہو، جس سے تم جیسے

لوگ عبرت حاصل کریں۔"

وہ پیچھے ہوگئی تھی۔خلیفہ نے زور سے آنکھیں میچیں، میچ کر خود کو یہ تسلی کروائی کہ آیا وہ سب سچ ہے جو وہ سن رہا ہے۔کہیں نشے کی تو عنایت نہیں لیکن وہ غلط نکلا۔معروش کے الفاظ حرف بہ حرف سچائی سے مزین تھے۔وہ مزید کہہ رہی تھی۔

"تم مر جاؤ گے نا خلیفہ تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ہو سکتا ہے اس دنیا سے تمہارے جانے کے بعد گناہوں کا کچھ کچرا کم ہو جائے۔"

گناہ گار ہمیشہ وہی رہتا ہے جو وہ ہوتا ہے ایک اور چیز جو اس کو سزا کے طور پر دی جاتی ہے وہ ہے تنہائی اور محرومی، کسی بھی رشتے سے محرومی۔خلیفہ تبریز بھی تنہا تھا اور رہا یہی احساس تھا جو اسے ہنسنے پر مجبور کر گیا تھا۔وہ گردن کو پیچھے گرا کر ہاتھوں کو سر سے اونچا کیے تین دفعہ تالیاں بجاتا ہوا ہنسا۔ہنسنے کے بعد خود کو بولنے پر آمادہ کیا۔

"تمہارا قصور نہیں ہے معروش! جب سمندر خان اور رمیز جیسے وفادار مجھ سے دغا کر سکتے ہیں تو تم تو ابھی نئی آئی ہو، تم سے اس سب کی توقع کی جا سکتی ہے۔"

ہنسنے کے بعد جب وہ بولا تھا تو اس کے لہجے میں ایسی پژمردگی چھائی ہوئی تھی جیسے کسی انتہائی مایوس انسان کے لہجے میں ہوتی ہے۔وہ جان گئی کہ وہ اندر ہی اندر خود کا محاسبہ کر رہا ہے۔

"لیکن اس سب میں میرا کیا قصور ہے، میرے والدین نے مجھے چرچ میں پھینک دیا۔وہاں انتھما نے اپنی تسکین کی خاطر میرا استعمال کیا۔مجھے برائی کی اور گامزن کیا، میرے دل میں مسلمانوں کے لیے زہر گھول دیا، مجھ سے قتل کروائے، اینا کو مروا دیا۔کیا میں نے کہا تھا یہ سب ہو یا میں ایسا چاہتا تھا۔کوئی بھی، کبھی بھی برا نہیں چاہتا اور نہ ہی ہوتا ہے معروش، اگر اینا میرے ساتھ تعاون کرتی یا میں ہمت کرتا تو آج میں ایسا نہ ہوتا۔"

وہ پھر سے اس کے سامنے گڑگڑانے لگ گیا تھا۔معروش ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالنے کا کام کر رہی تھی حالانکہ جو حالت خلیفہ کی تھی اس پر کسی کا بھی دل میلٹ ہو سکتا تھا لیکن وہ مضبوط تھی۔اس نے خود کو مضبوط بنائے رکھا۔جو غلطی وہ پہلے کر چکی تھی اسے دوبارہ دوہرانا انتہائی احمقانہ ہو سکتا ہے۔اسی لیے وہ لب بستہ

سی اسے دیکھتی گئی جو کہہ رہا تھا۔

"سالوں پہلے جو غلطی اپنا نے یا میں نے کی وہ تم نہ کرو، یقین ہے، تم مجھے سنوار دو گی۔ میں توبہ کرلوں گا، اپنی ساری دولت چیرٹی کردوں گا اور اس دنیا میں جہاں جہاں مجھ جیسے لوگ بستے ہیں، جن کو میں جانتا ہوں ان سب کے بارے میں معلومات دوں گا۔ تم باقی ممالک کی پولیس کی مدد سے ان سب کو پکڑ لینا۔ بس ایک بار ہاں کردو۔ میں اب جینا چاہتا ہوں معروش، صرف ایک بار ایک بار مجھے جینے دو۔ بس ایک بار۔"

اس کے دونوں ہاتھوں کو سختی سے تھامتے ہوئے وہ التجا کے آخری درجے پر کھڑا تھا۔ معروش نے بیدردی سے اس کے ہاتھوں کو جھٹکا۔

"بھاڑ۔۔۔ میں۔۔۔ جاؤ۔" لفظوں کو چبا چبا کر ادا کرتے ہوئے وہ اس نیلے کاؤچ سے ہٹی تھی۔ اس کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور پردے گرے ہوئے تھے۔ معروش دروازے کو کھول کر باہر آئی اور ریلنگ پر ہاتھ جما کر کھڑی ہوگئی۔ گہرے گہرے سانس اندر انڈیل کر آنسوؤں کو پیچھے دھکیلتے ہوئے وہ روہانسی ہوگئی تھی کہ تھی تو وہ بھی ایک لڑکی ہی نا، جن کے سینوں میں بہت نرم دل بستا ہے اور وہ تو کسی زمانے میں تھی بھی بہت موم سی۔ خلیفہ اس کے جانے کے بعد کئی لمحے اپنے ہاتھوں کو تکتا رہا کہ اب اس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔

رات کے ملگجے اندھیرے میں آسمان کے ستارے گہرے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئے تھے۔ ہوا میں خنکی تھی، ایسی خنکی جو پاؤں کی انگلیاں جما دے۔ گرتی ہوئی اوس میں کھڑی وہ اس انسان کو شدت سے یاد کررہی تھی جس کا وجود ایک سوالیہ نشان تھا۔ جس طرح اس کے آنسو ٹوٹ کر گررہے تھے اسی طرح رات بھی قطرہ قطرہ پگھل رہی تھی۔

☆......☆......☆

"تجھے بھابھی نے کچھ بتایا ہے؟" اسد ایک فائل کو اٹھا کر پوچھ رہا تھا۔ براق نے سر اوپر کیا اور استعجابیہ انداز میں اسے تکا۔

"کس سلسلے میں؟" دماغ پر زور ڈال کر وہ تصدیق کررہا تھا کہ پچھلے تین دنوں سے اس کے اور سویلم کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ یقین آجانے پر ہی اس نے پوچھا تھا۔

"نہیں بس ایسے ہی۔کوئی خاص بات نہیں ہے۔" صفحوں کو پلٹاتے ہوئے اس نے جلدی سے بات بنائی تھی۔براق نے آنکھیں چندھی کیں۔اسد اس کے یوں تفتیشی انداز میں دیکھنے پر جھنجھلا گیا۔

"افوہ۔کتنا متجسس ہوتا ہے یہ انسان بھی، میں نے تو ایسے ہی ایک بات چھیڑ دی تھی اور تم ہو کہ مجھے چور سمجھ کر گھورے جا رہے ہو۔"

براق نے کرسی کو پیچھے کو گھسیٹا اور گھوم کر اس تک آیا۔

"اہم باتیں اہم میٹنگز کے بارے میں ڈسکس کرنے کے دوران ہی چھیڑی جاتی ہیں اور جہاں بات آ جائے سولیم کی تو ضرور وہ بات خاص الخاص ہے۔بولو کس بارے میں کہہ رہے تھے؟"

میز پر اس کے سامنے خود کو ٹکا کر وہ پوچھ رہا تھا۔اسد نے ٹھنڈا سانس بھر کر فائل کو آگے سرکایا۔

"آج نہیں بتانا چاہتا کیونکہ اگر میں نے ابھی بتایا تو، تو یہ گلوب اٹھا کر میرے سر پر مار دے گا۔" مسکین سی صورت بنا کر وہ کرسی کھسکا کر تھوڑا پیچھے ہوا۔براق کی آنکھیں مزید چھوٹی ہو گئیں۔

"اس بات کا تعلق سولیم سے ہے؟"

اسد نے اس سوال پر سوچا اور پھر نہ میں سر ہلا دیا۔"یقیناً نہیں۔"

براق شانے اچکاتے ہوئے اس جگہ سے اٹھا اور واپس میز کے پیچھے رکھی باس چیئر پر جا کر بیٹھ گیا۔

"پھر ٹھیک ہے آج بتاؤ یا سال بعد، کیا فرق پڑتا ہے۔" اس کے سکون پر اسد کو جھٹکا لگا تھا۔ٹھنڈی ہوا پھینکتے اے سی کی گھر گھر میں وہ چیخا۔

"یعنی اب بھابھی ہی تمہارے لیے سب ہو چکی ہیں اور ہم لوگوں کا کیا جنہوں نے تمہارے پیچھے اپنے قیمتی ماہ و سال ضائع کیے؟"

براق نے ابرو چڑھا کر اسے دیکھا۔

"مطلب کہ تم پاکستانی عورتوں کی طرح بات بات پر جتاؤ گے۔تم پر یہاں کے رنگ کافی چڑھتے جا رہے ہیں، افسوس۔" اسد کو براق کی بات پر دھچکا لگا تھا۔سفید پردہ جو بغیر کسی لرزش کے ونڈوز کے آگے گرا ہوا تھا براق کی بات پر پھڑ پھڑانے لگا۔کم آن، وہ پھڑ پھڑایا اس لیے تھا کیونکہ اے سی کی ہوا ڈائریکٹ اس پر پڑ رہی تھی۔

"تم مجھے عورتوں سے ملا رہے ہو براق شاہ، تمہیں شرم آنی چاہیے اپنے لفظوں پر اور میں ایسا نہ کروں تو کیا کروں۔ تم بھابھی کو پا کر ایسے مجھے فراموش کر چکے ہو جیسے میں تو کبھی تھا ہی نہیں، کتنا وقت ہو گیا ہے ہمیں ایک ساتھ بات کرتے ہوئے، کھانا کھاتے ہوئے۔ تم نے سوچا ہے اس بارے میں۔"

براق نے کیلنڈر پر نگاہ ڈالی، ایک دو صفحے الٹائے اور کہا۔

"دو تاریخ کو ہم دونوں نے ڈنر ایک ساتھ کیا تھا اور اس کیلنڈر اور میرے حساب سے وہ دو تاریخ پرسوں تھی یعنی مجھے اس بات پر مہر لگا دینی چاہیے کہ تم میں عورتوں کی خصلتیں آتی جا رہی ہیں۔ کیا تمہارے لیے اپائنٹمنٹ لوں؟"

اسد مٹھیاں اور ہونٹ بھینچے وہاں کھڑا رہا۔ اپائنٹمنٹ پر وہ چونکا تھا لیکن جلد ہی اس کے دماغ نے کام کیا تبھی وہ میز پر دونوں ہاتھ زوردار انداز میں رکھ کر بولا۔

"براق شاہ، میری جینڈر کی فکر کرنے سے پہلے تم اپنی فکر کرو جس کا دماغی توازن پھسلتا جا رہا ہے۔ مجھے بھابھی سے اس بارے میں بات کرنی ہوگی۔ تم ان سے سیشنز لینا شروع کرو۔ یہ بار بار کندھے کو کیوں سہلا رہے ہو کل سے دیکھ رہا ہوں تم ایسا کر رہے ہو۔"

بات کرتے کرتے وہ اچانک براق کے بگڑتے تاثرات اور کندھے کو دبانے پر بول اٹھا تھا۔ اسے براق کی فکر لاحق ہو گئی تھی۔ لہجے میں بے پناہ عجلت تھی۔ براق نے خود کو کرسی پر نیم دراز کیا۔

"ایسا کچھ نہیں ہے بس کچھ دنوں سے کام کا لوڈ ہے۔ تھک جاتا ہوں شاید اس لیے ایسا ہو رہا ہے۔" اس سے زیادہ وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ اسد نے اس کی بات نہ مانی اور سیل فون نکال کر اپائنٹمنٹ لینے لگا۔ لینے کے بعد بولا۔

"تمہاری فضول گوئیاں مجھے نہیں سننیں۔ ڈاکٹر کو چیک کراؤ یہ علامات خطرناک ہو سکتی ہیں۔ پتا نہیں تم بھول کیوں جاتے ہو کہ اب تم تنہا نہیں ہو۔ دو زندگیوں کی ذمہ داری ہے تمہارے شانوں پر۔ ان کیلئے تو خود کو صحت مند رکھو۔"

اسد کی بات پر اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری تھی۔ سولیم اس سے دو دن سے بات نہیں کر رہی تھی۔

جانے ایسا کیا ہوا تھا جو وہ اسے اس قدر نظر انداز کرنے لگ گئی۔ کیا وہ نہیں جانتی تھی اس ہفتے اس نے پرواز کر جانا ہے پھر یہ سب کیوں؟ وہ دکھی ہوا۔

" تمہیں ڈنر کرنا تھا نا چلو چلتے ہیں۔" بات کو بدلنے کی غرض سے وہ اٹھا تھا۔ کار کی چابی کو اٹھا کر اس نے اسد کے کندھے پر تھپکی دی اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔ اسد نے مڑتے ہوئے اسے جاتے دیکھا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات آنکھوں کی نمی اور بجھتے دل کی راکھ اس تک پہنچ گئی تھی تبھی وہ نفی میں سر ہلاتا ہوا متاسف سا اس کے پیچھے لپکا۔

رات کو ساڑھے گیارہ بجے وہ واپس گھر لوٹا تھا۔ اسد کو اس کے فلیٹ چھوڑنے کے بعد اس نے گھر کی راہ لی۔ صبح سے موسم ابر آلود تھا، گہرے ملگجے بادلوں نے لندن کے گرے موسم کی یاد اسے دلا دی تھی۔ وہ جب اسد کے فلیٹ سے گھر کی جانب مڑا تو ننھی ننھی بوندوں نے اس کی ونڈ سکرین پر پناہ لینا شروع کر دی تھی۔ وہ ان بوندوں کی شرارتوں پر دل شکستگی سے مسکایا اور کار کی رفتار نارمل کر کے گھر کی اور بڑھنے لگا۔ اس نے ونڈ سکرین پر وائپر چلاتے ہوئے جونہی گاڑی پورچ میں روکی تو بجلی کی کڑک میں اسے کوئی سایہ سا نظر آیا تھا۔ آنکھیں سکیڑ کر اس نے لان میں دیکھنے کی سعی کی لیکن وہ دیکھ نہ پایا۔ اس لیے تقریباً بھاگتے ہوئے وہ اندر آیا۔ بھائیں بھائیں کرتا لاؤنج اس کا منتظر تھا۔

" عبداللہ جان! کہاں ہو بیٹا۔" سلام کے بعد وہ اسے پکار رہا تھا۔ بریف کیس کو صوفے پر دھرتے ہوئے اس نے سیڑھیوں کی اور نگاہ ڈالی۔ پانچ منٹ تک جب کوئی نہ آیا تو وہ خود اوپر چلا گیا۔ دو دو سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے اس نے اپنے کمرے کا دروازہ کھولا تو نیم اندھیرے میں ڈوبے اس کمرے میں بیڈ کی وسط میں عبداللہ سوتا ہوا نظر آیا۔ اسے گہری نیند میں دیکھ کر پدرانہ شفقت عود کر آئی تھی۔ مسکراہٹ کو لبوں پر سجاتے ہوئے وہ خراماں خراماں چلتا ہوا اس تک آیا۔ بیڈ کے کنارے رکنے کے بعد وہ جھک کر اپنے لب اس کے ماتھے پر رکھ رہا تھا۔

عبداللہ نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں۔

" ہے ہیرو، ڈیڈی از ہیئر۔" اس کی سوئی سوئی آنکھوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ دوبارہ اپنے لب اس کی ناک پر رکھ گیا۔

"آپ نے دیر کردی۔" لیٹے ہوئے نیند کے خمار میں ڈوبی آواز کے ساتھ وہ شکوہ کر رہا تھا۔ براق نے جھکے جھکے اپنے کان پکڑے۔

"سوری کیپٹن، ڈیڈی اسد انکل کے ساتھ تھے نا اس لیے دیر ہوگئی۔ یہ بتاؤ میرے بیٹے نے ڈنر میں کیا کھایا۔ یونو لزانیہ کھاتے ہوئے مجھے آپ بیحد یاد آئے تھے اس لیے میں ایک آپ کیلئے پیک کروا کر لا چکا ہوں بٹ۔"

عبداللہ کی چمکتی آنکھوں پر سے اس نے انگلی اٹھائی اور کہا۔

"آپ برش کر چکے ہو، پانی پی چکے ہو اس لیے اس وقت آپ اسے نہیں کھا سکتے۔ اگر آپ ایسا کرو گے تو آپ کا معدہ خراب ہو جائے گا۔ دانتوں میں کیوٹی لگ جائے گی اور دانت ویک ہو جائیں گے اس لیے آپ اسے صبح کھانا۔ ڈیڈی نہیں چاہتے نا کہ اس کے ہیرو بیٹے کے پیارے سے دانت خراب ہوں۔ کیا ڈیڈی ایسا چاہیں گے؟"

عبداللہ نے بڑا برا سا منہ بنایا، ناک پھلا کر وہ کچھ نہیں بولا تھا۔ لیٹے ہوئے ہی اس کے ہاتھ سینے پر بندھ چکے تھے۔ ماں سے کچھ تو عادتیں لینی تھیں نا اس نے۔

"عبداللہ! کیا آپ مجھ سے ناراض ہو گئے ہو؟" وہ اس کے خود کو نہ دیکھنے اور پھولے چہرے کے ساتھ لیٹے رہنے پر پوچھ رہا تھا۔ اس کے کوئی جواب نہ دینے پر براق نے اسے اٹھا کر گود میں بٹھایا۔

"یار، آپ کو پتا ہے نا، اگر میں اس وقت آپ کو کچھ کھانے کو دوں گا تو آپ کی ماما کتنی خفا ہوں گی۔ یونو ماما از دی باس۔"

عبداللہ نے تیوری بھرے ماتھے سے اسے دیکھا اور نروٹھے لہجے میں بولا۔ "مجھے نہیں پتا آپ دونوں میرے ساتھ ایسا کرتے ہو۔ پہلے آپ ڈنر پر نہیں آئے، اوپر سے ماما کا موڈ خراب ہے اور اب آپ مجھے لزانیہ بھی نہیں دے رہے، یہ اچھی بات نہیں ہے۔"

عبداللہ کی ساری باتوں کو ایک سائیڈ پر رکھ کر وہ سولیم کے خراب موڈ پر اٹک گیا تھا۔ ضرور کچھ نہ کچھ ایسا تھا جو انہیں ڈسٹرب کر رہا تھا۔ اسے آج سولیم سے اس بارے میں بات کرنی چاہیے۔ ہاں یہ ٹھیک ہے ابھی کچھ دیر بعد

وہ جائے گا اور ان سے بات کرے گا۔

"نہیں، ماما کا موڈ اپ سیٹ نہیں ہوتا۔ وہ سارا دن پیشنٹس کے ساتھ رہتی ہیں نا اس لیے تھک جاتی ہیں۔ آپ ان کی طرف سے پریشان نہ ہوں اور سو جائیں۔ اٹھانے کیلئے سوری آپ جانتے ہو نا جب تک میں آپ سے بات نہیں کر لیتا مجھے نیند نہیں آتی۔ دل بے چین رہتا ہے ڈیڈی کا۔"

عبداللہ نے اچانک سے اپنے بازو اس کی گردن کے گرد باندھ دیے۔ براق محبت سے اس کی کمر کو سہلانے لگا۔ "اپنی صحت کا خیال رکھا کرو براق، تمہارے ذمے اب دو زندگیاں ہیں۔" عبداللہ کے گرد گھیرے کو تنگ کرتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ واقعی اب اسے خود کا خیال رکھنا چاہیے اور وہ ایسا ضرور کرے گا۔ پانچ منٹ اسی طرح گزرے تھے جب براق کو اس کے گہرے سانسوں کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ جان گیا کہ عبداللہ سو چکا ہے۔ آرام سے اسے خود سے الگ کرنے کے بعد وہ بیڈ پر اسے ٹھیک کر کے لٹا رہا تھا۔ اس کا آئرن مین اس کے پاس رکھنے کے بعد وہ واش روم گھسا۔ فریش ہو کر باہر آیا اور کمرے کے دروازے کو آہستہ سے بند کرتے ہوئے نیچے آ گیا۔ سولیم کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا یعنی وہ کمرے میں نہیں تھی پھر بھی ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ نیچے آیا اور خود کو کچن میں لے گیا لیکن یہ کیا وہ تو وہاں بھی نہیں تھی۔

"سولیم۔" اس نے آواز لگائی تھی لیکن وہاں کوئی ہوتا تو جواب دیتا نا، پریشان حال پورے گھر کو چھاننے کے بعد وہ لاؤنج کی مرر وال کے سامنے آ کر رکا تھا۔ اچانک اس کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔ کہیں وہ سولیم ہی تو نہیں تھیں جن کا سایہ اس نے دیکھا تھا؟ یہ خیال آتے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا شیشے کو سلائیڈ کرتے ہوئے باہر آیا۔ گیلے پانی میں ڈوبی گھاس پر جسے اس کے قدم سست روی کا شکار ہو گئے تھے۔ تیز بارش، ٹھنڈ کا احساس اور مٹی کی خوشبو نے اسے بانہیں کھول کر ویلکم کیا تھا، کر کے اسے وہ دکھایا تھا جو وہ کبھی نہ دیکھنا چاہے گا۔ اس کے سامنے اس کی سولیم دونوں ہاتھ گود میں رکھے آنکھیں جھکائے بیٹھی تھی۔ براق کے دل پر جیسے کسی نے ہاتھ ڈالا تھا۔ بارش کی تڑتڑاہٹ میں اس نے خود کو حرکت دی اور اس کے سر پر آن کھڑا ہوا۔ چھتری کو کھولا، کھول کر سولیم کے سر پر تان دیا۔

پانی میں ڈوبے قدموں کی آواز اور پانی کے رکنے پر سولیم نے ہولے سے اپنی گردن کو جنبش دی۔ آنکھوں کو

ہلایا تو کئی قطرے ٹوٹ کر گیلے گالوں پر بہہ گئے۔اس نے دیکھا، ایک ہاتھ اس پر سایہ کیے کھڑا تھا۔نظروں کو بلندی بخشتے ہوئے اس نے جیسے ہی چہرے پر نگاہ ڈالی تو دور آسمانوں پر نیلے رنگ کی بجلی زوردار انداز میں کڑک گئی۔اس بجلی کی روشنی اتنی زیادہ تھی کہ ایک پل کو رات میں دن کا گمان ہوا۔براق کو لگا جیسے اس کا دل کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا ہو۔رگوں کو جامد کر دیا ہو اور روح پر ضرب لگ رہی ہو جیسے۔

"سولیم، آپ یہاں۔۔۔ایسے کیوں ہیں؟" بارش کی آواز اور بادلوں کی گرج میں براق کی آواز دب سی رہی تھی۔سولیم ٹکٹکی باندھ کر اسے دیکھتی رہی۔

"آپ۔۔آپ روئی ہیں؟" صدماتی آواز گونجی تھی۔"ہاں ایسا ہی ہوا ہے آپ روئی ہیں۔سولیم، کیا ہوا ہے، کس نے کیا کہا ہے آپ کو۔بتائیں مجھے۔"

دنیا میں اگر کوئی پریشانی کی انتہا تھی تو وہ اس وقت براق شاہ کے لہجے میں تھی۔ڈوبتے دل اور نچڑتی روح کے ساتھ وہ اپنی سولیم کو اس حالت میں دیکھ رہا تھا۔سرتاپا بھیگی ہوئی، ہلکے نیلے پڑتے ہونٹ، آنکھوں کی سرخی اور بالوں کا گالوں پر چپکنا۔وہ چھتری اس کے اوپر کیے ہی پنجوں کے بل بیٹھا۔سولیم اس کے انداز فکر اس کی آنکھوں میں اپنے لیے چاہت و تڑپ اور شدت دیکھ کر پھر سے آنکھیں جھکا گئی۔ایک درد تیزی سے دل میں اٹھا اور رگوں کے راستے پورے بدن میں لہو کی طرح دوڑ گیا۔ایک یہی تو بات تھی جو پچھلے کچھ دنوں سے اسے تنگ کر رہی تھی۔ وہ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے براق کو نوٹ کر رہی تھی، اس کی ہر بات، ہر انداز کو خود میں جذب کر رہی تھی۔وہ کس قدر اس کا خیال رکھتا ہے۔وہ کس قدر اس کی ایک نگاہ التفات کیلیے تڑپتا ہے، یہ محسوس کر رہی تھی۔

وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کیلیے تو صرف وہی تھی، اسی کی ذات جس کے گرد اس نے اپنی زندگی کو باندھ دیا تھا۔ وہ جتنا اپنے ماضی میں بدکردار تھا، اتنا ہی اب شرافت میں ڈوب چکا تھا جتنا پہلے وہ خراب تھا۔اتنا ہی باحیا ہو چکا تھا۔اس کی نظر پاک تھی، دل صاف تھا اور ارادے نیک۔سولیم روتے ہوئے اسے دیکھتی رہی، اس کی ٹھوڑی بری طرح لرز رہی تھی اور آنکھیں بھیگ رہی تھیں، وہ دیکھ رہی تھی کہ رو وہ رہی تھی اور پانی براق کی آنکھوں میں جمع ہو رہا تھا۔اس کے حلق میں گولا اٹک گیا تھا اور تکلیف براق کو ہو رہی تھی۔کیسا رشتہ تھا یہ؟ کیسی شروعات تھی یہ؟ اس نے اپنی گود میں اکٹھے ہوئے چھوٹے سے دریا میں سے ہاتھ نکالے اور آنکھوں کو صاف کر گئی۔

"سولیم! بہت ہوگیا، پلیز بتائیں کیا ہوا ہے؟ میرا دل تنگ ہو رہا ہے۔" وہ اس کے رونے پر روہانسا ہو گیا تھا۔ سولیم نے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے اور اس کے کاندھے پر ان ہاتھوں کو ٹکا دیا۔ وہ اسی ہاتھ پر جس میں چھتری تھی اپنے ہاتھ اور سر کا وزن ڈال کر دبی آواز میں رو رہی تھی۔ اس کے لرزنے پر براق اندر تک لرز گیا تھا۔ ساکت و جامد ہو گیا تھا۔ وقت تھا کہ ٹھہر گیا۔ بارش کی بوندیں تھیں کہ جم گئیں، ہوا تھی کہ رک گئی اور بجلیاں تھیں کہ جامد ہو گئیں کہ یہ وہ منظر تھا جسے دکھانا مناسب نہیں تھا۔ جس کی جھلک کو پوشیدہ رکھنا ہی اس رشتے کے تقدس کیلئے بہتر تھا۔

براق نے ہلکے سے گردن کو موڑا، سولیم کے بھیگے ہوئے بال اس کے گال سے مس ہونے لگے تھے۔ اس کا دل راکٹ کی سپیڈ سے دوڑنے لگا۔ اتنی ہی تیزی سے جتنا ساڑھے سات سال پہلے سولیم کو ٹرک کے زنغے سے بچاتے ہوئے دھڑکا تھا۔ اسے گمان ہوا، کہیں سولیم اس کی دھڑکنوں کی بے ترتیبی کو سن نہ لے۔ وہ سانس لے رہا تھا تو اس کے سانس لینے کی وجہ سے سولیم کا سر بھی حرکت میں تھا۔ اسی وجہ سے اس نے اس کو روک لیا، تھوڑا تھوڑا ٹکڑوں میں لیتے سانس کے دوران اس نے ہمت مجتمع کی اور آہستہ سے بولا۔

"سولیم! آپ شاید اس وقت سینس میں نہیں ہیں۔"

پر وہ کہاں سن رہی تھی۔ یونہی اس پر جھکی روئے چلی جا رہی تھی۔ اس کے رونے کے سبب براق کے دل پر غبار بڑھنے لگا۔ آنسوؤں کی تہہ تھی جو اس کے دل کو آہستہ آہستہ چاروں اور سے گھیرے میں لے رہی تھی۔ وہ اسے خود سے جدا کرنا بھی چاہتا تھا اور نہیں بھی کیونکہ وہ جانتا تھا اس وقت سولیم ہوش میں نہیں ہے۔ ہوتی تو کبھی بھی، کبھی بھی اس کے اتنے قریب نہ آتی۔ وہ انسان جو اس سے ڈھنگ سے بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ وہ کیونکر اس کے اتنے قریب آئے گی، ناممکن۔ اس میں ہمت ہی نہیں ہو رہی تھی کہ وہ سولیم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے خود سے الگ کرے۔

"سولیم پلیز۔" براق کی آواز اسے اب سنائی دی تھی۔ اس کے اندر جتنا غبار تھا وہ آج اس کے کندھے لگ کر رونے سے نکل چکا تھا۔ وہ اس کی آواز پر ایک لمحے کو ٹھہری، آنکھیں کھول کر دیکھا تو خود کو براق سے لگے پایا۔ اس کی ٹی شرٹ کی خوشبو اس کے نتھنوں سے اب ٹکرائی تھی اور اس خوشبو کو محسوس کرتے ہی وہ کرنٹ کھا کر اس سے

الگ ہوئی۔الگ ہوتے ہی حیرت سے اسے تکا جو اس کے یوں دیکھنے پر نگاہیں چرا گیا تھا۔سویلم کے براق سے الگ ہونے پر ہی تمام چرخا پھر سے گھومنا شروع ہوا۔گہرا سیاہ بادل جوان پر آ کر تھم چکا تھا، سائیڈ پر ہوا رکی ہوئی تھی، بوندیں تیزی سے زمین کی اور بڑھنے لگیں۔ہوا میں شدت آئی اور بجلیاں زور و شور سے چمکنے لگیں۔

"تم نے مجھے روکا کیوں نہیں۔" اسے سویلم کی زکام زدہ آواز سنائی دی۔اس سوال پر وہ سٹپٹا کر اسے دیکھنے لگا پھر جلدی سے وضاحت پیش کی۔

"میں نے کوشش کی تھی لیکن۔۔۔ آپ سن ہی نہیں رہی تھیں، سویلم! آپ کو کیا ہوا ہے۔آج سے پہلے تو آپ اتنا نہیں روئیں۔" اس نے جلدی سے بات بدلی تھی۔جتنی سویلم بھیگ چکی تھی اتنا ہی اس نے خود کو بھیگا لیا تھا۔اس جتنے ہی ہونٹ اس نے خود کے بھی نیلے کر لیے تھے۔اس کی بات پر سویلم نے نفی میں سر ہلایا۔

"میری پرسنل بات ہے۔"

براق نے جلدی سے اثبات میں سر ہلایا۔کم از کم دو دن بعد وہ اس سے بات تو کر رہی تھی۔

"ٹھیک ہے، ابھی آپ ایک کام کریں۔یہاں سے اٹھیں بہت زیادہ بھیگ چکی ہیں۔کپڑے چینج کر لیں، میں جب تک آپ کیلئے چائے بناتا ہوں۔اٹھ جائیں سویلم، پلیز اگر آپ بیمار ہو گئیں تو عبداللہ پریشان ہو جائے گا۔وہ آج مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آپ کا موڈ آف ہے۔"

اس کے مسلسل اسی طرح بیٹھے رہنے پر اس نے کہا تھا، سویلم عبداللہ کی بات پر چونک گئی۔وہ از حد کوشش کرتی تھی کہ اس کے مسائل اس تک ہی رہیں، دوسروں تک نہ پہنچیں مگر یہ کیسے ممکن تھا۔بھلا عبداللہ اور براق دوسرے تھوڑے نا تھے جو اس کے اس انداز پر متاثر نہ ہوتے۔وہ تو اس کی فیملی تھی اور فیملی تو ہوتی ہی ایک ہے۔وہ سر ہلاتے ہوئے اٹھ رہی تھی۔براق نے پیچھے ہو کر اسے جانے کی جگہ دی۔جب تک وہ اندر نہیں چلی گئی وہ وہیں کھڑا رہا تھا۔کھڑے ہو کر آسمان کو تک رہا تھا جو گہرے بادلوں سے ڈھکا زمین کو دھونے میں مصروف تھا۔سویلم نے اندر جانے سے پہلے مڑ کر اس کی پشت کو گھورا اور پھر اپنے قدم لاؤنج میں رکھ دیے۔

☆......☆......☆

"جیسا میں نے کہا ہے ویسا ہی کرو۔تمہیں سوال کرنے کی ابھی اجازت نہیں ملی۔" خلیفہ کی غراہٹ معروش

نے بھی سنی تھی۔ سنتی کیوں نا وہ اس ایک ہال نما کمرے میں جو پچھلے دو دنوں سے اس کے ساتھ تھی۔ اب بھی وہ کاؤچ پر بیٹھی مختلف زبانوں پر مشتمل مختلف کتابوں کو اٹھا کر ان کے صفحے پلٹنے میں بزی تھی جب خلیفہ کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ کچن کاؤنٹر کے پیچھے سے باہر آیا، چیریز سے بھرا باؤل اس نے معروش کے آگے رکھا اور اوپر والے ڈائیلاگ بول کر دروازہ کھولتے ہوئے باہر آ گیا۔ وہ اس وقت نیلے رنگ کے بنیان میں تھا جس پر سفید رنگ سے ڈیٹیلنگ دی ہوئی تھی۔ سفید ہی کھلا ٹراؤزر تھا اور بھورے بال ہاف جوڑے میں بندھے ہوئے تھے۔ فون کو الٹے ہاتھ میں پکڑے وہ دور نظر آتی پہاڑیوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں نے جب کہا ہے کہ پاکستان میں موجود ماندہ بچے ہمارے اڈوں پر بلاسٹ کروا دو تو تمہاری سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی۔ کیا تم خلیفہ کے قہر کو بھول گئے ہو؟ ایمان لے آؤ اس بات پر کہ آج سے میں ہی تمہارا ابا ہوں۔ سمندر خان کو بھول جاؤ۔ وہ وقت کی دھول تھا جو مسافروں کے گزرنے کے بعد جلد ہی چھٹ جاتی ہے۔ میں آج کا سورج ہوں جو کبھی غروب نہیں ہوگا۔"

معروش اس کے باہر آتے ہی جلدی سے دروازے کے قریب آئی اور کان لگا کر سننے کی سعی کرنے لگی مگر صد افسوس وہ جگہ ساؤنڈ پروف تھی تبھی وہ واپس اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

"کل صبح مجھے وہ خبر ملنی چاہیے جو میں نے تم سے کہا ہے ورنہ تمہاری سات پشتیں تو کیا ایک پشت بھی اس زمین پر زندہ نہیں رہے گی، نان سینس۔" فون کو کاٹ کر وہ اندر آیا تھا۔ کلک کی آواز پر معروش نے جلدی سے واپس کتاب اٹھائی اور اسے پلٹنے لگی۔ خلیفہ نے چندھی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا اور پھر توقف کے بعد دروازے کو بند کرتے ہوئے بولا۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہوتا ہے تم کاؤچ سے تین انچ آگے کو بیٹھی ہوئی تھی۔ تمہاری سیدھی ٹانگ سکسٹی کے اینگل پر تھی اور کتاب کو تم نے آنکھوں سے تقریباً ڈیڑھ فٹ کے فاصلے پر رکھا ہوا تھا۔ اب تم اور تمہاری پوزیشن ٹوٹلی چینج ہے۔"

معروش نے ماتھے پر جال بکھیرے۔

"کہنا کیا چاہ رہے ہو؟"

اسی انداز میں رعب جماتے ہوئے بولی خلیفہ نے شانے اچکا دیے۔

"تم خود ذہین ہو، کھوج لو میری بات کا مطلب۔ ویسے تم اکتائی ہوئی لگ رہی ہو۔ کہو تو گشت کو نکلیں۔"
اس آفر پر معروش بغیر کچھ کہے کاؤچ سے اٹھی اور اپنے بالوں کو ربڑ بین میں جکڑنے لگی۔ خلیفہ بھورا لانگ کوٹ اٹھا کر اس کے پاس آیا اور اس کے بازو سیدھے کرتے ہوئے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ معروش نے ان میں سے اپنے ہاتھ گزارے، خلیفہ اس کوٹ کو شانوں سے درست کرتے ہوئے اون کی کیپ اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

"چونکہ سردی بڑھ رہی ہے اس لیے تمہیں یہ پہن لینی چاہیے۔" معروش نے اس کے ہاتھ سے کیپ لے کر سر پر اوڑھی اور جوتوں کے تسمے باندھنے لگی۔ جیسے ہی اس نے سر اوپر اٹھایا تو خلیفہ اسے گرے لانگ کوٹ میں نظر آیا۔ وہ رائفل اٹھا کر اس میں گولیوں کی تصدیق کر رہا تھا۔

"اس کی کیا ضرورت؟" معروش نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالتے ہوئے پوچھا۔ خلیفہ اس کے سوال پر مسکرایا تھا۔

"باہر جانور ہیں اس لیے میں تو جانوروں کو ویسے بھی ہینڈل کر سکتا ہوں بس تمہاری فکر ہے۔" شوخی سے کہتے ہوئے وہ اس کے اگلے جواب کا منتظر تھا جو جلد ہی آ بھی گیا۔

"ہنہ، جانور جانوروں کو ہینڈل کرے گا۔ فنی۔"

خلیفہ کا قہقہہ بیساختہ تھا۔ وہ محظوظ ہوتا ہوا بولا۔

"تمہارا سینس آف ہیومر کمال کا ہے۔ مجھے ہم دونوں کی پہلی ملاقات یاد آ گئی۔" سر کو جھٹکتے ہوئے وہ دروازہ کھول چکا تھا جہاں سے یخ بستہ ہواؤں نے ان کو ویلکم کیا تھا۔ ابھی سردیوں کی آمد تھی مکمل سردی نہیں آئی تھی اس لیے یہ موسم قابل برداشت تھا۔

"ہاں وہ بد قسمت گھڑی۔" معروش اس کے پیچھے چلنے لگی۔ چند سیڑھیاں اتر کر وہ دونوں آگے پیچھے باڑ کو کراس کر کے سبزے پر قدم رکھ رہے تھے۔ تا حد نظر پھیلا سوکھتا سبزہ آنکھوں کو تازگی بخشنے کیلئے تیار تھا۔ اگر دن ہوتا تو اس کو دیکھنے کا مزا ہی کچھ اور تھا۔

"اس گھڑی کو بد قسمت نہ کہو یہ اس کی شان میں گستاخی ہو گی۔ تمہیں اور بھی کچھ یاد آیا۔ میری آنکھوں کے

سامنے تو بہت سے فلیش بیکس ہو رہے ہیں۔ کاش اس وقت تم گلابی سوٹ میں ہوتی۔"

براؤن کوٹ میں ہاتھ ڈال کر اس کے پیچھے چلتی ہوئی وہ آنکھوں کو گھما رہی تھی۔ وہ جان گئی اس وقت یمن کے متعلق بات ہو رہی ہے۔

"ہوا میں کچھ زیادہ ہی خوش فہمیاں گھلتی جا رہی ہیں۔ تمہیں محسوس نہیں ہو رہیں؟" بڑی ساری رائفل کو پکڑ کر چلتے ہوئے خلیفہ نے نچلا لب دباتے ہوئے اس کی طرف دیکھا۔ وہ رک گیا۔

"دل چاہتا ہے وقت کو تھما دوں، مٹھی میں قید کر لوں۔" وہ اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے سے ہاتھ کو گزارتے ہوئے مٹھی بنا چکا تھا۔ معروش کو ایک پل کو جھٹکا لگا لیکن جلد ہی وہ سنبھل گئی۔

"اور تمہیں صرف اپنا بنا لوں معروش حبیب، سوچ لو تمہارے لیے سب ختم کرنے کو تیار ہوں۔ کامیابیوں کا موقع دے رہا ہوں۔ ایسا نادر چانس پھر نہیں ملنے والا غور کر لو۔" موٹے سیاہ مائل گرے لانگ کوٹ میں ملبوس ہاف بالوں کی پونی بنائے وہ ہاتھ میں رائفل کو پکڑے کہہ رہا تھا۔ وہ تھوڑا نشیب میں کھڑا تھا اور سر اٹھا کر معروش کو دیکھ رہا تھا جو سینے پر بازو باندھ چکی تھی۔

"ایک معاہدہ کرتے ہیں۔" اس کے اچانک کہنے پر خلیفہ کی سنہری آنکھیں چمکیں۔

"مجھے منظور ہے۔" معروش نے تلخی سے اس کی بات کاٹی۔

"سن تو لو، سننا اچھا ہوتا ہے اور دانا لوگ وہی ہوتے ہیں جو پوری بات سن کر عمل کرتے ہیں۔ مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم جیسا بڑا اسمگلر ایک جذباتی انسان ہے۔" اس پر افسوس کرتے ہوئے وہ کہہ رہی تھی خلیفہ کے لبوں کے کنارے پھیلے۔

"یہ جذباتیت کس کے لیے۔ یہ بھی جان لو پھر، دانا لوگ انجان بھی نہیں ہوا کرتے۔ بائی دا وے۔" وہ خلیفہ تھا جیتنے والا کیونکر ہارتا پھر؟ معروش نے اس کی بات کو اگنور کرنا پسند کیا اور وہ کہا جو اسے کہنا تھا۔

"معاہدہ پر آتے ہیں تم بالکل خاموش چلو گے اور میں بھی بالکل ایسا ہی کروں گی، ہم دونوں کے بیچ دس قدموں کا فاصلہ ہوگا کیونکہ میں یہاں تمہاری بک بک سننے نہیں بلکہ دماغ کو تازہ دم کرنے آئی ہوں۔"

خلیفہ نے پتھر پر رکھا پاؤں پیچھے کو ہٹایا، افق سے آتی ہوا میں رفتہ رفتہ تیزی آ رہی تھی۔ اس تیزی کے سبب

ہی خلیفہ کے بال اڑنے لگے تھے۔

"دس نہیں پانچ، پانچ قدموں کا فاصلہ ہوگا۔ منظور ہے تو ٹھیک ہے ورنہ ویسے ہی رہتے ہیں جیسے چل رہے تھے کیونکہ میں بھی یہاں دماغ تازہ کرنے آیا ہوں تمہاری تلخیاں سننے نہیں۔"

معروش جانتی تھی اس سے نہیں جیت سکتی اس لیے کوٹ کی جیبوں سے ہاتھ نکال کر پھیلاتے ہوئے بولی۔

"او کے فائن چلو۔"

خلیفہ اس کے کہتے ہی مڑ گیا۔ جیسے ہی وہ پانچ قدم آگے چلا معروش نے خود کو راستے پر ڈالا تھا۔ وہ ڈھلوان تھی جس پر سے وہ دونوں اتر رہے تھے۔ معروش نے ایک طائرانہ نگاہ چاروں اور گھمائی اور پھر شرٹ کے بازو میں موجود اس چھوٹے سے چاقو کی تصدیق کی جو وہ چپکے سے ساتھ اٹھا لائی تھی۔

"ابھی نہیں تو کبھی نہیں۔" اس کے دماغ میں یہی سب گھوم رہا تھا۔ ان لفظوں کے زیر اثر ہی وہ رک گئی۔ اس نے دیکھا خلیفہ اپنی مستی میں چلے جا رہا ہے۔ وہ آس پاس دیکھ رہا تھا جب اسے کھٹکا سا محسوس ہوا۔ وہ رک گیا، رک کر مڑا اور مڑ کر استعجابیہ انداز میں معروش کو دیکھنے لگا جو اس سے دور ہو گئی تھی۔

" کہیں تم وہ تو نہیں کرنے جا رہی جو میں پچھلے سات منٹس سے سوچ رہا ہوں۔" آنکھوں کو سکیڑے وہ معروش کے انداز کو دیکھ رہا تھا۔ باڈی لینگویج سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ابھی کے ابھی مڑنے والی ہے اور وہ مڑ بھی گئی تھی۔

" گڈ بائے خلیفہ تبریز، جلد ملتے ہیں۔" کہتے ساتھ ہی وہ جھٹکے سے مڑی اور دوڑ لگا دی۔ خلیفہ کے چہرے کی رگیں تنی تھیں۔

" آہ وہ۔۔ معروش۔" رائفل کو گردن کے پیچھے کوٹ میں اڑساتے ہوئے وہ اوپر کی اور دوڑا جہاں معروش اپنے قدموں کے نشان چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ اوپر پہنچ گیا تھا اور خود سے دور جاتی معروش کو دیکھ رہا تھا۔ وہ خود ایک اچھا ایتھلیٹ تھا، ڈوک کے ساتھ ریس لگانے کی عادت نے اس کی رفتار کو بڑھا دیا تھا۔ وہ با آسانی اوپر پہنچ گیا تھا لیکن کم معروش بھی نہیں تھی۔ وہ گولی کی سپیڈ سے درختوں کے درمیان بنے راستے پر سرپٹ بھاگی چلی جا رہی تھی۔ صنوبر کے بڑے بڑے درخت آسمان کو ڈھکے ہوئے تھے۔ زمین پر پتے کسی کارپیٹ کی طرح بچھے تھے۔

خستہ حال مردہ زرد پتے معروش کے بوٹوں کا بھار نہیں سہہ پا رہے تھے۔ رات کی تاریکی میں ان پتوں کی آوازوں نے جلترنگ سا پھیلا دیا تھا۔

"معروش! یہاں جانور ہے رک جاؤ، تمہیں سمجھ آرہی ہے میں کیا کہہ رہا ہوں۔" دونوں ہاتھوں کو آگے کر کے تیزی سے دوڑتے ہوئے وہ اس کے نزدیک پہنچا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس کا بھورا کوٹ پکڑا تھا۔ معروش کو زور کا جھٹکا لگا۔ وہ اپنے بازو اس کوٹ میں سے نکال گئی۔

"آآآآآآ۔۔۔ضدی عورت۔" کوٹ کو پیلے پتوں کے کارپٹ پر پھینکتے ہوئے وہ پھر سے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ معروش کا سانس پھول چکا تھا اور توازن بگڑنے لگا مگر وہ پھر بھی نہیں رکی تھی۔ اسے آج یہ کرنا تھا اور اسی عزم کے ساتھ وہ دوڑی چلی جا رہی تھی۔ وہ آگے بڑھ رہی تھی۔ اس سے پہلے وہ ڈائی مار کر ڈھلوان پر سے خود کو پھسالتی اس کی گردن کسی کی کہنی کے بیچ دب گئی۔ گرفت کسی اور کی نہیں بلکہ خلیفہ کی تھی۔ وہ جھٹکے سے رکی تھی، سنبھلنے کی کوشش کی مگر گر گئی۔ وہ دونوں ایک ساتھ زمین بوس ہوئے تھے۔ خلیفہ کے ہاتھ میں اب بھی اس کی گردن تھی۔

"میں نے تم سے کہا تھا یہاں جانور ہوتے ہیں پھر بھی میری بات تمہاری عقل میں نہیں آئی، بتاؤ مجھے وہ کون بیوقوف تھا جو تمہیں اس مقام تک لے آیا۔ تم تو حوالدارنی بننے کے بھی قابل نہیں ہو۔"

معروش پوری جان سے اپنی گردن چھڑوانے کی سعی کر رہی تھی۔ اس کے پاؤں آگے پیچھے ملنے کے سبب پتے ہٹا کر سیاہ ریتیلی زمین دکھا رہے تھے۔

"تم سے بڑھ کر کوئی جانور ہو سکتا ہے بھلا، تم تو اس سے بھی بدتر ہو۔" کہتے ہی اس نے اپنی آستین سے چاقو نکالا اور خلیفہ کے بازو پر وار کر دیا۔ وار اتنا شدید نہیں تھا جتنا وہ جلن تھی جو چاقو لگنے سے ہوئی تھی۔ خلیفہ کی گرفت ڈھیلی پڑتے ہی وہ اس سے الگ ہوئی۔

"صرف تم ہی پلان نہیں بنا سکتے مسٹر تبریز، ہاں تم درست ہو، تمہاری ہٹ کے پیچھے باغیچے میں جو جامنی پھول تھے یہ ان ہی کا کام ہے۔ ایک تم ہی تو نہیں ہو اس دنیا میں جو اُن پھولوں کی افادیت سے آشنا ہو۔ درد ہو رہا ہے؟ ابھی تو اور ہونا ہے۔"

خلیفہ ایک گھٹنا زمین پر ٹکائے اور دوسرے کو لٹاتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا جس کا چہرہ دھندلانے لگ گیا تھا۔ وہ پھول زہریلا تھا اور کسی بھی انسان کو کچھ وقت کیلئے مفلوج کرنے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ خلیفہ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ بازو میں تکلیف بڑھتی جا رہی تھی۔ سانس اٹک رہا تھا اور حواس مختل ہونا شروع ہو چکے تھے۔

"معروش! تم غلط کر رہی ہو۔" وہ بازو کو پکڑے بڑی دقت کے ساتھ بولا کہ اب تو بولنا بھی دشوار لگ رہا تھا۔ وہ منہ کے بل زمین پر گرا تھا کہ بدن اب ساتھ چھوڑنا شروع ہو چکا تھا۔

"مجھے اچھے سے پتا ہے میں کیا کر رہی ہوں بہت شکریہ بتانے کیلئے۔" وہ کھڑی ہو گئی تھی۔ خلیفہ کے اوپر سے پھلانگ کر اس نے دور پڑے کوٹ کو اٹھا کر جھاڑا، جھاڑ کر پہنا اور واپس اس تک آئی جس کی آنکھیں آدھی سے زیادہ بند ہو چکی تھیں۔ اس کے منہ سے عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں۔ ایسی جیسے وہ کچھ کہنا چاہ رہا ہو مگر کہہ نہ پا رہا ہو۔ معروش نے اپنا بوٹ اس کے منہ کے پاس رکھا اور اسے پھلانگتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔ خلیفہ دھندلی آنکھوں سے اس کے قدموں کو خود سے دور جاتا دیکھ رہا تھا۔ اس کی آنکھ سے پانی نکلا تھا۔ وہ آنسو تھے کہ کیا کوئی پتا نہیں مگر وہ ڈبڈبائی آنکھوں کے ساتھ پورا بیہوش ہو چکا تھا۔

معروش وہاں سے بھاگتی ہوئی سڑک پر آئی اور سیدھا چلنے لگی۔ وہ یہ جگہ نہیں جانتی تھی یہاں کے لوگوں سے بے خبر تھی اور ادھر کی زبان اس کیلئے نا آشنا تھی۔ پھر بھی وہ کانفیڈنس کے ساتھ اپنے کوٹ میں ہاتھ ڈالے چل رہی تھی۔ اسے جلد از جلد خلیفہ کے خود تک پہنچنے سے پہلے ہیڈ کوارٹر رابطہ کرنا تھا۔ اگر اسے یہاں سے نکلنا تھا تو یہ کرنا بیحد ضروری تھا۔ وہ جانتی تھی اب چند گھنٹوں تک خلیفہ بالکل بھی نہیں اٹھنے والا، تبھی بیخوف وخطر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ بل کھاتے پہاڑوں پر بھاگنے کے انداز میں نیچے اتر رہی تھی۔ گھور اندھیرا تھا اور اکا دکا جلتی لائٹس۔ خلیفہ نے کہا تھا یہاں جانور ہوتے ہیں تو اس نے درست ہی کہا تھا۔ یہاں واقعی جانور تھے جن کی عجیب وغریب آوازیں ماحول میں ہیبت پھیلا رہی تھیں۔

معروش کو آبادی نظر آئی۔ وہ جوش سے آگے بڑھ رہی تھی۔ جب اسے اندھیرے میں سنہری آنکھیں چمکتی ہوئی دکھیں۔ اس نے اپنے آپ کو روک لیا۔ دبی آواز میں وہ بڑے سارے پتھر کے پیچھے چھپی تھی۔ خلیفہ اتنی جلدی کیسے یہاں پہنچ سکتا ہے۔ اس پھول کا اثر اتنا تو کم نہیں ہوتا تھا۔ وہ انہی سوچوں میں تھی جب وہ سنہری

آنکھیں تھوڑی سی روشنی میں آئیں۔ کاش وہ روشنی میں نہ ہی آتیں کیونکہ وہ آنکھیں اور کسی کی نہیں بلکہ شیر کی تھیں۔ وہ سڑک پر ٹہلتے ہوئے اب جنگل کی سمت بڑھ رہا تھا۔ اس کے درختوں کے پیچھے غائب ہونے کے ٹھیک پانچ منٹ بعد معروش وہاں سے اٹھی اور دبے قدموں چلتی ہوئی خود کو اس جگہ سے نکال گئی۔ وہ بھاگتی ہوئی آبادی میں آئی تھی جہاں عجیب وغریب قسم کے لوگ نشے میں دھت ایک دوسرے کو گالیاں دینے اور فحش باتیں کرنے میں مصروف تھے۔ معروش نظروں میں آنے سے پہلے ہی سیدھے ہاتھ پر مڑی اور چلنے لگی۔

وہ سنسان جگہ تھی جہاں ہوا سے شاپر ادھر ادھر اڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ انہی شاپروں کے درمیان ایک آدمی لڑکھڑاتا ہوا چل رہا تھا۔ وہ اپنی زبان میں کچھ کہتا ہوا اسی کی طرف آرہا تھا شاید مستی میں مگن سامنے دیکھے بغیر چلتا ہوا وہ آدمی کوئی پرانے گیتوں کے بولوں کو گنگنا رہا تھا۔ معروش نے خود کو روک کر اس کی پوزیشن میں سیٹ کیا اور عین اس کے سامنے آکر رک گئی۔ وہ سیاہ چہرے، سیاہ کھچڑی زدہ بالوں اور موٹے بھدے ہونٹوں والا آدمی اپنی زرد آنکھوں کو اوپر اٹھائے تحیر سے اسے تک رہا تھا۔ تکنے کے بعد وہ کچھ کہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ ہاتھ بڑھا کر معروش کے گال کو چھوتا اس نے ایک زوردار پنچ اس کے گال پر جڑ دیا۔ اس کے زمین پر گرتے ہی وہ اپنی انگلیوں کو اس کی گردن کی مخصوص جگہ پر دبانے لگی۔ چند سیکنڈز بعد ہی وہ آدمی بیہوش ہو چکا تھا۔

معروش نے اچھے سے اس کی تلاشی لی۔ والٹ کو زمین پر پھینک کر وہ اس کی پینٹ کی جیبوں کو تلاش رہی تھی۔ اس کی تلاش سامنے کی جیب میں موجود سیل فون پر آکر تھمی تھی۔ وہ اس سیل فون کو ہاتھ میں دبوچے تھوڑی دور بنی گلی کی اور دوڑی۔ وہ گلی بہت تنگ تھی۔ اتنی تنگ کہ اس میں صرف ایک انسان ہی ایک بار میں داخل ہو سکتا تھا۔ بڑے بڑے کوڑا دان وہاں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان میں سے ہی ایک کوڑا دان کی اوٹ میں چھپ کر بیٹھی اور ماچس کی ڈبیہ کی طرح کے فون کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگی۔ اندازے سے اس نے نمبر ملا کر فون کو کان سے لگایا کہ اس فون کا سسٹم ہی الگ تھا۔ اس کا دل زور سے دھڑک رہا تھا۔ اتنی تیزی سے کہ گویا ابھی پھٹ جائے گا۔ دل میں واہمے پنپ رہے تھے کہ آیا اس سے ٹرنک کال ہو گی بھی یا نہیں، سیل فون میں چارجنگ اتنی ہو گی کہ وہ اپنی لوکیشن ٹریس کروا سکے۔ اگر اس سے پہلے کوئی آگیا یا کال نہیں گئی تو وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے سوالات سے اس کی جان جلد ہی چھوٹ گئی۔ وجہ کال کا لگ جانا تھا۔

"ہیلو؟"

معروش حفیظ کی آواز کو پہچان کر جذبات سے مغلوب لہجے میں بولی۔ "ہیلو، معروش کالنگ۔" جذبات سے لڑکھڑاتی آواز میں وہ سرگوشی کر رہی تھی۔ حفیظ چونک گیا۔ ایک دم سیدھا ہوا۔

"مم، معروش۔ ہماری معروش؟" اس کے اپنائیت بھرے انداز پر وہ مسکرادی۔

"ہاں وہی جلدی سے میری لوکیشن ٹریس کرواور فورس کو یہاں بھیجو۔ یہ سیل فون اب بہت سے کام کروائے گا"

"راجر باس، کال چلتی رہے گی کٹے گی نہیں۔"

معروش نے اپنا سر دیوار سے ٹکا دیا تھا۔ اب فائنلی وہ ہونے والا تھا جو وہ ہمیشہ سے چاہتی آئی تھی۔ رات کا پردہ سرک گیا اور دن چڑھ آیا۔ اس چڑھتے دن میں ہی وہ عجیب آوازیں سن کر کسمسائی تھی۔ آنکھیں کھولتے ہی اسے کرنٹ لگا تھا۔ ایک لڑکا بالکل اس کے چہرے کے پاس بیٹھا اسے تک رہا تھا۔ معروش اس کے دیکھنے کی انداز سے گھبرا گئی۔ فطری تھا تبھی وہ گردن موڑ کر اوپر دیکھ رہی تھی جہاں اس جیسے تین اور لڑکے دیوار پر بندروں کی طرح چڑھے بیٹھے تھے۔ وہ تینوں لڑکے میلے کچیلے کپڑوں اور چاکلیٹ براؤن رنگت کے حامل تھے۔ ناک موٹی اور پھینی تھی جبکہ ہونٹ باہر کو نکلے ہوئے، آنکھیں بڑی بڑی زرد۔ وہ لڑکا اسے بازو سے پکڑ کر کھڑا کر رہا تھا اور کچھ کہہ رہا تھا۔

"مجھے تم لوگوں کی زبان نہیں آتی۔" اس نے خود کو مضبوط بنایا اور اونچی آواز میں بولی۔ ان چاروں لڑکوں نے ایک ساتھ طویل اووو کہا تھا۔

"تم انگلش سمجھتی ہو؟" ٹوٹی پھوٹی بلکہ انگلش کا جنازہ نکالتے ہوئے وہی لڑکا جس کے ہاتھ میں اس کا بازو تھا پوچھ رہا تھا۔ معروش نے ہاں میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے سن لو، ہم کوئی سوال نہیں کریں گے کہ تم کون ہو، کہاں سے آئی ہو؟ ہمیں تو صرف تمہارے ساتھ وقت گزارنا ہے۔ تمہیں ہمارے ساتھ جھونپڑی میں چلنا ہوگا۔"

سوچ سوچ کر پانچ منٹ میں اس لڑکے نے بات پوری کی تھی۔ اس کی بات پوری ہوتے ہی دیوار پر چڑھے لڑکے سیٹیاں بجاتے ہوئے ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارنے لگے۔ معروش نے سوچ کے تانے

جوڑے اور کہا۔

"ہینگ آؤٹ کرنا چاہتے ہو؟"

اس کے سوال پر وہ سارے زور زور سے اپنے سر ہلا رہے تھے۔ وہ چاروں ہی گنجے تھے اور چکنی چاکلیٹ کلر کی گنج کے مالک تھے۔

"بالکل، ہینگ آؤٹ ہاں، ہم یہی تو چاہتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ نہیں؟" وہ سر اونچا کیے اپنے دوستوں سے سوال کر رہا تھا جو ہرا کہتے ہوئے اسے گرین سگنل دے رہے تھے۔ معروش نے گہرا سانس بھرا اور بولی۔

"ٹھیک ہے میں تمہاری ساتھ چلتی ہوں۔ آؤ۔"

وہ لڑکا حیران ہوا۔ ویسی ہی پھٹی ہوئی زرد آنکھوں کے ساتھ اپنے دوستوں کو دیکھا جو اس سے زیادہ حیران تھے۔ "تم کیا کرتی ہو؟ ابھی کیا کہا تم نے؟" وہ اٹکتے ہوئے سوال دوہرا رہا تھا۔ معروش نے کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے چاہے مگر اس لڑکے نے جھٹک دیے۔ شاید انہیں کوئی خدشات تھے وہ سیز فائر کے انداز میں ہاتھ کھڑے کر رہی تھی۔

"میں نے کہا میں تم لوگوں کے ساتھ چلتی ہوں۔ ہمیں یہاں سے باہر جانا چاہیے۔"

معروش کی بات ختم ہوتے ہی وہ لڑکا اور اس کے باقی ساتھی ہونٹوں پر شہادت کی انگلی تیزی سے چلاتے ہوئے سر درد کر دینے والی دھن نکالنے لگ گئے۔

"لیڈیز فرسٹ آں۔"

وہ لڑکا سائیڈ پر ہو کر معروش کو آگے چلنے کو کہہ رہا تھا۔ اس سے آگے نکلنے کے چکر میں تنگ گلی کے باعث وہ اس سے بری طرح مس ہوئی تھی۔ معروش کا منہ بنا جبکہ وہ لڑکا ڈانس کے سٹائل میں چلتا ہوا اس کے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ تین لڑکے دیوار پر کھڑے ہو کر قطار میں مٹکتے ہوئے جشن مناتے چل رہے تھے۔ معروش جونہی گلی سے باہر آئی، اپنے پیچھے چلتے لڑکے پر اس نے اسی چاقو سے وار کیا تھا جس سے وہ خلیفہ کو زخمی کر بیٹھی تھی۔ وار کرنے کے بعد اس نے دوڑ لگا دی۔ وہ لڑکا تو دو زانو گرا تھا جبکہ اس کے باقی تین ساتھی مغلظات بکتے ہوئے دیوار سے چھلانگ لگاتے ہوئے اس کے پیچھے لپکے تھے۔ وہ وہاں موجود ہر آدمی کو معروش کو پکڑنے کا کہہ رہے تھے جو اُن

لڑکوں کی آوازوں پر سب چھوڑ کر اس حسینہ کے پیچھے لپکنے لگے جو کسی اور ہی دیس کی باسی لگ رہی تھی۔

معروش پیچھے مڑتے ہوئے آگے بھاگ رہی تھی، جب وہ بری طرح کسی سے ٹکرائی۔ یہ ٹکراتی شدید تھی کہ وہ ناک سے فوارے کی طرح نکلتے خون کے زیر اثر زمین پر گر گئی تھی۔ ناک پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس نے بوٹوں کو دیکھا۔ کیمل کلر کے ڈیزرٹ شوز اس کی آنکھوں کے سامنے آن سمائے۔ بوٹوں کے اندر پرنٹڈ کپڑا اسٹائل کے طور پر باندھا گیا تھا جو ان میں سے جھلک رہا تھا۔ معروش جان گئی یہ کس کے بوٹ ہیں۔ خلیفہ نے جھک کر اسے کہنی سے اٹھا کر کھڑا کیا اور اچانک رکتی عوام پر نگاہ ڈالی۔

"کسی میں اتنی جرأت ہے کہ وہ خلیفہ کی ملکیت پر نگاہ ڈالے؟ ہے تو سامنے آئے۔" اس کی غراتی آواز سب کے سانس روک گئی تھی۔ لوگ الٹے پیروں واپس بھاگنے لگے۔ دکانوں کے شٹر دھڑا دھڑ گر گئے تھے۔ گھروں کی کھڑکیوں کو بند کر دیا گیا۔ معروش کا ہاتھ خون سے بھیگ چکا تھا۔ خلیفہ نے اسے جھٹکے سے سامنے کیا۔

"کہا تھا نا یہاں جانور رہتے ہیں دیکھ لیے پھر؟"

اس کی سرد آواز پر معروش ٹھٹھر اگئی تھی۔ بہت کچھ تھا جو اس کے سامنے آشکار ہو چکا تھا۔ وہ خلیفہ کی شرٹ کو مضبوطی سے تھام گئی۔

☆......☆......☆

"کب تک ہم یونہی چھپ کر ملتے رہیں گے؟ میں عاجز آگیا ہوں اس چھپن چھپی کے کھیل سے۔ چاہتا ہوں سب پر ہماری حقیقت عیاں ہو جائے۔ یار تم مان جاؤ تو میں براق کے آگے ہماری بات رکھوں اور انکل سے اس چیز کا ذکر کروں۔ یقین کرو بہت آکورڈ محسوس کرتا ہوں جیسے کوئی چوری کر لی ہو میں نے۔"

وہ فون پر بات کر رہا تھا۔ دوسری طرف رخسانہ تھی جس کی آواز سپیکر میں سے گونج رہی تھی۔

"اسد، میں پہلے بھی کہہ چکی ہوں اور اب بھی۔"

اسد نے اس کی بات درمیان میں قطع کر دی۔ وہ اس وقت براق کے لان میں موجود تھا اور ٹہلتے ہوئے اس سے بات کر رہا تھا۔ دور ہی براق نے بھی لیپ ٹاپ کھولا ہوا تھا اور وہ فاروق سے گپوں میں مگن تھا۔

"دیکھو سانے فضول مت بولا کرو۔ جب تمہیں میں نے کہہ دیا ہے مجھے تمہارے ماضی سے کوئی سروکار نہیں

تو کیوں ان اگر مگر، لیکن ویکن کو درمیان میں لاتی ہو؟ بس کر دو یار۔"

اسد کی جھنجھلاہٹ بھری اونچی آواز پر براق نے مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اس وقت پول کے سامنے سفید رنگ کے کاؤچ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی جینز کے پائنچے ٹخنوں تک فولڈ تھے۔ سفید ٹی شرٹ پر "ڈیڈی لوز ہز ہیرو" نیلے رنگ سے کندہ تھا۔ یہ وہ شرٹ تھی جو عبداللہ نے اسے برتھ ڈے گفٹ میں دی تھی۔ بکھرے بالوں کے ساتھ وہ اسد کی محویت پر متبسم ہوا اور واپس فاروق کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"ان برخودار کے تیور مجھے کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتے۔" انہوں نے ہوا میں تیر چھوڑا جو عین نشانے پر لگا۔ براق نے گردن سیدھی کرتے ہوئے کہا۔

" آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ بچہ بگڑ چکا ہے اور اس بات کو چھپانے کی سعی کر رہا ہے۔ سولیم نے مجھے بتایا تھا کسی لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پر تھا یہ۔" وہ اپنی جون میں کہہ رہا تھا جب فاروق کی بات پر اس کا منہ بن گیا۔ اس نے نیم وا آنکھوں سے منہ بناتے ہوئے اپنے ڈیڈ کو تکا جو کہہ رہے تھے۔

"ایک منٹ، تم نے کہا تمہیں سولیم نے بتایا، کیا میں نے درست سنا؟" وہ اپنے کمرے میں تھے، تبھی پیچھے آف وائٹ کلر کا بیڈ کراؤن نظر آ رہا تھا۔

"جی بالکل ایسا ہی ہے اور آپ نا مجھ سے اس سلسلے میں بات مت کیا کریں۔ جان بوجھ کر خود بھی چلے گئے اور ممی کو بھی لے گئے۔ آپ جانتے تھے نا مجھے اس مشکل دور میں آپ لوگوں کے ساتھ کی کتنی ضرورت ہے۔" اس کا نروٹھا انداز، آواز کی چاشنی اور نارمل پن فاروق کے دل کو سکون سے بھری ٹھنڈک پہنچا گیا۔ دس ماہ پہلے اور دس ماہ کے بعد والے براق میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ اس کی آنکھوں کی ویرانی بھی رفتہ رفتہ چھٹنے لگی تھی۔ انہوں نے دل ہی دل میں رب تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

"یار چھوڑ دو اس فضول بحث کو۔ یہ بتاؤ اسد کا کیا چکر ہے؟"

براق نے اپنی گردن کھجائی اور ایک بار پھر مڑ کر اس محترم کو دیکھا جو دین دنیا بھلائے فون میں مصروف تھے۔

"چکر وکر کچھ نہیں ہے ڈیڈ، بس رحم دلی کا بھوت چڑھا ہے موصوف کو۔ آپ کو یاد ہے کچھ ماہ پہلے کو برا گینگ پر ریڈ پڑا تھا؟"

اس کے پوچھنے پر فاروق نے ذہن پر زور ڈالا اور پھر وہ پاکستان کا سب سے کامیاب ریڈان کی یادداشت میں تازہ ہوگیا جس کے چرچے بیرون ملک تک ہوئے تھے۔

"ہاں لیکن اس سب کا اس سے کیا تعلق؟" براق نے لیپ ٹاپ اٹھا کر چہرے کے پاس کیا۔ مبادہ اس کی آواز اسد تک نہ پہنچ جائے۔

"دراصل وہاں سے برآمد ہوئی لڑکیوں میں سے ایک لڑکی ہے جو ہمارے اسد کو بھا گئی ہے اور وہ سمجھتا ہے ہم اس سب سے بے خبر ہیں۔ کیا ہوا آپ سوچ میں کیوں پڑ گئے؟" فاروق کے چہرے پر پھیلے سوچ کے شدید تانے بانے اسے الجھن میں مبتلا کر گئے تھے۔ براق کے پوچھنے پر انہوں نے سرد سانس خارج کر کے کہا۔

"وہ نیک کام کر رہا ہے اچھی بات ہے لیکن مجھے نہیں لگتا اس لڑکی کی عمر زیادہ ہے۔ جس جگہ سے وہ چھوٹ کر آئی ہے۔ وہ کوئی عام نہیں تم اچھے سے سمجھتے ہو اس بات کو، وہ لوگ ٹھنڈا کر کے مارنے میں لطف رکھتے ہیں۔ جب انہیں پتا چلے گا کہ اب خطرہ ٹل چکا ہے وہ سب کو یا تو واپس اسی مقام تک پہنچا دیں گے یا پھر ختم کر دیں گے کسی طرح اسد کو اس معاملے سے دور رکھو۔ میں نہیں چاہتا اسے کسی قسم کا رنج پہنچے۔"

فاروق کی گوہر شناسی اس کے سامنے بھی سوچ کے در وا کر چکی تھی۔ اسے اپنے اکلوتے دوست کے فیوچر کی فکر ستانے لگی۔

"کیا آپ کو لگتا ہے میں ایسا کر سکتا ہوں۔ یہ کسی طور ممکن نہیں وہ اسے پرپوز کر چکا ہے۔ میں اس کا دوست ہوں اس کیلئے اچھا ہی سوچتا ہوں۔ ماضی سے کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن وہ لڑکی بہترین چوائس ہوتی اگر اس کا تعلق اس گینگ سے نہ رہ چکا ہوتا، وہ لوگ اسے واقعی نہیں چھوڑیں گے۔ میں جانتا ہوں سب گڑبڑ ہونے والا ہے" براق کے لبوں سے متفکر الفاظ جھڑنے لگے۔

"کوئی مسئلہ نہیں، وہ جب مجھ سے اس سلسلے میں بات کرے گا تو میں صاف منع کر دوں گا۔ میں نہیں چاہتا ایک بیٹے کی خوشی دیکھ کر دوسرے کا غم دیکھوا تنی سکت نہیں ہے مجھ میں۔" براق کے دل میں ان کے لفظوں سے اچانک پھول کھلا۔ وہ جلد سے جلد وہ سوال پوچھنا چاہتا تھا جو اس کے دماغ میں بیٹھ چکا تھا اور اس بے صبرے نے پوچھ بھی لیا جو کہ یہ تھا۔

"آپ کو لگتا ہے میں خوش ہوں یعنی میری کس ادا سے آپ نے یہ نتیجہ اخذ کیا؟"

فاروق مسکرائے۔پول کے نیلے پانی میں گھاس کے تنکے گرنا شروع ہو چکے تھے یعنی خنکی بھری ہوا نے وہاں آ کر لینڈ مافیا کی طرح ڈیرا جمانا شروع کر دیا تھا۔

"سوال دلچسپ ہے، جواب تمہیں حیران کر دے گا۔تم پہلے والے براق لگ رہے ہو۔وہ جو زندگی سے مطمئن تھا وہ جو خوش تھا اور بے فکریوں میں جیتا تھا۔"

فاروق کی آخری بات پر اس نے مسکراتے ہوئے سر جھٹکا۔

"خیر بے فکریاں تو مجھے نہیں ہیں، کافی ساری چیزیں ہیں جنہیں ان کی جگہ پر فکس کرنا ہے۔جن میں سر فہرست وہ نمونہ ہے جس کے بارے میں ہم ابھی بات کر رہے تھے۔"

فاروق نے ہنستے ہوئے اس کی بات کا جواب دیا۔ان کی ہنسی کی گونج دوڑ کر آتے عبداللہ تک پہنچی تھی۔

"وہ نمونہ تمہارے پیچھے سے ہی آ رہا ہے۔"

براق نے عبداللہ کے گرد بازو کا گھیرا کرتے ہوئے مڑ کر دیکھا۔وہ چند قدم دور تھا۔سیل فون کو جینز کی پاکٹ میں رکھ کر ان کے قریب آیا اور جھک کر فاروق کو سلام کیا جس کا جواب انہوں نے خوش مزاجی سے دیا تھا۔

"آنٹی نظر نہیں آ رہیں۔"

اسد کے سوال پر وہ متانت سے بولے۔

"کیا تم بھول گئے ہو تمہاری آنٹی سوشل ورکر ہیں۔میں آفس سے آیا تو معلوم ہوا وہ کسی میٹنگ کے سلسلے میں گئی ہوئی ہیں تو سوچا اس نا ہنجار سے تھوڑی بات چیت ہی کر لوں۔یوں باپ یاد نہیں آتا انہیں۔"

اسد کے آتے ہی ان کی ٹون بدل گئی تھی۔براق نے آنکھیں پھیلا کر متحیر پن سے اپنے ڈیڈی کو تکا، عبداللہ بھی منہ پر ہاتھ رکھ کر ہنسا تھا۔

"دادو، ڈیڈی تو کہتے ہیں وہ آپ سے روز بات کرتے ہیں۔" موٹے چشمے والا ہو بہو براق کی شکل کا وہ بچہ جواں کی جان تھا۔اپنے لبوں کو سختی سے بھینچتے ہوئے کہ ہنسی چھوٹ نہ جائے کہہ رہا تھا۔اس نے بھی براق جیسی ٹی شرٹ پہنی ہوئی تھی جس پر "ہیرو لوز ہز ڈیڈی ٹو" لکھا ہوا تھا۔ان دونوں کی ڈریسنگ سیم تھی۔سفید ٹی شرٹ

اور ہلکے نیلے رنگ کی جینز۔

"جی جی بالکل درست فرماتے ہیں آپ کے ڈیڈی، یارتم لوگوں نے چیٹنگ کی ہے۔ مجھے بھی بتاتے میں بھی ایسی ڈریسنگ کر لیتا۔" وہ اسد کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ وہ بھی ان جیسے ہی کپڑوں میں ملبوس تھا۔ اس کی شرٹ پر "اینڈ آئی لو بوتھ ڈیڈی اینڈ ہزسن" لکھا ہوا تھا۔ وہ تینوں فاروق کی جیلسی پر یک آواز میں ہنس دیے۔ ان کی ہنسی کھلے شیشوں میں سے سولیم نے بھی سنی تھی جو ابھی اپنی اسی پیشنٹ کو ڈیل کر کے آرہی تھی جو ڈھلتی عمر والی لڑکی تھی۔ وہ صحت یاب ہو رہی تھی۔ اس کے سیشنز بس دو تین ہی رہ گئے تھے۔ اسد اور عبداللہ زور و شور سے فاروق کے ساتھ شروع ہو چکے تھے۔ لیپ ٹاپ اب اسد کے ہاتھ میں تھا۔ براق تو سولیم کے آتے ہی اپنی نظروں کا زاویہ اس کی طرف کر چکا تھا۔ صبح کے مناظر اس کی آنکھوں میں گھوم گئے جب لنچ ٹائم سولیم اس کے آفس آئی تھی یہ منظر کچھ یوں تھا۔

وہ اس وقت فائلز میں سر گھسائے بیٹھا تھا اور یہ کام وہ پچھلے آدھے گھنٹے سے کر رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ راؤنڈ لگا چکا تھا اور سب سے بریفنگ لے چکا تھا اور اب اس نئے سائن ہوئے کانٹریکٹ کی فائلز کو دل جمعی سے پڑھنے میں مصروف تھا جب اس کا انٹرکام بجا۔ فائل سے نگاہ ہٹائے بغیر ہی اس نے ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔

"سر! سولیم میم، آپ سے ملنے آئی ہیں۔"

"اچھا بھیج دو انہیں۔" مصروف سے انداز میں اس نے کہا تھا پھر جیسے دماغ کو اصل پیغام پہنچا۔ وہ ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا۔

"تم نے کہا کون ملنے آئی ہیں مجھ سے؟" وہ تصدیق کر رہا تھا۔ بدن میں سر سے پاؤں تک ایک لہر دوڑ چکی تھی۔ جواب نے تو اور بھی زیادہ سنسنی طاری کر دی۔

"سر، سولیم میم آئی ہیں۔"

براق نے جلدی سے اپنی ٹائی درست کی اور کہا۔ "اچھا ٹھیک ہے میں آ رہا ہوں۔"

فائلز کو بے ترتیبی سے دراز میں پھینکتے ہوئے وہ چلتے ہوئے کوٹ کی جیب میں سے انہیلر نکال کر منہ میں پمپ کر رہا تھا۔ اپنے کمرے کو چھوڑ کر وہ جلدی سے لفٹ کی جانب بڑھا۔ اوپر سے نیچے آنے تک اس نے دل کو

سنبھالے رکھا تھا۔ جونہی وہ نیچے آیا سولیم اسے ویٹنگ روم میں ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھی ہوئی نظر آئی۔ اس کے زرد عبایہ نے براق کے قدم سست کر دیے تھے۔ یہ تو وہی یا ویسا ہی زرد عبایہ تھا جس نے پہلی بار میں براق کو مسمرائز کیا تھا۔ اس کے دل کو سختی سے بھینچ کر اپنے رنگ میں رنگ دیا تھا۔ وہ عبایہ جس سے کہانی کی شروعات ہوئی تھی۔ جس سے اسے محبت ہو گئی تھی۔ براق کو لگا اس کے آس پاس اس جیسے ہی کئی لوگ ڈانس کرنے لگ گئے ہیں۔ فضا میں میوزک بج اٹھا ہے اور اوپر سے پھول گرنے لگے ہیں۔ وہ گلا کھنکارتا ہوا ان سب فضول چیزوں کو جو اس کے ارد گرد ہونے لگی تھیں، اگنور کرتے ہوئے اس کے قریب آ گیا جو سیل فون میں بزی تھی۔ اس کے آنے پر متوجہ ہوئی اور بولی۔

"تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ بیٹھ سکتے ہو؟" اس کی آواز نے سارا فسوں ملیامیٹ کر دیا۔ فارمل انداز، خفا لہجہ اور لٹھ مارتی آواز۔ براق یکدم ڈھیلا پڑا اور سامنے رکھے صوفے پر ٹک گیا۔

"جی میں سن رہا ہوں۔" یہ روم اس کے خاص لوگوں کیلئے ہوتا تھا اور سولیم سے بڑھ کر اس کیلئے کوئی خاص نہیں تھا۔ یہ بات وہ جانتا تھا اور جان کر بھی انجان بنا ہوا تھا۔

"مجھے کل رات کے بارے میں بات کرنی ہے، کل جو بھی ہوا وہ محض ایک اتفاق تھا۔ اسے سر پر سوار مت کرنا۔"

"یہ کس طرح ممکن ہے۔ بھلا آپ کا ہر لفظ میرے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔" وہ سوچ رہا تھا اور بند لبوں کے ساتھ اثبات میں سر ہلا رہا تھا۔

"میں اپنی ایک پیشنٹ کو لے کر اور میری خود کی پرسنل پرابلم کو لے کر اپ سیٹ تھی اس لیے رو پڑی ورنہ تم جانتے ہو میں کتنی مضبوط ہوں۔"

"بالکل میں اچھے سے واقف ہوں۔ آپ کی صلاحیتوں کے بارے میں کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ سٹرانگ نہ ہوتیں۔" اس کا انداز سابقہ تھا۔ دل میں کچھ سوچتا اور سر کو ہلاتا، اے سی کی گھر گھر اور پردوں کے ہلنے کی آواز سولیم کی آواز کے علاوہ اس کمرے کی خاموشی میں خلل ڈال رہی تھی۔

"اس لیے ضبط کھو بیٹھی، مجھے عادت نہیں ہے کسی کے شانے پر سر لگا کر رونے کی، بس کبھی کبھی چاچو کے

ساتھ ایسا کر لیتی تھی۔ اس وقت تمہارے علاوہ کوئی بھی ہوتا میں تو یہی کرتی۔ مجھے شرمندگی ہے اپنی اس حرکت پر۔"

"ایک بیوی اگر شوہر کے شانے پر سر ٹکا کر اپنے اندر کا غبار نکال دے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں ہے سولیم، آپ کو یہ حق حاصل ہے مجھے اس حق پر اختیار ہے۔ پھر یہ شرمندگی کیسی، دکھ ہوا آپ کے منہ سے یہ سن کر"

اس کے اندر بولتا براق منہ پر بھی تاثرات سجا رہا تھا جسے سولیم نوٹ نہیں کر رہی تھی۔ وہ تو دیکھ بھی اس کی طرف نہیں رہی تھی تو کیسے نوٹ کر پاتی۔

"اس لیے سوچا خود کو کلیئر کر دوں، اب میں چلوں گی۔"

براق نے اچانک اس کے اٹھنے پر کہا۔

"بیٹھ جائیں آپ، لنچ ٹائم ہے اور مجھے بھوک لگی ہے۔" وہ بیساختگی میں بول اٹھا تھا۔ سولیم نے ایک نگاہ اس خوبرو پر ڈالی اور پھر کہنے لگی۔

"لیکن مجھے بھوک نہیں ہے۔"

براق کے دل میں اچانک ٹیس اٹھی۔ یہ سولیم کے انکار کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ کچھ دن سے ہوتے مسلسل درد کی وجہ سے تھی۔ آج اس کی اپائمنٹ تھی جہاں اس کا جانا لازم تھا مگر ابھی جانے میں گھنٹے پڑے تھے۔

"ساتھ تو دے سکتی ہیں نا۔" ٹیس کے سبب اس کے چہرے پر تکلیف کے آثار آ گئے تھے۔ ہاتھ خود بخود کندھے پر گیا۔

"تمہارے پاس فقط دس منٹ ہیں۔"

ٹیس کی شدت ختم ہوئی تھی۔ وہ مسکرایا۔ جانتا تھا رات کے واقعہ کی وجہ سے سولیم ابھی خفا ہے اور اسے اگنور کر رہی ہے اس لیے وہ خود بھی کوئی ویسا تاثر نہیں دے رہا تھا۔ اس نے کھانا آرڈر کیا تھا جو تھوڑی دیر بعد ہی آ گیا۔ بالکل خاموشی میں انہوں نے لنچ کیا تھا اور پھر سولیم چلی گئی تھی۔ ڈاکٹر سے چیک اپ کے بعد وہ اسد کو لے کر گھر آیا اور فاروق سے باتوں میں مشغول ہو گیا۔ آج وہ جلدی آ گیا تھا لیکن سولیم کو دیر ہو گئی تھی وہ مغرب کی نماز کے بعد آئی تھی تبھی اندر کی جانب اس کی دوڑ تھی۔ براق نے تھوڑا وقت ان لوگوں کے ساتھ بتایا اور پھر چپکے

سے اٹھ کر اندر بڑھ گیا۔ وہ سولیم کیلئے آتے ہوئے بروچ لے کر آیا تھا اور اب اسے دینا چاہتا تھا۔ اس کے کمرے کے باہر رک کر اس نے حلق میں مصنوعی سانس انڈیلا اور دروازہ ناک کر کے اندر آ گیا۔ سولیم دوپٹہ نماز کے سٹائل میں اوڑھے انگلیوں پر کچھ پڑھ رہی تھی۔ اسے دروازہ کھول کر اندر آتے دیکھ کر اس نے اپنی رفتار سست کی۔ براق بیڈ سے ٹیک لگا کر کارپٹ پر بیٹھا اور اس کے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس کا انتظار دس منٹ طویل تھا۔ دس منٹ تک اس نے سولیم کے صبیح چہرے کو تکا۔ تک کر دل میں اتارا اور اسے ٹھنڈا کر گیا۔ وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔ یہ منظر ایک نعمت ہی تو تھا۔

"ساڑھے سات سال بعد ایسا لگ رہا ہے جیسے میں اب سانس لے رہا ہوں۔ میں بھی جی رہا ہوں۔"

سولیم نے دعا مانگنے کے بعد منہ پر ہاتھ پھیرا اور رخ موڑ دیا۔

"کس سلسلے میں ہو یہاں؟" اس کا انداز لٹھ مارتا تھا۔ براق کے لب سکڑ گئے۔

"وہ، میں، یہ۔" اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ ڈال کر کیس نکالا اور آگے کو کر دیا۔

"آپ کو دینے آیا تھا۔ مجھے لگا جانے سے پہلے آپ کو کوئی تحفہ دینا چاہیے۔"

سولیم کی اچکی ہوئی آ بیرو یہ وضاحت کر رہی تھی کہ وہ اس کی کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں رکھتی۔ وہ خوامخواہ شرمندہ ہوا۔

"اور تمہیں ایسا کیوں لگا، تم جانتے ہو نا میں چھوڑی ہوئی چیزیں نہیں لیتی۔" اس کے آخری جملہ اسے کھٹک گیا تھا۔

"کون سی چھوڑی ہوئی چیز کے بارے میں بات کر رہی ہیں آپ؟"

سولیم نے آنکھ سے اس کیس کی جانب اشارہ کیا۔ براق پھیکا سا ہنسا۔

"نہیں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ خالص آپ کیلئے ہی لائی گئی ہے۔ میں کیوں آپ کو کسی کی چھوڑی ہوئی چیز دوں گا۔ میں کبھی ایسا چاہوں گا بھی نہیں۔" وہ الجھن زدہ آنکھوں سے اس کے چہرے کو تک رہا تھا جو نماز کے سٹائل میں بندھے دوپٹے کے حصار میں تھا۔

"کیا واقعی، مجھے تو لگا تھا یہ تمہاری کسی نئی گرل فرینڈ کیلئے ہے۔ وہی جس سے آج تم خاصا ہنس ہنس کر باتیں

کر رہے تھے۔"

سولیم کی بات پر اسے دکھ کا دھچکا لگا۔وہ جائے نماز لپیٹتی کھڑی ہو رہی تھی۔

"نہیں، میں بھلا کس سے ہنس کر بات کروں گا سوائے۔۔۔" کہتے کہتے اچانک اس کے دماغ میں جھماکا ہوا تھا۔کہیں وہ اس کے بارے میں تو بات نہیں کر رہی جو براق کو ٹینشن دے رہی تھی؟ ہاں شاید ایسا ہی ہے۔ سولیم کے ساتھ اس نے خود کو بھی کھڑا کیا۔

"صفائیاں مت دو براق، تم اس طرح اپنے گناہ کو جسٹی فائی نہیں کر سکتے۔میری غلطی ہے جو تمہاری حقیقت کچھ پلوں کیلئے بھلا بیٹھی تھی۔"

یہ آج صبح کی ہی تو بات تھی جب وہ کلینک سے شاپنگ کرنے گئی تھی۔کافی عرصے سے اس نے ریسٹ واچ نہیں لی تھی اور اب اسے ایک عدد نئی گھڑی کی اشد ضرورت تھی۔تبھی گھر کی بجائے اس نے کار کو شاپنگ مال کی جانب موڑ دیا۔وہ تھرڈ فلور پر مشتمل جیولری شاپ کی اور بڑھ رہی تھی جب اس نے ایک لڑکی کے کھلکھلانے کی آواز سنی۔سر اٹھا کر دیکھا تو دنگ رہ گئی۔وہ لڑکی تنہا نہیں تھی، اس کے ہاتھ میں شاپنگ بیگز تھے اور ساتھ اس کا شوہر نامدار براق کھڑا تھا۔جو دل کھول کر ہنستے ہوئے اس لڑکی کے ساتھ باتوں میں مگن تھا۔دونوں شیشے کے کاؤنٹر پر جھکے ہوئے تھے اور کسی چیز کو لے کر بحث کر رہے تھے۔سولیم نے ادھ کھلے دروازے کو چھوڑ دیا اور پلٹ گئی۔نا جانے کیوں اس کے دل میں غبار اکٹھا ہو چکا تھا۔آنسوؤں کا غبار جو اس کی بصارت کو دھندلا کرنے لگا۔ اس نے خود کو بہت سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔یہ اس کا وہم بھی ہو سکتا ہے مگر یہ نسوانی دل مجال ہے جو ایک بھی سن لے۔بیچاری سولیم کا اس نے دن ہی خراب کر دیا۔طرح طرح کے وسوسوں کی عنایت کی اور بیویوں والے شک کا بیج بڑے پیار سے اس کے دل میں بو دیا جس کی بیلیں نکل کر بے قصور براق کا گلا جکڑنے لگیں جو اس وقت کاٹو تو لہو نہیں کی زندہ مثال بنا بیٹھا تھا۔

"آپ بہتان نہیں لگا سکتیں سولیم، آپ ایسا کہہ بھی کیسے سکتی ہیں، آپ کو اپنے لفظوں کی سختی کا علم ہے۔آپ جانتی ہیں کیا کہہ دیا ہے آپ نے؟ آپ میرے کردار پر شک کر رہی ہیں۔"

وہ یکدم حواسوں میں لوٹا تھا۔اس کا دل سولیم کی بدگمانی پر منہ کو آ رہا تھا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی وہ کیسے خود کو

کلیئر کرے۔

"براق شاہ، بہتر ہوگا آپ اپنے دوست کے ساتھ جا کر بیٹھیں۔ میں تھک گئی ہوں مجھے ریسٹ کرنا ہے۔" وہ بیڈ کی اور بڑھنے لگی تھی جب براق اچانک اس کے راستے میں حائل ہوگیا۔ سولیم نے سر اٹھا کر اس کی جسارت کو تکا تھا۔

"نہیں سولیم، میں جب تک آپ کا دل صاف نہیں کر لیتا یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ کو یقین کرنا پڑے گا میری بات پر، مجھ پر، آپ کو میری صفائی سننی پڑے گی۔"

سولیم نے سینے پر بازو باندھے اور سر اٹھا کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے۔ دو صفائی، سن لیتی ہوں تمہاری بھی۔"

براق نے اپنے لبوں کو دانتوں میں کچلا۔ گریفائٹ آنکھوں کو اس کے چہرے سے ہٹا کر وہ لفظوں کو تولتے ہوئے بولا۔

"میں نے صبح اسد سے کہا کہ جانے سے پہلے مجھے آپ کیلئے کچھ لینا چاہیے تو اس نے میرے اس خیال کی پذیرائی کی، تبھی میں شاپنگ مال میں تھا۔ میں وہاں ریسٹ واچ اور بروچ میں کنفیوز ہوگیا تھا کہ کیا لوں کیا نہ۔ پھر وہ لڑکی آئی جس کے بارے میں آپ نے غلط قیاس کیا ہے۔"

وہ ٹھہر ٹھہر کر دھیمے سروں میں بول رہا تھا۔ سولیم سابقہ پوزیشن میں کھڑی اسے سن رہی تھی۔

"وہ بھی اپنی بیٹی کی پہلی سالگرہ پر اس کیلئے کوئی گفٹ لینا چاہتی تھی۔ اس نے ایک ہیئر پن آرڈر پر بنوائی تھی جسے اٹھانے وہ وہاں تھی۔ مجھے دو چیزوں کے بیچ الجھتے دیکھ کر وہ کہہ رہی تھی کہ ایک لڑکی کیلئے بہترین گفٹ بروچ ہوسکتا ہے لیکن آپ یقین کریں میں نے اس کی نہیں سنی۔ میں نے صرف بروچ ہی نہیں اس کے ساتھ ریسٹ واچ اور چین بھی لی ہے۔ یہی سچ ہے سولیم۔"

اس کے چہرے پر ہنوز بے یقینی کی لکیریں دیکھ کر وہ خائف ہوگیا۔ وہ کیس اب بھی اس کے ہاتھ میں تھا جس میں تین چھوٹے چھوٹے کیس قید تھے اور ان کیسوں میں براق کا سولیم کیلئے تحفہ۔

"اور وہ ہنسیاں؟"

سولیم کی کرخت آواز پر اسے آج اپنے ڈیڈ کی بے بسی کا احساس ہوا تھا۔ آج اپنی ماضی کی بلیک میلنگ پر توبہ کرنا آرہی تھی جو وہ فاروق کے ساتھ کیا کرتا تھا۔ وہ بھی تو اسی طرح اپنی بیوی کے آگے بے بس ہو جاتے ہوں گے، اسی طرح مجرموں کی طرح صفائیاں دیتے ہوں گے۔ آہ یہ مکافات عمل!

آخ براق آخ، شرم آنی چاہیے تمہیں۔

"وہ اپنی بیٹی کی باتیں کر رہی تھی۔ مجھے علیشہ یاد آگئی۔ اس کا قصہ بتاتے ہوئے میں خود پر کنٹرول نہیں کر پایا" یہ وہ عدالت تھی جہاں وہ بے قصور ہوتے ہوئے بھی مجرم قرار دے دیا گیا تھا۔ شاید پوری دنیا کے سامنے وہ اس طرح پشیمان نہ ہو جس طرح اس وقت سولیم کی بے اعتباری کے سبب ہو رہا تھا۔ آئندہ اس کی توبہ جو وہ کسی عورت کی طرف نگاہ بھی اٹھالے۔

"ٹھیک ہے میں نے یقین کر لیا۔ اب تم جا سکتے ہو۔" وہ اس کی سائیڈ سے نکل کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔ ایسے کہ کتاب اس کے ہاتھ میں تھی اور پاؤں سیدھے۔

"سولیم!"

وہ اس کی بات درشتی سے کاٹ گئی۔

"براق شاہ، خدارا۔" اس کے دوٹوک انداز پر وہ چند سیکنڈز بے بسی میں گزار کر وہاں سے چلا گیا تھا۔ سولیم نے بند متحرک دروازے کو تکا۔

"ہنہ، باہر ہنسیاں نہیں رکتیں اور گھر میں بھیگی بلی بنے گھومتے ہیں موصوف۔" کتاب کو بیڈ پر پٹخ کر وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

رات کا جانے کونسا پہر تھا جب متواتر دستک سے اس کی آنکھ کھلی۔ اس نے جلتے ہوئے لیمپ کو دیکھا اور سوچنے کی سعی کی۔ اسے یاد آیا تھا کہ وہ ڈنر کیے بنا ہی عشاء کی نماز پڑھ کر سو گئی تھی۔ اس نے آس پاس اپنے پیشنٹس کی چند ایک فائلز کو دیکھا جن کی ورق گردانی کرتے ہوئے وہ ہوش و خرد سے بیگانی ہوئی تھی اور اب یہ دستک۔

"اس وقت کون ہو سکتا ہے؟"

سوا تین کا ٹائم تھا اور دل اس دستک سے گھبرا گیا تھا۔ وہ جلدی سے سلک کی پستہ کلر کی چادر کو خود پر سے ہٹا

کر دروازے کی اور لپکی۔ دروازہ کھولتے ہی جو اسے نظر آیا وہ براق شاہ کا چہرہ تھا۔

"خیریت؟" نیند سے بوجھل خوف میں لپٹی اس کی آواز ابھری تھی۔ براق نے جواب دیا۔

"سولیم! آپ کو میری بات پر یقین کرنا ہوگا۔ واللہ میرا اس عورت کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔" بکھرے بال، سرخ آنکھیں اور روہانسے چہرے والا وہ مرد سولیم کو چونکا گیا۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟ کیا کہہ رہے ہو؟" اس کا دماغ اچانک سے نہیں چلا تھا اس لیے پوچھ بیٹھی۔

"کس عورت کی بابت بات کر رہے ہو؟"

شاباش اس کی نیند اڑا کر، ہاتھوں کے طوطے چھڑوا کر وہ محترمہ فرما رہی ہیں کونسی بات۔ براق کا دل چاہا اپنا سر دیوار میں مار دے یا اس باغی دل کو سینے سے نکال کر اس کی گول گیند بنائے اور اتنی دور اچھالے کہ واپس پلٹ کر نہ آئے لیکن آہ یہ حسرتیں۔

"جس سے آپ دانستگی میں مجھے منسوب کر بیٹھی ہیں، جس کی وجہ سے آپ نے میرا تحفہ بھی قبول نہیں کیا، سولیم! میں سچ کہہ رہا ہوں میری زندگی میں آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔ ہو بھی نہیں سکتی۔"

اور یہیں سولیم کا دل دھڑک گیا تھا۔ وہ احساس عود کر آیا جسے وہ عرصے سے فراموش کرنے کی سعی میں تھی۔ جس سے وہ حتی المقدور بھاگنے کی کوششوں میں تھی اور مسلسل ناکام ہو رہی تھی۔ وہ احساس جو براق کی ذات سے منسوب تھا، جو اس کے دل کو اس کی روح کو قید کر چکا تھا۔ وہ احساس جسے عرف عام میں محبت کہا جاتا ہے۔

"میں نے یقین کر تو لیا تھا۔ میں جانتی ہوں تمہاری زندگی میں میرے علاوہ کوئی نہیں۔" اسے خود کی آواز سنائی دی تھی۔ وہ اپنی محبت کو مخفی رکھنا چاہتی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ایک رمق بھی براق کے دل پر پڑے۔ اس نے خاموشی سادھ لی تاکہ یہ راز حلق سے نکل کر خلق تک نہ پہنچ جاء اس نے خود کو روک لیا تاکہ وہ زیر ہو کر ریزہ نہ ہو جائے۔ اس نے دل کو تھام لیا تاکہ وہ جڑنے کے بعد مڑے نہ۔

"کیا سچ میں؟"

سولیم کی آنکھوں کی سچائی وہ پڑھ چکا تھا۔ جو انبساط اس کے چہرے پر پھیلا تھا۔ اس پر سولیم کی نظریں جھک گئیں۔ اس نے تف کیا خود پر وہ کیونکر بھلا کسی کے دل کو ٹھیس پہنچانے کا ضامن بن سکتی ہے۔ اسے ایسا نہیں کرنا

چاہیے۔کل کے بعد وہ ایسا کبھی نہیں کرے گی۔

"آپ کا شکریہ، میرے دل سے بڑا بوجھ سرک گیا، اب چلتا ہوں۔ دو بجے کی فلائٹ ہے میری، اپنا خیال رکھنا آپ۔ یہ آپ کیلئے ہے اور معذرت آپ کی نیند خراب کی۔"

وہ اس کی ہتھیلی سے وہ کیس اٹھا چکی تھی۔ سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔ اسی جھکے ہوئے سر سے اس نے براق کے قدموں کو پیچھے ہوتے اور مڑتے دیکھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی بڑی شدت سے مگر لب ایسے آپس میں پیوست تھے جیسے لوہے کے ہوں۔ اس کی پلک سے ایک آنسو ٹوٹ کر زمین بوس ہوا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح سویلم کی انا زمین بوس ہو چکی تھی۔

٭......٭......٭

"مجھے پورا یقین ہے ضرور خلیفہ نے کوئی خفیہ کتا پال لیا ہے جو اس کے ہر کام کر رہا ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے اس کے بارے میں پتا لگواؤ رمیز ورنہ گڑبڑ ہو جائے گی۔" شک کی بو ہر سمت پھیل چکی تھی۔ خان اس وقت اہم ڈیلی گیشن سے میٹنگ کر کے فارغ ہوئے تھے۔ انہیں پریشانی اس لیے لاحق ہوئی تھی کیونکہ خلیفہ کی پن بدل چکی تھی۔ اس کا لیپ ٹاپ جو خان کے لیپ ٹاپ سے جڑا تھا اب الگ تھا اور وہ تمام اہم مواد جو ان دونوں کے پاس ہارڈ اور سوفٹ میں ہوتا تھا اب صرف خلیفہ کے پاس تھا۔

"کہیں اس کا تعلق اس سے تو نہیں وہی جسے خلیفہ سالوں پہلے اٹھا لایا تھا" رمیز کی گوہر فشانی پر خان کا ماتھا ٹھنکا۔

"ہاں یہ وہی ہو سکتا ہے مگر وہ تو باؤلا تھا۔ خیر چھوڑو اس معذور کو اور پاکستان میں موجود یونٹ سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ تیرہ بچوں کی ڈیمانڈ کی تھی۔ اب تک نہیں پہنچے۔"

رمیز نے سیل نکال کر کچھ چھانا اور پھر ان سے کہا۔

"خان! وہ بچے پانی کے راستے پہنچ رہے ہیں۔ اس کے علاوہ بھی ایک بری خبر ہے۔ کہو تو سناؤ۔" سمندر خان اس تمہید پر سیخ پا ہوئے۔

"ہزار بار کہا ہے جو بات ہو بے دھڑک کہا کرو۔ ہاں خلیفہ کا جلال تھا۔ مجال تھی جو وہ کسی سے خوف کھاتا، درست ہے اس کی جگہ لینا بہت مشکل کام ہے تمہارے لیے۔"

رمیز اس لاجواب بے عزتی پر گردن کھجا تا رہ گیا پھر خان کی جلی کٹی سننے کے بعد بولا۔

"پاکستان میں ہمارے جو باقی ماندہ اڈے تھے وہ تباہ ہو چکے ہیں۔ خلیفہ کے حکم کی سبب ہوا یہ۔" سمندر خان اچانک میز پر ہاتھ مارتے کھڑے ہوئے تھے۔

"خلیفہ کیا ان کا باپ لگ رہا ہے جو وہ اس کی بات مان گئے۔ بھول گئے میں بادشاہ ہوں اس سلطنت کا، سب کو خاک کر دوں گا۔" وہ آنکھیں نکال کر دھاڑے تھے۔ یہ بات ناقابلِ ہضم تھی۔ اڈوں کا ختم ہو جانا کوئی معمولی قدم نہیں تھا۔ سالوں لگے تھے انہیں قائم کرنے میں۔ رمیز ان کے غصے سے دبک سا گیا۔

"خلیفہ نے اعلانیہ کہہ دیا ہے کہ وہ آج سے ان سب کا سردار ہے۔ سب نے اس کی بات پر لبیک کہا ہے

سب ہی اس کے پیروکار بن گئے ہیں۔" رمیز بم پر بم پھوڑ رہا تھا۔ خان نتھنے پھلائے کھڑے رہے۔

"وہ میرے سے روگردانی نہیں کر سکتا۔ وہ بھول گیا ہے میری طاقت کو، تم نے اچھا نہیں کیا خلیفہ۔" خان کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔

"خلیفہ کا تیا پانچہ کرنا ہوگا۔ ملاؤ فون سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر۔ کافی عرصے سے تلاش ہے نا انہیں ٹام سن کی۔ اب انہیں ٹام سن ملے گا، خلیفہ مر نہیں سکتا تو کیا ہوا احراست میں تو آسکتا ہے نا۔"

ان کی آنکھوں کا جنون، لفظوں کی کاٹ اور ارادوں کی پختگی نے رمیز کو ٹھٹکا دیا۔ یہ وہی خان تھا جو خلیفہ کے بنا کچھ نہیں تھا۔ اس کے ہر حکم کا تابع، ہر بات کو حرفِ آخر ماننے والا اور آج وہی خان ہے جو اس کے خاتمے کے منصوبے بنا رہا ہے۔ کیا وفاداری کی میعاد یہیں تک محیط تھی؟ کیا جو ساتھ تھا جو محبت و انسیت کے دعوے تھے وہ محض ایک فیصلے کا نشانہ تھے جس کے چوکتے ہی سب ختم، سب فنا، نظریں پھریں، دل پھرے، نفرتیں بڑھیں، عداوتیں چڑھیں محض اس لیے کہ خان معروش کی خلیفہ کی زندگی میں آمد کو پسند نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک عورت کی خاطر وہ سالوں پرانے وفادار اور بے لوث ساتھی سے منہ پھیر گئے تو پھر وہ کس کھاتے میں ہے؟ اس کا دور تو اتنا لمبا ہرگز نہیں لگتا۔ خان کی نظر میں اس کی تو وہ ویلیو ہے ہی نہیں جو خلیفہ کی تھی تو کیا پھر وہ بے عزت ہوتا رہے؟ نہیں وہ خود کے ساتھ ایسا نہیں ہونے دے گا۔ کتنا ہی اچھا ہو کہ خلیفہ کے ساتھ ساتھ خان بھی راستے سے ہٹ جائے۔ رمیز نے کاٹ دار مسکراہٹ لبوں پر سجا کر ایک نمبر ڈائل کیا اور فون خان کی سمت بڑھا دیا۔

"ٹام سن، نائن تھری" اس نے محض یہ جملہ بول کر کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ رمیز ایک آبرو اچکا کر پرسوچ نگاہوں سے انہیں تک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کسی کا چہرہ تھا اور وہ کسی اس وقت سفید پٹی کو مخروطی انگلیوں والے ہاتھ پر لپیٹنے میں مصروف تھا۔ ان مخروطی ہاتھ والی لڑکی کی ناک پر بینڈیج لگی ہوئی تھی اور آنکھیں جھکی ہوئیں۔

"پلاسٹک کی گولی صرف گوشت پھاڑتی ہے نقصان نہیں پہنچاتی، جو گولی میرے شانے پر لگی تھی وہ پلاسٹک کی تھی مگر اس چاقو کی ہلکی سی کھرونچ ان تمام دردوں سے اول ہے جو تم مجھے مار کر گئی تھی۔ پتا ہے اس وقت دماغ میں کیا چل رہا تھا میرے؟"

یہ نجی ہاسپٹل کے ایک کمرے کا منظر تھا جہاں معروش سفید بستر پر سپاٹ چہرے کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے دائیں جانب اسی بستر پر خلیفہ پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔ اس طرح کہ اس کا ایک پاؤں وی کی صورت بیڈ پر تھا اور دوسرا سیدھا، اس کی شرٹ کے سامنے کا حصہ معروش کی ناک سے نکلنے والے خون کے زیر اثر گدلا نظر آتا تھا اور نچلے لب کو اوپر کے دو دانتوں میں جکڑتے ہوئے وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ ساتھ میں اس کے ہاتھ پر سفید پٹی بھی باندھے جا رہا تھا۔ معروش کے جواب نہ دینے پر وہ خود ہی بولا۔

"میرا دماغ کہہ رہا تھا خلیفہ تبریز ہمت کر اور ختم کر دے اس لڑکی کو۔ یوں بھی تو، تُو اپنی کمزوری زندہ نہیں رکھتا تو پھر یہ عورت جو لمحہ بہ لمحہ تیرے حواسوں پر سوار ہوتی جا رہی ہے کا قصہ ختم کر دے۔ جب جنگ کی وجہ ہی ختم ہو جائے گی تو پھر جنگ بھی نہیں ہوگی مگر صد افسوس اپنی ہزار وِل پاور یوز کرنے کے بعد بھی میں اس نتیجے پر پہنچا کہ تمہیں مارنا خلیفہ کا کام نہیں۔"

انگوٹھے کے پاس گرہ لگا کر وہ اس کے زخمی ہاتھ کو اپنے چوڑے ہاتھ میں قید کر چکا تھا۔ عین سر پر لگا پنکھا سست روی سے چلتا ہوا ان دونوں کو اشتیاق سے تک رہا تھا جو بالکل متضاد شخصیت کے مالک تھے مگر پھر بھی ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔

"مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں دیواروں سے بات کر رہا ہوں۔ ہیلو سٹون لیڈی، کیا آپ یہاں ہیں؟" اس کے ماتھے پر اپنی پلیٹینیم کی انگوٹھی سے سجی انگلی بجاتے ہوئے وہ پرشوق ہوا۔ معروش نے اسے خون آشام نگاہوں سے تکا۔

"تم دیواروں سے ہی بات کرو کیونکہ اب تم وہی ڈیزرو کرتے ہو۔" وہ تڑخ کر بولی۔ خلیفہ کے ماتھے پر شکنیں ابھر گئیں۔ سفید ماربل سے سجا وہ کمرہ اس کی شکنوں کو دیکھ کر شکن آلود ہو گیا۔

"یعنی الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ تم نے وہ چینی کہاوت تو سنی ہوگی۔"

معروش نے یک لخت اس کی بات کاٹ دی۔

"میں نے نہیں سنی۔"

"جاپانی؟"

"نہیں۔"

"اسپینش، لبنانی، کورئین؟"

"نہیں نہیں۔" وہ مکینکی انداز میں جواب دے رہی تھی۔ خلیفہ نے سیٹی کے انداز میں لبوں کو گول کیا۔

"یعنی تم بہت نکمی رہی ہو۔ مجھے یہ بتاؤ تمہیں غصہ کس بات کا ہے جبکہ اس موڈ کا حقدار میں ہوں، تم نے مجھے ڈچ کیا، مجھے زخمی کر کے جانوروں کے بیچ چھوڑ آئی پھر تم نے پاکستان کانٹیکٹ کیا اور اوپر سے مجھے ہی ایٹی ٹیوڈ دکھا رہی ہو۔ کیا چیز ہو تم؟"

وہ اس کی درمیان والی بات پر چونک گئی۔ زخمی ناک کے اوپر جڑی دو آنکھوں میں ایسا تحیر تھا کہ مانو پوری دنیا کی حیرانی ان میں آن سمائی ہو۔ وہ پوری دنیا کی حیرانی سے بھی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"کیسے جانتے ہو یہ بات؟"

وہ شانے اچکا گیا۔

"خلیفہ سب جانتا ہے۔" اس جملے میں غرور و تکبر کا شائبہ تک نہیں تھا۔ ہاں ایک دھونس اور وارننگ تھی جس سے اسے آگاہ کیا گیا تھا۔

"تو پھر تم یہ بھی جانتے ہو گے کہ کاؤنٹ ڈاؤن سٹارٹ ہو چکا ہے۔"

خلیفہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس کے داڑھی کے بال ہونٹوں کو چھونے لگے تھے۔ سنہری سورج سی چمکتی آنکھیں اپنے چوڑے ہاتھ میں موجود اس ہاتھ پر جم گئیں جو کب سے چھوٹنے کا منتظر تھا۔

"ہاں مجھے علم ہے معروش، میں جانتا تھا تمہارے فرار کا مقصد۔"

وہ سفید پٹی کے کھردرے پن کو اپنی انگلیوں کے پوروں پر محسوس کر رہا تھا۔ اس کی وہ چین جس سے معروش کی ناک ٹکرا کر زخمی ہوئی تھی ڈسٹ بن میں پڑی ماتم کناں تھی۔ وہ جھکی نظروں کو اٹھا کر معروش کو دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "اور سچ مانو تو میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اس کہانی کا اینڈ ہو ہی جانا چاہیے۔ اس بیکار سی زندگی کو مٹ جانا چاہیے۔ تم جانتی ہو کافی عرصے سے دل ایک بات کی ضد کر رہا ہے۔ یاد رہے خلیفہ کا دل ضد نہیں کرتا، حکم دیتا ہے مگر کچھ حکم ایسے ہوتے ہیں جن پر عمل کروانے کیلیے ضد کا سہارا لینا پڑتا ہے اور آج کل میں اسی دور سے گزر رہا

ہوں۔" اس کے لفظوں کے بوجھل پن پر معروش نے اپنی بھنوؤں کا آپس میں ملایا۔ وہ اس کے لفظوں کو سن رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

" کسی کو جان لینے کیلئے ایک فائل درکار نہیں ہوتی معروش، ایسی فائلز تو میں ہزاروں بنا دوں۔ کوئی دقت نہیں، کسی کو جاننے کیلئے اسے پڑھنا، اس کے اندر تک اترنا پڑتا ہے۔ اس کے ماضی میں جا کر ہر وہ سب محسوس کرنا پڑتا ہے جو بیت چکا ہوتا ہے۔ مجھے جاننے کیلئے تمہیں مجھے پڑھنا ہوگا مگر ایک بات یاد رکھنا میں بہت گہرا ہوں۔ اتنا گہرا کہ کبھی کبھی مجھے بھی خود سے خوف آنے لگتا ہے۔"

معروش نے اس کے چپ ہونے پر اپنے لبوں کو جنبش دی۔ " حالانکہ مجھے تمہیں جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں۔ تمہارا ماضی مجھے اتنا ہی بیکار لگا ہے جتنا کہ لگنا چاہیے لیکن پھر بھی بتا دو وہ بات جو تمہیں ڈسٹرب کر رہی ہے۔ میں سن رہی ہوں۔"

وہ اس کی بے نیازی و بے اعتنائی پر ہنسا۔ ایسی کھوکھلی ہنسی جس پر تاسف کیا جائے۔

" کہہ سکتی ہو، تم اس سے بھی زیادہ دلدوز جملے کہہ سکتی ہو۔ کوئی قباحت نہیں، رہی وہ بات جو مجھے چھیرنے کا کہہ رہی ہے تو سن لو کہہ، دیتا ہوں یوں بھی کہنے میں کوئی حرج نہیں۔" خلیفہ کا انگوٹھا تواتر سے اس کی پٹی پر رینگ رہا تھا۔ دائیں سے بائیں، بائیں سے دائیں۔

" دل کی ضد ہے اعتراف جرم، توبہ، تلافیاں اور سرنڈر، پہلے سوچا تھا یہ سب نہیں کروں گا لیکن یہ بات میں اچھے سے جانتا ہوں کہ اگر میں راہِ راست پر آ گیا تو واللہ کوئی مجھ سا نہیں ہوگا جو پارسا ہو لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ میں توبہ نہیں کروں گا تا کہ جو گناہ میں کر چکا ہوں، جو آہیں مجھے لگ چکی ہیں وہ بیکار جائیں۔ میں توبہ نہیں کروں گا تا کہ مجھے میرے کیے کی سزا ملے جو کہ میں ڈیزرو کرتا ہوں ہاں۔"

معروش کے اسی ہاتھ پر اب وہ اپنا دوسرا ہاتھ رکھ رہا تھا۔ وہ اب بھی اسے شک کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی کہ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو اعتبار بڑی مشکل سے حاصل کرتے ہیں خلیفہ بھی انہیں لوگوں میں سے تھا۔

" ایک کام میں اب بھی کروں گا، تمہیں وہ ساری فائلز دوں گا جو تمہارے بہت کام آنے والی ہیں۔ پاکستان میں موجود اور پاکستان سے باہر جتنے بھی کالے کاموں والوں سے میں واقف ہوں ان کا کچا چٹھا کھول کر تمہیں

دوں گا۔تم اپنی اور غیر ملکی پولیس کی مدد سے ان سب کو گرفتار کر لینا۔"

معروش نے اس کے چپ ہونے سے پہلے ہی لبوں کو کھولا۔

"مجھے تم پر یقین نہیں۔"

خلیفہ نے فوراً نگاہیں اٹھائیں۔" کرنا بھی نہیں، ہرگز کسی بھی صورت مت کرنا مجھ پر یقین معروش، کیونکہ میں خود ہی نہیں جانتا کب کس وقت پھر جاؤں۔کوئی اعتبار نہیں میرا۔تم بہت اچھا کر رہی ہو جو اپنے شک کو برقرار رکھے ہوئے ہو۔وقت کا کیا پتا کس موڑ پر پلٹی کھا جائے۔"

معروش نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔خلیفہ اس زخمی عورت کو دیکھے گیا جس نے اس کا دل زخمی کر دیا تھا۔" تمام رحم دل الفاظ تمہارے ساتھ ہیں ریسٹ ان پیس۔"

"تم ایسی کیوں ہو؟"

وہ دوبدو بولی۔" یہ سوال میں بھی کر سکتی ہوں۔"

خلیفہ نظریں جھکائے ہنس دیا۔

"اس بار دھوکا نہیں دوں گا،اس بار تو کھیل تو ڈراما۔" وہ وہاں سے کھڑا ہو گیا۔

" کون جانے سچ کیا ہے۔"

وہ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے شانے اچکا رہا تھا۔

" ٹھیک کہتی ہو کون جانے؟" وہ مڑا تھا۔مڑ کر دھن بجانے لگا۔

آئی ہیو ڈائیڈ ایوری ڈے ویٹنگ فار یو

ڈارلنگ ڈونٹ بی افریڈ آئی ہیو لوڈ یو

فار آ تھاؤزنڈ ییرز آئی لو یو فار آ تھاؤزنڈ مور

☆......☆......☆

دل کا دکھنا کوئی بڑی بات نہیں، اگر آپ مضبوط ہو اور پھر بھی چھوٹی سی بات آپ کو تکلیف پہنچا رہی ہے تو جان لو آپ ایک نرم دل مضبوط انسان ہو۔وہ جسے کوئی بھی بڑی آسانی سے ٹھیس پہنچا سکتا ہے،خود کو دکھنے

مت دیں۔ اکیلے کمرے میں بیٹھ کر آنسو مت بہائیں۔ اس سے کسی کا کچھ نہیں جانا بس آپ کو ہی درد ہونا ہے، آپ کا ہی نقصان ہونا ہے۔"

ٹی وی چینل پر چلتے کسی کاؤنسلر کی آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ ایک کمرے پر مشتمل چھوٹا سا فلیٹ تھا جہاں وہ گزشتہ کئی مہینوں سے محصور تھی۔ صرف وہی نہیں بلکہ اس جیسی ہزاروں ایسی لڑکیاں اس بلڈنگ میں قیام پذیر تھیں جو بازیاب ہوئی تھیں۔ رخسانہ نے ٹی وی کی آواز بڑھائی اس بات سے قطعی بے خبر کہ اب سے کچھ دیر بعد کیا ہونے والا ہے۔

"ہم کہتے ہیں رو دینے سے دل ہلکا ہو جاتا ہے جبکہ میرے نظریے کے مطابق رو دینے سے آپ کا دل مزید بوجھل ہو جاتا ہے۔ خون تو جلتا ہی ہے کافی کیلوریز بھی گھٹتی ہیں لیکن دکھ کی ایک دبیز تہہ ہمیشہ کیلئے آپ کے دل کو جکڑ لیتی ہے۔ وہ بات جس سے آپ کے آنسو بہہ رہے ہیں وہی بات اور اس کی صورت میں نکلنے والے آنسو تاعمر دل پر ایسے زخم چھوڑ جاتے ہیں جو مندمل تو ہو جائیں گے لیکن ان کے نشان اس بات کا اثر پھر بھی قائم رکھے رہیں گے۔"

رخسانہ کے سیل فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ وہ ہوسٹ کی آواز سنتے ہوئے اپنے پاؤں صوفے سے نیچے اتار رہی تھی جو پوچھ رہی تھی۔

"لیکن سر، ایک بات قابل غور ہے کہ آپ روتے کسی عام انسان کی وجہ سے ہرگز نہیں ہیں، آنسو نکلتے بھی انہی کیلئے ہیں جو خاص ہوتے ہیں یا نہ بھی ہوں تو ان کی کوئی نہ کوئی بات یا عمل ایک ایسا تاثر چھوڑ دیتا ہے جو سیکنڈ میں ان دیکھا کنیکشن بنا لیتا ہے۔ آپ کیا کہتے ہیں اس بارے میں؟"

"ہیلو۔" رخسانہ نے والیوم کو سلو کیا اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گئی۔ اسے ان باتوں میں دلچسپی ہو رہی تھی مگر زیادہ اہم وہ کال تھی جو اس کے سیل فون پر آئی تھی۔ وہ اسد کی کال تھی۔

"آج جا رہا تھا تو سوچا تم سے بات کرتا چلوں، فارغ ہو؟"

رخسانہ نے گھڑی کی سمت نگاہ دوڑائی۔ وہ ابھی کچھ دیر قبل ہی ظہر کی نماز ادا کر کے فارغ ہوئی تھی تبھی دوپٹہ بھی اسی سٹائل میں چہرے کے گرد بندھا تھا۔

"مجھے کوئی کام نہیں ہوتے۔آپ کہاں ہو؟" اس نے محسوس کیا کہ اسد اس کی بات پر مسکرایا ہے۔

"بندہ اس وقت راستے میں ہے، پہنچتا ہی ہوگا۔"

وہ بھی چہرہ نیچے کر کے مسکا دی، نرم گرم سی مسکان، بے فکر مسکان، پاکیزہ واجلی مسکان۔

"ٹھیک ہے آپ آجائیں۔" یک لخت سے اس کا دل ڈبکیاں کھاتا ہوا نیچے گرا تھا۔ایسا کیوں ہوا تھا؟ وہ ڈر گئی، گھبرا گئی۔چھٹی حس نے الارم دیا اور وہ چھوٹتے ہی بول اٹھی۔

"نہیں اسد، آج آپ نہ آئیں، بالکل بھی نہیں آئیں۔"

اسد اس کے اچانک انکار پر ٹھٹکا۔شاکی آواز میں بولا۔" کیوں بھئی، میرے خیال سے ابھی وہ تم ہی تھیں جو آنے کا کہہ رہی تھیں اور غالباً مسکرا بھی رہی تھیں تو پھر اچانک سے ایسا کیا ہوا جو یوں تردد کر رہی ہو۔بات کیا ہے؟"

رخسانہ نے ٹی وی کی اور نگاہ ڈالی جہاں وہ ڈاکٹر کہہ رہا تھا۔"زندگی کا جو ساتھی ہوتا ہے وہ بڑا انمول ہوتا ہے۔اس کی ذات سے ہی آپ کی ذات وابستہ ہے۔اس کے وجود سے ہی آپ کا قیام ہے۔اس کی ہنسی، اس کی خوشی سب کا محور آپ ہوتے ہیں۔یہ رشتہ بڑا انوکھا سا ہے تو اس رشتے کی حفاظت بھی انوکھی ہی ہونی چاہیے، اچھا حفاظت سے میری یہ نہیں مراد کہ آپ اسے زمانے کے سرد وگرم سے بچائیں، حفاظت سے یہاں کچھ معنی اور بھی نکلتے ہیں جیسے مسکراہٹ کی حفاظت کرنا کہ آپ کے سبب آپ کے ساتھی کے لبوں پر جو پیاری سی مسکان کھلی ہے وہ کسی ایسے رویے کی بنا پر جو اسے تکلیف دے معدوم نہ ہو جائے۔اس کے اچھے موڈ کی حفاظت کرنا یعنی ایسا سامان پیدا کرنا ہے۔وہ جو تھکا ہارا آپ کے پاس لوٹ رہا ہے یا آپ جس تھکی ہاری کے پاس لوٹ رہے ہیں وہ آپ کے اکھڑیا اکتائے ہوئے لہجے و رویے کی بدولت کہیں اداس تو نہیں ہو گئی یا گیا۔آپ کے کسی جملے نے اسے ٹھیس تو نہیں پہنچا دی، اس چیز کا خیال رکھیں۔اس کے دل کی حفاظت کریں، اس کی روح کو سکون بخشیں، اسے ہر لمحہ، ہر پل بتائیں کہ وہ آپ کیلئے کتنا یا کتنی اہم ہے۔اسے جتاتے رہیں کہ جتانا ہی اس رشتے کی خوبصورتی ہے۔"

اس نے اپنی نگاہ ہٹائی اور آنکھیں بند کر لیں۔کئی خاموش آنسو پلکوں کی باڑ توڑ کر گر گئے تھے۔

"اسد، زندگی بہت چھوٹی ہے نا؟" سوال پر سوال۔ اسد اس الجھے ہوئے سوال پر ہنس دیا۔

"ہاں یہ سچ ہے لیکن اچانک سے تمہیں زندگی کے چھوٹے ہونے کا خیال کیسے آ گیا؟" متوازن لہجے میں پوچھتے ہوئے وہ اس پار بیٹھی رخسانہ کے لہجے کی گہرائی کو محسوس کر رہا تھا جو اس سے کہہ رہی تھی۔

"میں ایک چھوٹے سے گھر سے اس لیے نکلی تھی کہ ایک اچھی زندگی میری منتظر ہو گی۔ اللہ نے میرے فیصلے کا الٹ کر کے ثابت کر دیا کہ جو عورت اپنا گھر بار چھوڑ دیتی ہے، وہ پھر قیمتی پتھر سے سڑک کا پتھر بن جاتی ہے جسے ہر کوئی ٹھوکر پر رکھتا ہے۔" وہ بولے جا رہی تھی اور اس کا بولنا اسد کو مشتاط کر گیا تھا۔

"میں سب جانتا ہوں پرانی باتوں کی اب کوئی جگہ نہیں۔" اس نے گاڑی کی رفتار تیز کی تھی۔ نجانے کیوں خطرے کی گھنٹی اس کے سر پر منڈلانے لگی تھی۔ وہ جلد از جلد رخسانہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

"میں پل پل مری، مرنے کے بعد پھر جی، اللہ نے مجھے آزادی دی اور تم سے ملایا۔ تم ایک نیک دل انسان ہو، مجھے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔" وہ اس کی بے تکی باتوں سے عاجز آ گیا تھا۔ پتا نہیں اچانک سے اسے کیا ہوا تو جو وہ یوں بولے چلے جا رہی تھی۔

"میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ اس قلیل عرصے میں مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی یا تم میری محبت میں گرفتار ہو کر میری طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہ حقیقت میں بھی جانتی ہوں اور تم بھی کہ وہ کونسا جذبہ تھا جس نے تمہیں جکڑ کر میری اور دھکیل دیا۔ میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتی ہوں، میں تمہاری شکر گزار ہوں اللہ تمہیں اس کا بہترین اجر ضرور دے گا۔ اللہ مجھے بھی میرے صبر کا اجر دے گا، میں امید کرتی ہوں وہ مجھے بخش دے۔ میری ہر اس کوتاہی کو معاف کر دے گا جو مجھ سے سرزد ہو چکی ہیں کیونکہ وہ تو رحیم بھی ہے نا۔"

"رخسانہ! میری سمجھ سے بالاتر ہے کہ تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ مجھے لگتا ہے تمہارا دماغی توازن ۔۔۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ وجہ وہ دھماکا تھا جو اس کی سماعت سے ٹکرایا تھا۔ وہ دھماکا جو فون کے اس پار سے برآمد ہوا تھا۔ وہ دھماکا جو ظلم کی آخری سیڑھی پر وار تھا۔ وہ دھماکا جو آزادی کا پیغام تھا آزادی، اس جسم سے، آزادی ان آزمائشوں سے، آزادی تنہائی سے۔

"ہے، ہی۔۔۔ ہیلو۔۔۔ سسس۔۔۔ سانے۔" اس کے کان میں سیٹیاں بج گئی تھیں۔ ایسی سیٹیاں جن

کے بعد پھر اور کچھ سنائی نہیں دیتا، سماعت مفلوج ہو جاتی ہے اور سمجھ بالکل خالی۔

اسد کو لگا اس کا دل پسلیاں توڑ کر باہر آ رہا ہے۔ وہ خود کو سمجھا رہا تھا کہ جس بلاسٹ کی آواز اس نے سنی ہے، وہ یقیناً بچوں کی کارستانی ہو گی یا پھر اس جگہ سے کسی کی بارات گزر رہی ہو گی۔ چلو یہ بھی نہیں تو ہو سکتا ہے پائپ لائن پھٹ گئی ہو لیکن اس کی ساری سوچیں، ساری مجلتیں اور ساری تسلیاں بے بنیاد ثابت ہوئیں۔ وہ بلڈنگ جہاں رخسانہ اور اس جیسی کئی عاجز لڑکیاں آباد تھیں اب ویران کھنڈر نما دھول اڑاتی نظر آ رہی تھی۔ آتش اس میں سے ایسے نکل رہا تھا جیسے بس اب یہ دنیا ختم ہوئی اور ہاں دنیا ختم ہو تو گئی تھی۔ وہ اسد کی دنیا تھی جو بالکل اس سیاہ دھوئیں جیسی ہو گئی تھی۔ جو بلڈنگ سے نکل کر آسمان کو گرد آلود کر رہا تھا۔ اس دھوئیں جیسی سیاہ، گھٹن آمیز اور تپتی ہوئی۔

اس نے اپنی کار فاصلے سے روک دی۔ ہزاروں ایمبولینسیں، فائر بریگیڈز اور لوگوں کے ہجوم سے پرے وہ اسٹیئرنگ تھامے سر اٹھا کر اس کھڑکی کو دیکھ رہا تھا جہاں سے کبھی اس کے ہارن بجانے پر ایک سر باہر نکلا کرتا تھا۔ اب وہاں سے سوائے آگ اور دھوئیں کے اور کچھ برآمد نہ ہو رہا تھا۔ اس دھوئیں اور آگ میں اسے رخسانہ کا مسکراتا ہوا چہرہ نظر آیا جو ہاتھ ہلاتے ہوئے اوپر کی جانب اڑ رہی تھی، جو کھلکھلا رہی تھی، نم آلود آنکھوں کے ساتھ مسکراتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ آخر کار اس کی منزل آسان ہوئی، آخر کار وہ سب جو اسے زک پہنچاتا تھا اس سے چھوٹ گیا۔ آخر کار وہ بھی اب پرسکون ہوئی۔ اس نے گہرا بوجھل سانس بھر کر دل کو ٹٹولا جہاں دکھ ڈیرہ جمائے شان سے بیٹھا تھا۔ جہاں غبار بڑھنا شروع ہوا تھا اور بڑھتا چلا جا رہا تھا جہاں ایک بار پھر سے ویرانی طاری ہونا شروع ہو چکی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور گاڑی کو موڑ دیا۔ بالکل اسی طرح جس طرح سے زندگی نے اس سے منہ موڑا تھا۔ بیک مرر سے اس جلتی ہوئی بلڈنگ کو دیکھ کر اس کے دماغ میں فاروق کے الفاظ گونج رہے تھے جو کہہ رہے تھے۔

"جس طرح براق مجھے پیارا ہے عین اسی طرح تم بھی مجھے عزیز ہو، نہیں چاہتا کہ میرے ایک اور بیٹے کا دل ٹوٹے۔ براق کے رنج کو بڑی مشکل سے سہا ہے ہم نے اسد، تمہارا دکھ ہمیں لے ڈوبے گا۔ تم اچھے سے جانتے ہو تمہارے آنسو مجھے اور فردوس کو کتنا کمزور کر دیں گے۔ لوٹ آؤ اس دہلیز سے کیونکہ میں جانتا ہوں وہاں کی

چوکھٹ نے ٹوٹ جانا ہے۔ وہ لوگ اسے نہیں چھوڑیں گے۔ وہ تاک میں بیٹھے ہیں۔ جونہی انہیں موقع ملا وہ اپنا کام کر دکھائیں گے۔ میں اسے پروٹیکشن دے بھی دوں تب بھی میں جانتا ہوں، ایک نہ ایک دن وہی ہوگا جس کا دل کو دھڑکا ہے اور تب بہت دیر ہو جائے گی۔ وہ دیر تمہیں کمزور کر دے گی۔ میں نہیں چاہتا میرا بہادر بیٹا براق کی طرح روگی ہو جائے۔ اس لیے میں نے تمہاری بات اپنے دوست کی بیٹی سے چلا دی ہے۔ وہ زینب ہے، اچھے اخلاق کی حامل، تمہیں جانتی ہے۔ مجھے امید ہے تم میرے اس فیصلے کا احترام کرو گے۔ کرو گے نا؟"

اس نے پلکوں پر آتے آنسوؤں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا۔ دل تھا کہ اب پھٹا جا رہا تھا۔ سانس تھی کہ رکے جا رہی تھی۔ احساس تھا کہ بڑھے جا رہا تھا۔

"میں تیرے فیصلے کی قدر کرتا ہوں۔ یہاں محبت ہے یا نہیں مجھے نہیں پتا لیکن اسد، کیا وہ بھی یہی سب چاہتی ہے۔ کہیں یہ تمام معاملات یک طرفہ تو نہیں؟ خود کو یک طرفہ محبت کے عذاب میں مت جھونکنا، مجھ سے ہی نصیحت لے لے۔ میں تیرے سامنے زندہ مثال ہوں۔"

اس نے سپیڈ خاصی کم کی کہ آنکھوں میں سمائی سرخی کو وہ خود تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔ اس دکھ کو اپنے اندر ہی دبانا چاہتا تھا۔

"میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ اس قلیل عرصے میں مجھے تم سے محبت ہو گئی تھی یا تم میری محبت میں گرفتار ہو کر میری طرف پیش قدمی کر رہے تھے۔ یہ حقیقت میں بھی جانتی ہوں اور تم بھی کہ وہ کونسا جذبہ تھا جس نے تمہیں جکڑ کر میری اور دھکیل دیا۔"

"کبھی یک طرفہ محبت کے عذاب میں خود کو مت جھونکنا۔"

"کبھی مت جھونکنا۔۔۔ کبھی نہیں۔"

بے ہنگم سوچوں نے اس کے حواس سلب کر لیے تھے۔ وہ اچانک گاڑی روکتا سر کو اسٹیئرنگ پر گرا گیا۔ آنکھیں بند تھیں، دل دھڑک رہا تھا، سانس چل رہی تھی اور زخم ابھر رہے تھے۔ تمام عالم سو گیا۔ ہر طرف ہو کا عالم چھا گیا۔ دکھ نے صور پھونکا اور ٹوٹتے دل کی صدا عرش تک جا پہنچی۔

"بیشک ہر جان و مال نے تجھ تک ہی لوٹنا ہے، بیشک تو ہی خالق و پروردگار ہے، تو ہر غم کو آسان کرنے والا

ہے، تو ہی بڑا طبیب ہے، تیرے مرحم دل کو منظور۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

☆......☆......☆

"آخر اور کتنا انتظار کرنا پڑے گا مجھے؟" لیران کی بیزاریت بھری آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ وہ چونکی ہوئی اور بیساختہ "شش" بول گئی۔ اس کا شش سرسراتی ہوا کی طرح ہی پراسرار تھا۔ خود میں بہت سے رموز چھپائے ہوئے جیسے کوئی تخت وتاج کی بات ہو اور دشمن سے راز میں رکھی جا رہی ہو۔

"وہ وقت زیادہ دور نہیں جب خواہشات تکمیل کو پہنچیں گی، جذباتیت لے ڈوبتی ہے۔" ہونٹوں پر ہاتھ رکھے کھلی دھوپ میں وہ کرلی بالوں والی لڑکی جس کی ناک کے درمیان میں چھید کر کے بالی کو ڈالا گیا تھا اپنی تکون فیروزی رنگ سے سجی آنکھوں کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ آسمان سے گرتی دھوپ کی کرنیں ڈائریکٹ اس لڑکی کے بالوں پر پڑ رہی تھیں جس کے سبب نیلے رنگ کی چمکاہٹ الگ ہی چھب دکھلا رہی تھی۔ لیران نے اپنی سیاہ بھنورا آنکھوں میں خشمگیں کے جگنو پیدا کیے اور آواز میں گہرا سکوت ڈال کر بولا۔

"وقت دور نہیں ہوتا بیوقوف لڑکی، وقت ہمیشہ پاس ہوتا ہے بس وہ ہم ہی ہوتے ہیں جو اسے ٹالنے میں صرف کر دیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں صحیح وقت نہیں آیا۔ جس طرح مواقع بنانے سے بنتے ہیں اسی طرح وقت کو بھی مٹھی میں دبوچ کر سوچ کو عمل میں ڈھالنا چاہیے کہ یہی دانشمندوں کا کام ہے۔"

خاموش جھیل سا سکون تھا اس کے لفظوں میں۔ لیرا اس کے نروٹھے انداز سے مبہوت ہوئی۔ سامنے والا کیسا مرد تھا جو مسکراتا تھا تو دل تھم جاتا تھا۔ ناراض ہوتا تھا تو دل دوڑ لگانے لگ جاتا تھا۔ اس کے ہر رنگ نرالے تھے، ہر روپ الگ۔

"تو پھر کیا کرنا چاہیے؟" اس کرلی نیلے بالوں والی لڑکی کو اپنے الفاظ سنائی نہیں دیے تھے۔ اسے تو سامنے والا سنائی دے رہا تھا جس کے لیے اس کی سماعت مختص ہو کر رہ گئی تھی۔ جو اس سے کہہ رہا تھا۔

"پلان بناتے ہیں۔ مجھے جلد از جلد خلیفہ تک پہنچنا ہے۔"

وہ دونوں کالج کے یارڈ میں بیٹھے تھے۔ بمبو کی بنی کرسیاں جن پر سوفٹ کشنز رکھے گئے تھے۔ ان دونوں کے وزن کو با آسانی سہار پا رہی تھیں۔ اسی طرز کی گول میز تھی جس پر کروشیے کا کور بچھا ہوا تھا۔ اس سفید رنگ کے

کور کے اوپر کرچی باؤل میں بلیو بیریز رکھی ہوئی تھیں جن میں سے وقفے وقفے سے ایک ایک کر کے لیران اٹھا کر اپنے منہ میں ڈال رہا تھا۔ اب بھی اپنی بات کے اختتام پر اس نے ایک بیری اٹھائی اور منہ میں ڈال لی۔

"ایسا ہی ہوگا لیکن خدا کیلئے تھوڑے محتاط رہو۔ یہ خلیفہ تبریز کی نگری ہے یہاں دیواریں بھی اس کی وفادار ہیں جو ایک کان سے دوسرے اور پھر تیسرے کان تک ہماری باتیں پھیلا کر خلیفہ تک پہنچا سکتی ہیں۔ میں نہیں چاہتی کہ کچھ گڑبڑ ہو جائے۔" وہ ٹانگ پر ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی۔ چست جینز میں اس کے ٹانگوں کی شیپ بالکل واضح نظر آ رہی تھی۔ ڈھیلی ڈھالی پینٹ کی بیلٹ کو چھوتی ٹی شرٹ جو ارغوانی رنگ کی تھی ہوا چلنے کے سبب پھڑ پھڑا رہی تھی۔ بازو تھے نہیں اور بال آگے کو گرے ہوئے تھے۔ آج کانوں میں کبوتر کے پر لٹک رہے تھے۔

"مجھے اس کا خوف مت دلایا کرو لیرا، میں اس سے نہیں ڈرتا۔ ابھی بھی چپ ہوں تو مصلحت کی خاطر اس چیز کو سوچ کر کہ میرے ہاتھ کچھ نہیں سوائے ارادوں کے اور میرے ارادے بہت مضبوط ہیں۔ میں جانتا ہوں ان کی مضبوطی کا بار خلیفہ تبریز جیسا انسان نہیں اٹھا سکتا۔ وہ ضرور پستی میں اترے گا۔"

اس نے میز پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔ اس کے مکے کے سبب باؤل ایک انچ اوپر اٹھ کر واپس اپنی جگہ پر ٹک گیا تھا۔ اسی طرح چیریز میں بھی طغیانی آئی۔ وہ بھی ساری ہل کر ایک جگہ ٹک گئیں ہاں البتہ لیران کے غصے کی تپش ان کیلئے ناقابل قبول تھی۔

"میں کیوں تمہیں اس سے خوف زدہ کروں گی، میں ایسا نہیں کر سکتی، کیا کر سکتی ہوں؟" اس کی تکون آنکھوں میں خفگی کی جھلک تھی۔ نور کی تھال کے نیچے بیٹھے وہ دونوں بادلوں کی حصار میں آ گئے تھے کہ ایک آوارہ انسان کی طرح وہ بادل بھی اس چمکتی دھوپ والے دن میں بھٹک کر جانے کہاں سے نکل آیا تھا اور اب ان دونوں پر سایہ کیے کھڑا تھا۔ گویا ہٹ دھرمی کی انتہا کر رہا تھا تبھی تو ہلنے کا نام نہیں لے رہا تھا۔

"مجھے اس بارے میں نہیں پتا، بس جانتا ہوں تو فقط یہ کہ اب برداشت جواب دے گئی ہے۔ مجھے جلد از جلد خلیفہ سے ملنا ہے۔" اس کے لہجے میں اتنی ہی عجلت تھی جتنی کسی بہتے پانی کو اپنے مقام پر پہنچنے کی ہوتی ہے۔ لیرا اس کی آواز میں چھلکتی بے چینی سے سوچ میں پڑ گئی۔ اس کی سوچ کے تانے بانے خلیفہ کے چہرے کو بن رہے تھے جو کاؤچ پر آگے کو جھک کر بیٹھا دائیں ہاتھ سے سیل فون چلا رہا تھا۔ حسب معمول اس کے پورے بال براؤن

سپرنگ پونی میں قید تھے۔ کھلے گلے والی ٹی شرٹ اور مٹی کے رنگ کی جینز میں وہ آنکھوں کو چندھی کیے متبسم لبوں کے ساتھ کچھ پڑھنے یا دیکھنے میں مصروف تھا جب بغیر دروازے کے گول دائرے نما چوکھٹ میں سے معروش وہاں نمودار ہوئی۔

یہ اس کا کمرہ تھا اور اس دائرے کے اس پار ایک چھوٹا سا سوئمنگ پول بنایا گیا تھا جہاں وہ اکثر بیٹھ کر نیلے پانی میں خود کو دیکھ لیا کرتی تھی۔ ابھی بھی وہ پانی میں پاؤں ڈبوئے بیٹھی تھی جب اسے غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ کھٹ پٹ کی آواز سے پہچان گئی کہ آنے والا کون ہے تبھی اچھا خاصا وقت لگا کر وہ وہاں موجود تھی اور خلیفہ کو پا کر بدمزہ ہو گئی تھی۔ وہ اپنی چمکتی آنکھیں اٹھا کر اس حسن کے پیکر کو دیکھ رہا تھا جو یک لخت ہی اس کی نظر بدل گئی تھی۔ لمبی قمیض اور کھلے ہاف وائٹ ٹراؤزر میں وہ کھلے بالوں کے ساتھ اسے اچانک ہی یمن کی یاد دلا گئی۔ یمن جو وہ خود تھی، یمن جس سے خلیفہ نے محبت کی تھی، یمن جس میں اینا کی جھلک پڑتی تھی۔

عشق نہ مفتی ہے، نہ صوفی ہے، نہ عالم ہے
عشق ظالم ہے، بہت ظالم ہے، فقط ظالم ہے

عرصہ ہوا تھا اس کے لبوں سے کوئی شعر نکلے۔ عرصہ بعد یہ الفاظ نکلے بھی تو پھولوں کی لڑی کی صورت جو آہستہ آہستہ خلیفہ کے لبوں سے گر کر معروش کے قدم چوم گئے تھے۔ معروش کو دیکھتے ہی خلیفہ کے لبوں سے شعر پھسلا تھا۔ وہ تو مانو اندر تک زہر میں گھل گئی۔ اس کے لفظوں کو قدموں میں روندتے ہوئے چند قدم آگے بڑھی اور سینے پر بازو باندھ کر کہنے لگی۔

"بہت ہی چیپ ٹیسٹ ہے تمہارا، اپنے اس ٹھرکی پن سے باز نہیں آنے والے نا تم۔" خلیفہ نے سیل دور سائیڈ پر رکھا اور ٹانگ پر ٹانگ چڑھا لی۔ معروش کے پر تعیش جملوں کا جواب اس نے نہایت تحمل سے دیا۔

"خدا گواہ ہے جان بوجھ کر ایسا نہیں کرتا۔ میری پرسنالٹی سے ٹھرک پیچ بھی نہیں ہوتی مگر نا جانے کیوں تمہارے سامنے آتے ہی نت نئے اشعار دماغ میں آ جاتے ہیں۔ دیکھا جائے تو اس سب میں قصوروار تم ہو۔ تم میری گریس کو سلب کرتی جا رہی ہو۔"

معروش اس کے رسان سے کہنے پر دانت پیس کر رہ گئی۔ ناک پر اب پٹی نہیں تھی۔ وہ بحث پر لعنت بھیج کر

وہاں سے جا رہی تھی جب ایک بار پھر خلیفہ کی آواز سنائی دی۔

کیا ستم ہے، کہ جس کیلئے میں ہر پل زندہ ہوں
وہ شخص مجھے ایک گھڑی بھی میسر نہیں

خلیفہ اور معروش کی نوک جھونک وقت کے پنوں میں ٹوم اینڈ جیری سے منسوب کی جائے گی۔ وہ اسے چھیڑنے کی غرض سے یک لخت بولا تھا۔ معروش نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اور آنکھوں میں خلا جیسی بیگانگی پیدا کر کے بولی۔

"تو پھر مر جاؤ۔"

اس کے قدم ٹھہر گئے تھے۔ ایسے جیسے کسی نے میگنٹ چپکا دیا ہو۔ قدم کے ساتھ ساتھ وہ بھی ٹھہر گئی تھی۔ وہ کیا وقت اور دنیا نے بھی خود میں ٹھہراؤ پیدا کیا اور کان اس پر لگا دیے جو متوازن آواز میں کہہ رہا تھا۔

"کہا تو تھا دس دنوں بعد میں نے مر جانا ہے۔ پھر اتنی جلدی کیا ہے۔ کم از کم یہ چھ دن تو کھل کر جینے دو۔"

اتنی گہری بات، اتنی گہری آواز۔ معروش پوری مڑ گئی، مڑ کر آنکھوں کے اوپر ڈیرہ جماتی آبروؤں کو اکٹھا کیا اور لبوں کو زحمت دے کر لہجہ سراپا سوال بنا لیا۔

"خودکشی کرو گے؟" وہ خلیفہ کے اتنے وثوق سے کہہ دینے پر متحیر تھی۔ خلیفہ کھڑا ہوا اور چند قدم چل کر اس کے نزدیک آیا۔ آج پھر دل مچل رہا تھا اس کے بالوں کو کانوں کے پیچھے کرنے کو لیکن دل کا کیا ہے وہ تو ہر چھوٹی بڑی چیز پر یونہی بیوقوفانہ خواہشات کرتا ہے۔ اس نے سر جھٹک کر جواب دیا۔ مانو جواب نہ دیا گیا تو گناہ ہو جائے گا۔

"امم، ہمم، پلان یہی تھا کہ جب بھی مروں تو اپنے ہی ہاتھوں مروں گا۔ کسی کو اس بات کا غرور نہیں دوں کہ اس نے خلیفہ تبریز کو مار دیا مگر۔"

اس کا "مگر" اس مسافر کی طرح تھا جو راستے میں بھٹک کر منزل سے ناامید ہو جائے۔

"جس طرح زندگی بدلتی ہے اسی طرح خلیفہ نے اپنا پلان بھی بدل لیا ہے، مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں کہ چھ دن بعد میں کیسے مروں گا۔ بس اتنا جانتا ہوں کہ یہ سانسیں انہی دنوں تک ہیں معروش حبیب، کیا تم خلیفہ

تبریز کو ان چھ دنوں میں سمیٹ سکتی ہو؟"

وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ سنہری چمکتی آنکھیں جو کبھی سورج کو بھی مات دیتی تھیں، آج ڈوبتی ہوئی محسوس ہو رہی تھیں۔ ان کی چمک ماند تھی پھیکے زوال پذیر شمس کی طرح۔ اس کا چہرہ جو کبھی خون چھلکتا تھا اور اجالوں کی طرح دمکتا تھا اب ڈھلتے دن کی مانند تھا۔ زرد و رنج میں لپٹا۔ اس کی مسکراہٹ جو کبھی بہاروں کو بھی مات دے دیتی تھی اب خزاں رسیدہ معمول ہو رہی تھی۔ وہ سامنے کھڑے شخص کے اس اتار چڑھاؤ پر سوچ میں پڑ گئی۔ اگر تو یہ ایکٹر تھا تو آسکر سے بھی کسی بڑے ایوارڈ کا مستحق تھا اور اگر نہیں تو "ریسٹ ان ہیل" کا حقدار۔

"ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔" خدا جانے اس نے کس بارے میں کہا تھا مگر اس کے جواب پر خلیفہ اس کے بازوؤں کو دبوچ گیا۔ بالکل ایسے جیسے کوئی شیر اپنے شکاری کو دبوچتا ہے۔

"بھول رہی ہو میں کون ہوں؟" بازوؤں سے دبوچ کر اسے تھوڑا اونچا کر کے اپنے منہ کے پاس لاتا ہوا وہ ایسے کہہ رہا تھا جیسے کوئی دشمن اپنے دشمن سے کہتا ہے۔ معروش کا وزن اس کے پنجوں پر گر رہا تھا۔ اس نے خود کو چھڑوانا چاہا مگر بے سود، بھلا کبھی شیر کے چنگل سے بھی کوئی شکاری چھوٹا ہے؟ ہاں وہ چھوٹا ہے اگر شکاری نہ ہو تو اور کیا معروش حبیب خلیفہ تبریز کیلئے ایک شکاری تھی؟ میرے حساب سے تو نہیں۔

"تمہاری اوقات سے اچھے سے واقف ہوں میں مسٹر تبریز، تم بھولنے والی چیز ہو بھی نہیں۔" اسے تکلیف ہو رہی تھی۔ شدید تکلیف ہوتی بھی کیوں نا وہ بازوؤں کے سہارے اونچی کی گئی تھی۔ وزن پنجوں پر تھا اور خلیفہ کی سلاخ دار انگلیاں گوشت میں پیوست۔

"تو پھر تمہارے جواب سوال سے ہٹ کر کیوں ہوتے ہیں، وہ کیوں نہیں کہہ دیتی جو میں صدیوں سے سننا چاہتا ہوں۔" دبی سرگوشی نما غراہٹ تھی۔ لفظوں کو چبایا گیا تھا۔ دانت کو پیس کر الفاظ معروش کے منہ پر مارے گئے۔ رات کا پہلا پہر ختم ہونے والا تھا۔ بالکل اسی طرح جس طرح معروش کا حوصلہ جواب دے رہا تھا۔

"مجھے تمہاری چاہت سے کوئی سروکار نہیں، بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہاری چاہتیں۔" اس نے پتھر مارا تھا تو معروش نے پورا پہاڑ اٹھا کر اس کے سر پر مار دیا تھا۔ خلیفہ کے ناک کے نتھنے پھول پچکنے لگے۔ اس کی نظریں بھٹک رہی تھیں۔

"بھاڑ میں لے جا سکتا ہوں تمہیں لیکن اختیار نہیں یا یوں کہا جائے خود کو روکے رکھا ہے ورنہ اب تک منوں مٹی تمہارے اوپر ہوتی، درد ہو رہا ہے نا تو کہتی کیوں نہیں۔"

وہ اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بھانپ گیا تھا۔ بھانپتا بھی کیوں نا، نظریں جو چہرے پر بھٹک رہی تھیں۔ معروش کو اچانک اس کی آنکھوں میں آگ نظر آئی۔ وہ آگ جو سب راکھ کرنے کا ہنر رکھتی ہے۔ اس آگ کی گرمی ہی تھی جس کے سبب اس کا چہرہ دہک اٹھا تھا۔

"اس سے بھی زیادہ درد سہنے کی عادت ہے مجھے۔ جو درد میں نے سہے ہیں یہ ان کے سامنے کوئی معنی نہیں رکھتا۔" وہ اپنی نگاہوں کو اس کے چہرے سے ہٹائے بغیر ہر سوال کا جواب دے رہی تھی۔ خلیفہ نے اچانک اس کے بازو چھوڑ دیے۔ کوئی اور ہوتی تو یقیناً گر جاتی مگر وہ معروش تھی جس نے کبھی نہ گرنے کا عہد کیا تھا۔ خلیفہ کی انگلیاں بازو سے ہٹتے ہی ان میں سنسنی طاری ہو چکی تھی۔ وہ اس سنسناہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے اسے سننے لگی جو کہہ رہا تھا۔

"تم مجھے حیران کر دیتی ہو معروش، میں جب بھی جس طرح سے بھی تمہارا امتحان لوں تم نے قسم کھا رکھی ہے مجھے حیران کرنے کی۔ خلیفہ کی روح فخر کرے گی کہ اس نے ایک بہادر لڑکی سے محبت کی تھی۔ تکلیف کیلئے معذرت، میں ان مردوں میں سے نہیں ہوں جو اپنی محبوب ہستی کو زک پہنچا کر خود کی تشفی کرتے ہیں۔ تمہارے جواب نے پاگل کر دیا تھا اس لیے یہ ردعمل آیا۔"

وہ اس کمرے کو اپنے لفظوں سے بھرتے ہوئے سائیڈ دراز کی اور بڑھا۔ اوپر والی کھولی اور اس میں سے آئنٹمنٹ نکال لی۔ اس سے پہلے وہ معروش کی سمت بڑھتا وہ بول اٹھی۔

"میرا موازنہ چھوئی موئی لڑکیوں میں نہ کرو تم، تمہاری انگلیوں کی گرفت سے زیادہ سختی سہی ہے ان بازوؤں نے۔ ایسے ہی نہیں میں آج اس مقام تک ہوں کہ اس شخص کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہوں جس سے بات کرتے ہوئے لوگ گردنیں جھکا لیتے ہیں یا پھر تھر تھر کانپتے ہیں۔"

وہ بادلوں کی طرح گرج رہی تھی کہ برسنا اس نے نہیں تھا لیکن ایک سیکنڈ ٹھہرو اور غور سے پڑھو، وہ برس ہی تو رہی ہے اور ایسے بہترین انداز میں برس رہی ہے کہ سامنے والا لاجواب ہو جائے۔

"اچھا طنز تھا، صبح ملتے ہیں۔" وہ آئنٹمنٹ کو بیڈ پر اچھال کر اپنا سیل فون اٹھاتا وہاں سے چلا گیا۔ معروش نے اس کے جاتے ہی بازو کو رگڑا تھا۔

"جانور۔"

اس کے لفظ چپکے سے پردوں پر پڑتی چاندنی نے سن لیے مگر وہ خاموش رہی کہ یہی سچ تھا۔

☆......☆......☆

کوئی سینکڑوں کالز اور لاکھوں میسج تھے جو براق سولیم کو کر چکا تھا، سمپل میسجز، واٹس ایپ، فیس بک پر، انسٹاگرام پر غرض ہر وہ ایپ جہاں اس کی سولیم موجود تھی۔ اس نے میسج چھوڑ دیے تھے حتیٰ کہ وہ الفا بھی چلا گیا تھا مگر وہاں بھی سولیم کی موجودگی کا کوئی علم نہ ہو سکا۔

"سر، وہ قریباً گیارہ بجے ہی ایک پیشنٹ کو ڈیل کرنے چلی گئی تھیں، اب کب لوٹیں گی ہمیں اندازہ نہیں۔" ریسپشنسٹ نے مؤدب انداز میں اس کی پرسنالٹی سے مرعوب ہو کر کہا تھا۔ یہ وہی لڑکی تھی جو پہلی بار ہی اسے دیکھ کر فلیٹ ہوئی تھی، ہو کر اپنی انسلٹ کروا گئی تھی۔ براق ریسٹ واچ میں گھڑی کی سوئی کو ایک کے ہندسے کو چھوتے دیکھ کر ایک بوجھل، تھکا دینے والا بھاری سانس چھوڑ کر وہاں سے باہر آیا۔ اس کا رخ دعا لوگوں کی طرف تھا۔

"وہ میری زندگی ہیں، میری سب کچھ پر افسوس میں ان کیلئے کچھ نہیں۔" یہ وہ سوچ تھی جو اس کے دماغ کو آلودہ کر رہی تھی، جو اس کے دل کو تکلیف پہنچا رہی تھی۔ جو اسے اندر ہی اندر گھلانے کا سامان کر رہی تھی۔ وہ کھلتے دن میں مرجھایا سا طلحہ اور دعا کے سامنے بیٹھا تھا۔ اس کے بالکل پاس جڑ کر علیشہ بیٹھی ہوئی تھی جو بار بار اس کی سفید شرٹ کے بٹنوں کے ساتھ چھیڑ خانی کر رہی تھی تو کبھی براق کے بازو پر انگلیوں کو پاؤں بنائے چلائے جا رہی تھی۔ دعا نے اس کی حرکت پر اسے ایسے گھورا جیسے وچ اپنے خراب ہوتے جادو کو گھورتی ہے۔

"تم باز نہیں آنے والی نا، کیوں براق کو تنگ کر رہی ہو۔ سمجھاؤ اسے۔" علیشہ کو جھڑکنے کے بعد وہ طلحہ پر برسی تھی جو چائے کی چسکی لیتے ہوئے براق کے ساتھ باتوں میں مگن تھا۔ دعا کے تڑخ کر کہنے پر وہ اس کے ہیلدی چہرے پر خفگی طاری ہوئی۔

(ماں نے کبھی سنی ہے جو بیٹی سنے گی) دعا نے شدید گھورتے ہوئے اس کے چہرے کے زاویے تکے یعنی خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ چڑھا چکا ہے۔ واؤ، کیا بات ہے جناب کی۔

"میں نے کہا ہے علیشہ کو سمجھاؤ نہ کہ مجھے دل میں برا بھلا کہو۔" وہ اس سبجیکٹ میں پی ایچ ڈی کر چکی تھی تو کیوں نہ پکڑتی اس کو، دانت پیستے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے طلحہ کچھ کہتا براق نے اپنا حصہ ڈالنا ضروری سمجھا۔

"کچھ نہیں ہوتا دعا، کرنے دو جو کر رہی ہے۔ مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ بیٹیوں کی حرکتیں بری لگا بھی نہیں کرتیں۔" وہ علیشہ کے سر پر محبت بھرا ہاتھ پھیر کر کہہ رہا تھا۔ دعا نے طلحہ کو ایسے دیکھا جیسے کہہ رہی ہو سیکھو کچھ اس سے۔ طلحہ نے ہنکارہ بھر کر اس کی سوچ کو ہاتھ کے ذریعے ہوا کے سپرد کیا کہ لو بیٹا اس پاگل لڑکی ارے نہیں غلط بول گیا، پاگل عورت کے الفاظ تمہیں مبارک ہوں۔

"مومی، مجھے یونہی پریشان کرتی ہیں براق انکل، آپ ایک کام کریں مجھے اپنے گھر لے جائیں، میں سویلم ماما اور عبداللہ کے ساتھ رہ لوں گی۔"

اپنی ماں کی تنبیہی نگاہوں کو ہاتھ سے جھٹک کر وہ براق سے لاڈ سے کہہ رہی تھی کہ ایک وہی تو تھا جو اس کے ہر قسم کے لاڈ اٹھا لیتا تھا۔ علیشہ کی بات پر اس کے لبوں پر مسرور کن مسکراہٹ کھل گئی۔

"ہاں جاؤ ادھر دو دن میں اس خرانٹ کے قہر سے پناہ مانگ کر واپس آ ؤ گی۔" وہ خرانٹ کون تھی یہ بات وہاں بیٹھا ہر فرد جانتا تھا۔ براق نے اسے خشمگیں نگاہوں سے گھورا۔

"بری بات ہے دعا، وہ تمہاری بڑی بہن ہے۔" طلحہ نے براق کے تاثرات نوٹ کرتے ہوئے اسے سمجھایا۔ دھوپ کھلے دن میں جانے کہاں سے بادلوں نے آ کر ڈیرہ جما لیا تھا۔ ہواؤں کا رخ بدلا اور آسمان زمین کو تر کرنے کی تیاری کرنے لگا مگر اندر بیٹھے نفوس موسم کے اس بدلتے تیور سے نا آشنا تھے۔

"ہا، نام کی بہن، خیر میرا منہ کڑوا نہ کرو۔ براق، آپ یہ بتاؤ کتنے دنوں میں لوٹو گے۔" وہ آگے کو جھک کر اسے پیٹیز سرو کرنے لگی۔ براق نے ایک اٹھا کر منہ میں رکھی اور پھر سے علیشہ کی انگلیوں کی ریس کو اپنے بازو پر محسوس کرتے ہوئے بولا۔

"اندازہ نہیں، دیکھو کب لوٹوں طلحہ، میں نے سنا تھا تمہیں بھی کام کے سلسلے میں باہر جانا ہے۔" دعا کو جواب

دیتے ہوئے وہ طلحہ کی جانب متوجہ ہوا۔ باہر مینہ برسنا شروع ہو چکا تھا لیکن وہی بات اندر کے نفوس اس بات سے بے خبر تھے۔

"ہاں جانا تو ہے مگر شاید ابھی کچھ وقت لگے۔ جن لوگوں کے ساتھ میٹنگ ہے ان کے پراجیکٹ میں کچھ پیچیدگیاں آ گئی ہیں جس کے سبب انہوں نے میٹنگز ڈیلے کر دیں، دیکھو پھر کب آتی ہے میل۔"

براق نے سر ہلایا اور کچھ سوچنے کے بعد ٹھہرے لہجے میں بولا۔

"تم سولیم کے بھائی ہو۔ میں ہوں گا نہیں تو پلیز اس کا خیال رکھنا، میں جانتا ہوں میری غیر موجودگی میں ایک تم ہی تو ہو جو ان کیلئے ڈھال بن سکتے ہو۔ باقی سعد بھائی تو یہاں ہیں نہیں، موم ڈیڈ کا بھی ابھی آنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے اس لیے پلیز سولیم اور عبداللہ کا خیال رکھنا، میں بیچ میں رہوں گا آپ لوگوں کے ساتھ۔"

دعا اس حزن کو بھانپ گئی جو براق کے پورے وجود پر چڑھا تھا۔ مسکراہٹ کے پیچھے چھپی تشنگی اس کا دل چیر گئی۔ اسے سولیم پر ترس آیا جو اتنے اچھے انسان کی قدر نہ کر پائی۔

"ارے یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے وہ میری بھابھی رہ چکی ہیں اور میرے بھائی کی پسن۔۔۔" فلو میں بولتے ہوئے وہ اچانک تھما تھا۔ اسے بریک لگ گئی تھی اپنی بیساختگی، دعا کی حواس باختگی اور براق کی دل گرفتگی پر۔ وہ ڈھیروں ڈھیر شرمندہ ہوا تھا۔ دعا نے اسے افسوس زدگی سے دیکھا۔

"ایم سوری۔" سولیم کے ساتھ درپیش سانحہ کا علم چونکہ محدود لوگوں کو تھا اور ان محدود لوگوں میں طلحہ کا شمار بھی ہوتا تھا۔ پہلے پہل تو وہ سب کچھ سوچ کر لاوے میں جلتا رہتا تھا مگر پھر سعد بھائی کے سمجھانے پر اس نے مشرقی غیرت کو سائیڈ پر رکھ کر دل میں وسعت پیدا کی اور براق کی طرف جھکاؤ کر لیا۔ کسی دور میں وہ اس کا فین رہ چکا تھا شاید یہ وجہ بھی تھی یا وہ براق کی اچھائی تھی جس نے اس کی طرف سے طلحہ کے دل کو کپڑا مار کر بالکل صاف کر دیا۔ اتنا صاف کہ اب ان میں موجود بے تکلفی واضح نظر آتی تھی۔ وہ اب پرانی باتوں کو چھوڑ کر آگے بڑھ چکا تھا کہ آگے بڑھنا، پیچھے مڑ کر نہ دیکھنا ہی زندگی کو گزارنے کیلئے اشد ضروری ہے۔

ماحول میں پھیلی بوجھل و خاموش کثافت پر وہ ہولے سے معذرت کر گیا۔ براق سر جھکائے بیٹھا تھا۔ طلحہ کی معذرت پر اس نے خود کو کنٹرول کیا اور لبوں کو بھینچ کر بولا۔

"اٹس اوکے، آپ بس میری بیوی بچے کا خیال رکھنا دعا! ہو سکے تو کچھ دن کیلئے وہاں شفٹ ہو جانا پھر میں کچھ کرتا ہوں۔ ابھی چلوں گا کہ دیر ہو رہی ہے۔"

گھڑی کو دیکھتے ہوئے کہنے کے بعد وہ علیشہ کو جھک کر پیار کر رہا تھا۔ اس کے گالوں پر اپنے لب رکھنے کے بعد وہ جیب سے پیسے نکال کر اسے دے رہا تھا۔ دعا کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی، قابل تو طلحہ بھی نہیں تھا۔ براق کھڑا ہوا، اس سے بغل گیر ہونے کے بعد دعا کے سر پر ہاتھ رکھتا ہوا وہ ناک کی سیدھ میں باہر چلا گیا۔

"تم نے اسے تکلیف پہنچائی۔" اس کی نم آواز طلحہ کو پشیمانی کے سمندر میں دھکیل گئی۔

"میں شرمندہ ہوں اس کیلئے۔" وہ جھٹکے سے اسے چھوڑ کر اپنے کمرے کی طرف گئی تھی۔ شرمندہ سا طلحہ براق کو چھوڑنے باہر بھی نہیں جا سکتا تھا جو تقریباً بھاگتے ہوئے کار میں آ کر بیٹھا کہ بارش زور پکڑ چکی تھی۔ وائپرز کو چلاتے ہوئے وہ کار کو گھر کے راستے پر ڈال رہا تھا۔

"تو یعنی طے ہوا، میری ساری خوش فہمیاں دھوکا ثابت ہوئیں۔ آپ آج بھی شاکر کی محبت میں مبتلا ہیں، مجھ سے نارملی بات کرنا، چائے کا پوچھنا، کپڑے پریس کر دینا، مجھے کھانا سرو کرنا، مجھے کبھی کبھی مسکرا کر دیکھ لینا، میڈیسنز نہ لینے پر ڈانٹ دینا وہ سب محض ایک سمجھوتا تھا یا پھر عنایتیں جو آپ اپنے سرونٹس کے ساتھ بھی کر دیا کرتی ہیں۔"

وہ گرجتے وبرستے بادلوں اور تیز چمکتی بجلی میں گھر کے اندر داخل ہوا تو عبداللہ اسے لاؤنج میں تنہا ملا۔ ایک امید جو تھی کہ شاید سولیم اسے گھر مل جائے۔ وہ بھی عبداللہ کی بات پر دم توڑ گئی۔ وہ صوفوں کی جانب بڑھا اور کارٹون دیکھتے عبداللہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے اسے اٹھا کر گود میں بٹھایا تھا۔

"کب آئے سکول سے؟" وہ اس کے بالوں کو سیٹ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔ تڑتڑاتی بارش، بجلی کی گھن گرج اندر بالکل بھی نہیں آ رہی تھی۔

"آدھا گھنٹہ پہلے ڈرائیور انکل لے کر آئے ہیں۔" براق کے گود میں بیٹھتے ہی عبداللہ نے اس کی ناک پر بوسہ دیتے ہوئے جواب دیا۔ براق جہاں اس کی اس حرکت سے سرشار ہوا تھا وہیں اگلی بات پر چونک گیا۔

"ماما نہیں لائیں؟" یوں تو براق ہی عبداللہ اور علیشہ کو پک اینڈ ڈراپ دیتا تھا مگر جونہی اس کے کام کا پریشر

بڑھا تو سولیم نے خود ہی یہ ذمہ داری غیر محسوس انداز میں اپنے سر لے لی۔اب وہی ان دونوں کو چھوڑنے اور لینے آتی تھی۔کام کی زیادتی کے باعث بھی کبھی براق اس سے پہلے سکول پہنچ جاتا تھا اور میسج کر دیتا تھا کہ وہ بچوں کو لینے نہ آئے۔

"نہیں، انہیں کسی اہم کام سے جانا تھا۔ڈرائیور انکل نے کہا ہے وہ شام کو لوٹیں گی۔"

براق کا دل اس بات سے اوس میں گھر گیا جو بارش باہر ہو رہی تھی وہ رفتہ رفتہ اس کے اندر ہونا شروع ہو گئی۔ اسے اچانک اپنی سولیم کی نظروں میں کم مائیگی کا احساس ہوا یعنی کام اس سے زیادہ اہم تھا جبکہ وہ جانتی تھی کہ براق نے کہا تھا کہ وہ کبھی نہیں لوٹے گا۔پھر بھی اس نے اس سے ملنا گوارہ نہیں کیا۔ملنا تو چھوڑو ایک الوداعی میسج تک نہیں کیا اس نے۔

آہ دل آہ۔

"ٹھیک ہے اب آپ میری بات غور سے سنو۔" اس نے ٹی وی کا والیوم کم کرتے ہوئے خود کو بولنے کے قابل کیا۔

"آپ جانتے ہو نا میں آج کچھ عرصے کیلئے باہر جا رہا ہوں؟"

وہ براق کے سوال پر اثبات میں گردن کو ہلا رہا تھا۔

"گڈ، اور آپ نے مجھ سے پرامس کیا تھا کہ میری غیر موجوگی میں آپ ماما کو پریشان نہیں کرو گے۔کیا آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے؟"

اس کے سوال پر جھٹ عبداللہ نے کہا۔

"ڈیڈی، ماما کہتی ہیں وعدہ بھولا نہیں کرتے اور جو وعدہ توڑتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ خفا ہو جاتے ہیں۔مجھے آپ کی ہر بات یاد ہے۔" اس کی آواز قدرے بھیگی ہوئی تھی۔یہ شاید براق کی جدائی کا سن کر ہوئی تھی۔

"میں جانتا ہوں میرا بیٹا بہت سمجھدار ہے، ماما کو بالکل پریشان نہیں کرنا، ہوم ورک وقت پر کرنا ہے، ناشتہ ہرگز سکپ نہیں کرنا، لنچ اور ڈنر یاد سے کرنا ہے، علیشہ کا سکول میں خیال رکھنا ہے۔وہ آپ کی ذمہ داری ہے اوکے؟ اور ہاں اول تو کوئی آپ کو تنگ نہیں کرے گا۔اگر کسی نے کیا بھی تو جو میں نے پنچ سکھایا ہے صرف اس کا

استعمال کرنا ہے۔اس کے علاوہ نودھکا نوادر مکا،او کے اور ہاں آپ کی میڈیسنز بس ختم ہونے والی ہیں اس لیے انہیں باقاعدگی سے لینا ہے۔آج آپ اپنے روم میں شفٹ ہو جاؤ گے تو پلیز کوئی بھی بات کرنی ہو تو ماما یا ڈیڈی سے کرنی ہے،ٹوائز سے نہیں ورنہ میں سمجھوں گا عبداللہ کی نظر میں ہم دونوں کی اب بھی کوئی ویلیو نہیں ہے۔"

وہ اسے سمجھائے جا رہا تھا اور عبداللہ پلکوں کو زور زور سے جھپکتے ہوئے آنسوؤں کو اندر دھکیل رہا تھا۔براق اسے محبت پاش نگاہوں سے دیکھے گیا۔وہ بنا بنایا وہی تو تھا۔وہی ستواں کھڑی مغرور ناک،وہی گریفائیٹ آنکھیں اور ویسے ہی ہونٹ،بال اسی کی طرح اخروٹ رنگ کے۔مانو براق کے سامنے کسی نے آئینہ رکھ دیا ہو کہ لو بھئی دیکھو خود کو کیونکہ جو سامنے والا ہے ہو تمہارا عکس ہی تو ہے۔تم ہی تو ہو اور بھلا کیا ہو سکتا ہے؟ایک بھی نقش، ایک بھی چیز اس نے سولیم سے نہیں لی تھی۔ایسا لگتا تھا جیسے براق کو فوٹو کاپی کر دیا گیا ہو۔

"رونا آ رہا ہے؟" مسکراہٹ کو دباتے ہوئے وہ استفسار کر رہا تھا۔عبداللہ نے زور سے سر ہلایا۔

"رو لو۔" براق نے اس کا سر سینے سے لگایا تو وہ بچہ رو پڑا۔براق کی شرٹ کو دونوں ہاتھوں سے تھامے وہ اپنا منہ اس کے سینے میں چھپائے رو رہا تھا۔براق آہستہ آہستہ اس کا سر تھپکتا گیا۔جب وہ کافی دیر چپ نہ ہوا تو براق کو کہنا پڑا۔

"عبداللہ یار، یہ اچھی بات تو نہیں ہے،آپ اس طرح روتے رہو گے تو میں کیسے جا پاؤں گا اور آپ جانتے ہو نا میرے کام کی نوعیت، مجھے بار بار جانا پڑے گا تو کیا آپ ہر بار اسی طرح رو گے؟" وہ اپنے اندر ہوتی بارش سے کیا کم عاجز تھا جو اب اس کا بیٹا بھی برسات شروع کر چکا تھا۔اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتا ہوا وہ آرام سے کہہ رہا تھا کہ عبداللہ کے لفظوں نے اس کے آرام کو ملیا میٹ کر دیا۔

" آپ واپس آؤ گے نا ڈیڈی، آپ جانتے ہو نا مجھے آپ کے بغیر بالکل اچھا نہیں لگتا۔" جانے کس انداز میں اس نے کہا تھا۔جس میں بھی کہا تھا براق کا دل جکڑ لیا تھا۔وہ یک ٹک اسے دیکھے گیا۔

"میرے ایک کلاس فیلو کے ڈیڈی اسی طرح گئے تھے پھر کبھی واپس نہیں آئے۔میں آپ کو کھونے سے ڈرتا ہوں۔آپ جانتے ہو نا مجھے آپ سے پیار ہے۔"

براق نے اسے کھینچ کر گلے سے لگایا۔

"میری جان ہو آپ، آپ کو چھوڑ سکتا ہوں بھلا میں۔ ضرور واپس آؤں گا، کیوں فکر کرتے ہو۔" اسے سینے سے لگائے وہ خود میں بھینچے بیٹھا تھا۔ اس کی گریفائیٹ آنکھیں گھڑی کی سوئیوں پر ٹک گئیں۔ پندرہ منٹس اتنی تیزی سے گزرے کہ پتا ہی نہ چلا۔ عبداللہ اس کے سینے سے لگ کر سو گیا تھا۔ وہ اسے اٹھا کر اس کے کمرے میں لایا۔ اس پر چادر ڈالنے کے بعد اپنے لب اس کے ماتھے پر رکھتے ہوئے دروازے کو آہستہ سے بند کر کے واپس نیچے آگیا۔ ایک کاغذ پر قلم کو گھسیٹتے ہوئے وہ کچن کی جانب بڑھا جہاں میڈ صفائی کرنے میں مصروف تھی۔

"یہ آپ سولیم کو دے دینا اور عبداللہ کا خاص خیال رکھنا، وہ اوپر اپنے کمرے میں سو رہا ہے۔ آپ اسے چیک کرتی رہنا اور ہاں یہ پیسے رکھ لیں۔" وہ کاغذ اسے پکڑانے کے بعد والٹ میں سے پیسے نکال کر اسے دے رہا تھا۔

"لیکن سر مجھے پے مل چکی ہے۔" اس نے ہچکچاتے ہوئے ان پیسوں کو پکڑا۔

"جانتا ہوں مگر پھر بھی رکھ لیں۔ دروازہ بند کر لینا لاؤنج کا۔" اپنا سفری بیگ اٹھاتے ہوئے وہ باہر بارش میں قدم رکھ چکا تھا۔ اسد کے ساتھ جہاز میں بیٹھتے ہوئے خالی، بنجر آنکھوں کو اس نے بند کیا اور خود کو ہواؤں کے سپرد کر دیا۔

"گڈ بائے پاکستان، الوداع سولیم۔"

☆......☆......☆

یہ سی آئی اے کے ہیڈ کوارٹر کا منظر تھا جہاں سیاہ سوٹ میں موجود چند آدمی اور عورتیں اپنے سامنے ڈھیر ساری فائلز کا پلندہ لیے بیٹھی تھیں۔ انڈے کی شکل کی میز تھی اور کرسیوں کے آگے بیٹھے ہر نفوس کے سامنے مختلف ریکارڈ رکھا ہوا تھا۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا اور بورڈ پر سلائیڈز چل رہی تھیں جن میں ٹام سن عرف عام خلیفہ تبریز کی نئی سرگرمیوں کی تصاویر ایک ایک کر کے آگے ہوتی جا رہی تھیں۔ اسی دیوار کے دائیں سائیڈ پر چند سکرینز آویزاں تھیں جن پر مختلف جگہوں کے مناظر زندہ تھے۔ یاد رہے یہ وہ جگہیں تھیں جو خلیفہ کی پسندیدہ یا خاص تھیں۔

"استھما کے تھرو جس چہرے کا پتا چلا تھا یا جو ہمارے بیچ کام کرتا رہا تھا وہ سراسر اس چہرے سے الگ ہے۔ یعنی ٹام سن نے پہچان بدل کر ہمیں ان سات سالوں میں کثیر دھوکے دیے، ہم انجان رہے اس کی شناخت سے

یعنی وہ بازی جیت گیا۔"

نسوانی باریک آواز نیم اندھیرے کمرے میں دیگر سرگوشیوں سے بلند تھی۔آواز کی بیچ پر سب نے مشترکہ چہرے اٹھائے۔مغربی چہرے اس آواز کی تائید میں ایک ساتھ ہلے۔

"ابھی وہ جہاں پناہ گزین ہے،سنا ہے وہاں اس نے اپنے پنجے گاڑ لیے ہیں لیکن کوئی مشکل نہیں۔اس کے پنجے اکھاڑنا آسان کام ہے۔سوچنے والی بات یہ ہے کہ جب ہم نے اس کا ڈی این اے تلاشنا چاہا تو وہ ملا کیوں نہیں۔"

وہی عورت جو کچھ دیر قبل بولی تھی جس نے چست بلیزر پہنا ہوا تھا اپنے سامنے بیٹھے باریک پیلے بالوں والے کی بات پر آ بمروا چکا گئی۔اس آبمرو کی اچکاہٹ میں طنز تھا۔

"ہم نے اسے ٹیکنالوجی کے ذریعے ڈھونڈنا چاہا تھا اور شاید تم بھول رہے ہو،ٹام سن ہمیں اسی چیز میں ڈچ کر کے ہمارا سارا مواد لے اڑا تھا۔مطلب وہ اس میں ماہر ہے اسی لیے ہم ناکام رہے تھے۔"

اس تفصیلی وضاحت پر اس آدمی کی گردن ہلی۔اس حرکت میں سوچ کی آمیزش گھلی تھی۔

"اس کمینے نے ہمارے اینٹی سگلنگ پروجیکٹ کے مواد کو چوری کیا اور خود سیف کھیل گیا۔یقین نہیں ہوتا کہ وہ اپنا چہرہ بدل سکتا ہے یعنی وہ تب بھی اچھا خاصا ہینڈسم دکھتا تھا پھر اس چہرہ بدلنے کے پیچھے کیا مقصد کارفرما ہو سکتا ہے۔"

وہ چست بلیزر والی لڑکی مسکرائی جو اپنے سامنے دھرے منی لیپ ٹاپ کی مختلف کیز کو دباتے ہوئے سکرین اس کی جانب کر چکی تھی۔ایسا کرنے کے بعد وہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو باہم پھنسا کر کہنیوں کو میز پر ٹکاتی کہہ رہی تھی۔

"تم نے شاید یہ میل غور سے نہیں پڑھی۔یہاں درج ہے کہ دو ہزار سات کے وسط میں ایک دھماکے میں ٹام سن کا چہرہ بگڑ گیا تھا۔تبھی اس نے فیس ٹرانسپلانٹ کروایا۔تم ان تصاویر کو بھی غور سے دیکھ سکتے ہو جہاں ٹام سن جھلسے ہوئے چہرے کے ساتھ ہاسپٹل میں زیر علاج ہے۔ماننا پڑے گا جس نے بھی ہمیں یہ معلومات پہنچائی ہیں وہ بہت شاطر ہے۔اس نے اپنے آپ کو پردے میں رکھا،رکھنے دو ہمیں ٹام سن سے مطلب ہے جو کہ اب

ہمارے ہاتھ آچکا ہے۔اس کے ڈیتھ وارنٹ یہاں ہیں۔"

وہ لڑکی ایک فائل کو اٹھا کر ہوا میں لہراتے ہوئے کہہ رہی تھی۔لبوں پر فتح کن مسکراہٹ تھی۔ایسی مسکراہٹ جیسے جنگجو جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اپنے چہرے پر لاتے ہیں۔چمکتی آنکھیں، گہرے مسکراتے لب۔

"آگے کی کیا حکمت عملی ہونی ہے؟" سب ان دونوں کی گفتگو کی جانب متوجہ تھے۔ہوتے بھی کیوں نا، ایک ڈپٹی ڈائریکٹر تھی تو دوسرا اس کا اسسٹنٹ۔

"کوئی پیچیدگی نہیں، سادہ طریقہ اپنائیں گے۔ٹام سن کے فورٹ میں گھس کر اسے اریسٹ کریں گے۔ہوگا تو ٹھیک ہے نہیں تو انکاؤنٹر لاسٹ آپشن ہے۔"

سب کی گردنیں اس عجیب سے حکم سے ایک دوسرے کی جانب حرکت کر گئیں مگر سب راضی تھے۔راضی ہونا فرض تھا ان کا۔

"یہ بھی سنا ہے کہ ایک پاکستانی آفیسر اس کے قبضے میں ہے، وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو کر اسے اغوا کر لایا ہے۔" بالکل آخری کرسی پر بیٹھی وہ چھوٹی عمر کی لڑکی ایک فائل کو آگے سرکاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ڈپٹی ڈائریکٹر کی ہنسی چھوٹی۔

"اچھا مذاق ہے یا یوں کہنا چاہیے اس صدی کا سب سے گھٹیا مذاق، اس بات میں سو فیصد صداقت ہے کہ اس لڑکی کو اغوا نہیں کیا گیا بلکہ وہ خود اغوا ہوئی ہے۔"

ڈپٹی ڈائریکٹر نے آگے کو جھک کر آنکھوں کو ادھ کھلا کر کے کہا جیسے وہ ان ادھ کھلی آنکھوں میں اس پاکستانی لڑکی کے ارادوں کو بھانپ گئی ہو اور وہ بھانپ بھی گئی تھی تبھی اس نیم اندھیرے کمرے میں اس کی ادھ کھلی آنکھیں کہکشاؤں سے کم نہ چمکتی تھیں۔

"مطلب کہ۔۔۔" اس لڑکی کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی کہکشاؤں سی چمکتی آنکھوں والی نے اس کی بات درمیان میں قطع کر دی۔

"مطلب کہ اس پاکستانی آفیسر کو اس کے سیف ہاؤس کا پتا لگوانا تھا۔جو وہ لگوا چکی ہے۔اب ٹام سن کی تباہی دونوں جانب سے ہے۔مجھے پورا یقین ہے ہمارے ساتھ ساتھ پاکستانی فورس بھی اس پر حملے کو تیار ہو گی،

تام سن کا وقت پورا ہوا۔"
سرد برفیلی آواز کے ٹکڑے جا بجا بکھر گئے تھے۔ان ٹکڑوں سے اٹھتے دھوئیں میں سات سمندر پار کا منظر نظر آنے لگا جہاں جوق در جوق فوج سب میرین میں گھستی جا رہی تھی۔ان سب کو گائیڈ کرنے والا حفیظ تھا جو ہاتھ میں ٹرانسمیٹر لیے سمندر کے کنارے پر کھڑا تھا۔یہ رات کا منظر تھا اور پورا چاند آدھا سمندر میں اتر چکا تھا۔چاند کی چاندنی کا ورق اتنا دراز تھا کہ وہ ساحل پر کھڑے حفیظ کے قدموں کا بوسہ لینے لگ گیا۔متوازن چلتی ہوا اور ساکت لہروں میں جوانوں کے بوٹوں کے سبب ارتعاش پیدا ہو رہا تھا۔معروش کے سگنل ملتے ہی انہیں آپریشن کے آرڈر آ گئے تھے تبھی وہ لوگ خفیہ طریقے سے روانہ ہونے کیلئے تیار تھے۔
توپ، میزائل، جدید اسلحہ، ہر طرح کے ایٹم بم حفاظت کے طور پر رکھے گئے تھے کیونکہ جہاں تک خلیفہ کی پہنچ تھی جنگ کا خطرہ لاحق ہو سکتا تھا۔ان سب سے دور اپنے بوٹوں تک چاندنی چڑھائے جینز کی جیبوں میں ہاتھ پھنسائے سپاٹ، انتقام سے بھرپور چہرے کے ساتھ وہ وجیہہ نوجوان کھڑا تھا جو کبھی اپنے دور کا مشہور فائٹر تھا۔
حفیظ اسے جانتا تھا کیونکہ کبھی وہ بھی اس کا فین رہ چکا تھا۔اپنے ایک خاص بندے کو آرڈر دینے کے بعد وہ خراماں خراماں چلتا ہوا اس سیاہ سمندر کو پیچھے چھوڑ کر اس گہرائی کی جانب بڑھا جو اپنے اندر کسی کو بھی سلب کر لینے کی طاقت رکھتا تھا۔حفیظ نے اپنے شانے کو اس کے شانے کے قریب روکا۔
"دس منٹ میں ہمیں نکلنا ہوگا۔" وہ آدھے چاند کو پانی میں غرق ہوتے دیکھ کر کہہ رہا تھا۔اس چاند کی سفید روشنی نور کی کرنوں کی طرح جا بجا بکھر رہی تھی۔اس چاندنی کی چاشنی سے مفقود لہجے میں وہ فائٹر پوچھ رہا تھا۔
"کب تک پہنچ جائیں گے ہم۔" اس کی آواز کی لہروں پر سمندر ٹھہر گیا۔چھوٹی چھوٹی لہریں جو وقتاً فوقتاً ان دونوں کے پاؤں میں سجدہ ریز ہو رہی تھیں تھم گئیں، جان گئیں کہ اس سجدے کا مستحق آدم تھا نا کہ آدم کی اولاد۔
"دو دن لگیں گے دوست، اللہ سب کا نگہبان ہے۔جو غم تمہیں اس وقت کھا رہا ہے جانے کتنے ہی گھرانے اس غم کے عذاب سے گزر چکے ہیں، جھلس چکے ہیں، فنا ہو چکے ہیں۔"
وہ کچھ دیر کو تھما، گیلی ریت ان کے مضبوط بوٹوں کے نیچے دبی دہائیاں دے رہی تھی مگر بشر ہمیشہ سے ہی غافل رہا ہے سو اس کی دہائیاں بھی اس غفلت کا شکار ہو گئیں۔

"ہمارا مقصد ان انسان دشمنوں کا خاتمہ کرنا ہے، ان سب کو انصاف دلوانا ہے جو ان کے ظلم کے سبب اپنی ہستیاں گنوا چکے ہیں۔اس بار خلیفہ اور سمندر خان میں سے کوئی نہیں بچے گا کیونکہ جس چیز کیلئے ان کے پلان کو ہم نے پورا ہونے دیا وہ اب ہمارے ہاتھ میں ہے۔پاکستان میں موجود ان کا ایک ایک ٹھکانہ اب ریڈ کی نذر ہو رہا ہے اور جہاں ہم جا رہے ہیں وہاں موجود ان حیوانوں کی جائے پناہ کنٹرول میں ہے یعنی اب ان کا بچنا ناممکن ہے۔"

براق اپنی نگاہیں ڈوبتے چاند پر لگائے ٹھس کھڑا تھا۔اسے اس کی کسی بات سے کوئی سروکار نہیں تھا۔اس کی کسی بات میں دلچسپی پیدا نہیں ہو رہی تھی۔انسانی فطرت کے عین مطابق وہ بھی صرف اپنوں کا سوچ رہا تھا اور کسی کا نہیں۔اس کے دماغ میں تو بس ایک ہی چہرہ گھوم رہا تھا۔وہ چہرہ جو اس کی محبت تھا۔جس میں اس کی جان بستی تھی۔ہر عام انسان کی طرح وہ بھی اس وقت بے حس تھا۔اسے کسی چیز کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔یاد تھا تو بس اتنا کہ اسے اپنی جان کو ان ظالموں کے نرغے سے چھڑانا ہے۔

حفیظ کی آواز پانیوں میں تحلیل ہونے لگی۔اس کا وجود بھی شاید پانی ہو گیا تھا تبھی ساتھ کھڑا شخص اسے دیکھ نہیں پا رہا تھا،سن نہیں پا رہا تھا یا یہ کہنا چاہیے حفیظ تو وہیں تھا مگر وہ انسان کہیں غائب ہو گیا تھا۔اس نے خود کو اٹھا کر ماضی میں لا دھکیلا۔وہ ماضی جہاں سب ٹھیک تھا،سب خوشگوار۔

"فاسٹ فوڈ بچوں کیلئے نقصان دہ ہوتا ہے پھر بھی تم نے آرڈر کر دیا۔تم عبداللہ کی عادتیں خراب کرتے جا رہے ہو براق، یہ کوئی اچھی بات نہیں ہوتی۔اسے پیار نہیں بلکہ صحت کے ساتھ ناانصافی کہتے ہیں۔"

وہ ساحل سمندر سے اٹھ کر ماضی میں چلا گیا تھا جہاں فورڈ کورٹ میں وہ اپنی سولیم کے ساتھ بیٹھا تھا۔گلابی عبائیہ میں پھول سی کھلی سولیم لہجے میں کانٹے لیے اسے دبی آواز میں جھڑک رہی تھی۔ان سے فاصلے پر علیشہ اور عبداللہ پلے لینڈ میں کھیلنے میں مصروف تھے۔

"میں آپ کی ہر بات ماننے کیلئے تیار ہوں لیکن آج تھوڑی چھوٹ دے دیں، عبداللہ نے بہت پیار سے کہا تھا زنگر کا میں کیسے منع کر سکتا ہوں اسے بھلا۔" وہ روز کی نسبت آج فارمل سی لک میں تھا۔چیک دار پیلے و سیاہ امتزاج کی شرٹ اور سیاہ پینٹ میں ایک بار پھر سے جوان ہوتا براق شاہ ویسا لگ رہا تھا جیسے وہ ساڑھے سات

سال پہلے لگا کرتا تھا۔سولیم کی رفاقت اور عبداللہ کی چاہت نے اس کے ہر زخم کو سی دیا تھا۔زخم ختم درد ختم، درد ختم ہر پریشانی ختم، پریشانی ختم بیماری ختم، بیماری ختم صحت کو ویلکم۔

"تمہیں میں اب کیا کہوں۔" وہ سر کو جھٹکتے ہوئے چہرہ موڑ گئی تھی۔ڈھیر ساری چنٹ والے بازوؤں میں اس کی سفید انگلیوں کے پورے گلابی پن چھلکاتے تھے۔وہ ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھی رخ موڑے بچوں کو دیکھنے میں مگن تھی۔اس بات سے یکسر انجان کہ دو گریفائیٹ آنکھوں میں کس قدر استحقاق جاگ اٹھا ہے۔محبتوں کا ایک جہان آباد کیے وہ یک ٹک سولیم کو تکے جا رہا تھا۔اسے لگ رہا تھا جیسے یہ جگہ، لوگ بلکہ ساری دنیا غائب ہو گئی ہے۔بچے ہیں تو فقط وہ دونوں جو ایک دوجے کے ہو کر ایک ساتھ بیٹھے ہیں، ایک دوسرے کیلئے بیٹھے ہیں۔براق کے لبوں کے کنارے دلفریب مسکان میں ڈھل گئے۔چہرے کی روٹھی ہوئی شادابی لوٹ آئی اور آنکھیں سولیم کا عکس خود میں سموئے فقط اس کیلئے مختص ہو گئیں۔وہ اسے تکتا رہا، کئی ساعتیں، کئی لمحے۔نقاب میں چھپے سولیم کے چہرے کو دل کی نظر سے دیکھتے ہوئے اسے یہ بھی ہوش نہیں رہا تھا کہ سامنے بیٹھی انسان اس کے اس ارتکاز کو نوٹ کر چکی ہے، نوٹ کرنے کے بعد وہ اس کی محویت، اس کی بے اختیاری سے پزل ہو رہی ہے۔سولیم کے ماتھے پر جال بننے لگا۔اس نے اپنا پورا منہ براق کی طرف کیا جو اب بھی اپنے سابقہ کام میں مشغول تھا۔

"براق! یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔" اس نے چبا کر لہجے کو حتی المقدور سخت بنا کر کہا تھا مگر سامنے والا کہاں سن رہا تھا۔وہ تو وجد کے ملن میں اتنا گم تھا کہ اسے کسی چیز کا ہوش ہی نہیں رہا تھا۔سولیم نے دانت کچکچائے جیسے وہ ان دانتوں تلے براق کو مسل رہی ہو۔اس نے کانٹا اٹھا کر براق کے ہاتھ کی پشت پر کھبو دیا۔وہ اچانک چونکا تھا۔سٹپٹاتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور آنکھوں میں تحیر لیے سولیم کو دیکھا کہ کانٹا اس نے اچھا خاصہ چبھایا تھا۔وزن اس پر اتنا دیا گیا کہ براق کے ہاتھ کی پشت پر اس کے چھوٹے چھوٹے نشان چھپ گئے، چار گہرے نقطے۔

"تمہاری ہمتیں کچھ زیادہ ہی بڑھتی جا رہی ہیں۔مت بھولو میں وہی سولیم شفیق ہوں جس نے تمہیں ناکوں چنے چبوا دیے تھے۔"

وہ حواسوں میں لوٹتے ہوئے خود کی بے اختیاری پر ہونٹ چبا گیا۔سولیم کی بات پر بیتے دن اچانک اس کی آنکھوں میں اپنی چھاپ چھوڑنے لگے۔وہ مسکرا گیا۔

"میں آپ کو بھول سکتا ہوں بھلا سولیم! ایک آپ ہی تو ہیں جو ہر وقت ساتھ ہیں۔ معذرت اس طرح تکنے پر مگر آج آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں۔"

اور وہ سچ کہہ رہا تھا۔ گلابی عبائیہ اس پر بہت جچتا تھا اور یہ تو تھا بھی وہی عبائیہ جسے براق بڑی چاہت کے ساتھ خرید کر لایا تھا تو کیوں نا محبت سر تانتی؟ ہمم۔

"مجھے لگتا ہے بچوں کو بلا لینا چاہیے، ان کا زنگر ٹھنڈا ہو جائے گا۔" براق کی بات کے ختم ہوتے ہی سولیم نے بات کا رخ موڑنے کے سبب کہا۔ براق نے اس کے گریز کو پکڑا اور ایک بار پھر مسکرا دیا۔ سیلف سروس تھی تو براق اس کے حکم کو نیلے رنگ کی پلاسٹک کی کرسی کو چھوڑ کر مڑ گیا تھا۔ مڑتے ہوئے وہ اپنی ٹی شرٹ کو پیچھے سے سیٹ کر رہا تھا۔ سولیم اسے خالی نظروں سے دور جاتا دیکھ رہی تھی۔ وہ کاؤنٹر کے پاس پہنچا، ٹرے اٹھائی اور اس کی طرف مڑ گیا۔ جس میں علیشہ اور عبداللہ کیلئے زنگر جبکہ سولیم اور اس کیلئے پاستہ موجود تھا۔ براق نے ٹرے میز پر رکھی اور بچوں کی جانب بڑھ گیا۔

"آجاؤ بھئی میرے بچو، آپ لوگوں کا کھانا آچکا ہے۔" وہ سلائیڈ ہوتی علیشہ کو جھک کر اپنے ہاتھوں سے اٹھاتا شانے سے لگا گیا۔

"ڈیڈی، بس میں آخری بار اس ٹنل سے ہو آؤں پھر آتا ہوں۔" عبداللہ تیزی سے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ ٹنل کے منہ کے اندر جاتا براق بول اٹھا۔

"عبداللہ! پہلے پیٹ پوجا پھر کام دوجا۔ فوراً سے نیچے اترو ماما خفا ہو جائیں گی۔ وہ ہمارا ویٹ، عبداللہ، عبداللہ۔۔۔ سولیم ٹھیک کہتی ہیں میں نے اسے بگاڑ دیا ہے۔"

براق کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی وہ ٹنل میں گھس گیا تھا۔ وہ سرد سانس بھر کر رہ گیا۔

"نہیں براق انکل، عبداللہ بگڑا نہیں ہے بلکہ وہ بہادر ہو گیا ہے۔ پہلے تو وہ بالکل چوہا تھا۔" وہ علیشہ کو لیے سولیم کے پاس آگیا۔ اسے کرسی پر بٹھایا اور کہا۔

"ہرگز نہیں، میرا بیٹا کبھی بھی چوہا نہیں تھا اور اگر وہ چوہا تھا تو پھر آپ چوہیا ہوئیں۔ کیا آپ ہیں؟" سولیم ان دونوں کی نوک جھونک پر مسکرا گئی۔ اس طرح کی نوک جھونک تو اسے آئے دن دیکھنے کو ملتی تھی۔ عبداللہ کو ٹنل

میں گھستے اور براق کی بات کو رد کرتے دیکھ کر ایک پل کو اسے غصے آیا تھا اسی لیے وہ اس بات پر اکتفا کر بیٹھی تھی کہ گھر جا کر عبداللہ کی کلاس ضرور لگائے گی۔

علیشہ اور براق لڑنے میں مصروف تھے جب سولیم نے بے چینی سے ٹنل کے آخری حصے پر نظریں گاڑیں۔ وہ اتنی بڑی تو نہیں تھی جس میں سے عبداللہ اب تک واپس نہ آسکے۔ وہ پریشان ہوتے ہوئے کھڑی ہوئی، براق نے اس کا کھڑا ہونا نوٹ کیا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ اس کی باڈی لینگویج سے ہی اس کی پریشانی بھانپ لیتا تھا تبھی یک دم پوچھ بیٹھا۔ سولیم ٹنل کی اور دوڑی۔

"عبداللہ کو اب تک آجانا چاہیے تھا وہ آیا کیوں نہیں۔" اس کی پریشانی براق کو پریشان کر گئی اور جہاں بات عبداللہ کی آجائے وہاں براق کا روپ ہی نرالا ہوتا تھا۔ وہ وہاں صرف ایک مرد نہیں ہوتا تھا بلکہ ایک باپ ہوتا تھا جس میں اولاد کو ہر سرد و گرم سے بچانے کیلئے چٹانوں سے بھی بلند حوصلے ہوتے ہیں۔ وہ بھی سولیم کے پیچھے لپکا۔ اس سے پہلے سولیم ٹنل کے آخری سرے میں جھانکتی، براق برق رفتاری سے آگے بڑھا اور اپنا سر نیچے کر کے دیکھنے لگا۔ اس نے جیسے ہی اپنی آنکھیں ٹنل کے اندر ڈالیں، دھک سے رہ گیا۔ وہ حصہ خالی تھا۔

"عبداللہ!" بے چینی سے بھرپور آواز، خوف میں لپٹی پدرانہ محبت میں بندھی دلدوز آواز۔ براق کی پکار پر سولیم ٹھہر سی گئی۔ اس نے اس پکار کی گہرائی میں جھانکا تو وہاں محبتوں کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر نظر آیا۔

"عبداللہ جان۔" ٹنل کے آخری سرے میں وہ دھاڑا تھا۔ اس کی دھاڑ کا اثر تھا کہ ٹنل میں درمیان میں پاؤں اٹکا کر خود کو روکتا ہوا عبداللہ یکدم پاؤں کی گرفت کو چھوڑ کر پھسل گیا۔ لبوں پر ہاتھ رکھے اس کی ہنسی براق کی پریشانی میں کھلی آواز سے تھمی تھی۔ اس کی شرارت شاید مہنگی پڑنے والی تھی۔ ماما سے پڑنے والی متوقع ڈانٹ کا سوچ کر اس کا خون خشک ہونے لگا۔ براق کو اچانک عبداللہ کے پاؤں نظر آئے، اس نے اپنے دونوں بازو کھول لیے۔ پھسل کر بازوؤں میں گرتے عبداللہ کو اٹھا کر اس نے سینے میں بھینچا تھا۔ اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر وہ مزید اسے خود میں گما رہا تھا، چھپا رہا تھا۔ سولیم کو یکدم عبداللہ کی قسمت پر رشک ہوا۔

"کہاں رہ گئے تھے آپ، ہاں جانتے ہو ڈیڈی کی جان حلق میں آگئی تھی۔ کتنا پریشان ہو گیا تھا میں۔" اس

کے چہرے کو جا بجا چومتے ہوئے وہ علیشہ اور سولیم کو نظر انداز کر گیا تھا۔ دل کی بڑھتی رفتار اور نا گہانی حادثے کی سوچ براق کے حواس تحمل کرنے والی تھی۔ اگر ایک سیکنڈ عبداللہ نہ آتا تو نا جانے وہ کیا کر گزرتا۔ سولیم نے سینے پر ہاتھ باندھے اور ایک آبرو کو اچکا کر عبداللہ کو دیکھا جو براق کے شانے پر سر ٹکائے چور نگاہوں سے بار بار اسے دیکھ رہا تھا۔ براق کی بات کا جواب سولیم نے دیا تھا۔

" کچھ زیادہ نہیں شریر ہوتے جا رہے تم، یہ کوئی شرارت ہوتی ہے کرنے والی؟ عبداللہ، میں تم سے مخاطب ہوں۔"

براق سولیم کی آواز پر چونک کر مڑا تھا۔ اس نے متحیر انداز میں سولیم کو دیکھا جو اس کے شانے میں منہ چھپائے عبداللہ پر برس رہی تھی۔

" نہیں، کیا واقعی یہ ایک مذاق تھا؟" اسے یقین کرنے میں دشواری ہوئی کہ اس کا بھولا بھالا اوبیڈنٹ بیٹا اس طرح کا فاش مذاق کر سکتا ہے۔ اس نے اسی انداز میں عبداللہ سے بھی دریافت کیا تھا۔

" عبداللہ، کیا ماما صحیح ہیں؟" اب کی بار لہجہ قدرے سخت ہوا تو وہ سہم سا گیا۔

" بول بھی دو چوہے، کہہ دو یس ڈیڈی یہ سچ ہے۔" علیشہ بیزاریت سے عبداللہ کے منمنانے پر منہ بنا گئی جو کہہ رہا تھا۔

" سوری ڈیڈی۔"

براق پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کہے۔

" تمہارا سوری ہم گھر جا کر سنیں گے۔ رائٹ براق!" اپنی بات ختم کرکے وہ براق کی تائید مانگ کر قصہ ختم کر گئی تھی۔ براق نے طویل سانس چھوڑا اور اپنی میز کی جانب بڑھتے ہوئے کہنے لگا۔

" عبداللہ جان، مذاق کرنا اچھی بات ہے۔ شرارت تو اور بھی اچھی چیز ہے مگر اس شرارت میں تہذیب ہو تو جس شرارت میں سامنے والا پریشان ہو جائے وہ ٹھیک نہیں ہوا کرتی۔ بڑے لڑکے ایسا کرتے ہیں اور میں جانتا ہوں آپ بڑے نہیں ہو اس لیے آپ آئندہ اس طرح کی شرارت بھی نہیں کرنے والے۔ میں درست ہوں ناں۔"

براق کے سمجھانے پر اس کے شانے میں منہ چھپائے عبداللہ بیساختہ بولا تھا۔

"ڈیڈی! میں آگے سے ایسا ہرگز نہیں کروں گا۔ آپ پلیز ماما کی ڈانٹ سے مجھے بچالیں۔" سولیم نے اپنے پیچھے چلتے دونوں باپ بیٹے کی سرگوشیوں پر کان لگانے کی کوشش کی تھی مگر ناکام گئی۔

"آخری بار میں آپ کا دفاع کروں گا عبداللہ، نیکسٹ ٹائم اگر آپ نے ایسا کیا تو جان لیں میں میسر نہیں ہوں گا۔ آپ جانتے ہو آپ کی وجہ سے پھر مجھے بھی ڈانٹ سننے کو ملتی ہے۔"

سولیم اس کے آگے چل رہی تھی۔ قبل اس کے کہ وہ لوگ میز تک پہنچتے ایک لڑکا دوڑتا ہوا آیا اور زوردار انداز میں سولیم سے ٹکرا گیا۔ اس لڑکے کا کندھا سولیم کے بازو سے بری طرح مس ہوا تھا۔ اتنی زور سے کہ وہ کراہ کر رہ گئی۔

"اوہ، سوری لیڈی، میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔"

براق نے یہ منظر بخوبی دیکھا تھا۔ اگر یہ حادثہ ہوتا تو وہ لٹ گو کر دیتا مگر یہ سب جان بوجھ کر کیا گیا تھا۔ اس لڑکے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ اپنے دوستوں سے لگائی گئی شرط جیت چکا ہے۔ براق کے دماغ کی رگیں تن گئیں۔ خون میں لاوا اُبلنے لگا۔ اس کی آنکھیں لہو رنگ ہو گئیں۔

"نظر نہیں آتا، دیکھ کر نہیں چل سکتے تم۔" وہ غصے میں اپنا بازو سہلاتے ہوئے دھاڑی تھی۔ براق نے عبداللہ کو نیچے اتارا جو اپنی ماما، ڈیڈی کے خفا ہونے کے ڈر سے اس حادثے سے انجان علیشہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گیا تھا اور اب برگر کو دانتوں سے کتر رہا تھا۔

"اس کی نظر تو میں ٹھیک کرتا ہوں۔" براق کی دبی غراہٹ پر سولیم نے مڑ کر دیکھا۔ سامنے سے جو چل کر آ رہا تھا وہ، وہ براق نہیں تھا جس کے ساتھ وہ رہ رہی تھی بلکہ یہ تو وہ والا براق تھا جو اپنے دور کا سب سے مطلوب انسان تھا۔ نڈر اور بیخوف۔ اس کی چال ویسی ہی تھی جیسے رنگ میں بڑھتے سے ہوا کرتی تھی۔

براق کفس فولڈ کرتا ہوا آگے بڑھا اور اس لڑکے کو کالر سے تھام کر پلے لینڈ کے اس حصے کی جانب لے جانے لگا جہاں مرر وال تھی اور جھولوں کا اختتام ہوتا تھا۔ سولیم فوراً سے اس کے پیچھے لپکی۔

"براق، جانے دو۔ بچوں پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔"

مگر وہ براق ہی کیا جو سن لیتا۔ اس کے سر پر تو جنون سوار تھا۔ وہ اس لڑکے کو کالر کو جھٹکنے کے بعد ایک زبردست مکا اس کے منہ پر جڑ چکا تھا۔ وہ لڑکا کسی ہارے ہوئے بوڑھے کھلاڑی کی طرح آہ آہ کی گردان لگائے

نیچے بیٹھتا چلا گیا۔
"اس کی ہمت بھی کیسے ہوئی آپ کو ٹچ کرنے کی، جلا نہ ڈالوں میں اسے۔" وہ غصے سے پھنکار رہا تھا۔
ویسے ہی جیسے وہ پہلے پھنکارا کرتا تھا۔ سویلم براق کے لفظوں میں جکڑ گئی۔
"میری بیوی کو چھوئے گا، میری بیوی پر شرط لگائے گا۔" غصے منہ زور طوفان کی طرح ایک بار پھر اس کے
حواسوں پر سوار ہو گیا۔ وہ نیچے بیٹھے اس شخص پر پھر سے برس پڑا تھا۔
"براق پلیز، مت بھولو کہ ہم باہر ہیں اور میری عزت تمہارے ہاتھوں میں ہے۔ مجھے لوگوں کی نظروں میں
نہیں آنا۔" وہ اس کی کہنی کو تھام کر کھینچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ براق نے چونک کر اسے دیکھا، لفظوں پر غور کیا اور
پھر اس لڑکے کے کالر کو جھٹکتے ہوئے سیدھا ہوا۔ آنکھیں بند کر کے وہ خود کو پرسکون کر رہا تھا۔ عین اسی لمحے وہ لڑکا
جان بچا کر وہاں سے کھسک گیا۔ سویلم کی بات براق کو ساکت کر گئی تھی۔ وہ خود پر بند باندھ رہا تھا۔
"سویلم! اس کی ہمت کیسے ہوئی، میں تباہ نہ کر دوں ایسے شخص کو جو آپ پر میلی نگاہ ڈالے۔"
وہ رک کر، ٹھہر کر، تھم کر اسے دیکھنے لگی جس کی وہ بیوی تھی۔ جس شخص نے اسے اللہ سے مانگا تھا جو اس کا
محافظ اس کا ساتھی تھا۔ لفظ بدلے تھے، سوچ بدلی تھی، نگاہ بدلی تھی، دل بدلا تھا۔ آج وہ براق شاہ جو کبھی سویلم شفیق
کیلئے ایک ریپسٹ تھا محافظ کا درجہ اختیار کر چکا تھا۔ عجیب، عجیب سے بھی عجیب تر بلکہ تر ترین۔
"براق۔" سویلم کی آواز کہیں دور سے سنائی دی۔ اس نے گہرا، طویل، بوجھل سانس فضا کے سپرد کیا۔ رات
کا ٹھنڈا پہر اس کے سلگتے دل کو بہلانے میں ناکام رہا تھا۔ اس نے خود کو حفیظ کو سننے دیا۔ ماضی کو چھوڑ کر وہ حال
میں آیا اور ڈوبتے چاند پر سے نگاہ ہٹالی۔
"مجھے لگتا ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔" سائرن بجاتی آب دوز انہیں اپنے پیٹ میں آن سمانے کا پیغام
دے رہی تھی۔ براق نے حفیظ کے ساتھ اپنے قدموں کو ملا لیا۔

☆......☆......☆

"ہم نے وہی کیا جو ہمیں کرنا تھا۔ اب خلیفہ جانے اس کا کام جانے، سمندر خان سے دشمنی انسان کو ڈبا
دیتی ہے۔" قیمتی سگار کے کش بھرتے ہوئے وہ رمیز سے مخاطب تھے جسے وہ کام کے وہ داؤ پیچ سکھا رہے تھے

جس سے اسے انجان رکھا گیا تھا۔ وہ اسے خلیفہ کی جگہ دے رہے تھے تو کیوں نا اس سب سے آگاہی دیتے جس کو جاننے کا اسے حق تھا۔

" کہیں وہ سی آئی اے والے ہم تک نہ پہنچ جائیں، مجھے نہیں لگتا ہمارا داؤ الٹا چلے گا۔ "

رمیز کے محتاط لہجے پر وہ کھل کر ہنسے تھے، ہنسنے کے بعد کہنے لگے۔

" کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو سمندر خان کے گریبان پر ہاتھ ڈالے۔ خلیفہ بھی اس لیے بچا ہوا تھا کہ میرا ہاتھ اس پر تھا۔ اب تم تماشا دیکھنا کیسا لگتا ہے۔" ساری باتوں سے انجان اپنے غرور کے نشے میں چُور وہ سرخ چہرے کے ساتھ مسکرا رہے تھے۔ پاکستان سے اسمگل کیے گئے بچے پہنچ گئے تھے۔ یہ وہی بچے تھے جن کے باڈی پارٹس کو انہوں نے کوریئر کو دینا تھا تا کہ وہ اسے مطلوبہ جگہ پر پہنچادیں۔

" ہم اس بات کو نہیں بھول سکتے خان کہ خلیفہ بہت گھاگ انسان ہے۔ وہ یہاں نہیں ہے مگر پھر بھی اس کی نظر ہر چیز پر ہے۔ اس نے اسے ہی مروا دیا تھا جسے ہم نے خلیفہ کو مارنے کیلئے چنا تھا۔ یہ بات بھلائی نہیں جاسکتی۔ "

رمیز کی بات کا انہوں نے دوٹوک انداز میں جواب دیا۔

" مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا، خلیفہ کی آگاہی اور اس کے باغی پن سے میں اچھے سے واقف ہوں۔ وہ اس لڑکی کے ہاتھوں ذلالت اٹھانے والا ہے۔ تاریخ ایسے قصوں سے بھری ہوئی ہے۔ جو نا قابلِ تسخیر ہوتا ہے وہ عورت کے ہاتھوں مات کھا جاتا ہے۔ مجھے خلیفہ کی حالت پر افسوس ہو رہا ہے۔ "

رمیز کے دماغ میں اچانک سے کوندا لپکا۔ وہ آگے کو ہوا اور خان کو خود کی جانب مزید متوجہ کروالیا۔

" کیا ایسا ممکن ہے کہ خلیفہ واقعی اس عورت کے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہا یعنی کہ وہ حقیقت میں اس کی محبت میں گرفتار ہو چکا ہے؟ "

خان اس کے اس بے تکے سوال سے الجھے تھے۔

" کہنا کیا چاہ رہے ہو، یہ بات سچ ہی تو ہے کہ خلیفہ اس عورت کے جال میں پھنس گیا ہے۔ "

رمیز کے لبوں پر دل فریب مسکان نے ڈیرہ جمایا۔

"خلیفہ جیسے بدفطرت سے اس چیز کی توقع تو نہیں لیکن اگر ایسا ہے تو ہمارا کام اور بھی آسان ہو جائے گا۔"

وہ اپنی جون میں لوٹ گیا تھا بے دھڑک بولا۔

"وہ کیسے؟" خان بے صبرے ہو چلے تھے۔ بڑھاپا انسان کو بے صبرہ کر ہی دیتا ہے۔

"اگر وہ معروش ہمارا ساتھ دے تو ہم خلیفہ کو مزید پھنسا سکتے ہیں۔ میں سوچ رہا ہوں کیوں نا ہم اس تک بھی خلیفہ کا ریکارڈ بھیج دیں یا ایک سیل فون اسے گفٹ کر دیں۔"

رمیز کی بات پر خان کے ماتھے پر شکنوں کا اضافہ ہوا تھا۔ وہ سرد آواز میں بولے۔

"دماغ گھاس چرنے چلا گیا ہے تمہارا، بھول گئے ہو جس سلائی کو ہم نے اسے خلیفہ کو ختم کرنے کیلئے دیا تھا وہی سلائی اس نے خلیفہ کے ہاتھ میں تھما دی تھی۔ مجھے تو لگتا ہے وہ لڑکی بھی خلیفہ سے زیر ہو چکی ہے۔ اب بس جو بھی کر سکتے ہیں سی آئی اے والے ہی کر سکتے ہیں۔ مجھے باقی کسی پر اعتبار نہیں۔"

رمیز ان کی جھاڑ پر اپنا سا منہ لے کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کوئی ترکیب ہاتھ لگے اور وہ سمندر کو بھی ختم کر دے مگر کچھ ہاتھ لگے تب نا۔ سمندر خان تو اس کی ہر بات ایسے رد کر رہے تھے جیسے وہ کوئی دودھ پیتا بچہ ہو۔ اس کے دماغ میں سمندر خان کیلئے بھی بدگمانی بیٹھنے لگ گئی تھی۔ وہ ان سے اجازت طلب کرتا وہاں سے اٹھا تھا۔ سمندر خان نے اس کے جاتے ہی اپنی کمر کو سیدھا کیا۔

''آہ خلیفے آہ، تم نہ بھٹکتے تو آج یہ دن ہماری زندگیوں میں نہ آتا۔ میں یونہی تمہاری ہر بات پر سر تسلیم کر دیا کرتا جیسے پہلے کرتا تھا۔ تم میں اپنا لخت جگر دیکھ کر آنکھوں کو ٹھنڈا کر دیا کرتا۔ آہ پہلی اولاد کا درد واقعی جان لیوا ہوتا ہے۔''

آنکھیں بند کیے وہ اپنے بیٹے کے چہرے میں کھو گئے تھے۔ وہی چہرہ جسے چرا کر خلیفہ نے اپنا بنا لیا تھا۔ اپنا بنا کر اس نے اس چہرے کو اتنا سجایا تھا کہ اس کی وجاہت ہر ایک کو مات دینے لگ گئی۔ قیمتی کپڑوں میں ملبوس خلیفہ تبریز بیڈ پر بیٹھی معروش کے ساتھ ٹکا ہوا تھا۔ بیڈ کی سلک کی سنہری چادر پر جابجا کاغذ بکھرے ہوئے تھے۔ لیپ ٹاپ سامنے ہی رکھا تھا جس میں سے مختلف ویب سائیٹس نکال کر وہ اسے دکھا رہا تھا۔ راکٹ کی سپیڈ سے بھی تیز چلتی انگلیوں کے دوران وہ معروش کے چہرے کو دیکھ کر وقفے وقفے سے بریفنگ بھی دے رہا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا۔

"سی آئی اے میں، میں نے انتھما کے کہنے پر کام کرنا شروع کیا تھا۔وہ ایک بورنگ جگہ تھی جہاں سے میں نے خود کو جلد ہی ہٹا لیا لیکن چونکہ مجھے اسمگلنگ کی دنیا میں اپنا سکہ چلانا تھا اس لیے میں ان کی اس سلسلے میں اہم معلومات اکٹھی کر کے وہاں سے رفو چکر ہو گیا تھا۔ یہ دیکھو یہ میں ہوں حیران مت ہو، یقین کرو یہ میں ہی ہوں۔ ماضی میں جا کر دیکھا تو تھا تم نے، میرا چہرہ جو آج ہے وہ سمندر خان کے بڑے دل کی بدولت ہے۔اوہ کیا تم نہیں جانتی کہ ایک حادثے میں، میں اپنے ذاتی چہرے سے محروم ہو گیا تھا۔اس لیے بیٹے کی محبت میں گرفتار سمندر خان نے اپنے مردہ بیٹے کا چہرہ مجھے عنایت کر دیا تھا۔"

وہ معروش کو جھٹکا لگتے دیکھ کہہ رہا تھا۔اس کی حیرانگی خلیفہ کو ذرا متاثر نہ کر پائی کیونکہ وہ اچھے سے جانتا تھا کوئی بھی اس طرح کی خبر سن کر حیران ہو سکتا ہے۔

"یعنی کہ؟"

خلیفہ نے شانے اچکائے۔

"یعنی کہ میں نے سمندر خان کے لخت جگر ساحل خان کو زندہ رکھا جو میرے ساتھ ہی اس حادثے میں جان گنوا بیٹھا۔"

معروش اس انکشاف پر گہرا سانس بھر کر رہ گئی۔

"اور کون کون سی ایسی باتیں ہیں جو ابھی جاننی باقی ہیں۔"

خلیفہ اس کے سوال پر مسکایا لیکن اب اس کی مسکراہٹ میں وہ چیز نہیں تھی جو کبھی ہوا کرتی تھی۔

" گہرائی میں مت جاؤ ڈوب جاؤ گی، میں نے تمہیں ہر اس ملک کے بارے میں بتا دیا ہے جہاں ہمارا کام پھیلا ہوا ہے۔ ہر پوائنٹ کلیئر کر دیا ہے۔ پاکستان میں موجود اڈوں کی لوکیشن بتا دی ہے۔ کچھ کو تو میں تباہ کروا چکا ہوں یہ بات تم جانتی ہو۔اوہ کم آن، میں نے تمہیں باتیں سنتے ہوئے پکڑ تو لیا تھا بھول کیوں جاتی ہو اتنی جلدی تم۔اس سے زیادہ میں تمہیں اور کچھ نہیں بتا سکتا کیونکہ اس سے زیادہ میرے پاس اور کچھ ہے بھی نہیں۔"

وہ ہاتھ کھڑا کرتا ہوا کہہ رہا تھا۔معروش نے اس کی ضرورت سے زیادہ بڑھی داڑھی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بات ناقابل یقین ہے کہ تم مجھے اعتماد میں لے رہے ہو۔ مجھے اب بھی لگ رہا ہے تمہارے اس قدم کے

پیچھے کوئی نہ کوئی چال پوشیدہ ہے۔ بول دو خلیفہ وہ کیا ہے؟"

خلیفہ نے زخمی نگاہوں سے اس لڑکی کو تکا۔ بعض اوقات قتل لفظوں سے بھی ہو جایا کرتے ہیں اور ایسا تب ہوا کرتا ہے جب سامنے والا کچھ زیادہ ہی سینسٹو ہو یا وہ سینسٹو ٹی فیز سے گزر رہا ہو۔ خلیفہ کا یہ دور حساس دور تھا جو اس کے دل پر بوجھ بڑھاتا جا رہا تھا۔

"شیر آیا شیر آیا اسی کو کہتے ہیں معروش جنم (پیاری)، میں ہر بار تمہارے جذبات سے کھیل کر تمہیں مات دے دیتا تھا۔ اب جب میں سب چیزوں میں کلیئر ہوں تو تم مجھ پر یقین ہی نہیں کر رہی۔ اگر میرے اندر کی بات جاننا چاہتی ہو تو سن لو میں یہ سب اس لیے کر رہا ہوں تا کہ اپنے بعد کسی کو اس قابل نہ چھوڑوں کہ وہ میری جگہ لے سکے۔ میں تباہ ہو رہا ہوں تو اپنے ساتھ باقیوں کو کیوں کر ڈوباؤں۔"

معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

"حالانکہ تم اب بھی خود کو روک سکتے ہو۔ میں تمہاری قید میں ہوں تم چاہو تو آنے والے طوفان کو تھما کر خود قابض ہو سکتے ہو۔ تم ایسا کیوں نہیں کر رہے؟"

"کیونکہ میں تھک گیا ہوں اور تم میری قید میں نہیں ہو وہ میں ہوں جو قیدی ہوا ہوں۔" وہ برجستہ بولا تھا بول کر باور کروا گیا تھا۔

"یہ تھکن عام تھکنوں سے بہت الگ ہے معروش، یہ وہ تھکن ہے جو قطرہ قطرہ میرے اندر جمع ہو رہی تھی۔ مجھے جلا رہی تھی، میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ انسان جس پر میں سب سے زیادہ مان کر بیٹھا ہوں میرے موت کے وارنٹ نکال دے گا مجھے راستے سے ہٹوانے کے سامان پیدا کرے گا۔"

اس کا لہجہ شکست پا تھا۔ لفظ ٹوٹے ہوئے اور چہرہ بکھرا ہوا۔

"اگر کامیابی کا سہرا سر پر سجوانا چاہتی ہو تو اپنی فورس کو جلد از جلد بلوا لو کیونکہ سمندر خان نے سی آئی اے تک میری معلومات پہنچا دی ہیں۔ آج یا کل میں ان کی گرفت میں ہوں گا۔"

معروش اس کی بات سے پوری چکرا گئی۔ وہ حیرت در حیرت آگے کو ہوئی اور آئی بالز کو حرکت دیتے ہوئے بولی۔ "سمندر خان نے ایسا کر دیا اس سب کی فکر کیے بغیر کہ وہ بھی پھنس سکتے ہیں۔"

خلیفہ قہقہہ لگا گیا۔ بودہ بیکار قہقہہ، بھدی آہوں میں پوشیدہ قہقہہ، غداری کے بوجھ سے سہا ہوا قہقہہ۔

"انہیں کسی چیز کی پرواہ نہیں فقط مجھے ختم کرنے کے۔ چاہتا تو میں بھی ایسا کر سکتا تھا لیکن خلیفہ نے ایک بار جس کے ساتھ وفا نباہ لی مطلب نباہ لی۔ میں انہیں کچھ نہیں کہوں گا۔ ہاں امید رکھتا ہوں کہ پاکستان میں فساد پھیلانے والے کی جڑیں تم ضرور اکھاڑو گی۔"

وہ سبز فائل کو ہوا میں لہراتے ہوئے پراسرار مسکان لبوں پر سجائے کہہ رہا تھا۔ معروش نے وہ فائل جھپٹنی چاہی مگر اس سے پہلے وہ اسے پکڑتی خلیفہ نے فائل کو پیچھے کر دیا۔

"لیکن میری ایک کنڈیشن ہے۔"

معروش نے مٹھی بھینچی ایسے جیسے اس مٹھی میں خلیفہ کی گردن ہو۔

"کیسی کنڈیشن؟"

"آئی نیڈ یور ہیلپ۔"

معروش نے ایک آبرو چڑھائی۔

"بھاڑ میں گئے تم اور یہ فائل۔" وہ بیڈ سے اٹھنے لگی تھی جب خلیفہ نے اس کی کلائی تھام کر کھینچ لی۔ وہ واپس گرنے کے سے انداز میں بیٹھی تھی۔

"اتنی نفرت ہے کہ ہاتھ آئے خزانے کی چابی سے دستبردار ہو رہی ہو۔" وہ معروش کی ڈیسپریشن کو جانتا تھا کہ کس قدر وہ کوبرا کو ختم کرنے میں ہاتھ پاؤں مار رہی ہے۔ اس نے اب تک اسے جو بھی بتایا تھا وہ سب اتنا اہم نہیں تھا جتنا اس فائل میں اکٹھا ہوا مواد تھا پھر بھی اس کا انکار خلیفہ کو حیران کر گیا۔

"تم اس دنیا میں موجود سارے خزانے بھی قدموں میں ڈھیر کر دو تب بھی تمہاری آفر کو پانی میں ڈالنا پسند کروں گی میں، میری نفرت کا اندازہ شاید ہی تم کر پاؤ۔" اس کی آنکھوں میں جھانکتی وہ زہر میں بجھے لفظوں سے کہہ رہی تھی۔ خلیفہ اس کے زہریلے لفظوں کے بار تلے دب کر اسے دیکھتا رہا۔

"میں نے تو ایسے ہی کہہ دیا تھا مگر اب یہ کہنا لازم و ملزوم ہو چکا ہے۔ بولو اے محبت، کیا۔"

"کوئی گنجائش نہیں؟" معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

"بالکل بھی نہیں۔" خلیفہ نے آنکھیں بند کیں اور اچانک معروش کا ہاتھ اپنے دل کے مقام پر رکھ دیا۔ خلیفہ کی بے ترتیب دھڑکنیں اس کے چہرے کے زاویے بدلنے لگیں۔

"جانتی ہو، دن میں ہزار بار خیال آتا ہے کہ تمہیں ماردوں یا خود کو ختم کرلوں۔ اپنے لیے جب پستول اٹھاتا ہوں تو ہاتھ نہیں کانپتا مگر جب تمہارے لیے اٹھاتا ہوں تو روح تک کانپ جاتی ہے، دل دھڑکنا بھول جاتا ہے اور سانسیں۔" اس نے آنکھیں کھول دیں۔

"سانسیں تنگ ہونی شروع ہوجاتی ہیں۔ میں جو ہر صنف نازک کو سیکنڈ میں چت کردیتا تھا، تمہارے آگے ہار گیا۔ کیوں؟ کیونکہ شاید مجھے اپنے کیے کی سزا ملنی تھی۔ بہت سالوں پہلے ایک بوڑھے باپ نے مجھے اس کے بیٹے کو سرعام قتل کرنے پر بددعا دی تھی کہ میں دل کا مریض بن جاؤں گا، اس کی بددعائیں رنگ لے آئیں۔ آج سب ختم ہے میں جس کے ہاتھ میں پاور ہے، پیسہ ہے اور ایک دنیا جس کی غلام ہے خالی ہاتھ تمہارے سامنے کھڑا ساتھ کی بھیک طلب کررہا ہوں، گڑگڑا رہا ہوں کہ تم مجھے تھام لو۔ آج میں جسے خلیفہ تبریز کہتے ہیں، کے ساتھی اس کے خون کے پیاسے بن گئے۔ وہ جس کا نام سن کر سب کی گردنیں جھک جاتی تھیں آج اسی کے سامنے سب گردنیں اٹھا کر سوال کررہے ہیں۔ آج پوری دنیا میرے خلاف ہے سوائے ایک شخص کے اور وہ میں خود ہوں۔ آج اسی خلیفہ تبریز کو اس کے گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔ جس نے ہزاروں لڑکیوں کی التجاؤں کو پاؤں کی مٹی تلے روند دیا۔"

وہ اس کی آنکھوں میں اپنی آنکھیں گاڑے کہہ رہا تھا۔ معروش کو ان آنکھوں میں موجود باریک پانی کی تہہ تقویت پہنچا گئی۔ اسے لگا وہ تمام لڑکیاں اور بچے جو بھی اس شخص کے عتاب سے جھلس گئے تھے۔ مسکرا رہے ہیں، اس کی آپی مسرورانہ انداز میں اسے دیکھ رہی ہے۔ معروش نے اپنے لب کھولنا ضروری سمجھے۔

"تم جانتے ہو، میں نے خود کو یہاں کیوں آنے دیا؟"

خلیفہ کے چہرے کے تاثرات بدلے، اس کی آواز بدلی، لہجہ بدلا۔ وہ معروش کے ہاتھ کو دل کے مقام پر رکھے رکھے بولا۔

"میں سب جانتا ہوں بلکہ میں ہی تو ہوں جو اول روز سے تمہارے ہر پلان سے باخبر ہوں۔ میں جانتا ہوں

تم یہاں میرے ساتھ اسی لیے آئی ہوتا کہ اس جگہ کے بارے میں معلوم کرسکو تا کہ سمندر خان مجھ سے متنفر ہو کر میرے خلاف ہو جائے تا کہ تم مجھے زیر کر کے وہ سب اگلوا سکو جو تم اگلوانا چاہتی ہو۔ میں درست ہوں نا معروش؟"

وہ اس کی باخبری پر دانت پیستی رہ گئی۔ تڑخ کر پوچھا۔

"دیکھا میں درست تھی نا، ضرور اس سب کے پیچھے تمہاری کوئی سازش چھپی ہے۔ تم سب جاننے کے باوجود ویسا کیوں کرو گے جیسا میں چاہتی ہوں۔"

خلیفہ نے افسوس زدگی سے اسے تکا۔

"بدگمانی کی بھی انتہا ہوتی ہے معروش حبیب، میں سب جانتا تھا۔ خاموش رہا کیوں؟ کیونکہ میں ایسا طے کر چکا تھا اور جو خلیفہ ایک بار طے کر لے پھر وہ پورا ہونا ہی آخر ہے۔ یہ بات کوئی بھی ہضم نہیں کرسکتا کہ تم جیسی بہترین آفیسر اغوا ہو کر باہر جا سکے یا پاکستانی انٹیلی جنس والے اسے باہر جانے دیں۔ تم خود سمجھدار ہو، سمجھتی ہو ہر اتار چڑھاؤ کو۔"

معروش نے سر کو جھٹکا۔ اس کے ساتھ ہی وہ اپنے ہاتھ کو بھی جھٹک رہی تھی جو تا ہنوز خلیفہ کی قید میں تھا۔ اس کے دل کے بے ہنگم شور کو سن رہا تھا اور دھڑکنوں کے اتھل پتھل کو محسوس کر رہا تھا۔

"تو پھر وہ سب کیوں ہونے دیا جو میں چاہتی تھی؟"

خلیفہ نے اس کا ہاتھ نہیں چھوڑا بلکہ گرفت اور مضبوط کر لی۔

"اگر تم مجھ سے زیر ہو جاتی یا میری محبت کے آگے ہار مان لیتی تو واللہ عالم، کبھی ایسا نہ ہونے دیتا مگر خان کی مجھ سے حد درجہ بے اعتنائی اور تمہاری ہٹ دھرمی مجھے یہ سب کرنے پر مجبور کر گئی۔ مجھ میں اب بھی اتنی سکت ہے معروش کہ سب ختم کر کے دوبارہ کھڑا کرسکوں لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔ کچھ دیر قبل کہا ہے نا کہ تھک چکا ہوں تو مطلب تھک چکا ہوں اب بس آرام چاہتا ہوں۔"

خلیفہ کی سخت ہتھیلی کے نیچے قید اس کا ہاتھ اس کی نرم و ملائم ٹی شرٹ پر مضبوطی سے دھرا تھا۔ اس ہاتھ میں زمرد انگوٹھی جگمگا رہی تھی جس کی شعاعیں اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ ان شعاعوں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ

پھر سے اسے کہہ رہا تھا۔

"میری کنڈیشن ابھی بھی برقرار ہے معروش۔" وہ جیسے اسے یاد دلا رہا تھا۔ معروش نے جھٹکے سے ہاتھ چھڑوایا۔

"شاید تمہارے کان خراب ہیں، علاج کرواؤ ان کا۔" وہ اسے کہہ کر ایک ہی جست میں بیڈ سے اتری تھی۔ مبادا وہ پھر سے اس کی کلائی نہ تھام لے۔

"اجازت دینے کیلئے شکریہ۔" اس نے اپنی گرے رنگ کی گول گلے والی ٹی شرٹ کو اٹھتے ہوئے شانوں سے جھٹکا اور دروازے کی اور بڑھتی معروش کو کھینچ کر خود سے لگا لیا۔ اس کی ناک اچانک اس کے شانے سے ٹکرائی تھی۔ پچھلی ٹکر کے سبب ہوا درد ایک بار پھر سے جاگ اٹھا۔ اس درد کو محسوس کرنے سے پہلے اسے ایک احساس نے آن گھیرا تھا۔ اس احساس نے اسے چونکا دیا۔ اس احساس کے زیر اثر ہی اس نے اپنے ہاتھ خلیفہ کی کمر پر رکھے اور آنکھوں میں استعجاب لے آئی۔

"خلیفہ! نوفل کہاں ہے؟" اس کا سوال برجستہ تھا۔ خلیفہ کا جواب بیساختہ۔

"قبر میں۔"

اس جواب نے، اس ظالم خون سے لبریز، بدبودار جواب نے معروش کی ٹانگوں سے جان نکال دی۔ وہ گر جاتی اگر خلیفہ کی پکڑ مضبوط نہ ہوتی۔

"کیوں مارا اسے؟" آنسوؤں میں گھلا سوال، بے بس و بیتاب سوال، دکھ میں چُور سوال۔

"کیونکہ تم صرف میری ہو۔"

دل چیر اعتراف، خود غرضی میں لپٹا دلوں کو چیرتا اعتراف۔ وہ سلگ اٹھی۔

"وہ، چہرہ، وہ آواز، وہ میڈل، وہ کپڑے۔"

خلیفہ نے اسے خود سے الگ کیا پھر مسکراہٹ دباتے ہوئے کہنے لگا۔

"اس بیوقوف سوال کی تم سے توقع نہیں تھی۔ اوہ پلیز معروش جنم، حقیقت سے تم بھی واقف ہو اور میں بھی۔ کہہ دو کہ تم اول روز سے جانتی تھی کہ میں نوفل نہیں ہوں۔ میرے لیے کوئی مشکل نہیں کسی کا بھی چہرہ لینا، آواز

چرانا یا انداز اپنالینا۔ تم جانتی تو ہو یار"

معروش نے آنکھیں گھمائیں۔ وہ آنسو جو کچھ دیر قبل اس کی آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے تھے ایسے سوکھے جیسے بنجر دریا ہوں۔ خلیفہ نے اسے لقب دیا (ڈرامے باز، پکی ایکٹر)

"آہ۔۔ میں حیران نہیں ہوئی ہر پلان کی طرح اس سے آگاہی بھی متوقع تھی۔ میں تم سے نہیں ہار سکتی خلیفہ، سمجھ سے باہر ہے کہ ہر بات تم پہلے ہی کیسے جان لیتے ہو مگر چلو چونکہ اب تمہیں معلوم ہو ہی گیا ہے تو سچ اگلو، نوفل کہاں ہے؟"

وہ ہتھیار ڈال گئی تھی۔ سامنے کھڑا وہ شخص واقعی خطرناک ہے اس بات کا اندازہ اسے بہت پہلے سے تھا۔ آج اس پر مہر بھی لگادی۔ وقت کی سیل پر لکھ دیا گیا کہ خلیفہ تبریز سے بچ کر رہنا ہے۔

"میں نے کچھ دیر قبل بتایا تو ہے کہ وہ ابدی نیند سو چکا ہے۔"

معروش کے دل میں ابال اٹھنے کے ساتھ ساتھ دھڑکا لگا۔ وہ برجستہ بول اٹھی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ کیا ہو سکتا ہے؟" نوفل کی محبت کی چھاپ اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ وہی سیاہ آنکھیں جن میں خلیفہ تبریز اپنا دل ڈوبا بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے کے زاویے بدلے۔ جس انسان کی چاہت میں آپ مبتلا ہو جائیں وہی انسان کسی دوسرے کو چاہنے لگے تو ٹوٹ پھوٹ اسی طرح ہوتی ہے جس طرح خلیفہ کے اندر ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی مٹھیاں زور سے بھینچیں۔

"وہ مر چکا ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اس حقیقت کو تسلیم کر کے فاتحہ پڑھو اس پر، یاد رکھو میں نہیں بھی رہا تو ہر سو میں ہی ہوں گا۔ تمہارے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اندر باہر، ہر سمت مجھے ہی پاؤ گی معروش بی بی کیونکہ میں وہ ہوں جو مرنے کے بعد بھی زندہ رہتے ہیں۔"

اس کے شانے سے اپنا شانہ ٹکرا کر جاتے ہوئے وہ رکا نہیں تھا۔ معروش کے کان سائیں سائیں کرنے لگے۔ نوفل مر چکا ہے اس خبر نے اس پر گلیشیر سی ٹھنڈ طاری کر دی تھی۔ ٹھنڈ کی شدت اتنی زیادہ تھی کہ اس کے ہونٹوں کے ساتھ ساتھ چہرہ بھی سفید پڑنے لگا۔ دل کے ریزہ ریزہ ہونے کی آواز سارے عالم میں پھیل گئی اور اس خبر کو دنیا والوں کے سپرد کر دیا کہ ایک لڑکی جو اپنے شوہر سے از حد محبت کرتی تھی، جس کی ہنسیاں نقرئی قہقہوں

کو بھی مات دینے کے قابل تھیں۔ ہاں وہی جسے نوفل خان کہا جاتا تھا۔ وہ مر چکا ہے سن لو سب، معروش حبیب کا نوفل ابدی نیند سو چکا ہے۔ وہی نوفل جو اس کے یہاں آنے پر اس کا پلان سننے کے بعد اس سے خفا رہ چکا تھا۔ ہاں وہی نوفل جسے وہ ہمت پکڑنے کی تسلیاں دے کر آئی تھی، جس کے اٹھوانے کی خبر اس تک پہنچ چکی تھی وہ اب نہیں رہا۔

☆......☆......☆

وہ گھر لوٹی تو گھور سناٹا چہار جانب چھایا ہوا تھا۔ ایسا سناٹا جو قبر سے مشابہ لگے، وہ سناٹا جو دل کو ڈرا دے، روح کو کانپنے پر مجبور کر دے، ہاں وہی سناٹا جو سویلیم کے پورچ میں قدم رکھتے ہی اس کی سمت شرارتی، بے صبرے بچوں کی طرح دوڑتا چلا آ رہا تھا، آ کر اس سے لپٹ گیا تھا۔ اس نے اس سناٹے کو ویلکم نہیں کیا بلکہ اپنے پرس کی سٹرپس مضبوطی سے تھام کر اندر کی جانب بڑھ گئی۔

یہ عشاء کا وقت تھا اور اندھیرے میں ڈوبا لان اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ اسے یاد آیا جب جب اسے دیر ہو جاتی تھی براق اسے یہیں لان میں ہی خود کا منتظر پایا جاتا تھا۔ ایک مسکراہٹ اس کی طرف اچھال کر وہ وہیں سے ہاتھ ہلا کر اسے سلام کیا کرتا تھا۔ آج نہ ہی اس کا کوئی منتظر ہے اور نہ ہی کسی کی دعائیں اس کے ساتھ ہیں۔ ایک بنجر نگاہ ویران پڑے لان اور اس بھوری کرسی پر ڈالی جو براق سے منسوب تھی۔

"آہ۔۔۔" طویل سانس اس لان کی سرسبز گھاس اور پھول پودوں پر چھوڑ کر وہ اندر کی جانب بڑھی تھی۔ اس کی اس افسردہ سانس پر سب پھول پودے مرجھا گئے۔ مرجھا کر اداسی سے ایک دوجے کو تکنے لگے۔ تکنے کے بعد اسے دیکھنے لگے جو اندر جا رہی تھی اور وہ چلی بھی گئی۔ اس نے جیسے ہی لاؤنج میں قدم رکھا فریش سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"السلام علیکم! کیسا رہا آج کا دن، جانتی ہیں آج میں نے آپ کو بہت مس کیا۔ عبداللہ نے تو بارہا ضد کی کہ آپ کے بغیر ہی مووی دیکھ لیتے ہیں مگر میں نے اس کی ایک نہ سنی، آپ جانتی ہیں مجھے آپ کے بغیر کوئی چیز اچھی نہیں لگتی تو وہ مووی کیسے بھلی لگتی اس لیے آپ جلدی سے فریش ہو جائیں اور پھر فٹافٹ نیچے آ جائیں۔"

میز پر لوازمات سجے ہوئے تھے جو کہ براق ہی کی عنایت تھے۔ اب بھی اس کے ہاتھ میں بٹر پاپ کارن کا

بگ باؤل تھا جسے وہ وہاں رکھ رہا تھا۔ اسی دوران وہ اس سے مخاطب بھی تھا۔ سولیم حیرانگی سے اسے سن رہی تھی، دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہاں ہے۔ براق ادھر ہی ہے۔ وہ گیا نہیں۔ بغیر نقاب اتارے اپنی آنکھوں کو بڑا کیے وہ اسے دیکھ رہی تھی جواب اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ ہلا رہا تھا۔

"کہاں کھو گئیں آپ سولیم؟"

وہ اس عمل سے سٹپٹا گئی تھی، سر کو نفی میں جنبش دی۔

"تم، تم گئے نہیں؟" حیرتوں بھرا سوال تھا مسکراہٹوں بھرا جواب۔

"آپ کو چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں بھلا؟" لیدر کی پینٹ اور فارمل شرٹ میں بازوؤں کو کہنیوں تک فولڈ کیے وہ بکھرے بالوں کے ساتھ متبسم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ سولیم نے آہستہ سے نقاب کو نیچے سرکایا، ہمیشہ کی طرح آج بھی ایسا کرتے ہوئے براق کی نگاہیں جھک گئی تھیں۔ وہ جب بھی اپنا نقاب اتارتی تھی پہلی فرصت میں ہی براق نگاہوں کو احتراماً جھکا لیتا تھا اور پھر کچھ سیکنڈز گزار کر ہی سر اٹھاتا تھا اب بھی اس نے ایسا ہی کیا تھا۔

"تم کہہ رہے تھے نا کہ۔۔۔" اس کی بات درمیان میں ہی رہ گئی۔ وجہ وہ آواز تھی جس نے اسے ٹھٹکا دیا، جھٹکا دیا اور حیران کر دیا۔

"میڈم! آپ آ گئیں، آپ کیلئے پانی لاؤں؟" اس نے آواز کے راستے آنکھوں کو ڈالا تھا۔ جونہی سر کے اشارے سے اسے منع کرنے کے بعد اس نے واپس براق کی جانب دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ نہ ہی براق اور نہ ہی سجی ہوئی میز۔ اس کا دل اچانک حلق میں آیا۔

"یہ۔۔ یہاں۔" اس نے میڈ کو جاتے جاتے روکا۔ وہ پلٹ کر اسے دیکھنے لگی، دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"یہاں کیا میڈم؟ اوہ ہاں میں بھول گئی۔ سر نے یہ لیٹر دیا تھا۔ کہا تھا آپ کو دے دوں۔" اس نے جلدی سے اپنے ایپرن کی جیب میں سے ایک سفید کاغذ نکال کر اس کی جانب بڑھایا تھا۔ وہ متحیر سی اس کاغذ کو تکنے لگی۔

"براق نے لیٹر دیا تھا مگر کیوں؟" اسے خود کی آواز سنائی دی۔

"وہ سر آج چلے گئے ہیں نا لندن، جانے سے پہلے وہ مجھے یہ دے گئے تھے۔"

سولیم نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔ براق چلا گیا؟ اس کا دل اچانک سکڑا تھا۔ ہاتھ طویل مسافت طے کرنے کے

بعد آگے بڑھا اور اس خط کو تھام لیا۔ غائب دماغی حالت میں وہ وہاں سے گئی تھی۔ فریش ہونے کے بعد وہ جونہی واش روم سے باہر نکلی۔ دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ہی کوئی اندر آیا تھا۔ وہ کوئی اور نہیں بلکہ براق تھا۔

"کیا سولیم، آپ بالکل بھی اپنی صحت کا خیال نہیں رکھتی ہیں۔ میں یاد نہ کرواؤں تو آپ نے کھانا پینا بالکل ہی گول کر جانا ہے۔ یہ لیں فریش جوس، اب ایسے کیا دیکھ رہی ہیں، پکڑیں۔"

سولیم یکدم روہانسی ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی کی جھالر بننے لگی جسے اس نے فوراً ہی ادھیڑ دیا۔ گہرا سانس لیتے ہوئے وہ گلاس کو تھامنے کی بجائے براق کے منہ کی طرف ہاتھ لے گئی۔ جونہی اس نے براق کے گال کو ٹچ کیا وہ ہوا میں ذروں کی طرح تحلیل ہو گیا۔

"تم مجھے پریشان کر رہے ہو براق، تم نے کبھی ایسا نہیں کیا اب کیونکر کرنے لگے ہو۔ تم میرے ساتھ یہ سب نہیں کر سکتے۔" وہ بولی نہیں تھی کچھ لفظوں کو ضروری بھی نہیں کہ زبان کی نوک پر لایا جائے۔ آنکھیں، دل، سوچیں، اس سوچ کے تانے بانے بن دیتی ہیں اور یہ سب کافی بھی ہے۔

"تم جاگتی آنکھوں سے مجھے ستا رہے ہو، مجھے نظر آ رہے ہو کیا تم واقعی دل میں گوشہ نشین ہو گئے ہو۔ اگر ہاں تو افسوس ہے مجھ پر۔ شرم آ رہی ہے یہ سوچ کر کہ سب میں، میری کتنی سبکی ہو گی۔ کیا کہیں گے سب کہ میں بھی تھوکا ہوا چاٹ گئی۔ اس شخص کی محبت میں گرفتار ہو گئی جس نے مجھ سے مجھے ہی چھین لیا تھا۔ میرا سب کچھ ختم کر کے مجھے برباد کر دیا تھا۔ تم یہ سب کیوں کر رہے ہو۔ تم نے ایسا کیوں کیا؟"

وہ اپنا سیل فون آن کر کے بیٹھ گئی تھی۔ جونہی اس کے موبائل میں جان آئی، وہ بری طرح بج اٹھا۔ کتنے ہی میسجز اور کالز تھیں جو براق نے اسے کی تھیں۔ کتنی بے قراریاں تھیں اس کے اندر، کتنا ترسا ہوا لگ رہا تھا وہ اس سے بات کرنے کو۔ اس نے براق کے میسجز کھولے جو کچھ یوں تھے۔

"سولیم! آپ کہاں ہیں، میں آپ کا منتظر ہوں۔ آپ جانتی ہیں نا آج دو بجے مجھے یہ سرزمین چھوڑ دینی ہے۔"

"سولیم! آپ فون کیوں نہیں اٹھا رہی ہیں۔ پلیز دو منٹ کیلئے ہی سہی لیکن کال پک کر لیں۔"

"سولیم! میں آپ کے کلینک آ رہا ہوں۔ آپ وہاں ہوں گی ناں؟"

"سولیم! آپ کہاں سیشن لے رہی ہیں مجھے بتائیں، میں وہاں آنا چاہتا ہوں۔"

"سولیم! میں علیشہ کی طرف جا رہا ہوں۔ آپ گھر آ جائیں تو پلیز میرا انتظار کرنا۔"

"سولیم! ایک گھنٹہ ہے صرف میرے جانے میں، ایک آخری بار مل لیں مجھ سے۔"

"سولیم! پندرہ منٹس رہ گئے ہیں۔"

"سولیم! آپ مجھے تھکا رہی ہیں۔ ایسے تو نہ کریں۔"

"سولیم! خدا کیلئے مجھ سے بات کریں۔ میں ایئر پورٹ کیلئے نکل رہا ہوں۔ آپ کا نمبر کیوں بند جا رہا ہے؟ میرا دل پریشان ہونا شروع ہو گیا ہے۔"

"سولیم! اگر آپ ایئر پورٹ آ گئی ہیں تو بتا دیں میں جہاز میں ہوں۔ آپ سے ملنے آ سکتا ہوں یا آپ آ جائیں میرا حوالہ دیں، کوئی نہیں روکے گا آپ کو۔"

"تو یعنی طے ہو میں ایک بیکار شے ہوں آپ کیلئے۔"

"سولیم۔۔۔"

اس نے تھک کر فون بیڈ پر رکھا۔ اس سے زیادہ پڑھنے کی اس میں ہمت تھی اور نہ ہی سکت۔

وہ بیڈ پر پیر لٹکائے بیٹھی تھی۔ آنکھوں کے سامنے ڈریسنگ ٹیبل کا آئینہ تھا جو ہنستے ہوئے تضحیکی انداز میں اسے تک رہا تھا۔ سپاٹ دل، سپاٹ چہرے اور سپاٹ دماغ کے ساتھ وہ خود کو آئینے میں دیکھتی رہی۔ وہ آئینہ جو اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ اس پر ہنس رہا تھا اور ترس کھا رہا تھا۔ وہ اس سے کہہ رہا تھا کہ تم وہ عورت ہو جو قابل رحم ہے۔ جس کیلئے اللہ نے ایک بدکردار انسان کو باکردار بنایا، جو بھٹکنے کے بعد راہِ راست پر آیا تھا۔ جس کی محبتیں، بے قراریاں اور تمام وفاداریاں اسی کیلئے مختص تھیں جس کیلئے اس نے خود کو مختص کر لیا تھا۔ آج وہ اس نایاب انسان کو کھو گئی، گنوا گئی، ٹھیک ہے اگر وہ اس سے بچھڑ گیا ہے تو کوئی بات نہیں۔ اسے خود سے بچھڑنے ہی دیتے ہیں کہ نہ تو اس میں اتنا حوصلہ تھا کہ اپنے جذبات اس انسان کے آگے ظاہر کرے اور نہ ہی وہ دوسروں کا سامنا کر سکتی تھی۔

کون سے دوسرے؟ وہی لوگ جو فقط لوگ ہیں، جن کی باتیں فقط باتیں ہوتی ہیں، جو بولتے ہیں تو لفظوں

کے نشتر چلاتے ہیں، طنز و تحقیر، حقارت و جلن جن کا وطیرہ ہے، وہ لوگ جو آج کی بات کل بھول جاتے ہیں۔ وہ جو دلوں کو تباہ کر کے خود شاداں رہتے ہیں اور پھر مووآن کر جاتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کی پرواہ تھی۔ شیشے میں دیکھتی اس عورت کو وہ لوگ جو آج ہیں تو کل نہیں جنہیں کسی کے کسی فعل سے کوئی سروکار نہیں۔ ان کیلئے وہ اپنی زندگی داؤ پر لگا رہی تھی، ان کی خاطر وہ اس انسان کو کھو رہی تھی جو سیاہیوں سے روشنیوں تک کا سفر کر بیٹھا تھا۔ وہ انسان جو اسے اپنی زندگی جانتا تھا، جس کیلئے وہی سب کچھ تھی۔

" کچھ معاملات اللہ کے سپرد کر دینا ہی بہتر ہوتا ہے۔ دل رو رہا ہے؟ رونے دو روح تڑپ رہی ہے؟ تو کیا ہوا تڑپتی رہے۔ کونسا کوئی فرق پڑ جانا ہے، آنکھ جل رہی ہے؟ اس کا تو کام ہی یہی ہے کس چیز کی فکر ہے پھر؟ یہ جو سب ہو رہا ہے، یہ کوئی بڑی بات نہیں۔ جب ٹھیس پہنچتی ہے، امیدیں ٹوٹتی ہیں تو ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے ان تمام معاملات کو اللہ کے ہاتھ میں دے دو۔ وہ ہیل کرے گا تمہیں، جو توڑ پھوڑ ہو رہی ہے اس سے بیان کرو وہ تمہیں پرسکون کرے گا۔ اس کا تو کام ہی یہ سب کرنا ہے۔ لوگوں کو بھول جاؤ، سہاروں کو چھوڑ دو کہ یہ سب تو سراب ہے۔ ایک دھوکا، ایک ریشمی فریب جو بڑے پیار سے آپ کو اپنے جال میں لپیٹے گا۔ لپیٹ کر آپ کا سارا سکون جذب کر لے گا۔ اس لیے اللہ پر توکل رکھو۔ کہہ دو اسے کہ مجھے آپ کی ضرورت ہے بھلا وہ بھی آپ کو انکار کرتا ہے؟"

اسے اپنے ہی الفاظ سنائی دے رہے تھے جو وہ کبھی ڈھلتی عمر والی اس لڑکی کو کہہ رہی تھی۔ یہ تب کی بات تھی جب وہ لڑکی آخری بار مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس سے خدا حافظ کرنے آئی تھی۔ وہ ٹھیک تھی۔ وہ ہیل تھی اور اپنے شوہر کے ساتھ خوش تھی۔ سولیم ٹھیک نہیں تھی، سولیم ہیل نہیں تھی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ۔۔۔ آہ! اس نے آنکھیں بند کر کے گہری سانس بھری اور اٹھ کر صوفوں کی جانب بڑھنے لگی جن کے آگے رکھی میز پر وہ سفید کاغذ ہوا کے دوش پر پھڑ پھڑا رہا تھا جو براق اس کیلئے چھوڑ گیا تھا۔ اس نے جھک کر وہ کاغذ اٹھایا اور ایک صوفے میں دھنس گئی۔ بیٹھنے کے بعد اس نے آہستہ سے اس کاغذ کو کھولا تھا۔ سیاہ حروف اس کاغذ پر ایسے جگمگا رہے تھے جیسے دن میں شب اتر آئی ہو۔ وہ اتری ہوئی شب کو پڑھ رہی تھی جو کہ یہ تھی۔

کس قدر میں آزمایا گیا ہوں

کیا کیا کہہ کر ٹھکرایا گیا ہوں
کبھی ہجر، کبھی قربت ملی
کیسے کیسے رلایا گیا ہوں
سب وارنے کا جو جذبہ تھا
سو مقتل میں بلایا گیا ہوں
جو تھی محبتوں کا نقاب لیے
ایسی نفرتوں میں جلایا گیا ہوں
ان سے بھی شناسائی پرانی تھی
جن کے کہنے پہ یوں نچایا گیا ہوں
بے شک سیپ میں پڑا موتی تھا
گہرائیوں میں ہی دفنایا گیا ہوں

(کنول اصغر)

اس نے اس کاغذ کو مٹھیوں میں بھینچ لیا۔ وہ اس کی مٹھیوں میں چرمرا کر اپنی آخری سانس لے گیا تھا۔ اس نے اس گول ہوئے کاغذ کو میز پر پھینکا اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند گئی۔

"پتا نہیں وہ وقت کب آئے گا سولیم جب میں بھی آپ کیلئے سب کچھ ہوں گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح آپ میری سب کچھ ہیں۔"

یہ سن روم کا منظر تھا جہاں وہ بال کھولے سورج کی تمازت کو محسوس کرنے آئی تھی۔ یہ اس دن کے بعد کے دنوں میں سے ایک دن تھا جب اس کی ملاقات ٹرکر سے ہوئی تھی اور براق اسی بات سے خفا تھا کہ سولیم کیوں اس سے ملنے وہاں گئی اور اسے بھی ساتھ لے گئی۔ وہ بھی ہاف بازوؤں والی ٹی شرٹ پہنے وہاں آیا اور ایک کرسی کو سنبھال گیا۔

"اس سب میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ خوش فہمیاں ہمیشہ سے ہی تمہاری ذات کا خاصہ رہی ہیں۔"

دوٹوک انداز میں کہتی ہوئے وہ آنکھیں بند کر کے سورج کو محسوس کر رہی تھی۔ اس کے لب آج محسوس کن مسکراہٹ میں ڈھلے تھے۔ وہ جو ایک اور شکوہ کرنے والا تھا سولیم کے چہرے پر پھیلے نرم گرم تاثر سے جم سا گیا۔ اس کی آنکھوں میں سولیم آن سمائی اور ساری دنیا کہیں پس پشت چلی گئی۔ وہ ہمیشہ کی طرح کھونے والے انداز میں اسے تکنے گیا اور سولیم ہمیشہ کی طرح اس کی یہ چوری پکڑ گئی۔ براق کی یہ مسکراہٹ کس چیز کی دین ہے وہ جانتی تھی۔

"یہ تم مسکرا کس لیے رہے ہو؟" پہلے وہ اسے اس کے حال پر چھوڑنا چاہتی تھی مگر پھر دماغ الرٹ ہوا تھا اس لیے وہ ماتھے پر تیوریاں ڈالے ترخ کر پوچھ رہی تھی۔ براق اس اچانک سوال پر بوکھلا گیا۔ اہم۔۔ ایک سیکنڈ وہ اس سوال پر نہیں بوکھلایا تھا بلکہ اپنے ارتکاز کے ٹوٹ جانے پر بوکھلایا تھا۔

"میں کب مسکرا رہا ہوں، آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔" اس نے زبردستی اپنے جبڑوں کو بھینچ کر کہا حالانکہ ہنسی لبوں پر آنے کیلئے مچل رہی تھی۔ اسے کچھ دن قبل ٹرکر کے سامنے سولیم کی اپنی سائیڈ لینا اور اسے ایک عظیم لقب سے نواز دینا یک لخت ہی یاد آیا تھا جس نے اس کے لبوں پر گہری مسکان کھلا دی تھی۔ عرصہ دراز بعد اس کا دل کھول کر ہنسنے کا موڈ بنا تھا۔

"تمہارے بارے میں مجھے غلط فہمی ہو ہی نہیں سکتی۔ اچھے سے جانتی ہوں میں تمہیں۔" سورج کی طرف رخ موڑتے ہوئے اس کا ازلی بے مروت والا لہجہ عود کر آیا تھا۔ مقابل نے اس بات پر سینے پر ہاتھ باندھے اور تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ مجھے جانتی ہیں اور ایک آپ ہی تو ہیں جو یہ دعویٰ کرتی ہوئی بہت اچھی لگتی ہیں۔" اس نے سر کو عقیدت میں خم دیتے ہوئے کہا۔ سنجیدگی سے کہتے ہوئے بھی اس کی آواز میں ہنسی کی آمیزش تھی۔ وہ آج حیران تھا خود پر، اپنے رویے پر، سامنے والی اس کے انداز پر پیچ پا ہو گئی۔

"تم پٹری سے کچھ زیادہ نہیں ہٹ رہے؟" اس نے آنکھیں نکالی تھیں۔

"اہم، ہمم۔ آپ جانتی ہیں میں ایک شریف انسان ہوں۔" آخر زبان پر مچلتی کھد بد نے پیراہن اوڑھا اور بڑے مزے سے سولیم کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"ہنہ، آئے بڑے شریف انسان!"

بلی کو تھیلے سے باہر نکلتے دیکھ کر اس نے بڑی مشکل سے ضبط کا گھونٹ بھرا تھا۔ اسے شریف کیا کہہ دیا وہ تو سر پر ہی چڑھ گیا۔ اس نے افسوس سے ہاتھ ملے۔ غصے سے تن فن کرتی ہوئی وہ وہاں سے گئی تھی۔ جاتے جاتے ایک قہقہہ اس کے کان میں پڑا تھا جو اسے جلا بھنا گیا مگر اس کمرے سے باہر آتے ہی وہ ٹھہری گئی تھی۔ براق کی ہنسی ابھی بھی گونج رہی تھی۔ اس نے گردن موڑ کر شیشے کے اس پار بیٹھے شخص کو تکا جس کے چہرے پر سالوں بعد چمک دوڑی تھی۔ جو مسکرا رہا تھا تو بہت اچھا لگ رہا تھا۔ اتنا اچھا کہ دل کیا بس اسے دیکھتی ہی جائے۔

"آہ براق شاہ آہ۔"

اس نے آنکھیں کھول دیں کہ اب شاید پوری زندگی اسی طرح گزرنی تھی۔ اس کی یاد کو یاد کرتے ہوئے اس کے احساس کو محسوس کرتے ہوئے۔

کبھی ہجر، کبھی قربت ملی

کیسے کیسے رلایا گیا ہوں

ریتلی زمین کو پیچھے چھوڑتے ہوئے مضبوط بوٹوں والے جوان تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے۔وہ ایک وین تھی جن میں انہوں نے سوار ہونا تھا اور وہ ہو بھی چکے تھے۔کیپ میں آدھا منہ چھپائے ڈرائیور نے سب کے بیٹھتے ہی اگنیشن میں چابی گھمائی اور گاڑی کو گھر گھر کرنے دیا۔ایسی چار اور وینز تھیں جو ایک ساتھ گھر گھر کر رہی تھیں۔

"سر! ہم ٹارگٹ سے چند میل کے فاصلے پر ہیں۔" حفیظ نے واکی ٹاکی کا استعمال کیا تھا۔وین کے چلنے کے دوران ہی خبر ملی۔

"بہت اچھے، ابھی جوانوں کو آرام کرواؤ۔ مجھے لگتا ہے شو اگر شام کو شروع کیا جائے تو زیادہ مزا آئے گا۔" مسکراتی آواز پر حفیظ بھی مسکرا گیا۔

"کیوں نہیں سر۔"

اس نے واکی ٹاکی کو نیچے رکھا اور سیاہ شیشوں والی وین سے باہر کے نظارے دیکھنے لگ گیا۔یہ اسی جگہ کی وینز تھیں اور ایسی ہزاروں وینز یہاں پر وقفے وقفے سے چلتی ہوئی نظر آتی تھیں کیونکہ اس پر کوبرا کا سائن بنا ہوا تھا جو یہ ظاہر کرتی تھیں کہ کوبرا کی ٹیم گشت پر نکلی ہے اور یہ وہی وقت تھا جب اس کی ٹیم گشت پر نکلا کرتی تھی جن میں موجود لوگوں کو جہنم واصل کر کے ان وینز کو ہتھیایا گیا تھا۔سب جدا جدا راستوں کے مسافر تھے مگر منزل ایک ہی تھی۔

"اس کے آدمی دس بج کر تین منٹس پر گشت کیلئے نکلتے ہیں۔وہ سیاہ رنگ کی، بلائنڈ شیشوں والی وینز کا استعمال کرتے ہیں۔ایسا اس لیے ہے کیونکہ اکثر و بیشتر ان وینز میں ان کا مال موجود ہوتا ہے۔امید کرتی ہوں تمہارے آدمی خلیفہ کے بندوں کو ٹھکانے پر لگانے کے بعد ان وینز کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوں گے۔"

بیتے وقتوں سے اڑ کر آتی معروش کی آواز اس کے لبوں پر مسرور کن مسکراہٹ بکھیر گئی۔اسے یاد تھا جب علی الصبح وہ لوگ اس ملک پہنچے تھے تو اس کے جوانوں نے جنگلوں کی جھاڑیوں میں خود کو چھپا کر ان وین والوں پر حملہ کیا تھا اور اسے حاصل کرنے کے بعد انہیں ہر آلات سے پاک کر دیا تھا۔

"ہم آگئے ہیں بہادر لیڈی، تاریخ آپ پر ضرور فخر کرے گی۔" سوچتے سوچتے اس نے نگاہ باہر کی اور ڈالی اور یکدم آگے جھک کر اپنی ناک شیشے پر لگا گیا۔اس کی آنکھیں شاک سے پھیلیں اور جوش و طیش میں اس کا چہرہ

سرخ ہوگیا۔اس نے اور کسی کو نہیں دیکھا تھا بلکہ وہ نوفل تھا جو حفیظ کی نگاہوں میں آن سمایا تھا۔

"نوفل خان!" اس کے لب ہولے سے تھرتھرائے۔

" آپ نے کیا دیکھ لیا ہے سر؟" اس کا ایک ساتھی حفیظ کی حواس باختگی کو نوٹ کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا جو دانتوں کو بری طرح آپس میں رگڑ کر کہہ رہا تھا۔

"دھوکا۔" اس ایک لفظ میں دنیا جہاں کی نفرت سمٹی ہوئی تھی۔وہ لڑکا اپنے باس کی بات پر الجھ گیا۔الجھتے ہوئے ہی پوچھا۔

"میں سمجھا نہیں سر،کس قسم کے دھوکے کی بات کر رہے ہیں آپ؟"

حفیظ نے دور تک نوفل خان کو تکا تھا۔اس کے آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہی وہ سیدھا ہو بیٹھا،سر کو نفی میں جنبش دی اور کہنے لگے۔

" کچھ دھوکے ناقابل بیان ہوتے ہیں ثاقب،لفظوں میں ڈھالنے سے تکلیف ملتی ہے۔"

وہ اپنے سر کی اس بات پر پریشان ہوا۔

"میں کچھ سمجھا نہیں۔"

حفیظ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"ایک بات پلے سے باندھ لو ثاقب اور وہ یہ ہے کہ کبھی بھی اس آپریشن کے دوران تمہارا ٹاکرا خلیفہ تبریز یا سمندر خان سے ہو تو انہیں گولیوں سے بھون دینا۔آرڈر کا انتظار مت کرنا۔"

اس نے درشتی سے سمجھانے والے انداز میں کہا۔وہ لڑکا گردن کو تیزی سے ہلا گیا۔

"جیسا آپ کہیں گے ویسا ہی ہوگا۔"

حفیظ نے اس لڑکے کی بات سنی اور اپنی آنکھیں موند لیں۔یہ رات گناہوں کے بادشاہوں کے تخت ریزی کی رات ہے۔آج رات ان سب نے ابدی نیند سو جانا ہے جن کے سبب لاکھوں خاندانوں کی عزتیں سو گئیں۔ آج گناہ کو سزا ملے گی اور برائی کو انجام۔

وین تیزی سے منزل کی جانب رواں دواں تھی۔اسی وین میں براق بھی بیٹھا تھا جو عجیب وغریب جگہ پر

موجود عجیب و غریب لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔اس نے اس غلاظت میں لتھڑی پسماندہ جگہ کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں۔اس کی آنکھوں میں اندھیرا تھا۔اتنا شدید اندھیرا کہ کچھ بھی واضح نہیں ہو رہا تھا صرف ایک چیز کے اور وہ تھی تاریکی جو اس وقت سمندر خان کے کمرے کی زینت بنی ہوئی تھی۔اس تاریکی میں خلل دروازہ کھل کر آتی روشنی نے ڈالا جس کے سامنے باڑ کی طرح خلیفہ تبریز کھڑا ہو گیا تھا۔وہ دس ماہ بعد سمندر خان کے مدمقابل ہوا تھا۔سمندر خان نے ریموٹ اٹھایا اور بٹن پش کر دیے۔چند لمحے لگے تھے اس اندھیرے میں ڈوبے کمرے کو روشنی سے سجنے میں۔

"دن میں رات کا سماں کیوں بنایا ہے خان! کیا اپنی کوتاہیوں پر افسوس ہو رہا ہے؟ اگر ہاں تو کڑھنے کا یہ مرحلہ آپ کی عمر سے میچ نہیں کرتا۔کچھ خیال کریں۔"

وہ چاکلیٹ براؤن صوفوں میں سے ایک پر ٹک گیا تھا۔اس کے عین سامنے رکھی کرسٹل کی میز پر گولڈن چمکتا ہوا گھوڑا پڑا ہوا تھا جس کی زین کسی کے بھی ہاتھ میں نہیں تھی پھر بھی وہ اپنے سامنے کے پاؤں ہوا میں کیے کھڑا تھا۔خلیفہ نے اس گھوڑے کے پاؤں میں رکھے گولڈن چھوٹے چھوٹے گیند کے طرز کے پتھروں میں سے ایک اٹھایا اور اسے ہوا میں اچھالنے لگا۔اسی دوران اسے خان کی غراتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"تمہاری فضول گوئی سننے کیلئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔لوٹ جاؤ وہیں جہاں سے تم آئے ہو۔"

ان کے قطعیت سے کہنے پر خلیفہ مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلانے لگا۔

"کوئی کہہ سکتا تھا کہ وہ خان جو میری آواز کا شیدائی تھا، جو ایک انچ میرے بغیر نہیں ہلتا تھا، مجھے لگا ہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا آج وہی خان مجھے دور جانے کا کہہ رہا ہے۔امیزنگ۔"

سمندر خان نے ہنکارہ بھرا۔ریشمی لحاف وہ خود پر سے اتار چکے تھے۔

"یہ جذباتی کارڈ ان پر کھیلنا بچے جو لفظوں کے جالوں میں پھنسنے کی بد دعا خود کے ساتھ رکھتے ہوں۔مت بھولو مجھے اس چیز میں دسترس حاصل ہے۔"

خلیفہ ان کی بات پر گردن کو پیچھے گرا کر ہنسا تھا۔اس کا قہقہہ شیر کی دھاڑ کی مانند اس کمرے کو ہلا گیا۔سمندر خان کو اس قہقہے میں پوشیدہ خطرے کی بو محسوس ہوئی۔وہ یکدم ماتھے پر بل لے آئے تھے۔

"کیا خان، تم تو میرا خون بڑھانے کا سامان کر رہے ہو۔ مت کروایسا۔ یہ ظلم ہوگا میرے ساتھ۔"

وہ اس کی بات کو درگزر کر کے اچانک بولے تھے۔ "کیوں آئے ہو یہاں؟ کیا مقصد کارفرما ہے اس ملاقات کے پیچھے۔"

خلیفہ کی سنہری آنکھیں آج انہیں وہ نہیں لگیں جیسی وہ پہلے لگا کرتی تھیں۔ غروب ہوتے سورج کی مانند یہ آنکھیں انہیں افسوس میں مبتلا کر گئیں۔ کیا ہو جاتا اگر سامنے بیٹھا یہ نڈر انسان اس عورت کے جال میں نہ پھنستا۔ آہ عورت آفرین ہے تجھ پر۔

"اتنی جلدی مقصد پر آجائیں گے تو ٹویسٹ میں مزا نہیں آئے گا۔ کچھ دیر باتیں کرلیں، کچھ میری سن لیں، کچھ اپنی سنا دیں۔ یہ نہ ہو کہ ساری زندگی پھر میں آپ کی آواز کو ہی ترسوں۔"

سمندر خان کا شک درست نکلا۔ وہ گولی کی سپیڈ میں بیڈ سے نیچے اترے تھے۔

"کیا بکواس ہے یہ؟" ان کی دھاڑ کے دوران ہی دروازہ کھول کر کوئی اندر آیا تھا۔ آنے والے کو دیکھ کر سمندر خان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ ان کا دل بری طرح لرزا تھا۔ دھک دھک کرتے دل کے دوران ہی وہ بولے۔

"یہ تو یہ تو۔۔۔"

ان کی بات خلیفہ نے درمیان میں ہی قطع کر دی۔ آنے والے نے دروازے کو ٹھاہ کی آواز کے ساتھ بند کیا تھا۔

"یہ وہی معذور ہے خان جسے تمہاری محبوب بیوی کی ناجائز اولاد ہونے کا شرف حاصل ہے اور اسی وجہ سے تم اس سے نفرت کرنے لگے کہ تمہاری اندلسی بیوی نے تم سے دغا کی تھی۔ یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ فیروز تمہاری اولاد نہیں ہے تم نے اپنی محبوب بیوی کو موت کے گھاٹ اُتار دیا اور کچرے میں کوڑے کی طرح پھینک دیا تھا جس کے سر پر دست شفقت میں نے رکھا تھا۔ تمہارے لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کو اپنے قد تک لایا اور اپنا وہ مہرہ بنا دیا جو عین وقت پر بازی پلٹ دے۔ ہاں خان یہ وہی ہے۔"

سمندر خان نے سر سے پیر تک اس نوجوان کو دیکھا جو کہیں سے بھی معذور نہیں لگ رہا تھا اور وہ تھا بھی نہیں۔ ہو بھی کیسے سکتا تھا جس کا ہاتھ خلیفہ تھام لے وہ بھلا نقص زدہ ہو سکتا ہے؟ بالکل بھی نہیں۔

"کیا خان! تمہاری یادداشت تو بڑی کمزور نکلی۔ بھول گئے بارہ سال پہلے کس طرح تم نے مجھے کیچڑ میں

پھینک دیا تھا یہ کہہ کر کہ بندوق پکڑنا میرے بس کی بات نہیں۔ آج وہی بندوق میرے ہاتھ میں ہے جو شدت سے کہہ رہی ہے سامنے کھڑے اس شخص کو ختم کردوں۔"

سمندر خان نے سامنے کھڑے لڑکے کی غراہٹ پر نفی میں سر ہلایا۔ انہیں خلیفہ کی حرکت سے اتنا شدید صدمہ نہیں پہنچا تھا جتنا سامنے کھڑے انسان کے الفاظوں سے پہنچا تھا۔

"مت بھولو یہ میری ریاست ہے۔ کتوں کو کھلائے جاؤ گے۔" وہ سنبھل گئے تھے۔ سنبھلنا فرض بھی تھا اگر ایسا نہ کرتے تو بزدل کہلائے جاتے اور ایک یہی تو لفظ تھا جو انہیں گالی سے بھی بدتر لگتا تھا۔

ان کی بات پر اس بار خلیفہ نہیں بلکہ وہ لڑکا ہنسا تھا۔ ہنسنے کے بعد وہ قدم قدم چلتا ہوا ان تک آیا اور ان کی آنکھوں میں اپنی سرخ آنکھیں گاڑ کر غرایا۔

"بوڑھے انسان، اے قابل رحم بوڑھے انسان! جان لو یہ ریاست خلیفہ کی ہے تمہاری نہیں کیونکہ اب تمہاری ریاست دو گز زمین بننے والی ہے۔ اوپس ایم سوری میں بھول گیا تھا کہ تمہیں تو دو گز زمین سے ڈر لگتا ہے، میں صحیح ہوں نا بادشاہ؟"

وہ سمندر خان کو چڑا رہا تھا۔ چڑا کر خلیفہ سے گردن موڑے تصدیق کر رہا تھا جس نے مسکراتے ہوئے سر کو ہلا دیا۔ ایک جھٹکے سے ہی اس لڑکے نے سمندر خان کا گلا پکڑا تھا۔ اس سے پہلے وہ سنبھلتے وہ ان پر دھاوا بول چکا تھا۔ خلیفہ ویسے ہی گولڈن پتھر کو ہوا میں اچھالتے ہوئے صوفے کی پشت سے لگے ان دو اشخاص کو تکنے گیا جو اس کے لیے خاص الخاص تھے۔

"تم نے تو کہا تھا ایک بار وفاداری کرلو تو مکرتے نہیں۔" سمندر خان اس لڑکے کو پیچھے دھکیلتے ہوئے خلیفہ پر دھاڑے تھے۔ اس نے اطمینان سے شانے اچکا دیے۔

"میں اب بھی اپنے لفظوں پر قائم ہوں اور آپ کے ساتھ وفادار ہوں۔ دیکھو میں آپ کو نہیں مار رہا نہ ہی میں نے اسے آپ کو ختم کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ یہ تو وہ خود ہی تھا جو کہہ رہا تھا کہ اسے آپ کو اس دنیا سے مٹانا ہے۔"

وہ لڑکا ایک بار پھر سمندر خان کو قابو کر چکا تھا۔ اس بار اس نے گولی چلائی تھی جو سمندر خان کے گھٹنے کو ناکارہ

کر گئی۔ "تم جیسے انسان کو اس دنیا میں زندہ رہنے کا بھی کوئی حق نہیں ہے۔ میں تمہیں اپنی خوشی اور رضا سے مار رہا ہوں کیونکہ میں اپنی تذلیل بھولا نہیں ہوں۔"

سمندر خان اچانک لگتی گولی سے زمین پر گرے تھے۔ساؤنڈ پروف ہونے کی وجہ سے اندر مچتے وبال سے باہر کھڑے سمندر خان کے کتے بالکل انجان تھے ورنہ تو اب تک وہ بھونک چکے ہوتے۔

"الوداع خان!"

خلیفہ نے دور سے ہاتھ ہلاتے ہوئے ایسے کہا تھا جیسے وہ کسی سفر پر جا رہے ہوں اور وہ سفر ہی تو تھا اپنے تمام گناہوں کے حساب کتاب کا سفر، ان تمام آہوں کے جواب کا سفر جو انہیں بری طرح لگ چکی تھیں۔ان کے عقب میں کھڑے لڑکے نے تیز دھار چاقو نکال کر ان کی گردن پکڑی اور پوری قوت سے ضرب لگا دی۔سمندر خان کھلی آنکھوں اور شاکڈ چہرے کے ساتھ منہ کے بل نیچے گرے تھے۔ان کا گندا خون جا بجا کارپٹ پر پھیلنے لگا۔

"تم نے اچھا کام کیا فیروز، ویل ڈن۔"

وہ اس کا شانہ تھپتھپاتے ہوئے پنجوں کے بل بیٹھا اور اپنی دو انگلیاں سمندر خان کی ناک کے قریب کر دیں۔وہ ساکن تھا۔

"نیا سفر مبارک۔"

بس اتنا ہی آسان تھا اس تمام معاملے کو ختم کرنا، کوئی ایک بھی اندر کا غدار نکل آئے تو برائی یوں ہی ایک وار کی مار ہوا کرتی ہے جس طرح سمندر خان ہوا تھا۔

اپنی مخصوص دھن بجاتا ہوا وہ فیروز کو پیچھے آنے کا اشارہ کر رہا تھا۔چاقو کو سمندر کی پشت پر پھینک کر آستین کو ہونٹوں پر رگڑتے ہوئے اس نے خلیفہ کی تقلید کی کہ سابقہ بارہ سالوں سے ایک وہی تو تھا جس کے قدم پر اپنے قدم رکھنا گویا وہ فرض سمجھتا تھا۔دروازہ بند ہوا۔بالکل اسی طرح جس طرح سمندر خان کا دل بند ہوا تھا۔

قصہ ہی ختم۔

☆......☆......☆

"ہمیں ان کے مین اڈے پر حملہ کرنا چاہیے۔"

جینز شرٹ میں ملبوس کیپ سے خود کے چہرے کو سجائے ثاقب نے اس عجیب وہ غریب پسماندہ علاقے کا راؤنڈ لیتے ہوئے کہا تھا جہاں دکانوں کے باہر اور اندر لوگوں کا جم غفیر موجود تھا۔ سیاہ فام کھچڑی بالوں اور پیلے دانتوں والے وہ لوگ وہاں کے باسی تھے جہاں قدرت نے انہیں جنم دیا تھا۔ ملک، شہر، علاقہ اور ماحول نے انہیں اسی روپ میں ڈھال دیا تھا جس کے رنگ میں ان کے آباؤاجداد رنگے تھے۔ کھلی کھلی لیدر کی پینٹیں اور ڈھلی پرنٹڈ شرٹس میں گنجے لڑکے یہاں سے وہاں ہاتھوں میں گلی ڈنڈا لیے بھاگ رہے تھے شاید وہ یہاں کا کوئی مقامی کھیل کھیل رہے تھے۔ ان میلے کچیلے لڑکوں پر ایک اچٹتی نگاہ ڈال کر ثاقب، حفیظ سے مخاطب ہوا تھا جو اس کے برابر ویسا ہی بنا چل رہا تھا۔

"دیکھتے ہیں جو لوکیشن ہمیں معلوم ہوئی ہے ان میں دو جگہوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بہت غور و خوض کرنا پڑے گا کہ کونسا مقام زیادہ اہم ہے۔"

اس نے ایک طویل نگاہ اس بلند و بانگ بلڈنگ پر ڈالی تھی جو اس پسماندہ جگہ پر کسی شہزادی کی طرح سر تانے کھڑی تھی۔ گویا ان پر اپنا رعب ڈال کر راج کر رہی ہو۔ وہ سفید بلڈنگ جس کے شیشے دھوپ کی تمازت سے تاروں کی طرح ٹم ٹم کر رہے تھے کڑی نگرانی میں تھی۔ کسی حسین دوشیزہ کی طرح اس کا خیال کیا جا رہا تھا۔ مین گیٹ بہت ساری قدغنوں سے لدا تھا۔ چھوٹی چھوٹی چوکیاں اور بندوق تانے گارڈز اس بلڈنگ کے ہر فلور پر پہرہ دیتے یہاں سے وہاں ٹہلتے نظر آ رہے تھے۔ حفیظ نے چیلنجنگ نگاہ اس عمارت پر ڈالی۔

"سب سے زیادہ اہم معروش اور نانو کا پتا لگانا ہے کہ آیا وہ دونوں ساتھ ہیں یا جدا جدا۔ ہمیں فوراً نانو کی لوکیشن بھی ٹریس کرنی ہوگی۔ ان کے اندر لگی چپ زندہ ہے یا نہیں۔ پتا لگواؤ اس بات کا، مجھے لگتا ہے فورس کو دو حصوں میں بانٹ دینا ہی عقل مندانہ فیصلہ ہے۔ یوں دشمن بوکھلا جائے گا۔"

ثاقب کو آرڈر دیتے ہوئے وہ آنکھیں چھوٹی کیے اس عمارت کو تک رہا تھا جب اس نے کچھ بہت ہی بھیانک دیکھا۔ ایسا کہ اس کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

"اوہ۔۔۔مائی۔۔۔گاڈ۔" لفظ تھے کہ خطرے کی بُو۔ ثاقب یکدم الرٹ ہوا۔ اس کا موبائل کو چھوتا ہاتھ حفیظ کے تحیر میں کہے گئے لفظوں پر تھم گیا، جم گیا۔ وہ انہیں جمے اور تھمے ہوئے ہاتھوں سے حفیظ کی طرف گردن

موڑ کر دیکھ رہا تھا، دیکھنے کے بعد کہہ رہا تھا۔

"سب ٹھیک ہے سر؟ یقیناً نہیں ہمیں یہاں سے چلنا ہوگا۔" وہ متحیر حفیظ کا ہاتھ تھام کر دوسری سمت مڑ گیا تھا اس سمت جہاں ان کی پشت تھی۔ وہ لمبے ڈگ بھرتا حفیظ سے ایک بار پھر سے مخاطب ہوا۔

"آپ نے کیا دیکھ لیا ہے سر، کیا ایسی کوئی چیز جو بہت مفید ثابت ہونے والی ہے یا پھر اس کا تعلق کسی انسان سے جڑا ہے۔"

یہ وقت دن کی جوانی کا وقت تھا۔ عروج پر پہنچا دن اپنے اندر ایسا بھیانک منظر قید کر بیٹھا تھا جس نے چند لمحوں کیلئے حفیظ کے حواس سلب کر لیے تھے۔ وہ دانتوں کو سختی سے آپس میں رگڑتے ہوئے سرد لہجے میں بولا۔

"آج کی شام تاریخی ہوگی، ثاقب فوج کو تیار کرلو ہم عصر کے بعد مشن پر نکلیں گے۔" اس کے سوال کو یکسر نظرانداز کرنے کے بعد وہ دو قدم آگے چلتا کہہ رہا تھا۔ ثاقب یہ آرڈر سن کر چونکا۔

"مگر کیسے، پلان تو رات کا تھا نا؟" اس اچانک کی تبدیلی نے اسے الجھن میں مبتلا نہیں کیا تھا کہ ایسے آرڈرز تو وہ لوگ ہمیشہ سے ہی سنتے آتے تھے۔ بس ایک تجسس غالب تھا جس کو پیراہن میں ڈھالنے کیلئے وہ سراپا سوال ہوا۔ حفیظ اس کے سوال پر گول سورج کے نیچے کھڑا بول اٹھا۔

"رات میں برائی زیادہ محتاط ہوتی ہے۔ ہمیں ان کے محتاط ہونے سے پہلے ہی اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا ہوگا۔ جانتے ہو میں نے کیا دیکھا؟"

چلتے چلتے وہ اچانک رکا تھا۔ ایسے جیسے ٹرین کی چابی کسی نے کھینچ دی ہو۔ ثاقب اس سوال پر شانے اچکا کر رہ گیا۔ "میں کیسے جان سکتا ہوں بھلا۔"

حفیظ کی مسکان کھلی دھوپ میں کسی درویش جیسی تھی۔ وہ درویش اپنے ساتھ چلتے مرید سے کہہ رہا تھا۔

"گناہوں کی دنیا کا ایک اکا۔۔ اُم۔۔ ہم۔۔ ایک اہم بلکہ اہم سے اہم ترین اکا ابدی نیند جا سویا ہے اور مجھے سو فیصد یقین ہے اسے مارنے والا اور کوئی نہیں بلکہ اس کا اپنا ایک ساتھی ہے۔"

حفیظ کی خبر پر ثاقب پرجوش ہوا۔ اس کی پرجوشیت دیکھنے کے لائق تھی۔

"آپ کا مطلب ہے "ایس" کو "کے" نے مار دیا؟" وہ رک کر اس کے سامنے آیا اور آدھے سے زیادہ

مشن یونہی مکمل ہوتا دیکھ کر حد درجہ خوش ہوا۔ ترقی پرسنٹ سیلری میں اضافہ مبارک ہوتا قب!

"تم درست ہو۔" حفیظ جس تیزی سے آگے بڑھا تھا اتنی ہی تیزی سے کوئی چلتا ہوا آ رہا تھا۔ نہیں نہیں وہ کوئی حفیظ کے آگے سے نہیں آ رہا تھا بلکہ اس کا تعلق تو سمندر پار کے ایک شہر سے تھا۔ جگہ کو بدل دیتے ہیں، لوگوں کو بدل دیتے ہیں، کرداروں کو بدل دیتے ہیں، سین کو بھی بدل دیتے ہیں بالکل یہ قدیم لندن میں واقع ایک پینٹ ہاؤس کا منظر تھا جہاں براق شاہ ٹائی کو ڈھیلا کرتے ہوئے تقریباً بھاگنے کے سے انداز میں چل رہا تھا۔ اس کی منزل اسد تھا جو اس وقت ایک سرخ گیند والے کاؤچ پر بیٹھا کوئی گیم کھیلنے میں مصروف تھا۔ براق کے دھاڑ سے دروازہ کھولنے پر وہ اپنی آنکھیں اوپر کو اٹھا گیا۔ آنکھوں کے ساتھ ساتھ اس کی بھنویں بھی اٹھی تھیں جیسے پوچھ رہی ہوں کہ کیا افتاد آن پڑی ہے جو تمہارا نزول اس طرح ہو رہا ہے مگر سامنے والا بھی براق تھا جو اس کی بھنویں کی زبان پر لات مار کر آگے بڑھا اور جھک کر اس کا کالر دبوچ لیا بلکہ دبوچنے کے ساتھ اسے جھٹکا دے کر کھڑا بھی کیا۔

"میں اگر ایک مکا جڑ دیتا نا تیرے منہ پر تو واللہ سات دن تک تو نے کچھ کھانا نہیں تھا۔" کف نکالتے ہوئے وہ اسے جھٹکا دے رہا تھا۔ ایسا کرتے ہوئے اسد دوبارہ اس کے قریب آیا۔

"او بھائی ہوا کیا ہے، کیوں کھانے کو دوڑ رہے ہو؟"

پچھلے ہفتے کی ساری روٹین اور باتوں کو فٹافٹ جمع کرتے ہوئے وہ ایسے نتیجے پر پہنچا تھا جس نے آل سیٹ کا اشارہ اسے دیا تبھی وہ کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھ بیٹھا۔

"یعنی کہ واقعی اب بھی تو مجھ سے چھپائے گا اسد، کیا میں اس سب پر یقین کروں؟" براق کے لفظوں نے اس پر بہت کچھ عیاں کر دیا تھا۔ وہ زخمی مسکان لبوں پر سجائے انجانی پرت خود پر چڑھا کر بولا۔

" کیا چھپا رہا ہوں کس سلسلے میں۔" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی وجہ براق کا اسے خود میں بھینچنا تھا۔ اسد ٹس سے مس نہ ہوا، کوئی فیلنگز، کوئی محسوسات نہیں تھے جو اس کی روح کو چھوتے۔ وہ شاید بے حس ہو گیا تھا یا پھر صبر کی چوٹی تھی جسے اس نے فتح کر لیا تھا۔ تبھی براق کو خود سے الگ کیے وہ جلنے والی مسکان کے ساتھ بولا۔

"براق! میرے خیال سے بھابھی کی بے اعتنائی نے تمہارے حواس گم کر دیے ہیں تبھی بہکی بہکی باتیں

کر رہے ہو۔ بھول جا یار آگے بڑھ اور۔۔۔"

براق نے ایک بار پھر اس کی بات قطع کر دی۔ اس بار ایکشن نہیں تھا بلکہ الفاظ تھے جو سردی میں لپٹے ٹھٹھراتے ہوئے تھے۔ "مجھے رخسانہ کی ڈیتھ کا علم ہو چکا ہے اسد، اور افسوس ہے کہ یہ علم مجھے نیوز سے ہوا۔ اس سے بھی زیادہ دکھ تمہارے نہ بتانے کا ہے۔ ہم دونوں یہاں پر ایک ہفتے سے ہیں۔ مجھے لگ رہا ہے اس ایک ہفتے میں میرے سے بیکار شخص اس دنیا میں کوئی نہیں رہا ہوگا۔ ایسا ہی ہے نا؟"

اسد نے نظریں چرائیں بالکل ایسے جیسے وہ اپنے دل سے چراتا آیا تھا۔

"وہ ایک اچھی انسان تھی جو کچھ پل کو میری زندگی میں آئی، آ کر چلی گئی۔ اللہ کو یہی منظور تھا۔ اس کی رضا میں، میں راضی ہوں اور تو کیوں اتنا اوور ری ایکٹ کر رہا ہے۔ تُو، تو خوش ہو، تیرا بھائی بند نہیں گیا ویسے میں نے عورت کو اس دنیا کی سب سے ٹیڑھی چیز پایا ہے۔"

بے وجہ ہنستے ہوئے وہ بغلول لگ رہا تھا، بیوقوف اور بزدل بھی، براق کا بوجھل سانس فضا میں منتشر ہوا۔

"یک طرفہ محبت کی آگ میں جھلسا ہوا انسان کیسا ہوتا ہے اس سے تُو واقف ہے۔ میں تیرے سامنے جاوید مثال ہوں، عبرت اور نصیحت کیلئے شاید میں کافی ہوں۔ مجھے نہیں لگتا اس تکلیف کی شدت کا اندازہ مجھ سے زیادہ کسی کو ہوگا۔ بس تجھے ایک بات کہوں گا کہ اگر دل محبت کی دوڑ میں ٹہلا تھا تو اسے ٹہلتے ہی رہنے دو بلکہ روک لو کیونکہ اگر یہ منہ زور گھوڑے کی طرح آگے بڑھتا گیا تو واپسی ممکن نہیں۔ تم خود کو بھلا دو گے اسد اور میں نہیں چاہتا میرا بھائیوں جیسا دوست خود سے ہی بچھڑ جائے۔"

اسد لب بھینچے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔ محبت کی شاید شروعات تھی یا دل اتنا زیادہ نہیں لگا تھا یا پھر یہ انتہا تھی جس نے اسے تھما دیا تھا۔ رخسانہ مر گئی ہے یہ حقیقت ہے مگر وہ کسی کے اندر زندہ ہے اس بات سے کوئی واقف نہیں تھا۔

"اتفاق کرتا ہوں تمہاری باتوں سے، ٹرسٹ می میں ابھی اتنا آگے نہیں بڑھا تھا کہ روگ لے کر بیٹھ جاتا۔ شاید یہ میری میچورٹی کی انتہا ہے کہ ایک بار دل ہلکا کرنے کے بعد میں ساکن ہو گیا ہوں۔ وہ ہے یا نہیں ہے اس سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا اب۔ اور ہاں یہ اپنے چہرے کے زاویے درست کر، مجھے زہر لگتا ہے تو جب شکی

نگاہوں سے دیکھتا ہے۔"

وہ واپس کاؤچ پر بیٹھ گیا تھا۔ براق کے پاس الفاظ ختم ہو گئے۔ وہ جانتا تھا اس لمحے بلکہ گزشتہ تمام لمحات میں اسد ڈسٹرب رہا ہے مگر وہ خود کو مضبوط ظاہر کر رہا ہے یہ اچھی چیز ہے یہ اچھا سائن ہے۔

"نہیں دیکھتا، یہ بتا شادی کب کرے گا؟"

اسد کا قہقہہ بیساختہ تھا۔ اس قہقہے کا کھوکھلا پن براق کو اپنے قہقہے کے مشابہ لگا۔ جو وہ کبھی کبھی لگا دیا کرتا تھا۔

"شکی آدمی! شادی کیلئے ایک صنف نازک درکار ہوتی ہے جو آپ کی اطلاع کیلئے عرض ہے ابھی میری زندگی میں موجود نہیں۔ جب ہو گی تو سب سے پہلے تجھے ہی بتاؤں گا بلکہ سچ کہوں اب تو شادی سے دل ہی اوب گیا ہے۔ کوستا ہوں اس وقت کو جب تجھے شادی کیلئے فورس کیا کرتا تھا۔"

وہ اس کی ناکام شادی کا ذکر کر رہا تھا۔ براق کو ایک بار پھر سولیم کی بے حسی پر تاؤ آیا۔ کیا ہو جاتا اگر وہ ایک فون کال ہی کر لیتی۔ کم از کم آج یوں اسے ناکام شادی کا طعنہ تو نہ ملتا۔ اس کا دل دکھ گیا۔ اس دکھی دل کی آہ اسد کی دل سے لگی اور وہ ٹپٹا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میرا وہ مطلب نہیں تھا براق! یعنی میں کہنا چاہ رہا تھا کہ بھابھی کو اتنا سنگدل نہیں ہونا چاہیے۔ تمہاری قدر نہ کریں، تمہاری محبت کی تو کریں۔ اچھا ٹھیک ہے میں کر رہا ہوں شادی۔ انکل نے میرے لیے زینب کو تجویز کیا ہے، میں اس کے بارے میں سوچ رہا ہوں وہ اچھی لڑکی ہے۔ تم بھی تو اسے جانتے ہو۔ کس کی کال ہے خبردار اگر تو نے یہ کال ریسو کی تو۔" وہ پشیمان سا بول رہا تھا جب براق کا سیل فون بج اٹھا۔ اتنی اس کے موبائل کی سکرین نہیں چمکی تھی جتنا نام دیکھ کر براق کا چہرہ چمک اٹھا تھا۔ لمحوں میں اندر چھائی کلفت ہوا میں تحلیل ہوئی اور دل شاداب ہو گیا۔ وہ کال ریسیو ہی کرنے والا تھا جب اسد نے موبائل جھپٹ کر کال کو مصروف کر دیا۔

"یہ کیا، کیا تو نے؟" براق یکدم چیخ اٹھا۔ اسد نے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"میں نے کہا ہے براق شاہ، تم اس عورت کی اچھا بھئی بھابھی کی کال پک نہیں کرو گے۔" براق کے آنکھیں دیکھانے پر وہ اچانک تصحیح کرتے ہوئے بولا۔

"تم جانتے ہو نا میں کتنا ڈیسپریٹ ہوں ان سے بات کرنے کو۔" براق کچا چبا جانے والے انداز میں بولا

بلکہ غور کیا جائے تو نادیدہ اسد براق کے دانتوں تلے پس ہی رہا تھا۔

"تبھی وہ تمہیں جوتی کی نوک پر رکھتی ہیں۔" اس نے جل کر کہا۔ اس کے لفظوں کے جلے پن کی بُو اس کمرے کی مہک کو زائل کرنے لگی۔

"بکواس بند کر اپنی اور سیل فون دے۔ کوئی ضروری بات بھی ہو سکتی ہے۔" دوبارہ کال آنے پر وہ الرٹ ہوا تھا۔ موبائل کو کھینچ کر تیز قدموں سے اس کمرے سے باہر آیا اور بالکونی کی گرل تھام کر بلکہ اپنے دھک دھک دل کو بھی تھام کر وہ انگوٹھے کو سبز بٹن کی اور سلائیڈ کر گیا۔ فون کو کان سے لگایا اور لبوں کو حرکت دی۔

"سلام!"

☆......☆......☆

بلٹس سے بھری جیکٹ کو خود پر چڑھاتے ہوئے لیران کی آنکھوں میں ایک عزم طاری تھا۔ ایسا عزم جو اُس کے دل کو سکون پہنچا دے۔ اس کے سامنے لیرا کھڑی تھی جس کے چہرے پر ڈر غالب تھا۔ ڈر لیران کو کھو دینے کا، ڈر اپنے باپ کے لقمہ اجل بننے کا، ڈر پرانی محبت کے فنا ہونے کا۔ وہ جانتی تھی آج لیران سب کچھ ختم کرنے والا ہے۔ آج وہ اپنے مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے والا ہے۔

"کیا تم وہ سب کر پاؤ گی جو کرنے کی ٹھان چکی ہو؟" لیران کی آواز اس خفیہ کمرے میں گونجی تھی۔ اس لڑکی کی آیا ماں اوپر کچن میں بٹیر تلنے میں مصروف تھی۔

"میرے لیے مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں، میں تمہاری رہنمائی کرنے کیلئے تیار ہوں۔"

اس کی آواز ٹھوس چٹانوں جیسی تھی۔ لیران نے بوٹوں کے تسمے باندھے، باندھنے کے درمیان بولا۔

"اور تم ایسا کیوں کر رہی ہو؟"

اس کا جواب تسموں کے ملن کو ادھورا چھوڑ گیا۔ لیران نے اچانک گردن اٹھائی۔

"کیونکہ میں تم سے محبت کرنے لگی ہوں۔"

اس نے گرہ لگائی، وصال بخشتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تھا۔ اس بڑی آنکھوں والی لڑکی کو سر تا پا دیکھا۔ وہ خاکی پینٹ اور سبز بٹنوں والی شرٹ میں اچھی لگ رہی تھی۔ اس کے بازو کہنیوں تک فولڈ تھے اور بال ہر روز کی طرح

کھلے ہوئے لیکن آج ان پر تکون کپڑے کا اضافہ ہوا تھا جو اس کے سر پر بندھا تھا۔ وہ سبز رنگ کا تھا اور اس پر سیاہ دھاریاں تھیں۔ لیران کے لب اسے دیکھ کر مسکرا اٹھے۔

"دل پر واقعی کسی کا اختیار نہیں، تمہارے جذبے کی قدر کرتا ہوں۔"

وہ اچانک جذباتیت میں آگے بڑھی بڑھنے کے بعد اس کے دونوں ہاتھ تھام گئی۔ "اور پذیرائی؟" اس سوال میں عجلت تھی دیکھی جانے والی عجلت۔ لیران نے نرمی سے اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں سے ہٹائے۔

"مجھے اس چیز کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ہوتی تو وہ تم ہی ہوتی جو میرے دل پر راج کرتی۔ تمہاری خوبصورتی بے مثال ہے۔"

اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں موتی چمکتے دیکھ کر وہ آواز میں روئی سی نرمی لے آیا تھا۔ لیرا نے لب کاٹے۔

"میں بھول جاتی ہوں کہ زندگی میں انسان کو ہر چیز نہیں ملتی پھر بھی ایسا کرتی ہوں۔ کتنی پاگل ہوں نا، خیر آؤ میں تمہیں تمہاری منزل تک لے جاؤں۔" ہیروں کی طرح چمکتی آنکھوں کی نمی کو اس نے انگوٹھے کو موڑ کر صاف کیا تھا۔ اب وہ مسکرا رہی تھی۔ ایسے جیسے کبھی بھی اس کے دل پر کوئی بوجھ نہ گرا ہو۔ اسے تکلیف نہ محسوس ہوئی ہو یا اس کا دل ٹوٹا نہ ہو۔

"میں چلنے کیلئے تیار ہوں۔ کیا تم ہو؟" اس کی حالت کے پیش نظر لیران نے فکرمندی سے پوچھا تھا۔ اس کی فکرمندی ایک بار پھر سے اس نیلے بالوں والی لڑکی کے دل کے تار چھیڑ گئی۔ ان تاروں کو اس نے وہیں تھامایا اور کہا۔

"لہجے میں بیگانگی طاری کر لو لیران، ورنہ تم جانتے ہو ہم جیسی لڑکیوں کے دل کتنی جلدی باغی ہو جاتے ہیں۔" اپنے شانے پر دو ڈوریوں والا بیگ ڈال کر وہ باہر کی اور قدم بڑھا گئی تھی۔ سیاہ جینز شرٹ میں ملبوس لمبا، وجیہہ لیران اس کے پیچھے ہولیا۔ خالی کمرے نے اس کی صدا سنی جو کہ یہ تھی۔

"تمہاری فکر بجا ہے مگر میں مجبور ہوں۔ تم ایک بہترین انسان ہونے کے ساتھ ساتھ میری بہترین دوست بھی ہو۔ کیا تم بھی مجھے اپنا دوست مانتی ہو؟" وہ اس کی بغیر چھت کی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ ہلکے آسمانی رنگ کی وہ کار اپنے اندر قوت پیدا کر کے آگے کی جانب بڑھی۔ وہ سڑک کی اور رواں دواں تھی جب لیرا نے اسے جواب دیا۔

"یقیناً میں ہوں۔ اگر نہ ہوتی تو تم میرے ساتھ نہ ہوتے۔ میں نے صدق دل سے تمہیں قبولا ہے۔"

وہ پھر سے پٹری سے اتر چکی تھی۔ لیران چند لمحے اسے تکتا رہا۔ وہ خوبصورت تھی، مشرقی لڑکیوں کی نسبت دراز قد اور حسین۔ اس کے کان کی لو کے ساتھ اوپر کو چڑھتی بالیاں اور ناک کے درمیان چھوٹی سی بالی بھی اسے بدصورت یا کراہیت آمیز نہیں بناتی تھی۔ اس کے ہاتھوں پر کھدے ٹیٹو اور بالوں کے رنگ خود کی جانب کھینچے تھے۔ وہ ایسی تھی کہ اس کی جانب متوجہ ہوا جاتا، اس کو دل دینے کے بارے میں سوچا جاتا، اس کی جانب بڑھا جاتا مگر تب جب مقابل دستیاب ہو یا پھر کردار کا ہلکا اور دغا باز ہو۔ وہ دونوں نہیں تھا۔ کردار کا ہلکا اور نہ ہی دستیاب۔ اس لیے اس نے اپنی نظریں پھیر لیں کہ ایسا کرنا ہی بہتر تھا۔ ایسا نہ کیا جاتا تو بہت غلط ہو جاتا۔

"تمہاری نظروں کی تپش بہت مسحور کن ہے۔ تم اچھا دیکھتے ہو۔" وہ اس کے نگاہ پلٹانے پر بولی تھی۔ لیران کھڑکی پر ہاتھ رکھے باہر دیکھنے میں مصروف تھا۔ اس کے لفظوں کو سماعت کی زینت بنانے کے باوجود وہ لب بستہ رہا۔ خاموشی کا دورانیہ بڑھا اور اس مغرور بلڈنگ کے آگے آ کر رکا جہاں وہ دونوں آج ایک مقصد کے تحت آئے تھے۔

"تم شیور ہو، اکیلے کالی دنیا کے لوگوں پر ہاتھ ڈالنا حماقت کے سوا کچھ نہیں۔ مجھے لگتا ہے ہمیں صحیح وقت کا انتظار کرنا چاہیے۔"

لیرا کی بات پر بلکہ نہیں اس کے خدشات پر لیران کے لب پُر اسرار طریقے میں ڈھلے۔ وہ اس کی طرف رخ کر کے کہہ رہا تھا۔

"کس نے کہا ہم اکیلے ہیں۔ دو لوگ کیا کبھی اکیلے ہوئے؟"

لیرا نے غور سے اسے سنا اور آخر میں مسکرا اٹھی۔ اپنی طرف کا دروازہ کھول کر وہ باہر آ رہی تھی۔

"تو چلو دوست، تاریخ لکھنے چلتے ہیں۔"

وہ دبی مسکان کے ساتھ باہر نکلا تھا۔ اس بات سے بے خبر کہ آج وہ لوگ واقعی اکیلے نہیں تھے۔ آج کے دن کا انتخاب بہترین انتخاب تھا۔ ارادے مکمل ہونے تھے اور بدلہ پورا۔

فوج تیار تھی۔ دھاوا بولا جانا تھا۔ گاڑیاں منزل کی طرف رواں دواں ہوئیں۔ بڑی بڑی آٹومیٹک رائفلز ہاتھوں میں تھامے جانباز میدان میں ٹوٹ پڑنے کو تیار ہوئے۔

"سر! ہم ٹارگٹ سے دو میل کے فاصلے پر ہیں۔ ہمیں بریفنگ دیں آگے کیا کرنا ہے۔" ثاقب جسے حفیظ نے دوسری ٹیم کا چارج دیا تھا حفیظ کے کان میں اپنی بات ڈالتا ہوا پوچھ رہا تھا۔ حفیظ نے کان میں لگی بلوٹوتھ کے ذریعے اس کے پیغام کو سنا اور کہا۔

"کرنا کیا ہے، اس دو میل کے فاصلے کو سمیٹو اور اللہ اکبر کہہ کر میدان میں اتر پڑو۔"

دونوں گاڑیاں ساتھ نکلی تھیں۔ دونوں کی منزل مختلف تھی مگر ٹارگٹ ایک ہی۔ حفیظ نے اسے جواب دینے کے بعد ایک آسمانی رنگ کی بغیر چھت والی کار کو اس بلڈنگ کے سامنے رکتے دیکھا۔ ان میں سے نکلتے نفوس نے اس کے لبوں پر مدھم مسکراہٹ دوڑا دی۔

"یو آر رائٹ مادام، اٹس شو ٹائم!"

اس کی مسکراہٹ میں کئی راز دفن تھے۔ ایسے راز جو اس کہانی کے اختتام کو ہلا دینے کیلئے کافی تھے۔ وہ راز جو نہ کھلتے تو بہتر ہوتا لیکن چلیں کوئی نہیں ان رازوں سے بھی پردہ فاش کیے دیتے ہیں کہ انتظار واقعی جان لیوا ہوتا ہے اور طویل انتظار انسان کو تھکا دیتا ہے۔ ایسا ہی ہے نا؟

وہ دونوں چپکے سے اندر داخل ہو رہے تھے۔ ان کے قدموں میں ایسی محتاطی تھی کہ دیکھنے والے اش اش کر اٹھیں۔ لیرا ہاتھ کے اشارے سے آگے آنے کا کہہ کر پسٹل تھامے اس سے چند قدم کے فاصلے پر چل رہی تھی۔

وہی لیرا جس کیلئے اس کے عقب میں چلتے انسان کی جان ہی سب سے عزیز تھی اور اپنی بیکار سے بیکار ترین۔

"تم نے ایسے ہی اس جگہ کو ہوا بنایا ہوا تھا۔ کچھ بھی تو نہیں ہے یہاں۔" چند ایک نکمے گارڈز کو یہاں وہاں سستی سے ٹہلتے دیکھ کر وہ جھنجھلاتے ہوئے بولا۔ اب تک نجانے کتنے چور راستے تھے جن پر سے وہ اسے لے کر جا چکی تھی۔ بالآخر ایک خالی گیلری نما تنگ جگہ پر آ کر وہ کہہ اٹھا تھا۔ لیرا نے مڑ کر اسے دیکھا۔

"تم اس جگہ کو انڈر اسٹیمیٹ نہیں کر سکتے۔ یہ خلیفہ کے خاص ذہن کی پیداوار ہے۔ ایک بھول بھلیاں ہے اس سے غداری کرنے والوں کا یہاں سے بچ نکلنا ناممکن ہے۔"

"بالکل تمہاری طرح لیرا۔"

اس آواز پر وہ بیساختہ بل کھا کر مڑی، مڑ کر اپنی جان گنوا بیٹھی۔ اس کے عین سامنے خلیفہ تبریز ہاتھوں پر

پر غلط پٹی انگوٹھے کو کراس کر کے لپیٹ رہا تھا۔اس کے مڑنے پر اس نے ہاتھوں کو نہیں روکا۔ہاں البتہ نظریں ضرور اٹھائیں۔لیرا کا سفید چہرہ اس کے مغرور چہرے پر مسکان دوڑا گیا۔وہ اسے پہچان نہیں پائی تھی۔دقت لگی تھی شناخت کرنے میں کیونکہ جو سامنے کھڑا تھا اس کے لمبے بال تھے اور نہ ہی اس کے چہرے پر داڑھی سجی تھی۔ جو سامنے کھڑا تھا وہ تو باریک بالوں اور شیو والا انسان تھا جس کی سنہری آنکھوں کی لو بجھتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ چہرے کے تاثرات سخت تھے مگر ساتھ ساتھ آزردہ بھی۔

"تت۔۔تم۔" اس کی آواز بہت مدھم تھی۔اتنی کہ وہ بمشکل خود کی بات بھی سن پاتی۔خلیفہ یونہی آنکھوں میں چنگاریاں اور لبوں پر مسکان دھرے اسے تکنے میں مشغول تھا۔گرے مائل سیاہ جینز پر ویسی ہی ٹی شرٹ پہنے وہ اس کے عقب میں موجود انسان کو دیکھ کر ستائشی انداز میں بولا۔

"ہاں میں،اتنی حیران نہ ہو لیرا۔تم پر اور تمہارے اس بوائے فرینڈ پر میری ہمہ وقت نظر تھی۔" وہ سر سے اس کی اور اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا جس کے لب اس انسان کو دیکھ کر بری طرح بھنچ چکے تھے۔

"خلیفہ کو اتنا غافل مت سمجھا کرو۔خلیفہ حال کو ساتھ لے کر چلنے والوں میں سے ہے۔کہو اے حسینہ،کس طرح تمہیں موت دی جائے۔"

وہ یکدم لیران کی اوٹ میں ہوئی۔وہ لیران جس کے چہرے کے نقوش تنے سے تھے اور جو اپنی پسٹل پر گرفت مضبوط کر چکا تھا۔

"جب تک یہ میرے ساتھ ہے تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔"

خلیفہ اس کی طفل بات پر قہقہہ لگا کر ہنسا۔اس کا قہقہہ سماعت کو پھاڑ دینے والا تھا۔لیران نے صبر کے جام کا آخری گھونٹ بھرا۔

"لائیک سیریلی۔یہ مچھر ایک شیر کو مارے گا امپاسبل۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔اس بات سے بے خبر کہ رات کے اس پہلے پہر میں اس کی زندگی کو پہرہ لگانے کی تیاری کی جا چکی ہے۔سیاہ سوٹ والے جانباز چاروں اور سے خاموشی کے ساتھ اس کے کئی بندوں کو ابدی نیند سلا کر چیونٹیوں کی طرح پھیل چکے ہیں۔

"بھولو مت خلیفہ،نمرود جو اپنے وقت کا جابر بادشاہ تھا،ایک مچھر کا شکار ہی ہوا تھا۔وقت نے ایک بار پھر

سے چکر کھایا ہے۔ آج تم نمرود ہو اور میں وہی مچھر۔"

خلیفہ نے شانے اچکائے، شانوں کے ساتھ بھنویں بھی اچکی تھیں۔

"اف۔۔۔ تمہارے لفظوں کیلئے دس توپوں کی سلامی اور تمہاری اعتماد کیلئے تو اکیس توپ بھی کم پڑیں گے پیارے لیران، میرا مطلب ہے نوفل خان۔"

وہ یکدم کڑے تیوروں سے آگے بڑھا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ خلیفہ پر وار کرتا خلیفہ نے اس کا بازو تھام کر جھٹ سے اسے سینے سے لگا لیا۔

"نہیں نوفل نہیں میرا فیروز خلیفہ کا چھپا ہوا وار۔" وہ سیاہ سوٹ والا جس کے تیور کڑے تھے جو لیران تھا، نوفل تھا اور فیروز بھی اب خلیفہ کے سینے سے لگا ہنس رہا تھا۔ اس کی ہنسی اس کے عقب میں کھڑی لڑکی کے حواس مختل کر رہی تھی۔ اس کا وجود زلزلوں کی زد میں آیا اور آنکھیں بے یقینی سے پھٹ گئیں۔

زمین ہل گئی، آسمان ہل گیا، سب تھم گیا سوائے ان تین نفوس کے جو الگ الگ جذبات کے ساتھ ایک دوجے کے سامنے کھڑے تھے۔ جن کے مقاصد بھی مختلف تھے اور ارادے بھی الگ۔

"یہ۔۔۔ ممکن نہیں ہے۔" لیرا کی آواز دور کھائی سے آئی تھی۔ جسے سن کر اس سے الگ ہوتا نوفل افوہ یعنی فیروز خان سیٹی بجاتا ہوا اس کے سامنے آن رکا۔

"کیونکر ممکن نہیں ہے پیاری لیرا؟" وہ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے پوچھ رہا تھا۔ خلیفہ نے سینے پر ہاتھ باندھے۔ یہ وقت اچھا تھا یہ منظر دلچسپ ترین۔ وہ اس کی آنکھوں میں اپنی سیاہ آنکھیں مدغم کیے بدلی ہوئی ٹون سے بول رہا تھا۔ وہی چہرہ، وہی آواز، وہی لہجہ، وہی انداز مگر سب کچھ بیکار۔

"تم نے کہا تھا تم اسے مارنا چاہتے ہو۔ ہاں تم نے یہی کہا تھا۔" وہ کہتے کہتے اچانک ہنس پڑی تھی یا پھر یہ کہنا چاہیے کہ ایکٹنگ کا ڈراپ اینڈ کرنے کے بعد کھلکھلا اٹھی۔

"ویل، تم نے اچھا کردار نبھایا لیرا، میں کہنا چاہوں گا امبر۔" خلیفہ نے اسے آنکھ ماری تھی۔

بار برزخ میں یہ تین کردار تھے جو حقیقتاً زندہ رہے تھے۔ باقی رہا شیون تو اس باغی کو اور جیمز کو خلیفہ کے مشورے پر ہی ابدی نیند سلایا گیا تھا۔ جیمز کی باری میں اگر ضد لگایا جائے مشورے کی بجائے تو زیادہ بہتر رہے گا۔

"تمہارے لیے کچھ بھی خلیفہ۔" ایک ادا سے کہنے کے بعد اس نے لٹاتی نگاہیں اس انسان (فیروز) پر ڈالیں جو اس کا سالوں سے بوائے فرینڈ تھا۔

"جانتا ہوں تمہاری وفاداری کو، سمندر کو سمندر میں ڈلوادیا؟" اس سے بات کرنے کے بعد وہ لیران عرف فیروز سے پوچھ رہا تھا جو سر ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بالکل جیسا آپ نے کہا ویسا ہی کیا گیا۔" سمندر خان کو قبر سے خوف آتا تھا اور ان کی وصیت تھی کہ وہ جب بھی دارِ فانی سے کوچ کریں انہیں دفنانے سے پرہیز کیا جائے۔ ان کی یہ خواہش خلیفہ کی میز کی دراز میں محفوظ تھی۔ اسی خواہش کے احترام پر اس نے سمندر خان کو پانیوں کی تہہ میں چھڑوا دیا تھا۔ عجیب انسان ہے نا، گناہ کرتے ہوئے تھکتا نہیں۔ اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق پر راج کر کے خود کو ہی اول سمجھ بیٹھتا ہے۔ بے خوف ہو کر ظلم کی انتہا کرنے کے بعد جب قضا کے بارے میں سوچا جاتا ہے تو جھرجھری آجاتی ہے۔ قبر کا خوف، منکر نکیر کے سوالات اور سب سے بڑھ کر اس پاک پروردگار کا سامنا کرتے ہوئے ڈر ستانے لگتا ہے۔ پھر ہر اس چیز سے بھاگا جاتا ہے جس کا خوف دل کو جکڑے ہوئے ہوتا ہے لیکن کیا وہ سب بھول گئے ہیں کہ بیشک خود کو جلا کر ہوا میں تحلیل کروالیا جائے یا پانیوں میں ملوالیا جائے وہ تمہارے ذرے ذرے کو اکٹھا کرے گا اور پھر تم کو دوبارہ وجود دے کر وہ سب عمل کروائے گا جن کو کروانے کا اس نے کہا ہے۔ پھر تم ہو گے اور ہوا، پانیوں میں تمہاری چھوٹی سی قبر۔۔۔ بھلا اصل سے کبھی فرار حاصل ہوئی ہے انسان کو؟ بتائیں!

"تمہارے آدمی بہت بے رحم ہیں خلیفہ۔" وہ انہی لوگوں کی بابت بات کر رہا تھا جو مار مار کر اس کا بھرکس نکال چکے تھے۔ خلیفہ اس بات پر فلک شگاف قہقہہ لگا گیا۔

"یہ آخری بار تھا اب کے بعد تمہارے ساتھ ایسا کچھ نہیں ہوگا، ٹریننگ کا اختتام ہوا کیونکہ تمہارا بدن اب لوہے کی طرح مضبوط ہو چکا ہے اور کیا تم سننا چاہو گے ہر بار کی طرح اس بار بھی تمہیں زک پہنچانے والے جہنم واصل کیے جا چکے ہیں۔"

خلیفہ جن لوگوں کو اپنی تحویل میں لیتا تھا پھر ان کی شامت آجاتی تھی۔ سال میں ایک بار ان لوگوں کی دھلائی ہوتی تھی یہ اس لیے تھا تاکہ وہ سخت جان بنیں اور ہر مشکل وقت کو آسانی سے کاٹ لیں۔ یہ عنایت فیروز کیلئے ہی

تھی کہ ہر سال اسے مارنے والے خود خلیفہ کے ہاتھوں مرجایا کرتے تھے۔کیوں؟ کیونکہ خلیفہ کو فیروز پسند تھا۔

"ٹھیک ہے اب تم دونوں یہاں سے سامان سمیٹ کر نکل جاؤ۔واثق امید ہے کہ کل پاکستانی اور غیر ملکی ایجنسی یہاں پر حملہ کرے۔میں نہیں چاہتا ہمارے زیادہ اور اہم لوگ ان کے ہاتھ لگیں۔زیادہ لوگ رہ بھی کہاں گئے ہیں فقط تم دونوں کے۔مجھے خوشی ہے کہ تم دونوں یہ کام چھوڑ کر اپنی نئی زندگی شروع کرنے کا سوچ رہے ہو۔ یقین کرو اگر کل کے بعد میں زندہ اور آزاد بچ گیا تو تمہاری شادی ضرور اٹینڈ کروں گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔جب اچانک بہت ہی اچانک اس کی ناک نے وہ سونگھا جو نہیں سونگھنا چاہیے تھا۔اس کے حواس یکدم بیدار ہوئے۔وہ فیروز کے بولنے سے پہلے ہی اسے ہاتھ کے اشارے سے چپ کروا گیا۔بارود کی ملی جلی بُو اور بغیر آواز کے قدموں کی دھمک نے سیکنڈ میں اس پر سب واضح کر دیا تھا۔اس کی شریان پھڑکنے لگی۔

"شش۔۔۔سنو دشمن ہمیں گھیر چکے ہیں۔ان کی محتاطی کو سنو۔ہوا میں تحلیل اس بُو کو محسوس کرو جو ہم تک یہ پیغام لے کر آئی ہے کہ ہمارے سارے بندے مارے جا چکے ہیں۔تم دونوں کو فوراً یہاں سے نکلنا ہوگا۔"

وہ فیروز کو آگے دھکا دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔اس کے انداز میں عجلت سے زیادہ بے چینی تھی۔وہ بے چینی جو فیروز کو ٹھٹکا گئی۔دو قدم آگے بڑھا کر وہ رک گیا تھا۔

"میں ایسا نہیں کروں گا۔میری چھٹی حس الارم کر رہی ہے۔"وہ بضد ہوا۔خلیفہ نے دانت کچکچائے تھے۔

"فیروز،مت بھولو میرا حرف ہی آخر ہوتا ہے۔مجھے انکار کرنے والے لوگ زہر لگتے ہیں جو کہا ہے جیسا کہا کرو۔سمجھ آئی؟"وہ دھاڑا تھا۔

فیروز اس کی دھاڑ سے مغلوب ہونے کے بعد ضبط سے بولا۔"میں ائیر پورٹ پر آپ کا انتظار کروں گا۔"

وہ امبر کا ہاتھ تھام کر آگے کو دوڑا تھا۔خلیفہ بنا مڑے ان لوگوں کو وہاں سے جاتا ہوا محسوس کرتا گیا۔ان کے جانے کے بعد وہ اس تنگ سی گیلری میں زمین پر بیٹھ گیا تھا۔

اس کے دل میں ایک انجانا سا خوف تھا۔وہ خوف جو پچھلے پانچ دنوں میں اس کے دل میں کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔وہ خوف کیا تھا؟ کیا وہ موت کا خوف تھا یا پھر اپنے ہار جانے کا؟ نہیں وہ ان میں سے کسی چیز کا بھی خوف نہیں

تھا بلکہ اس کا تعلق معروش کو کھو دینے سے تھا۔ وہ معروش جس کیلئے اس نے واقعی خود کو تبدیل کر لیا تھا۔ وہ خلیفہ تبریز سے صرف ایک انسان بن کر رہ گیا تھا۔ ایک نارمل انسان! اسے گزشتہ پل یاد آنے لگے جو کہ یہ تھے۔

یہ آج صبح کی ہی بات تھی جب وہ معروش کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس وقت سر پر اونچا جوڑا باندھے توبتہ النصوح پڑھنے میں مصروف تھی۔ جب کھٹکے کی آواز پر اس نے سر اٹھا کر دیکھا۔ خلیفہ مسکراتے ہوئے چہرے کے ساتھ اس کے سامنے تھا۔

"پوچھ سکتی ہوں اتنی صبح یہاں کیا کر رہے ہو؟" سرسری نظر اس پر ڈالنے کے بعد وہ سراپا سوال ہوئی۔ خلیفہ شانے اچکا کر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم پوچھ سکتی ہو آخر کو ایک تم ہی تو ہو جسے یہ اختیار حاصل ہے۔" وہ حسبِ معمول ٹانگ پر ٹانگ چڑھا چکا تھا۔ معروش نے ٹھاہ کی آواز کے ساتھ کتاب کو بند کیا اور اپنے ازلی بے مروت لہجے میں بولی۔

"خلیفہ! تمہیں سب سے اچھی زبان کون سی سمجھ میں آتی ہے؟"

اس کے اتنے سنجیدہ انداز میں پوچھنے پر بہت دلفریب مسکان خلیفہ کے لبوں کا احاطہ کر گئی۔ وہ اسی متبسم لبوں سے اسے جواب دے بیٹھا۔

(ڈرامہ کوئین)

"یوں تو مجھے بارہ زبانیں آتی ہیں لیکن جو دل کو لگتی ہے اسے محبت کی زبان کہتے ہیں۔" وہ شاید موڈ میں تھا تبھی ترنگ میں بول گیا۔ معروش نے ضبط کیا تھا جو خلیفہ کو بڑا بھایا۔

"اسی سوال کی توقع تھی۔ بائی داوے مجھے تم سے ضروری بات کہنی ہے۔ اس سے پہلے مجھے کہنے دو کہ آئندہ مجھ سے اس طرح ہم کلام مت ہونا۔ مجھے یہ حرکتیں زہر لگا کرتی ہیں۔"

خلیفہ نے ٹانگ سے ٹانگ کو اتارا۔ وہ اس کی تمام باتوں کو بھلا بیٹھا تھا یاد تھا تو صرف اتنا کہ اسے اس سے کچھ ضروری بات کہنی ہے۔

"مدعے پر آؤ معروش، وہ کیا بات ہے جو تمہیں کہنی ہے؟" معروش کی آنکھوں کے سامنے وہ بال کھولے اور ضرورت سے زیادہ بڑھی ہوئی داڑھی کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اسے اس کی یہ حالت ایک آنکھ نہ بھائی۔ کیوں نہ بھائی

یہ تو وہ خود بھی نہیں جانتی تھی۔

"بات دراصل یہ ہے کہ میں چاہتی ہوں تم نانو کو پاکستان بھیج دو لیکن انہیں مجھ سے ایک بار ملوا ضرور دینا۔ تمہیں نہیں لگتا تمہاری داڑھی اور بال کچھ زیادہ ہی بڑھ چکے ہیں۔"

بات کرتے کرتے اس نے دل میں مچلتے خیال کو زبان دی تھی۔ خلیفہ ٹھٹک گیا۔

"ایسا اس لیے ہے کیونکہ انہیں ٹرم نہیں کیا گیا۔ کیا تم چاہتی ہو ایسا ہو؟"

وہ سر ہلاتی اسے جواب دے رہی تھی۔ "بالکل میں چاہتی ہوں۔ یہ بہت چھوٹے ہو جائیں۔ نانو کے بارے میں کیا سوچا ہے؟"

خلیفہ نے داڑھی میں ہاتھ چلاتے ہوئے اسے جواب دیا۔ "تم نے جو کہا ہے وہی ہوگا۔ اس کا تعلق دونوں باتوں سے ہے۔ کچھ دیر میں نانو تمہارے روبرو ہوں اور یہ بال ڈسٹ بن میں۔" وہ بہت آرام سے اس کی دونوں باتیں مان گیا تھا۔ حالانکہ اس نے سن رکھا تھا کہ خلیفہ کو اپنا یہ اسٹائل بہت پسند ہے۔ وہ کبھی بھی ان بالوں کو نہیں کٹواتا اور اب اس کے ایک بار کہنے پر وہ ہر بات مان رہا ہے۔ وہ الجھ گئی۔ اس الجھن کو زبان دی۔

"اتنی آسانی سے میری ہر بات کیوں مان رہے ہو تم۔ کیا کرنے جا رہے ہو خلیفہ؟" وہ اس کے چہرے کو ٹٹولتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ وہ اس کے اس مشکوک انداز پر ہنس پڑا۔

"ہو تو پولیس والی نا، تجسس تو رچ بس گیا ہے تم میں، مگر پھر بھی بتا دوں تمہارے لیے جان بھی حاضر ہے۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر آگے کو جھکتا کہہ رہا تھا۔ معروش نے اس کے اس انداز کو نوٹ کیا اور کہا۔

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے جیسے تم مجھے کچھ کہنا چاہ رہے ہو؟"

خلیفہ نے اس کی بات سن کر دروازے کی طرف دیکھا پھر نظریں جھکا کر بولا۔ "کہنا تو بہت کچھ چاہتا ہوں مگر تم ہو کہ نہ سن رہی ہو اور نہ ہی یقین کر رہی ہو۔" اس نے کچھ توقف کیا تھا اس کے بعد بولا۔

"غلطیاں انسان سے ہی سرزد ہوتی ہیں۔ مجھ سے بھی ہوئیں بس افسوس اس بات کا ہے کہ ان غلطیوں کے عوض میں نے تم کو کھو دیا، میں نے کہا تھا میرا ساتھ دو، مجھے سمجھو، میں سب چھوڑنے کو تیار ہوں لیکن شاید قدرت کو وہ منظور نہیں جو میں چاہتا ہوں۔ معلوم ہوتا ہے قدرت کی میرے ساتھ یہ جنگ طویل چلنی ہے، دکھ رہے گا ساری

زندگی اس بات کا کہ میں جو نا قابل تسخیر تھا ایک لڑکی کے ہاتھوں ہار گیا۔ اپنے اس گوشت کے لوتھڑے کے سبب گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو گیا جو بار بار تمہاری طلب کرتا ہے۔" وہ اپنے دل کے مقام پر مکا رسید کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ معروش کو وہ حواسوں میں نہیں لگا۔

"تم کیا کہنا چاہ رہے ہو خلیفہ؟"

وہ اس سوال پر سر جھٹک کر رہ گیا۔

"جانتا تھا تم نہیں سمجھو گی میرے الفاظ۔ تمہیں سمجھ بھی کب آتے ہیں۔ خیر میں شیو کرنے جا رہا ہوں اس دوران نانو تم سے مل لیں گی۔ جو کہنا سننا ہے کھل کر کہہ لو۔ اب پوشیدگی کی ضرورت نہیں رہی۔" وہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر اٹھ گیا تھا۔ معروش نے اسے دور جاتے ہوئے پکارا۔

"خلیفہ! تم ٹھیک نہیں ہو نا؟"

وہ ٹھیک ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ آج اس کا خان اس کی آنکھوں کے سامنے آخری سانس لے گیا تھا اور وہ خاموش تماشائی کی طرح اسے دیکھتا رہا، معروش کے اس سوال پر اس نے ٹھوڑی کو شانے پر ٹکایا اور کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اب ٹھیک رہنا بھی کون چاہتا ہے۔"

گولیوں کی بوچھاڑ زمین پر بیٹھے خلیفہ کی سماعت سے ٹکرائی تھی۔ اس سے زیادہ وہ آواز تھی جس نے اسے جھنجھوڑ دیا تھا۔

"نوفل!"

یہ پکار، یہ انداز، یہ عجلت، یہ پیاس، یہ درد اور یہ ہی شکوہ جو اس پکار میں پنہاں تھا خلیفہ کا دل مٹھی میں لے گیا۔ اس نے مڑ کر دیکھا تھا۔

ہم ٹوٹے بکھرے لوگ

پتھروں میں بھی محبت تلاش کرتے ہیں۔

☆......☆......☆

"السلام علیکم!"

وہ ہواؤں میں کھڑا اسے سلام کر رہا تھا جب فون کے اس پار سے آتی آواز نے اسے زمین سے اٹھا دیا یا یوں کہا جائے کہ اس کے پاؤں سے زمین کو سرکا یا تھا تو غلط نہ ہوگا۔

"براق! عبداللہ نہیں ہے، عبداللہ کہیں بھی نہیں براق، ہمارا بیٹا۔" سولیم کی روتی ہوئی آواز اچانک اس کے خوشگوار موڈ پر اوس گرا گئی۔ اس کی سولیم رو رہی تھی۔ اتنا زیادہ کہ براق کو اپنے سینے میں درد محسوس ہونے لگا اور روتے ہوئے وہ کیا کہہ رہی تھیں بھلا اس نے دل کو شانت کروا کر پوچھا۔

"سولیم، آپ کیا کہہ رہی ہیں اور اتنا۔" اس نے وقفہ دیا تھا کہ بولتے ہوئے اس کا دم گھٹنے لگا تھا۔ اس نے جلدی سے جیب میں ہاتھ مار کر مصنوعی سانس نکالا اور بات کو وہیں سے جوڑا۔

"اتنا رو کیوں رہی ہیں۔"

موبائل فون میں ایک بار پھر اسے اس کی آہ بقا شروع ہوئی تھی۔ وہ آہ جو براق کے دل کو مٹھی میں جکڑ کر اس کا سارا خون نچوڑ رہی تھی۔ وہ اس خون میں بھیگتے ہوئے اسے سن رہا تھا جو کہہ رہی تھی۔

"عبداللہ، کل صبح سے غائب ہے۔ وہ سکول کے بعد سے نہیں ملا۔ براق پلیز اسے آ کر ڈھونڈ دو۔ ہمارے بیٹے کو واپس لے آؤ۔ وہ بہت چھوٹا ہے۔"

سولیم زارو قطار رو رہی تھی اور رو کر جو اسے بتا رہی تھی اس نے اس کا کھڑا ہونا محال کر دیا۔ وہ گرل کو تھام کر نیچے بیٹھا تھا۔ سیل فون ہاتھ میں اتنا بھاری لگنے لگا مانو اس نے ماؤنٹ فیوجی کو پکڑ لیا ہو۔ وہ تیزی سے دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر اسے مسلنا شروع ہوا۔ اس کی رپورٹس ٹھیک نہیں آئی تھیں جس کے سبب وہ میڈیسنز پراپر طریقے سے لے رہا تھا۔ اس جھٹکے نے اسے اندر تک ہلا دیا۔ تمام دوا کا اثر بیکار گیا اور وہ واپس اسی کنڈیشن میں آ گیا جو پاکستان میں اس کی ہوئی تھی۔

"اسے کچھ نہیں ہوگا سولیم، ہم اسے کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ اللہ اسے کچھ نہیں ہونے دے گا۔ اللہ پر توکل رکھیں اور میرا۔"

اسے بولنے میں دشواری ہونے لگی۔ اس نے طویل سانس لیا۔

"میرا انتظار کریں، میں آ رہا ہوں۔" کہتے ساتھ ہی اس نے کال ڈسکنیکٹ کر دی۔ وہ ایسی جسارت اس لیے کر بیٹھا تھا کہ ہمت جواب دے گئی تھی۔ اس میں بولنے کی سکت مفقود ہوئی اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ وہ منہ کھولے لمبے لمبے سانس لے رہا تھا۔ اس نے بدقت تمام ہمت مجتمع کر کے اسد کا نمبر ڈائل کیا۔

اسد جو اس سے کچھ فاصلے پر کمرے کے ایک کونے پر رکھے کاؤچ پر بیٹھا گیم میں خود کو مصروف کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ براق کی کال پر ٹھٹکا گیا۔ لمحے کے ہزارویں حصے میں اسے کسی انہونی کا ادراک ہوا تھا تبھی وہ موبائل پھینک کر کمرے کو پھلانگتے ہوئے شیشے کو دھکیل کر گیلری میں آیا اور سامنے کا منظر دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا۔

"براق۔" وہ یک لخت اس کی جانب لپکا۔ براق نے ہاتھ کے اشارے سے اسے گولی کا کہا جسے سمجھنے سے پہلے ہی وہ اندر کی جانب دوڑا اور ایک کے بجائے دو گولیاں لا کر اس کی زبان کے نیچے رکھ دیں۔ ایسا کرنے کے بعد وہ اس کے ہاتھ مسل رہا تھا۔ براق کا ٹھنڈا ہاتھ اسے بہت بڑی گڑبڑی کا مژدہ دے گیا۔ وہ اس کے سٹیبل ہونے تک وہیں بیٹھا رہا اور پھر جب اس کی حالت سنبھلنے لگی تو وہ چھوٹتے ہی پوچھ بیٹھا۔

"پاکستان میں سب ٹھیک تو۔۔۔؟"

براق کی آنکھوں میں ابھرتی نمی اس کے الفاظ سلب کر گئی تھی۔ وہ جامد ہو گیا۔ بالکل ایسے جیسے برف باری ہونے کے ہفتوں بعد برف پتھر کی طرح جم جاتی ہے۔ وہ پتھریلی برف کا ٹکڑا جو ٹکٹکی باندھ کر براق کو دیکھ رہا تھا توقف کے بعد بولا۔

"کیا ہوا ہے براق؟" اس برف کی آواز بھی ویسی ہی تھی سرد و جامد۔

"عبداللہ، دو دن سے لاپتا ہے۔ ہمیں آج ہی جانا ہوگا۔" اس کی حالت کے پیش نظر اسد نے تمام سوالات کو نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ تمام سوالات جہاز میں بیٹھنے تک وہ طلحہ سے کر چکا تھا۔ خاموش، ٹھس، بے چین براق کے چہرے پر ویسی ہی زردی آئی تھی جیسے سالوں پہلے سویلم کے کھو جانے پر اس کے چہرے پر پھیلی تھی۔ اس کی آنکھیں اسی طرح ویران نظر آنے لگیں جیسے ساڑھے سات سال پہلے آتی تھیں۔ اسد نے کھڑکی سے باہر دیکھتے براق کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا۔ اس نے جنبش نہیں کی، یوں ہی سابقہ پوزیشن میں بیٹھا رہا۔

"حوصلہ رکھو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

براق کا ہاتھ ہنوز ٹھنڈا تھا۔ پاکستان پہنچنے تک اس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نہیں ہٹایا تھا۔ وہ دونوں تو سوئے بھی نہیں تھے۔ ایک ہی پوزیشن میں چپکے بیٹھے رہے۔ جونہی جہاز کے ٹائروں نے ایشیا کی زمین کو چھوا براق اس کے رکنے سے قبل ہی کھڑا ہو کر اپنا چمڑے کا بیگ اٹھا رہا تھا۔ دروازہ کھلنے تک وہ اسے اپنے شانے پر ڈال چکا تھا۔ تمام مسافروں میں سب سے پہلا وہ تھا جو دوڑتے ہوئے سیڑھیوں کو پھلانگ کر آگے بڑھ رہا تھا۔ ائیر پورٹ کے احاطے میں پہنچ کر وہ ناک کی سیدھ میں چلتا ہوا باہر آیا اور اسد کے بلائے گئے ڈرائیور کے دروازہ کھولنے پر گاڑی میں بیٹھ گیا۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا خطرناک حد تک سپاٹ، وہ خاموش تھا قابل اعتراض تک خاموش۔ اس کی خاموشی طویل تر ہوتی اگر اسد اسے پکار نہ اٹھتا۔

"براق، اندر چھڑتی جنگ میں خود کو مت گھول۔ میرے کان تیرے لفظ سننے کیلئے ترس گئے ہیں یار۔"

شفاف سڑک پر دوڑتی ان کی کار دائیں جانب مڑی تھی۔ اطراف میں کھڑے خوش آمدیدی انسانوں کی طرح وہ درخت براق کو اپنا مذاق اڑاتے ہوئے لگے۔ ان پیچھے چھٹتے درختوں پر نگاہ ڈالے وہ کہہ رہا تھا۔

"میں نے عبداللہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اس کی حفاظت کروں گا۔ میرا وعدہ کتنا بوگس نکلا۔ یہی غم مجھے ستائے جا رہا ہے میں کچھ کہنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔"

اس کے لہو لہو لفظ اسد کی سماعت ہی نہیں بلکہ پوری کار کو لہولہان کر گئے۔ اسد نے ہر ناشکرے انسان کی طرح کاش لفظ کا استعمال کیا اور اپنی سوچوں کو آلودہ کرتے ہوئے دماغ سے ہم کلام ہوا۔

"کاش، میں اسے اپنے ساتھ لندن لے جانے سے کر دیتا تو آج ایک بار پھر سے اسی براق سے نہ ملتا جس سے کبھی نہ ملنے کی میں نے دعا کی تھی۔ شاید میری دعا میں صدق نہیں تھا تبھی میرا یار تکلیف میں ہے۔"

سوچوں کے گھوڑے کو لگام دیتے ہوئے وہ اس کے شانے پر تسلی آمیز انداز میں ہاتھ رکھ کر گویا ہوا۔

"تم اس کی حفاظت کرو گے بلکہ وہ تم ہی تو ہو جو یہ سب کر سکتے ہو۔ دیکھنا جب عبداللہ گھر لوٹے گا تو تم پر کتنا فخر کرے گا۔"

براق کے اگلے جملے اس کا دل چیر گئے۔ اس نے بمشکل تمام اپنے ہاتھ کو اٹھنے سے روکا تھا۔ براق کے جملے

یہ تھے۔

"کون جانے تب تک میں ہوں ہی نہ۔" یہ سرد الفاظ لبوں سے نکال کر وہ عجیب سا دکھ رہا تھا۔ اسد اس عجیب انسان کی بات پر چیخ گیا۔

"بکواس بند کر اپنی اور یہ جو مایوسی تیرے اوپر چڑھ رہی ہے نا، اسے اتار کر اس کار سے باہر پھینک۔ مجھے شرم آرہی ہے یہ سوچتے ہوئے کہ اللہ کو اس وقت تو کیسا لگ رہا ہوگا۔"

براق نے نظروں کا زاویہ بدلا۔ اسد کا چہرہ غصے کی حدت سے دہک رہا تھا۔ سامنے ہی ان کا گھر تھا جس کا گیٹ ان کی کار کو دیکھ کر کھل چکا تھا۔ کار ان وا پٹوں سے اندر جانے لگی۔ براق اس کے رکتے ہی باہر نکلا اور اندر کی اور قدم بڑھا دیے۔

"سولیم! صبر کرو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ طلحہ گئے ہیں نا پولیس اسٹیشن اور براق بھی آنے والا ہے۔ سب مل کر ڈھونڈیں گے اپنے عبداللہ کو۔ حوصلہ رکھو۔"

دعا اس کے ساتھ بیٹھی اس تسلیاں دے رہی تھی۔ گزشتہ دو دنوں سے وہ اسے تسلیاں دے دے کر خود کو بھی نڈھال کر بیٹھی تھی۔ بھلے عبداللہ اس کا بیٹا تھا مگر پالا تو دعا نے تھا نا۔ گود میں تو سب سے پہلے اسی کی آیا تھا، پرورش تو اسی نے کی تھی۔ ان دونوں کا غم ہی برابر تھا۔ دونوں ہی نازک صورتحال کے تحت حوصلہ کھو بیٹھی تھیں۔

"میرے دل کو چین نہیں آرہا دعا، میں نے عبداللہ کو ڈانٹا تھا۔ وہ براق سے بات کرنے کی ضد کر رہا تھا اور میں اسے ڈانٹ کر سکول چھوڑ رہی تھی۔ وہ پورے راستے مجھ سے نہیں بولا تھا۔ وہ پورے راستے روتا رہا تھا۔ وہ مجھ سے خفا تھا۔ بجائے اس کے کہ میں اس کی ناراضگی دور کرتی میں نے اسے کہہ دیا کہ وہ سکول بس میں گھر آجائے۔ میں کتنی سفاک ماں ہوں دعا، میں کتنی سفاک ماں رہ چکی ہوں۔"

اس کا ایک بار پھر سے رونا شروع ہو رہا تھا۔ بھاری، بھدی، بھری ہوئی آواز کے ساتھ اسے بولنا بھی محال لگا۔ دونوں ہاتھوں میں سر گرائے وہ پشیمان سی نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔ وہ دعا کو سن رہی تھی جو کہہ رہی تھی۔

"تم ایسی نہیں ہو، کبھی بھی نہیں تھی۔ خود کو بلیم مت کرو پلیز، مجھے پورا یقین ہے ابھی طلحہ گئے ہیں تو اچھی خبر لائیں گے۔" سولیم نے اچانک امید بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اس کی نظروں کا مفہوم پڑھتے ہوئے وہ سر

ہلا رہی تھی۔

"ٹرسٹ می۔" سولیم نے نظریں جھکائیں۔ اس کی جھکی ہوئی نظروں نے گرے رنگ کے بند شوز دیکھے تھے۔ وہ شوز جو چمڑے کے تھے اور بالکل سادہ تھے جن پر دائیں بائیں صرف باریک سلور رنگ چکور پٹی سی لگی ہوئی تھی۔ یہ شوز تو؟ اس نے دماغ پر زور دیا ایک جھماکا سا ہوا تھا۔ وہ ٹھٹھرا کر سر اٹھا گئی۔ ہاں وہ شوز اسی کے تھے جس کا اس نے تصور کیا تھا۔ وہ شوز اس کے شوہر کے تھے، براق کے تھے جو خستہ حال میں اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ایسے کہ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے، شیو ہلکی سی بڑھی ہوئی اور آنکھیں جگراتے کی غمازی کرتی ہوئیں۔ وہ یک ٹک اسے دیکھتی رہی۔ معاً یہ اس کی نگاہوں کا دھوکا نہ ہو جو وہ گزشتہ کافی دنوں سے سہہ رہی تھی۔ دعا کی آواز نے ظاہر کر دیا کہ وہ دھوکا نہیں حقیقت تھا۔ ایک چھل نہیں بلکہ سراپا وجود۔

"براق۔"

یہ ایک نام تھا، یہ ایک پکار تھی جس نے سولیم کو صوفے سے ایسے کھڑا کیا جیسے اس میں سپرنگ لگ گئے ہوں۔ اس کے کھڑے ہونے کے انداز سے دعا چپکے سے اس کمرے سے باہر چل دی جس کے اس پار اسد کھڑا تھا۔

وہ اسے دیکھتی رہی۔ پہلے اس کی سانسو میں روانی آئی، پھر اس کی گردن کی ہڈی برق رفتاری سے اوپر نیچے ہونے لگی۔ اس کے بعد اس کی آنکھیں ڈبڈبائی تھیں۔ اتنی زیادہ کہ سامنا کھڑا شخص اسے بمشکل نظر آنے لگا۔ وہ اس دھندلے شخص سے مخاطب ہوئی۔

"کون ہو تم اور یہاں کیا کر رہے ہو۔" پوری قوت لگا کر اس نے خود کو بولنے پر آمادہ کیا کہ گلے میں اٹکتے دردناک گولے کے سبب بولنا بھی محال تھا۔ مقابل کی حالت اور آواز سن کر اس دھندلے کھڑے شخص کی ناک کے نتھنے ہلنے لگے۔ یعنی برداشت کی انتہا ہونے لگی۔

"سولیم، میں۔" وہ ہاتھ آگے بڑھانے لگا تھا جب اس نے پوری شدت سے اسے جھٹک دیا۔ اب کی بار وہ چیخی تھی مگر اس کی چیخ کمرے سے باہر نہیں گئی۔

"ہمت بھی نہیں کرنا براق شاہ، میرا نام لینے کی ہمت بھی نہیں کرنا۔ یہ سب جو ہو رہا ہے اس سب کے صرف تم قصوروار ہو تم۔ نہ جاتے تو آج یہ سب نہ ہوتا۔"

اس کا ضبط جواب دے رہا تھا۔ آنسو نکل پڑے تھے۔ اسے پھر سے ہچکی ہوئی۔ اپنے آنسوؤں کے اس طرح گرنے پر، وہ اس کا گریبان پکڑ چکی تھی۔

"تم نے مجھ سے شادی کی، تم نے عبداللہ کے دل میں اپنی محبت ڈالی اور پھر کیا، کیا؟ ہم دونوں کو اکیلے چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ سوچے بنا کہ تمہارے پیچھے ہمارے ساتھ کیا کیا ہو سکتا ہے۔ سوچا تھا ایک بار بھی، سوچ لیتے تو چھوڑ کر نہ جاتے۔"

وہ سخت چہرے کے ساتھ بکھری حالت میں اس سے شکوہ کر رہی تھی۔ اس کے سامنے اعتراف کر رہی تھی ایسی حالت میں، ایسی سچویشن میں جس میں جاں کا مژدہ بھی سنا دو تو ہوش نہ ہو۔ براق نے اسے خود کو جھنجھوڑنے دیا بلکہ اس نے وہ کیا جو وہ شاید ہوش میں کرنے کی جسارت بھی نہ کرتا۔ اس نے سویلم کے گرد بازو باندھ لیے۔ اس کے سر کی پچھلی سائیڈ پر ہاتھ رکھے وہ اس کے آنسوؤں کو بہنے دے رہا تھا جواب بھی کہہ رہی تھی۔

"اس نے تمہیں کتنا یاد کیا، وہ روز، ہر سیکنڈ تمہیں یاد کرتا رہا اور تم اس سے غافل رہے۔ تم نے ایسا کیوں کیا براق شاہ! بتاؤ مجھے؟ تمہیں اس سب کا حساب دینا پڑے گا۔"

براق آہستہ آہستہ اس کے سر کو تھپک رہا تھا۔ پلکوں کو زور زور سے جھپکائے وہ آنکھوں میں جمع ہوتے پانی کو پیچھے دھکیلنے کی سعی میں تھا۔ اس نے ایک طویل سانس لے کر سویلم کو نظروں کے سامنے کیا اور مضبوط لہجے میں کہا۔

"سویلم۔" اس کی آواز بھی بھاری اور پھٹی سی برآمد ہوئی۔ "میں آپ دونوں سے غافل نہیں تھا۔ ہو بھی نہیں سکتا۔ شش۔۔۔ مجھے سنیں سویلم پلیز۔ میں نے کہا مجھے سنیں، میں کیا کہہ رہا ہوں ابھی میں اور اسد انٹیلی جنس والوں کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ لوگ آج شام تک یا کل صبح تک ہمارے عبداللہ کو ہمارے پاس لے آئیں گے۔ ہاں یہ سچ ہے سویلم، کچھ گھنٹوں بعد ہمارا بیٹا ہمارے پاس ہو گا۔"

سویلم نے ہاتھ کی پشت سے آنسو رگڑے۔ وہ یقین و بے یقینی کے پینڈولم میں جھولتی اسے اپنی بادامی آنکھوں سے تک رہی تھی۔ براق کی گریفائیٹ آنکھیں اس وقت گریفائیٹ رنگ کی نہیں تھیں بلکہ ان میں تو کوئی اور ہی رنگ آن سمایا تھا۔ اس رنگ جسے جاننے کیلئے زیادہ غور کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی بھی دیکھ کر کہہ سکتا تھا وہ آدمی جو چھتیس سال کا ہے، جس نے سیاہ سوٹ پہن رکھا ہے ہاں وہی جس کے بال بکھرے ہوئے اور شیو تھوڑی

بڑھی ہوئی ہے اس کی آنکھیں سرخ رنگ کی ہیں۔ کون بیوقوف کہہ رہا ہے کہ اس کی آنکھوں کا رنگ گریفائیٹ رہ چکا ہے؟ ہو ہی نہیں سکتا۔ پاگل۔

"تم، تم سچ کہہ رہے ہو؟"

براق نے جھٹ سے سر ہلایا۔

"بالکل۔" اور اس کے کہنے کی دیر تھی، سولیم نے اس کی بات کا یقین کر لیا۔ اس نے اپنی آنکھ سے آخری آنسو کو گرنے دیا۔ پھر تیزی سے دونوں ہاتھوں سے انہیں رگڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے نوٹ کیا براق ابھی بھی وہیں کھڑا ہے اور اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہا ہے۔ اس نے سر اٹھایا۔

"آپ حوصلے والی عورت ہیں، آپ کا رونا اچھا نہیں ہے سولیم، امید کروں گا آگے آپ نہیں روئیں گی۔"

اور وہ اسے کیا کہتی کہ دعا کے بعد ایک وہ واحد تھا جس کے سامنے وہ یوں ٹوٹ کر روئی تھی۔ وہ اسے یہ بات کبھی نہیں بتائے گی۔ نہ اسے اور نہ ہی دعا کو۔

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ براق پھیکی مسکان اس پر اچھال کر کمرے سے باہر جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

یہ اسی صبح کی بات تھی جس صبح اس نے خلیفہ کو نانو سے ملنے کی خواہش کی تھی اور کہا تھا کہ وہ انہیں پاکستان بجھوا دے۔ خلیفہ نے اس کی بات کا مان رکھا تھا۔ اس نے ایسا ہی کیا تھا تبھی تو نانو اس کے سامنے تھیں۔ اسے گلے سے لگا کر چومنے کے بعد وہ پریشان سی اسے کہہ رہی تھیں۔

"جانتی ہو اتنے طویل دن میں نے کتنی پریشانی میں گزارے۔ میرے دل کو اوہام سے ہو گئے تھے۔ مجھے لگنے لگا تھا اب میں تم سے کبھی نہیں ملوں گی۔" کئی خاموش آنسو بہانے کے بعد نانو کی نحیف آواز اس کمرے میں گونجی۔ نقاہت و کمزوری تو اب انہیں ہمہ وقت رہنے لگی تھی۔ وجہ معروش کی جدائی تھی۔

"اور مجھے یقین تھا کہ ہم دونوں ضرور ملیں گے۔ آپ ٹھیک ہیں۔" وہ نم آواز میں مسکراتے ہوئے استفسار کر رہی تھی۔ نانو بھی اس کی بات پر مسکرا دیں، پھیکی گیلی مسکراہٹ۔

"شاید اللہ نے تمہارے لیے زندہ رکھا ہوا ہے۔ خلیفہ کا بدلا ہوا انداز چوکنا کر دینے والا ہے۔ کیا اسے معلوم

ہو گیا کہ تم یہاں اس کے ساتھ میرے لیے آئی تھی یا پھر اپنے اس مشن کیلئے جو تمہیں سونپا گیا تھا۔"

پلان اے تھا کہ اگر خلیفہ کو معروش کی آمد پر یا اس کے اس طرح آسانی سے پاکستان سے نکل جانے پر ذرا سا بھی گمان ہوا تو وہ آسانی سے نانو کو ہتھیار بنا لے گی کیونکہ نانو اس سے پہلے ہی خلیفہ کے قبضے میں تھیں۔ پلان بی تو کوئی تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا بھی تو خلیفہ نے کونسا اسے کوئی موقع دیا تھا کسی پلان پر عمل کرنے کا۔ وہ تو مزے سے کہہ بیٹھا تھا کہ اس کی یہاں آمد اور مقصد سے وہ اچھے سے واقف ہے تو پھر وہ کیسے کسی پلان پر عمل درآمد کرتی۔

"ہمیشہ کی طرح وہ پہلے سے ہی سب جانتا تھا۔ میں ہی بیوقوف ہوں جو بھول جاتی ہوں وہ خلیفہ ہے جو چلتا بھی اگلے قدم کے بارے میں آگاہی لے کر ہے۔"

نانو کا نحیف ہاتھ اس کے ہاتھ میں لرز اٹھا۔ اسی لرزاہٹ سے وہ بولیں۔

"تو پھر اس نے انجان بننے کا تاثر کیوں دیا۔ معروش، میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا وضاحت کرو۔"

ان کے اچانک بوکھلا جانے پر معروش نے جلدی سے گلاس میں پانی انڈیل کر ان کی طرف بڑھایا اور کہنے لگی۔ "نانو، اس نے یمن میں اپنا کو ڈھونڈ لیا ہے تبھی وہ بالکل ہار چکا ہے۔ وہ جو سب کو باہر سے دکھاتا ہے ویسا بالکل بھی نہیں ہے۔ اس کے اندر کچھ بھی نہیں ہے سوائے ڈر کے۔ ہاں نانو وہ شیر کی طرح ہی ہے جو باہر سے تو خوفناک لگتا ہے مگر اندر سے اتنا ہی ڈرا ہوا سہا ہوا رہتا ہے۔ اس کا دل کسی چوہے کے دل سے بڑا نہیں ہے تبھی تو وہ حملہ کر دیتا ہے۔ بنا دیکھے بنا جانے، خلیفہ کا بھی یہی حال ہے۔ وہ اندر سے بالکل خالی ہے تبھی خود کو ماسٹر مائنڈ بنانے کے چکر میں، اپنی وحشت و ڈر بٹھانے کے چکر میں وہ صحیح غلط کی پہچان بھول چکا ہے۔ وہ ایک بوکھلایا ہوا انسان ہے جو فقط غلطیاں کرنا جانتے ہیں۔"

نانو کا پھڑپھڑاتا ہوا چڑیا سا دل اس وضاحت پر تھم کر بیٹھا تھا۔ انہوں نے دل کے پرسکون ہوتے ہی اگلا سوال داغا۔

"اب آگے کیا ہوگا؟" وہ متفکر تھیں تبھی تفکر ان کے لہجے سے عیاں تھا۔

"ہونا کیا ہے آپ پاکستان جائیں گی اور میں یہاں کو برا کا بینڈ بجاؤں گی۔ گھبرائیں نہیں کچھ دنوں کی بات ہے پھر میں آپ کے پاس ہی ہوں گی ہمیشہ کیلئے۔"

نانو کے چہرے پر بے چینی پھیلتے دیکھ اس نے فوراً سے کہا تھا مگر نانو کی تشفی نہ ہوئی۔

"میں پاکستان کیسے جاؤں گی۔ خلیفہ کبھی بھی ایسا نہیں ہونے دے گا اور میں بھی اس کے حق میں نہیں ہوں تمہیں کیسے ان جانوروں کے چنگل میں چھوڑ سکتی ہوں۔ میرا دل ڈوب جاتا ہے جب جب میں یہ سوچتی ہوں کہ خلیفہ تمہارے پاس ہے۔"

معروش نے انہیں پچکارتے ہوئے کہا۔ "نانو! میں بچی نہیں ہوں سب ہینڈل کرنا جانتی ہوں۔ آپ پلیز میری بات مانیں۔ یقین جانیں آپ یہاں سے بحفاظت چلی جائیں گی نا تو مجھے لگے گا میں نے آدھا مشن سر کر لیا ہے۔"

نانو قائل نہیں ہو رہی تھیں مگر پھر انہیں اپنے دل پر سل رکھنی پڑی۔ وہ تھوڑی دیر بعد خلیفہ کے آدمی کے ساتھ باہر جاتے ہوئے اسے خود سے لگائے کہہ رہی تھیں۔

"میں تمہاری منتظر رہوں گی۔ امید ہے تم میری بوڑھی آنکھوں کو زیادہ انتظار نہیں کرواؤ گی۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے انہیں وہاں سے جاتے ہوئے دیکھتی رہی۔ کتنی ساعتیں وہ وہاں کھڑی رہی۔ وہ جانتی تھی اس بلڈنگ سے نانو کے باہر نکلتے ہی ان کی فورس کے جوان نانو کو اپنی تحویل میں لے لیں گے۔ اس کے بعد وہ سیدھا پاکستان ہوں گی۔ اسے کوئی فکر لاحق نہیں ہو گی اس بات کی کہ کہیں اس بار بھی تو خلیفہ کوئی چال تو نہیں چل رہا تھا تبھی وہ مطمئن تھی۔ جانتی تھی کہنے کے باوجود بھی اس کمرے سے ملحق دوسرے کمرے میں خلیفہ ان کی باتیں ضرور سن رہا ہو گا تبھی اس نے آج کے حملے کی بات پر پردہ ہی رکھا۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ خلیفہ چوکنا ہو جائے اور ایسا ہی ہوا وہ اس سے بے خبر ہی رہا۔

معروش دروازے میں کھڑی تھی جب اچانک اسے کسی غیر معمولی چیز کا احساس ہوا۔ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر آگے بڑھی۔ اس کے قدم اس خوشبو کی جانب تھے جو بہت مانوس اور جانی پہچانی سی تھی۔ وہ خوشبو کس کی تھی؟ اچانک اس کا دل ایک سو بیس کی رفتار سے دھڑکنے لگا۔ اتھ دھڑکنوں کو اس نے پاؤں دیے اور خود کو اس خوشبو کے پیچھے لگا دیا۔ وہ تیز قدموں کے ساتھ اس خوشبو کا تعاقب کر رہی تھی۔ آگے بڑھتے بڑھتے اچانک زمین کے ہاتھ نکل آئے اور اس نے اس کے پاؤں بری طرح جکڑ لیے۔ معروش نے تحیر کے سمندر میں غوطہ لگاتے ہوئے اس بھاگتے ہوئے

شخص کو دیکھا تھا جس کے ہاتھ میں ایک لڑکی کا ہاتھ تھا۔ وہ شخص جس میں اندلسی شباہت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ وہ جو ہنستا تھا تو لوگ مڑ مڑ کر اسے دیکھتے تھے۔ وہ جس میں اس پوری دنیا کا احترام آن بسا تھا جس کی پرورش اس کے بہت اچھے گھرانے سے ہونے کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ وہ جو اس کے نانو کی شاپ میں جاب کر چکا تھا۔ جسے اس کا شوہر ہونے کا شرف حاصل تھا وہ جسے دنیا نوفل خان کے نام سے جانتی تھی۔

"نوفل۔" وہ پوری شدت سے چلائی تھی۔ درد بھری چلاہٹ، خوشی سے جھومتی چلاہٹ، بے یقینی و یقینی میں لپٹی چلاہٹ۔

اس کی پکار بھاگنے کے سٹائل میں چلتے ہوئے نوفل، اس کے ساتھ بھاگتی امبر اور ان سے کچھ دور زمین پر بیٹھے خلیفہ نے بھی سنی تھی۔ وہ عجلت میں دوڑی، لانگ زرد رنگ کے کوٹ کے نیچے زرد ہی جمپر سوٹ پہنے وہ بھاگتی ہوئی اس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس کے اس طرح بھاگنے میں کیا کچھ نہیں تھا، ملنے کی تڑپ، بچھڑنے کا غم اور ڈھیر ساری کھوئی ہوئی چاہتیں۔

امبر نے نگاہوں کا زاویہ اس شخص کی طرف کیا جو اس پکار پر ایسے رکا تھا جیسے اب وہ ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا پائے گا۔ خلیفہ نے خود کو تنگ گلی سے نکالا اور سپاٹ چہرے کے ساتھ اس جگہ پر آ گیا جہاں معروش بھاگتی ہوئی نوفل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے نہیں دیکھا تھا کہ وہ کہاں ہے، کہاں نہیں۔ اس کے آس پاس کون کھڑا ہے کون نہیں، وہ بس بھاگتی ہوئی نوفل کے قریب پہنچی اور دور سے ہی ہاتھ کھول کر اس کے سینے سے لگ گئی۔ اس کے اس طرح لگنے پر نوفل کو جھٹکا لگا تھا۔ وہ دو تین قدم پیچھے ہوا۔ ایسے کہ امبر اور خلیفہ اس سے مزید دور ہوئے۔

"نوفل، میں جانتی تھی تم زندہ ہو، اس دنیا میں ہو سانس لے رہے ہو۔ میں جانتی تھی کہ خلیفہ مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے، مجھے ٹریپ کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ دیکھو تمہاری معروش اس کی باتوں میں نہیں آئی۔ وہ اس کی گیم میں حصہ دار نہیں بنی۔"

اس سے الگ ہوتے ہوئے وہ جذباتیت سے پُر لہجے میں کہہ رہی تھی۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں نوفل کے صبیح چہرے پر گڑی تھیں اور نوفل سے کچھ فاصلے پر کھڑے خلیفہ پر جو سپاٹ انداز میں سب دیکھ رہا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا، تمہیں اس انسان نے کچھ کہا تو نہیں؟ مجھے بتاؤ دیکھو کیسے اس کی درگت بناتی ہوں اور یہ لڑکی

یہ وہی ہے نا جو سٹور میں جان بوجھ کر کشمیری لڑکی کا روپ دھار کر تمہارے پاس آتی تھی۔ تمہاری اٹینشن سیک کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ یہ تمہیں کہاں لے کر جا رہی تھی۔ بتاؤ مجھے میں اسے بھی نہیں چھوڑوں گی۔ تم چپ کیوں ہو نوفل، کچھ تو بولو۔ جانتے ہو میرے سماعت تمہیں سننے کیلئے کتنی بیتاب ہے۔"

وہ اس کے چہرے کو ہاتھوں کے پیالے میں لیے ہیجانی انداز میں بول رہی تھی۔ بولتے ہوئے وہ تھوڑی سی ابنارمل لگی۔ شاید یہ ابنارملٹی نوفل کے چپ ہونے کی وجہ سے تھی۔ اس نے فوراً نوفل کے نظروں کے تعاقب میں دیکھا، مڑنے کے بعد وہ سیدھی ہوئی تھی اور کہہ رہی تھی۔

"کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے ہوتے ہوئے تم کیسے کسی سے ڈر سکتے ہو۔ مت بھولو کہ میں کون ہوں۔ میں معروش حبیب ہوں جو ان جیسوں کو چٹکیوں میں مسلنے کی طاقت رکھتی ہے۔ ان جیسوں کو بھی اور تمہیں بھی دھو کے باز۔"

اچانک۔۔ بالکل اچانک ہی اس نے کوٹ کی اندرونی پاکٹ سے پستول نکال کر ایک ساتھ اس پر تین فائر کر دیے۔ اسی پر جو اس کا نوفل تھا۔ وہ جو کہتا تھا اسے اس سے محبت ہے۔ جس کے ساتھ وہ اعتراف کر چکی تھی۔ ہاں اسے ہی اس نے شعلوں کا نشانہ بنایا اور گولی اس جگہ لگائی جہاں کوئی شیلڈ حفاظت نہیں کر سکتی تھی۔ بدلے ہوئے ٹون، بدلے ہوئے انداز اور اس واردات پر اس کا نوفل آنکھیں پھاڑ الٹا زمین پر گر رہا تھا۔

"اے۔۔اے۔۔۔" خلیفہ جو خاموش تماشائی سا سب چپ چاپ دیکھ رہا تھا زمین کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھا۔ اس کی رفتار اتنی تیز تھی کہ نوفل کے گرنے سے پہلے ہی خلیفہ نے خود کو گھٹنوں کے بل گرا کر ماربل کی زمین پر آگے سرکایا اور سرکتے ہوئے اس کا سر اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اس نے خود کو ایک ہاتھ کے سہارے مزید سرکنے سے روکا۔

"تیری تو۔" امبر جنگلی بلیوں کی طرح آگے بڑھی۔ اس سے پہلے وہ اپنے زہریلے نخون جن پر تیز ترین اثر کرنے والا زہر لگا تھا معروش کے بازو میں گاڑتی، وہ اسے بھی جہنم واصل کر گئی۔ ایک گولی صرف ایک گولی اسے ڈھیر کرنے کیلئے کافی تھی۔ اس نے امبر پر بنا دیکھے فائر کیا تھا۔ گولی آنکھ پر لگی اور اس کے ناپاک خون کو اس پر اچھال گئی۔

"اے، اے فیروز، اے دیکھ ادھر، کھول آنکھیں، دیکھ تیرا شیر تجھے پکار رہا ہے۔ اٹھ نا یوبا۔۔۔" فیروز کے چہرے کو بری طرح تھپتھپاتے ہوئے وہ اچانک اسے چھوڑتا کھڑا ہوا تھا۔ بہت بری گالی کو لبوں پر توڑتے ہوئے وہ الٹے ہاتھ کا مکا بناتے ہوئے معروش پر لپکا مگر اس کا وہ مکا ہوا میں ہی جما رہا کہ اس کے گال تک پہنچنے کی اس میں جسارت تھی اور نہ ہی طاقت۔

"رک کیوں گئے خلیفہ تبریز، نکال لو اپنی خناس، بہنے دو اپنی بھڑاس کو کیونکہ مجھے تو بالکل بھی افسوس نہیں اس۔۔۔ کیا نام لوں میں اس کا۔ نوفل، فیروز یا پھر لیران؟ میں اتنی بے خبر نہیں تھی خلیفہ تبریز، جتنا تم نے مجھے سمجھا ہوا تھا۔ ٹٹ فار ٹیٹ شاید اسی کو کہتے ہیں۔۔ نہیں؟"

اس کے سامنے سر تانے وہ اس بپھرے ہوئے شیر کو دیکھ رہی تھی جو بالکل زخمی ہو چکا تھا۔ گردن کی رگیں پھلائے، چہرے کو سرخ کیے وہ بے ترتیب سانسوں میں ضبط سے اس مکے کو نیچے لے آیا تھا۔ وہی ہاتھ اب معروش کی ٹھوڑی پکڑ چکا تھا۔ وہ اس کی ٹھوڑی پکڑے غرانے لگا۔

"دعا کرتا ہوں آج میں مر جاؤں، ورنہ واللہ دنیا تباہ ہو جائے گی۔"

معروش نے مسکراہٹ کو لبوں میں روکا۔ مذاق اڑاتے انداز میں وہ اس سے کہہ رہی تھی۔

"بس۔۔ ایک بار پھر سے میں تم سے ڈر گئی۔ کہو تو رونے لگ جاؤں؟"

خلیفہ کا ضبط سے برا حال تھا۔

"ایسا کیوں کیا تم نے؟ کیا تم بھول گئی ہو مجھے پھرنے میں سیکنڈ لگتا ہے۔"

معروش کی تضحیکی مسکان ہنوز سجی تھی۔

"مجھ سے بہتر یہ کون جانے گا دی جانور۔"

خلیفہ نے لب کاٹے، نچلے ہونٹ کو سختی سے پکڑنے پر اس کی ٹھوڑی بری طرح ضبط سے لرز رہی تھی۔

"جانور!" یہ لفظ تھاہ کر کے اس کے دل پر لگا۔

وہ اچانک سے ٹوٹا۔ غصہ ہوا میں زائل ہوا اور وہ گھٹنوں کے بل زمین پر گھٹنے موڑے بیٹھ گیا۔ اپنے دونوں ہاتھ منہ پر رکھے وہ دھاڑا تھا۔ اتنا اونچا کہ اس کی دھاڑ ابھی ابھی اس کی چھت پر لینڈ کرتے سی آئی اے کے

ایجنٹوں کی سماعتوں میں پڑی تھی۔

"یہ یقیناً تام سن ہی ہے، میں اس کی آواز کروڑوں میں پہچان سکتا ہوں۔" پیلٹ کو خود سے آزاد کرواتے، پاکستانی ایجنسی کے ایک آفیسر سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ وثوق سے کہہ رہا تھا۔ سب کو اندر جانے کی جلدی تھی۔ اس دھاڑ کے پیچھے چھپی کہانی کو سننے میں دلچسپی تھی۔ تام سن کے ٹوٹے وجود کو دیکھنے میں دلچسپی تھی۔

وہ یونہی دوزانو بیٹھا تھا۔ جب معروش پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھی اور چہرے کو جھکا کر اسے دیکھتے ہوئے کہنے لگی۔

"کیوں خلیفہ تبریز، درد ہو رہا ہے؟ تکلیف محسوس ہو رہی ہے۔ شروع سے شروع کروں گی تو کہانی ڈریگ ہو جائے گی بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ جس دن میں نے ڈپٹی ڈائریکٹر کے کہنے پر نوفل خان سے نکاح کیا تھا، اس سے کافی عرصہ پہلے سے اس دن سے جس دن مال میں مجھے تمہارا لاڈلا ملا تھا، بالکل اسی دن سے میں اس کی حقیقت سے واقف تھی۔ میں جانتی تھی نوفل کون ہے، کس کا سرغنہ ہے اور کیوں مجھ میں، میری نانو میں دلچسپی لے رہا ہے۔ ہاں خلیفہ تبریز، جب اس کی فائل میرے ہاتھ میں آئی تھی نا تو میں بہت ہنسی تھی۔ تمہاری بودی کور سٹوری پر اور اس بیچارے معصوم نوفل کی ایکٹنگ پر۔ وہی نوفل جو تمہارے کہنے پر مجھ سے کنیکٹ ہوا تھا۔ میرے سارے پلان جس کے مرہون منت فیل ہوئے تھے۔ وہی نوفل جو میرے پل پل کی خبریں تم تک پہنچاتا تھا۔ جانتے ہو میں نے اسے کیوں اپنی چند دن کی اسسٹنسی دی تھی اور کیوں خواجہ ریاض کے بھانجے شاہد کو پکڑوانے کی ویڈیو بنوائی تھی؟"

وہ اپنا سرخ چہرہ اٹھائے اسے سن رہی تھا۔ جو مزید کہہ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ اتنی سختی سے بھینچے تھے کہ ناخنوں کے سبب ہتھیلیوں میں سے خون رسنے لگا، رس کر قطرہ قطرہ ٹپکنے لگا۔

"میں نے یہ سب اس لیے کیا تا کہ اس کی صفائی دیکھ سکوں۔ یہ دیکھ سکوں کہ جس کو خلیفہ نے ٹرین کیا ہے وہ کتنا پانی میں ہے۔ میں بہت متاثر ہوئی اس کے کارنامے دیکھ کر۔ عام انسان کوئی نہ کوئی غلطی کر دیتا ہے مگر وہ اتنے آرام سے میرے سب کام کر گیا کہ میں حیران رہ گئی۔ اس نے بہت آسانی سے میرے کمپیوٹر کو اپنے سیل سے کنیکٹ کر لیا تھا۔ جب مجھے ڈیوڈ نے بتایا کہ میرا لیپ ٹاپ تم لوگوں کی رسائی میں آ چکا ہے اسی دن مجھے پتا

چل گیا تھا کہ یہ کام کس کا ہے اور کون ایسا کر رہا ہے۔ میں سب جانتی تھی خلیفہ۔"
وہ درشتی میں اس کی بات کاٹ گیا۔
"اور پھر بھی تم نے اس سے شادی کر لی؟" اس کے لہجے کی کاٹ معروش کے دل کو ٹھنڈک بخش رہی تھی۔
اس نے بے نیازی سے شانے اچکا دیے۔
"وہ اس وقت اس دنیا کا سب سے اچھا، ویل مینرڈ اور شریف انسان بنا ہوا تھا۔ اوپر سے مجھے آرڈرز بھی آ گئے تھے تو میں نے سوچا چلو معروش اس اچھائی کے پیکر سے رشتہ جوڑ لیتے ہیں۔ ویسے تم بہت بزدل نکلے۔ اپنے کام نکلوانے کیلئے تم نے اپنے سب سے اہم چھپے ہوئے پتے کو میدان میں لا کھڑا کیا۔ اس میں قصور سراسر تمہارا ہے، اگر تم ایسا نہ کرتے تو آج یہ سب نہ ہوتا۔"
خلیفہ نے نوفل کے مردہ جسم پر نگاہ ڈالی۔ اس کے اندر شدید توڑ پھوڑ ہو رہی ہے یہ وہ اچھے سے جانتی تھی۔ تبھی تو مطمئن تھی۔
"سمندر خان نے اسے پھینک دیا تھا ناکارہ جان کر۔" اس نے بتانا شروع کیا۔ معروش نے ہتھیلی تھوڑی تلے رکھ کر آنکھیں پٹپٹائیں۔ وہ آج اسے ذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتی تھی۔
"او ہاں، سمندر خان وہی جسے تمہارا یہ فیروز مٹا چکا ہے۔"
خلیفہ نے اس سے یہ بات چھپائی تھی۔ وہ یہ بات کیسے جانتی ہے؟ وہ شاک کے عالم میں اسے دیکھے گیا۔
"تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟"
اس کا سوال لہراتے ہوئے ہوا میں بکھرا۔

☆......☆......☆

یہ عصر کا وقت تھا۔ آسمان پر بنفشی رنگ چھایا ہوا تھا۔ روئی کے گالوں جیسے بادل یہاں وہاں منڈلاتے ہوئے دکھ رہے تھے۔ رنگ برنگے پرندے گول گول دائروں میں اڑتے روح کو بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ باقی دنیا کیلئے یہ عام، اچھا ڈھلتا ہوا دن تھا لیکن براق کیلئے ہرگز عام اور اچھا نہیں تھا۔ وہ ایک تکلیف دہ دن تھا جس میں وہ پولیس کے ساتھ اسلام آباد کا چپہ چپہ چھان آیا تھا مگر بے سود رہا۔ انٹیلی جنس والوں نے اس ڈھلتے دن میں

جواسے بتایا وہ خبر اس کیلئے سوہان روح بن گئی وہ خبر یہ تھی۔

"آپ کا بیٹا پاکستان کی حدود سے باہر جا چکا ہے مسٹر شاہ، اب میں جو کہنے والا ہوں اس کو سننے کیلئے آپ کو بہت ہمت کی ضرورت ہے اور میں جانتا ہوں یہ ہمت آپ میں ہے۔ آپ فائٹر جو رہ چکے ہیں۔"

وہ آدمی دراز میں سے کچھ نکال کر اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ براق نے فوراً ان کاغذات کو اٹھایا جن میں عبداللہ کی بلیک اینڈ وائٹ تصویریں تھیں۔ ان تصویروں میں وہ کچھ بچوں کے ساتھ منہ پر سیاہ ٹیپ چپکائے بیٹھا تھا۔ ایک میں صرف اس کا چہرہ تھا باقی سب اس کی کسی جگہ پر بیٹھے ہوئے کی تصویریں تھیں۔ براق نے سر جھکا کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ اسد سے بھی ان تصاویر کو دیکھنا محال ہوا۔

"مسٹر شاہ! آپ کا بیٹا اغوا ہو کر بیرون ملک اسمگل کیا گیا ہے۔ پہلے ہمیں رپورٹ ملی تھی کہ اس سے عرب میں اونٹ سواری کا کام لیا جائے گا لیکن وہ خبر ٹھیک نہیں نکلی۔ اب جو ہمیں پتا چلا ہے وہ حقیقت ہے اس کے ثبوت بھی ہمارے پاس ہیں۔"

اسد نے بے چینی سے پہلو بدلا اور عجلت میں بولا۔ "آپ کو کیا پتا چلا ہے؟" اس آفیسر کی تمہید اسد کی صحت پر گراں گزر رہی تھی جو مزید انہیں کہہ رہا تھا۔

"آپ کے بیٹے کی کڈ نیپنگ کے پیچھے کوبرا کا ہاتھ ہے اور اس بات میں کوئی شک نہیں رہ گیا کہ آپ کا بیٹا بھی انہی بارہ لڑکوں میں شمار ہے جن کے باڈی پارٹس کی ڈیل کوبرا کر چکا ہے۔"

براق اچانک میز پر ہاتھ مار کر کھڑا ہوا۔ اس کے کھڑے ہونے میں اتنی شدت تھی کہ کرسی کھسکتی ہوئی دور جا پڑی۔

"کوبرا کا میں وجود ختم کر دوں گا۔ اگر اس نے میرے بیٹے کو ہاتھ بھی لگایا تو، میری طاقت میری پاور سے کوئی منکر نہیں ہو سکتا۔ تختہ الٹا دوں گا میں سب کا۔"

وہ اپنی پرانی جون میں لوٹا تھا۔ فاروق پاکستان پہنچنے کیلئے جہاز پر بیٹھ چکے تھے۔ اس سے پہلے انہوں نے صرف ایک کال کی تھی جس نے پاکستان میں موجود ہر قسم کی پولیس کو الرٹ کر دیا تھا تبھی چند ہی گھنٹوں میں عبداللہ کے بارے میں معلومات میسر ہو گئیں۔

"مسٹر شاہ! جذباتیت سے مسائل حل نہیں ہوا کرتے۔ بھلے آپ نے خود کو چھپایا ہوا ہے پھر بھی ہر کوئی آپ

کے بارے میں جانتا ہے۔آپ کے والد کی حیثیت سب پر عیاں ہے اس لیے ہم جانتے ہیں آپ وہ سب کرنے میں قادر ہیں جو آپ کہہ رہے ہیں لیکن اس سب پر عمل کرنے کیلئے ہمیں ایک بہترین پلان کی ضرورت ہے کیونکہ جس کے ساتھ ہمارا ٹاکرا ہے وہ کوئی معمولی گینگ نہیں۔خبریں تو آپ نے سن رکھی ہوں گی کہ کس طرح کوبرا پر ہاتھ ڈالا گیا اور پھر بھی وہ بچ نکلا۔"

وہ حتی المقدور اس بپھرے ہوئے انسان کو سمجھانے کی سعی کر رہا تھا جو تہس نہس کرنے کا جذبہ رکھتا تھا۔وہی انسان اب سرگوشی میں ہلائے اٹل لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس بات سے فرق نہیں پڑتا کہ سامنے والا کون ہے۔مجھے میری طاقت کا اندازہ ہے اور یہ ایک فائٹر کہہ رہا ہے کہ وہ کوبرا کو پچھاڑ کر رکھ دے گا۔"

اپنے سینے پر انگلی ٹھونکتے ہوئے وہ عرصہ دراز بعد اس لفظ کا استعمال خود کیلئے کر رہا تھا۔کوئی پشیمانی،کوئی پچھتاوا نہیں تھا آج اس کے لہجے میں،کسی بھی قسم کی ریگریشن نہیں تھی اسے،سالوں پہلے اپنے کام کو وہ جس کیلئے چھوڑ چکا تھا آج اسی کی ذات سے حاصل ہوئی دنیا کی سب سے قیمتی شے کیلئے اٹھ کھڑا ہوا۔اسد کو براق کا یوں اٹھنا بڑا بھایا تھا۔دو چمکتی ہوئی آنکھوں میں سرشاریت ابھری اور سکون بھی۔

"آپ اس وقت جذباتی ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی کہہ دیتا ہوں کل ایک سکواڈ کوبرا پر اٹیک کرنے کیلئے پاکستان سے روانہ ہو رہا ہے،پورا یقین ہے وہ آپ کے بیٹے کو وہاں سے نکال لائیں گے۔بس آپ کو کچھ دن تحمل سے گزارنے ہیں۔"

براق آنکھوں میں حیرانگی در آئی انہیں چندھی کیے تھوڑا آگے جھکا،جھک کر پوچھنے لگا۔

"کیا آپ کی کوئی اولاد ہے؟"

آفیسر اس سوال سے پھیکا ہوا۔اس کا دل مسوس کر رہ گیا۔بدقت تمام اس نے جواب کو لبوں کی زینت بنایا تھا۔"میں آپ کو جواب دینے کا پابند نہیں ہوں۔یہاں آپ کیس کے سلسلے میں ہیں نہ کہ ذاتیات کی کھوج لگانے میں۔"اس نے دل میں اٹھتی ٹیسوں کو نظر انداز کرکے قدرے کھردرے انداز میں کہا۔براق کے لبوں پر زخمی مسکان دوڑ گئی۔

"جواب دینے کیلئے شکریہ۔ میں سمجھ گیا ہوں آپ کیوں اس کیس کو اتنا ہلکا لے رہے ہیں لیکن ایک بات یاد رکھیں، میں کل آپ کے اس سکواڈ کے ساتھ جا رہا ہوں اور کون ہے جو مجھے روک سکتا ہے۔"

وہ آفیسر سیٹ چھوڑ کر سیدھا ہوا۔ بالکل ایسے جیسے براق سیدھے ہوتے ہوئے مڑنے کی تیاریوں میں تھا۔

"مگر یہ کس طرح ممکن ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔"

براق نے اسد کو کھڑے ہونے کا اشارہ دیا۔ وہ کوٹ کو جھٹکتے ہوئے کھڑا ہوا اور چمڑے کا بیگ اٹھا لیا۔

"یہ آپ کا دردِ سر نہیں، کل ملتے ہیں پھر۔" وہ کہہ کر رکا نہیں تھا سب کچھ پیچھے چھوڑ باہر آیا۔ اسد اس کے عقب میں چلتا ہوا اس کی چال کو نوٹ کر رہا تھا۔ سالوں پہلے کی چال واپس لوٹ آئی تھی۔ وہ ٹھہراؤ، وہ اپنائیت و سکون، وہ عاجزی و انکسار جو بھی اس کی چال میں ڈھل گئی تھی جانے کہاں جا سوئی۔ اب تو وہی براق تھا اور وہی چال جس میں سب کچھ ختم کر دینے کی چاہ تھی۔ جوش و ولولہ تھا اور فتح جس میں رچ بس چکی تھی۔ براق نے دور سے ہی گاڑی کو ان لاک کیا اور سپیڈ میں چلتا ہوا ڈرائیونگ سیٹ سنبھال گیا۔

"میں نوٹ کر رہا ہوں تمہاری نظریں مجھ سے چپک گئی ہیں۔ ایسا کیا دیکھ لیا ہے تم نے جو ارتکاز ٹوٹ ہی نہیں رہا۔" چال کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی بدل چکا تھا اور ہاں گاڑی کی سپیڈ بھی، اسد نچلے لب کو گیلا کرتے ہوئے مسکان زدہ لہجے میں گویا ہوا۔

"بتا دوں گا تو سہم جاؤ گے۔"

براق نے اس کی جانب نگاہ کی۔ اف۔۔۔ نگاہیں بھی بدل گئیں۔ ویلکم پرانے براق شاہ۔

"سہمتے وہ ہیں جو بزدل ہوں اور تم جانتے ہو میں بزدل ہرگز نہیں ہوں۔"

اسد نے ستائشی انداز میں بھنویں اچکائیں۔ اسے خود یقین کرنے میں دشواری ہو رہی تھی کہ لندن میں گرل سے ٹیک لگائے بیٹھا خستہ حال انسان یا پھر پلین میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار انسان یہی تھا جو اب اس کے سامنے ہے۔

"تم درست ہو، بزدلوں کی صف میں تمہارا نام کہیں نہیں، فخر سا محسوس ہو رہا ہے تم پر، یہ دیکھ کر کہ ایک باپ اپنی اولاد کیلئے کیسے خود کو چٹان سا بنا لیتا ہے۔ تم پرانے والے براق بنتے جا رہے ہو جو کہ مجھے بہت بھا رہا ہے۔"

پہلے والی باتوں پر مسکراتے ہوئے اسے آخری بات پر شدید قسم کا جھٹکا لگا تھا۔ اتنا زیادہ کہ بیساختہ اس کا

پاؤں بریک پر جا پڑا۔ اگر دونوں نے سیٹ بیلٹس نہ لگائے ہوتے تو ضرور شیشے سے ٹکرا جاتے۔

" کیا کہا تم نے؟ کس طرح کہہ سکتے ہو ایسا تم، میں سب کچھ ہو سکتا ہوں لیکن وہ براق نہیں جو انسان کہلانے کے ہی لائق نہیں تھا۔ اپنے الفاظ واپس لے لو اسد، انہوں نے مجھے ٹھیس پہنچائی ہے۔ "

وہ اندر تک ہل کر رہ گیا تھا اسد کے اس قیاس پر، اسد سیدھا ہوا اور سینے پر ہاتھ باندھ گیا۔

" کیوں براق شاہ، تمہارا اولڈ ورژن کیونکر انسان کہلانے کے لائق نہیں تھا۔ فقط اس لیے کہ وہ ہٹ دھرم تھا، ضدی تھا اور جنون سے پر تھا۔ کیا غلط تھا اس میں سوائے اس کے کہ وہ لڑکیاں کپڑوں کی طرح بدلتا تھا یا پھر نشہ پانی کی طرح کرتا تھا۔ دو ہی چیزیں تو غلط تھیں۔ باقی کو تم کیوں نظر انداز کر دیتے ہو۔ کروڑوں روپے کی چیرٹی کرنا، غریبوں کو شیلٹر دینا، اپنے پیرنٹس کے آگے چوں نہ کرنا، سستے ہسپتال کھلوانا، سکولز بنوانا، ان سب کے بارے میں کیوں بھول جاتے ہو تم۔ اگر تمہارا اولڈ ورژن برا ہوتا تو وہ یہ سب نہ کرتا۔ سمجھ آئی۔ "

اسد کی بات کا جواب اس نے جس انداز میں دیا۔ اس نے اسد کو اس طرح پگھلایا جیسے تپتے ہوئے پانی میں برف پگھلتی ہے۔ اس پگھلی ہوئی برف کی نظریں آپ ہی آپ جھک گئیں۔ اس کی وہ بات سن کر جو یہ تھی۔

" کیا میں اس وقت سیدھے راستے پر تھا اسد، کیا صحیح غلط کی پہچان تھی مجھے؟ اللہ کے قریب تو شاید میں اب بھی نہ ہوں لیکن اس وقت تو میں اس کی طرف پھٹکتا بھی نہیں تھا۔ میری انہیں گمراہیوں نے مجھ سے بہت غلط کام کروائے ہیں جن کا ازالہ شاید میں مرتے دم تک نہ کر سکوں۔ میری دو بڑی برائیاں ہی میری اچھائیوں پر غالب تھیں۔ یہ بات تم مت بھولو۔ "

ندامت ایک بار پھر اس کے لہجے میں گھل گئی۔ نادم آنکھیں، دل چیر انداز، اترا ہوا چہرہ۔ اسد نے فوراً اس کی حمایت کی۔

" اگر ایسا ہوتا تو آج بھابی تمہاری نہ ہوتیں۔ "

وہ اپنے دوست کے احتجاج پر مسکرا اٹھا۔ زخمی مسکراہٹ۔

" اللہ سے ہمیشہ سے دعا کرتا آیا ہوں کہ جو گناہ مجھ سے سرزد ہوئے ہیں ان کی سزا مجھ تک ہی رکھنا۔ میری بیوی یا اولاد پر ان کا سایہ تک نہ پڑے۔ اب پتا چل رہا اور اچھے سے چل رہا ہے کہ آزمائش کسے کہتے ہیں۔

احساس ہورہا ہے اب، کہ جب آپ کے جگر کا گوشہ آپ سے جدا ہو جائے تو روح کس طرح تڑپتی ہے۔"

وہ اس کے لفظوں کو بکھرتے دیکھ چکا تھا۔ بات کو مڑتے دیکھ چکا تھا تبھی جھٹ سے بولا۔

"اگر ان لڑکیوں نے تیرے گھر کے آگے برف میں خود کو دھنسایا تھا نا تو اس میں قصور بھی ان کا تھا۔ وہ مفاد پرست بن گئی تھیں۔ اپنے دل کے آگے انہوں نے اپنی فیملی کو مائنس کیا تھا تو نے تو انہیں فورس نہیں کیا تھا نا تو کیوں ان پرانے باتوں کو اب تک لے کر بیٹھا ہے۔ یہ بھی یاد رکھ کہ اب انہی لڑکیوں کی فیملیز تیری بدولت کتنے پیسوں میں کھیل رہی ہیں۔"

ان لڑکیوں کے مرجانے کے بعد براق نے ان کی فیملیز کی کفالت شروع کردی تھی اور یہ سب تب سے سٹارٹ تھا جب وہ واپنے پرانے ورژن میں تھا۔ اسد کو حیرت ہوئی تھی کہ براق اب بھی ان سب کے بارے میں سوچتا ہے تبھی جھڑکنے کے سے انداز میں بولا۔ براق نے سر کو جھٹکتے ہوئے کار سٹارٹ کی تھی۔ کرنے کے بعد کہنے لگا۔

"یہ بحث لاحاصل ہے اسد، بس جو کہوں وہ کرنا ہے۔ میری سولیم کی حفاظت کرنی ہے، ان کو ہر دھوپ چھاؤں سے بچانا ہے۔"

اسد کو جھٹکا لگا، جھٹکا اس کے لہجے سے عیاں ہوتے نامعلوم خطرے کا تھا۔ وہ چیخ کر پوچھنے لگا۔

"کیا مطلب، کہاں جارہا ہے تو؟" براق نے ایک نگاہ اس پر ڈالی اور دوٹوک انداز میں بولا۔

"عبداللہ کو لینے میں جاؤں گا۔ وہ میرا بیٹا ہے۔ اسے میری ضرورت ہے اور تم میرے ساتھ نہیں جارہے۔ منہ بند اسد صاحب، ایک لفظ بھی نہیں نکالنا۔ تم میرے ساتھ ہرگز نہیں جاؤ گے۔ تم میری سولیم کی حفاظت کے لیے یہاں رہو گے۔ انہیں ٹیکل کرو گے۔ تمہیں سمجھ نہیں آتی، میں نے کہا ہے ایک لفظ نہیں بولنا۔"

اسد کے بار بار منہ کھولنے پر وہ زچ زدہ انداز میں بولا تھا۔ اسد نے غصے سے دانت کچکچائے۔

"تم اپنے آپ کو سمجھتے کیا ہو۔ اس بیمار دل کے ساتھ ان بھیڑیوں کا سامنا کرلو گے۔ مت بھولو تم بوڑھے ہو چکے ہو۔ وہ بوڑھا انسان جو مجھ سے میچ تک جیت نہیں سکتا۔ جس کا سانس آدھا میل دوڑنے میں ہی پھول جاتا ہے۔ جو کثرت کو ایسے بھول چکا ہے جیسے وہ اس کی سوتیلی ماں ہو، چلے ہو ان سے بھڑنے، مجھے بتاؤ براق شاہ، اگر اس دوران تمہیں کسی کا ہاتھ لگ گیا تو کیا کرو گے؟ کون ہوگا وہاں تمہیں پروٹیکٹ کرنے کیلیے۔"

براق نے تحمل سے اس کی بات سنی اور اسی ٹھنڈے انداز میں جواب دے کر اسد کے دل میں جوار بھاٹے جلا گیا۔

"یقیناً وہ میرا منیجر تو بالکل بھی نہیں ہوگا جو ہر وقت ٹپ ٹاپ بنا پھرتا ہے۔ جس کو دیکھنے سے ہی یہ لگتا ہے کہ وہ پھونک مارنے سے اڑ جائے گا۔ میرا معصوم، بھولا بھالا شریف سا منیجر۔"

وہ طنزیہ انداز میں اسے کہہ رہا تھا۔ اسد نے غصے سے ڈیش بورڈ پر ہاتھ مارا۔

"اسی منیجر کی بات کر رہے ہو نا جس نے تمہارے پیچھے جارج کروک کی بتیسی توڑ دی تھی۔ شاید تم احسان فراموش اور بھولنے والے لوگوں کی کیٹگری سے تعلق رکھتے ہو۔ شاید نہیں یقیناً۔"

اور یہ پہلی بار تھا جب اس ورسٹ سچوئشن میں بھی براق کے لب مسکرا اٹھے۔ وہی مسکراہٹ جس پر ہزاروں لڑکیاں دل تھام کر رہ جاتی تھیں۔ وہ مسکراہٹ جو کبھی ہمہ وقت اس کے لبوں کی زینت رہتی تھی، بے فکرو بے خوف مسکراہٹ، دل موہ لینے والی خطرناک مسکراہٹ، چت کر دینے والی قاتل مسکراہٹ۔ کہا تھا نا۔ پرانے براق شاہ کو خوش آمدید۔

"بلا بلا بلا۔" اسد کے جلتے بھنتے سراپے کو اگنور کر کے وہ اب اس بات پر فوکس کر رہا تھا کہ سولیم کو کیا کہنا ہے اور کس طرح منانا ہے۔ اس کا دل ڈوب رہا تھا مگر اس نے سنبھال لیا کہ اس وقت اس کا سنبھلنا ہی ازحد ضروری تھا۔

☆......☆......☆

"تم یہ سب کیسے جانتی ہو؟" خلیفہ کی شاکڈ آواز پر اس نے شانے اچکا دیے۔

"جس طرح تم کو سب معلوم ہوتا ہے اسی طرح مجھے بھی سب پتا ہے مسٹر تبریز! پاکستانیوں کو تم شاید کچھ زیادہ ہی ہلکا لے گئے۔ غلط کیا۔"

خلیفہ کی ہاتھ کی مٹھیاں بھینچ چکی تھیں۔ وہ سر جھکائے لفظوں کی تلاش میں تھا جو کہ اسے مل کے ہی نہیں دے رہے تھے۔ لو وہ مل گئے اور اس نے ان کا استعمال کر بھی لیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"تم بھی مجھے ہلکا لے گئیں، کیا میں نہیں جانتا تھا کہ تم نے جو گردن پر ضرب لگائی ہے وہ صرف اس لئے ہے

تا کہ تم اپنی باڈی میں نصب چپ کی نشاندہی کر سکو، اسے استعمال کر سکو اور پاکستان رابطہ کر سکو کیونکہ میری نگرانی میں ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ حیران مت ہو معروش وہ چپ تمہاری بے ہوشی کے دور میں نکلوا دی گئی تھی اور جو ڈاکٹرز کی ٹیم تھی وہ خلیفہ کی غلام تھی۔ افسوس انہوں نے تمہاری التجا نہیں سنی اور مجھے حقیقت بتا دی کہ جو تم نے کٹ لگایا تھا وہ کتنا معمولی تھا۔"

معروش مسکائی، ایسے جیسے اُسے اس بات سے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو۔ یوں بھی اب وہ عادی ہو چکی تھی ان سب چیزوں کی۔

"تم پر جہاں سب عیاں کر دیا ہے وہاں فیروز کے بارے میں بھی بتا دیتا ہوں کیا یاد کرو گی کس سخی سے پالا پڑا ہے۔"

وہ معروش کو آج عجیب لگ رہا تھا مگر اس کے عجیب پنے سے اسے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ اسے سن رہی تھی جو دلگرفتگی سے کہہ رہا تھا۔

"فیروز کو جب سمندر خان نے معذور سمجھ کر پھنکوا دیا تھا تو وہ میں ہی تھا جو اُن کے علم کے بغیر اسے اٹھا لایا تھا۔" اس نے بتانا شروع کیا اور معروش نے اس بار چپ چاپ سنا۔

"انہیں لگا تھا وہ کوئی اور معذور انسان ہے جسے میں اٹھا لایا ہوں اس لیے تفتیش کرنا گوارا نہیں کیا، وہ میری کسی چیز کے بارے میں تفتیش کیا بھی نہیں کرتے تھے، ان کی جرأت ہی نہیں تھی۔ فیروز کی آنکھوں میں چمکتی مقناطیسی روشنی مجھے سمجھا گئی کہ یہ بہت خاص ہے۔ ایک دن وہ کرے گا جو کسی نے کرنے کا تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ جس طرح میں نے ڈوک کو پالا، اسی طرح اسے بھی پالا۔ دنیا کے بہترین ڈاکٹرز سے اس کا علاج کروایا اور اسے اپنے شانے تک پہنچا دیا۔ اس میں مجھ میں سب کچھ مشترک تھا سوائے صورتوں کے۔ ہمارا قد کاٹھ، چلنے کا انداز اور بات کا اسٹائل ایک سا ہی تھا۔ وہ فیروز ہی تھا جو مجھے کاپی کیا کرتا تھا اور جو کہتا تھا کہ وہ میرا سایہ ہے۔"

معروش نے لبوں کو بند ہی رکھا۔ وہ حفیظ کی آواز کو بھی نظر انداز کر رہی تھی جو کہہ رہا تھا۔

"میڈم سی آئی اے والے بھی آ چکے ہیں اور آپ کو انتظار کس بات کا ہے۔ اس کی جھوٹی کہانیوں کو مت سنیں۔ ہم کچھ ہی دیر میں چھت کھلوا رہے ہیں۔"

وہ حفیظ ہی تھا جو آج صبح نوفل اور خلیفہ کو دیکھ چکا تھا۔خلیفہ کے بندوں نے جو بوری میں لاش بھر رکھی تھی اس میں سے نکلتا سرخ وسپید ہاتھ چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا کہ وہ سمندر خان کا ہاتھ ہے۔سرخ انگوٹھیوں والا ہاتھ اور کس کا ہو سکتا تھا بھلا۔معروش نے سر کو جھٹکتے ہوئے خود کو پھر خلیفہ کی جانب متوجہ کروایا جو کہہ رہا تھا۔

"مجھے اس سے لگاؤ تھا یا نہیں، نہیں جانتا، ہاں یہ میرے اوپر مرتا تھا۔میں نے جو کہہ دیا وہی حرفِ آخر، میں نے جہاں تھام لیا وہیں دنیا ختم۔تم کہتی ہو نا کہ میں بزدل ہوں، تم تک رسائی کیلئے اس کا سہارا لیا تو سن لو معروش حبیب! میں بزدل نہیں تھا، ہو بھی نہیں سکتا کیونکہ میں خلیفہ تبریز ہوں کوئی عام انسان نہیں۔میں نے اگر اتنا بڑا قدم اٹھایا تو اس میں بھی کچھ مصلحت تھی۔تم سے رشتہ جوڑنا، تمہارے ساتھ رہنا اتنا آسان کام نہیں تھا۔ہر طرح کے دھوکے دیے جا سکتے ہیں مگر ساتھ رہ کر خود کو چھپانا ناقابل یقین بات ہے۔جس طرح کی تم تیز و چالاک تھی، ایک سیکنڈ میں مجھے پکڑ لیتی اس لیے میں نے فیروز کا سہارا لیا۔میں جانتا تھا یہ میرا پالتو ہے، جو کہوں گا وہی کرے گا اور اس نے کیا۔تم سے شادی کی، تمہیں مان دیا اور پھر چپ چاپ میرے حوالے کر دیا۔کہو کوئی اور مرد ایسا کر سکتا تھا۔ساتھ کتنا بھی رہے تو اس سے بھی محبت ہو جاتی ہے اور تم تو پھر بھی جیتی جاگتی حسن کی پیکر تھی اور یہ ایک دل پھینک انسان۔"

اس کا لہجہ کاٹ دار تھا۔معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

"رسی جل گئی لیکن بل نہیں گئے۔تم ایک قابل رحم انسان ہو جو خود کو بچانے، خود کی حرام کاریوں کو چھپانے کیلئے کس کس طرح کے گھناؤنے کھیل کھیلتا ہے اور پھر بھی تم کہتے ہو میں تمہیں معاف کر دوں۔تمہارے ساتھ چل پڑوں، کیسے انسان ہو تم۔ہو بھی یا نہیں؟"

خلیفہ کی نگاہیں بار بار بھٹک کر فیروز کے مردہ وجود پر جا رہی تھیں۔ایسے جیسے وہ ابھی اٹھ جائے گا۔اٹھ کر اسے خود سے لگا لے گیا۔بالکل اس طرح جس طرح اس کا ڈوک اس کو لگا تا تھا۔وہی ڈوک جس کو بار برزخ میں ان انٹیلی جنس والوں نے اپنی قید میں کر لیا تھا، کر کے ایسی ڈوزا سے دی تھیں کہ ان کی سختی کو وہ سہار نہ پایا اور اس دنیا کو چھوڑ گیا۔خلیفہ کا ڈوک، پیارا ڈوک۔

فیروز ڈوک کی طرح واقعی مر چکا ہے اس بات پر یقین کرنا اسے دشوار لگا۔وہ بے چینی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

" گناہ کے اس کھیل میں سب پتے جل کر خاک ہو چکے ہیں۔تمہاری فورس کی گولیوں اور بارودوں کی آوازیں کان میں کسی پرسوز گیت کی طرح پڑ رہی ہیں معروش اور تم نہیں جانتی کہ مجھے اداس گیتوں سے کس قدر چڑ ہے اس لیے جو کرنا ہے فوراً کرلو۔یوں تو ایک دن تھا میرے مرنے میں لیکن چلو تمہارے لیے آج ہی زندگی سے وداعی لے لیتے ہیں۔"

وہ کھڑا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ہی معروش بھی کھڑی ہوگئی۔جونہی خلیفہ نے بات مکمل کی اس کے سر پر موجود چھت دو حصوں میں چاک ہونا شروع ہوئی۔یہ وہی جگہ تھی جہاں سے خلیفہ اکثر و بیشتر اپنے ہیلی کاپٹر میں بیٹھ کر جایا کرتا تھا۔اب بھی دو چار ہیلی کاپٹر وہاں اس کے سر پر منڈلا رہے تھے۔بس فرق اتنا تھا کہ وہ ہیلی کاپٹر اس کے نہیں تھے بلکہ سی آئی اے اور پاکستانی ایجنسی والوں کے تھے۔وہ ہیلی کاپٹر جو اپنے ساتھ تیز ہوا لائے تھے اس کے سر پر منڈلا رہے تھے۔خلیفہ نے چھت کے کھلنے اور ان ہیلی کاپٹروں کی آوازوں پر سر اٹھا کر اوپر کی طرف دیکھا تھا۔اس کے چہرے کا رنگ بدلا۔وہ ناقابل یقین نگاہوں سے معروش کو دیکھنے لگا جو کہہ رہی تھی۔

"تم جیسے کرمنل کو پکڑنے کیلئے اس طرح کی حکمت عملی اپنانی پڑتی ہے۔قید خانہ مبارک ہو خلیفہ تبریز۔"

وہ اوپر کی جانب اشارہ کر رہی تھی۔خلیفہ کے اوپر دیکھنے کے دوران ہی سیاہ یونیفارم میں ملبوس سینکڑوں کی تعداد میں فوج وہاں آن سمائی۔یہ بلڈنگ کا نچلا حصہ تھا۔وہاں جہاں آسانی سے ان کی کاریں بھی آسکتی تھیں تبھی چاروں جانب سے گیٹ کھلے اور سائرن بجاتی کاریں اسے گول دائرے میں آ کر گھیر گئیں۔اتنی ہتک اسے ان گاڑیوں کے آنے پر نہیں ہوئی تھی جتنی اس پنجرے کو دیکھ کر ہوئی تھی جو سلور رنگ کا تھا اور یک لخت ہی اس کے اوپر آ گرا تھا۔اس سے پہلے وہ سنبھلتا اس پنجرے نے زمین کو چھوتے ہی اپنی لوہے کی چادر کو آپس میں ملا دیا تھا۔خلیفہ نے یکدم دو انچ چھلانگ لگا کر خود کو واپس نارمل پوزیشن میں کیا۔اب اس کے پاؤں سفید ماربل کی زمین پر نہیں بلکہ سلور لوہے پر تھے جو اس پنجرے کی زمین تھی۔خلیفہ اس قید خانے کی سلاخوں کو پکڑ کر آگے کو ہوا اور بے قراری سے کہنے لگا۔

"معروش! صرف ایک بار میری بات سن لو، تم جانتی ہو میں کچھ بھی کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں۔میں نہتا ہوں، میری بات سنو۔" ہیلی کاپٹر سے منسلک وہ پنجرہ جونہی زمین سے اوپر اٹھنے کی تیاریاں کرنے لگا خلیفہ

بول اٹھا۔وہ بوکھلایا ہوا تھا،حواس باختہ تھا اور ہتک کے احساس میں ڈوبا ہوا بھی۔

"مجھے اب کچھ نہیں سننا۔" اس کے اٹل لہجے پر خلیفہ بے چین ہوا۔اس کا وجود ہولے ہولے سرد پڑنے لگ گیا تھا۔

"تمہاری خاطر گرفتاری دی ہے،تمہارے لیے اپنا پورا نیٹ ورک تباہ کرلیا،سب ثبوت تمہاری جھولی میں ڈال دیے۔اس سے زیادہ یقین کیسے دوں تمہیں جبکہ تم جانتی ہو اب سب سچ ہے۔"

وہ مڑتے مڑتے رک گئی تھی۔

"ایک آخری بات پلیز۔"

معروش نے اوپر منہ کر کے اشارہ کیا۔وہ پنجرہ زمین کو ایک بار پھر سے چھو چکا تھا۔وہ اس پنجرے کے قریب آئی،اپنی مخروطی انگلیوں سے اس کی چاندی سی چمکتی سلاخوں کو پکڑا اور آبرو کی کمان کو بلند کر کے پوچھنے لگی۔

"تم وہ انسان ہو تو نہیں جس پر ترس کھایا جائے لیکن چونکہ اب تم بے بس ہو اور پلیز لفظ کا استعمال کر رہے ہو تو میں اپنی تربیت کی لاج رکھتے ہوئے تمہاری بات سننے کیلئے خود کو تیار کر لیتی ہوں۔بولو کیا کہنا ہے تمہیں؟"

خلیفہ بے بسی سے مسکا دیا۔اس کے اندر عجیب سی توڑ پھوڑ ہو رہی تھی ایسی جو ناقابل بیان ہے۔

"یعنی مان لوں کہ واقعی تم اپنے دل میں پتھر فٹ کر چکی ہو۔ایک عورت اتنی بھی مضبوط ہو سکتی ہے سوچا نہ تھا"

وہ اس کی بات کاٹ گئی۔

"سوچ سکتے بھی نہیں،تمہاری سوچ سے بھی بڑھ کر مضبوط ہوتی ہے عورت،کیا لگتا تھا تمہیں کہ جن کو تم نے اپنی قید میں رکھا تھا،جن پر تم ظلم کے پہاڑ توڑتے تھے،جن کی عزت کی دھجیاں اڑائی تھیں وہ عورتیں بھی بزدل تھیں؟نہیں خلیفہ تبریز،وہ بزدل نہیں تھیں۔کوئی بھی عورت بزدل نہیں ہوا کرتی۔اس کے اندر ایک ایسا واریئر چھپا ہوتا ہے جو طوفانوں کو موڑ دینے کی طاقت رکھتا ہے۔عورت کا نام موم ہے تو وہ پتھر بھی ہے۔عورت چاندنی ٹھنڈی ہے تو مت بھولو وہ سورج جیسا جلانا بھی جانتی ہے۔عورت کو اگر پھول سے تشبیہ دی گئی ہے تو بٹھا لو دماغ میں وہ کانٹوں کی طرح زخمی بھی کر سکتی ہے۔عورت بزدلی،ڈرپوکی یا بیوقوفی کا نام نہیں ہے۔عورت طاقت،ہمت اور فتح کا دوسرا نام ہے۔وہ عورت ہی ہے جس نے بڑے بڑے سورماؤں کو دھول چٹائی ہے۔تم سورما کہلانے

کے لائق تو نہیں، ہاں یہ کہہ دیتی ہوں کہ آج پھر ایک عورت کے ہاتھ برائی کی ہار ہوئی ہے اور مجھے اس پر ناز ہے۔"

وہ ٹھوس لہجے میں کہتی ہوئی آخر میں عزم سے مسکرائی تھی۔اس کی مسکراہٹ کاٹ دار تھی۔ایسی جیسے وہ اپنے ہونٹوں کے کناروں میں کمان لگا کر خلیفہ کو نشانہ بنا رہی ہو۔ہاں وہ اسے کاٹ ہی تو رہی تھی اور وہ کٹ بھی رہا تھا۔ قطرہ قطرہ، تھوڑا تھوڑا، آہستہ آہستہ۔

"اچھا بولتی ہو، تم سب پاکستانی اچھا بولتے ہو۔تمہارا یہ بولنے کا انداز ہی تو تھا جو دل کو بھا گیا۔مجھے تمہاری کوئی بات بری نہیں لگ سکتی معروش، جتنا ذلیل کرنا ہے کرلو پھر شاید اس کے بعد ملاقات نہ ہو۔"

اس کا لہجہ خالی کشکول کی مانند تھا جس میں بھولے سے بھی عنایت کے کچھ لفظ نہیں ڈالے گئے تھے۔معروش نے تلخی سے چہرے کو دوسری سائیڈ پر کیا اور اس کی وہ فضول گوئیاں سننے لگی جو وہ کبھی سننا نہیں چاہتی تھی۔

"ماضی کے میرے گناہ بہت بڑے ہیں، اتنے کہ ان کا کفارہ ممکن نہیں۔میں جو کر چکا تھا، میں جو کہہ چکا تھا ان سب کو واپس لا کر ٹھیک نہیں کیا جا سکتا۔چاہتا تھا تمہارے لیے کچھ کر کے جاؤں تبھی وہ سب کچھ جو میرے پاس تھا تمہیں دے دیا اس سب کی پرواہ کیے بغیر کہ میرا کیا ہوگا، میرے بعد کیا ہوگا؟ شاید تم ٹھیک تھیں کہ ہم جیسوں کا کوئی فیوچر نہیں، ہم جیسوں کا کوئی اپنا نہیں۔"

وہ خود پر ہی ہنسا۔

"تم جانتی ہو، اگر میں زندہ رہا تو کتنا میس پھیل جائے گا۔نہیں بالکل بھی نہیں، غلط سوچ رہی ہو۔میں کچھ نہیں کروں گا۔میرے حریف سب کر دیں گے اس لیے امید ہے وہی سب ہوگا جیسا میں چاہتا ہوں۔اب اس کہانی کا اختتام ایک ہی چیز سے ہو سکتا ہے اور وہ ہے خلیفہ تبریز کی موت، تم نے کہا تھا نا، موت مجھے سکون دے گی تو لو معروش حبیب۔میں موت کو اپنی زندگی میں ویلکم کرتا ہوں، دیکھتا ہوں اس کی بھی میرے ساتھ بنتی ہے یا وہی ہونا ہے جو میرے ساتھ ہوتا آیا ہے۔"

خلیفہ کے الفاظ، اس کی بات، اس کا انداز، اس کا اترا چہرہ اسے ٹھٹکا گیا۔اس نے جھٹ سلاخوں کو زور سے پکڑا اور غرائی۔

"یہ کیا بک رہے ہو، کہہ دو ابھی کہہ دو کہ تم ویسا کچھ نہیں کرنے والے جو کہہ چکے ہو۔ اگر تم نے اپنی بات واپس نہ لی تو سیریسلی بہت برا ہوگا تمہارے ساتھ۔"

معروش کے یکدم بھڑنے پر وہ اونچا ہنسا، اتنا زیادہ کہ وہ بینڈ ہوگیا پھر سیدھا ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر بولا۔

"میں سب کر چکا ہوں معروش! کیا یہ پنجرہ تمہیں میری مات کا پیغام نہیں دے رہا؟ کیا یہ کہہ نہیں رہا کہ دیکھو وہ انسان جس کا آج تک کوئی بال بھی بیکا نہیں کر پایا، ہاں وہی انسان آج میری قید میں ہے۔ سچ میں معروش، انسانوں سے زیادہ کامیاب تو یہ لوہے کا پنجرہ نکلا۔"

پھیکی زرد ڈوبتے سورج کی مانند دو آنکھیں، سیاہ رات سی گہری دو آنکھیں۔

"میڈم! اب ہمیں ایکشن لینا چاہیے، کافی وقت ہو چکا ہے۔" کان میں گونجتی آواز پر وہ اپنے ہاتھ لوہے کی سلاخوں سے ہٹا رہی تھی جب خلیفہ نے ایک جھٹکے میں اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں قید کر لیے۔

"معروش! اب بھی وقت ہے تھام لو میرا ہاتھ، ساتھ دو میرا، میں یقین دلاتا ہوں خود کو اچھائی میں محسور کرلوں گا، برائی کی طرف پلٹوں گا بھی نہیں، تم نے دیکھا نا، تمہارے لیے میں نے خود کو کس قدر بدلا ہے۔ میں نے وہ سب کر دیا جو کرنے کا کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ ایک بار صرف ایک بار غور کرو میری باتوں پر۔ پلیز جو اینا نے کیا وہ تم نہ کرو، میرا ساتھ دو۔"

معروش نے درشتی سے اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں کے نیچے سے نکال لیے۔ خلیفہ نے دیکھا جیسے یہ دنیا اس کیلئے خالی ہو چکی تھی، اسی طرح اس کے ہاتھ بھی خالی رہ گئے تھے۔ وہ جامد ہوا، اس انسان کی طرح جو اپنی آخری سانسیں لیتا ہے، وہ ختم ہوتا انسان اس کو سن رہا تھا جو اس کے سامنے کھڑی حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی، دیکھ کر کہہ رہی تھی۔

"تمہاری باتوں پر غور کروں بھی تو مجھے وہ تمام لڑکیاں یاد آجاتی ہیں جن کی کہانیاں سن کر میرا دل زخمی ہو چکا ہے۔ تم نے انہیں بھی تو ایسے ہی توڑا ہوگا نا۔ وہ بھی تو یوں ہی گڑگڑاتی ہوں گی تمہارے سامنے اور تم بری طرح روند دیتے ہو گے انہیں۔ کاش، تم اتنے برے نہ ہوتے تو تمہارے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ دنیا مکافات عمل

ہے، جو بوؤ گے سو کاٹو گے۔تم نے دھتکار کا بیج ڈالا آگے رجیکشن ہی تمہارا مقدر بنی۔تم قابلِ افسوس ہو۔"

خلیفہ کا بوجھل سانس اس کے لبوں سے برآمد ہوا۔اس کی آنکھوں میں قید دو سنہری سورج پانی میں ڈوبنے لگے تھے۔وہ اپنے بال اپنی گردن کی پچھلی سائیڈ کو دونوں ہاتھوں سے دباتا ہوا اسے دیکھنے لگا جو اَب اس سے دور ہو چکی تھی۔یہ اعلان تھا کہ اب اس قیدی کو اوپر اٹھایا جائے۔اس سے پہلے پنجرہ ایک انچ بھی اوپر اٹھتا، خلیفہ کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔

"صحیح ہے۔ایسا ہی ہونا چاہیے۔پتا نہیں کیوں تمہیں الوداع کرتے ہوئے درد سا اٹھ رہا ہے۔ایک ٹیس سی محسوس ہو رہی ہے جو پورے بدن کو تکلیف میں مبتلا کر رہی ہے۔حیرت ہو رہی ہے خود پر، اپنی ان آنکھوں پر جو تمہارے لیے بھیگ رہی ہیں۔شاید تم خوش قسمت ہو یا پھر میں بہت بدقسمت۔"

معروش نے سینے پر ہاتھ باندھے اور اس کے دل پر ایک آخری وار کیا۔

"شاید نہیں یقیناً۔"

اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ خلیفہ کو نشانے پر رکھے ہوئے ہے۔وہ خلیفہ جو اس کے ٹونٹ پر مسکرا دیا۔دل کے مقام پر ہاتھ رکھ کر سر کو ہلکا سا خم دیتے ہوئے وہ سیدھا ہوا تھا۔پنجرہ اوپر جا رہا تھا اور خلیفہ کا دل اس کے ساتھ نیچے۔وہ اپنے نیچے جاتے دل کو تھامتے ہوئے سلاخوں سے جڑ کر معروش سے اونچی آواز میں پوچھ رہا تھا کہ اب وہ اونچائی پر تھا اور فوج کو خود پر نشانہ تانے دیکھ رہا تھا۔وہ جانتا تھا یہاں سے کچھ دور سنائپرز بھی اس کو نظروں میں رکھے ہوئے ہیں اور اس الیکٹرک پنجرے میں اتنا کرنٹ تو ضرور ہے کہ اگر وہ کچھ الٹا سیدھا کرنے کی کوشش بھی کرے گا تو یہ پنجرہ اسے ایک جھٹکے میں ہی چت کر دے گا۔وہ ان سب سوچوں کو پرے کرتے ہوئے معروش سے پوچھ رہا تھا۔

"محبت کی تھی تم سے معروش، اس محبت میں صدق تھا یا نہیں اس چیز سے نا آشنا ہوں لیکن ایک آخری سوال ہے، جو تم سے نہ پوچھا تو ساری زندگی پچھتاتا رہوں گا۔کیا تمہیں تین تک گنتی آتی ہے؟"

وہ ہیلی کاپٹر جس میں سی آئی اے کے ایجنٹس بیٹھے ہوئے تھے۔وہی جس کے ساتھ خلیفہ کا پنجرہ جڑا تھا اور اس پنجرے میں لگے وائس ڈیوائس بھی۔وہ اسی وائس ڈیوائس کے ذریعے باتوں کو ٹرانسلیٹر کی مدد سے سن رہے

تھے کیونکہ وہ اردو میں بول رہا تھا اور سننے والے اس زبان سے انجان تھے۔ خلیفہ کی آخری بات نے ان کے کان کھڑے کر دیے۔ جہاں وہ چوکنے ہوئے تھے وہیں معروش کے ماتھے پر بھی لکیریں پڑ گئیں۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو؟" وہ وہیں سے چیخی۔

"کچھ بھی نہیں، جو کرو گے وہ تم لوگ کرو گے۔ گنتی بولو معروش چلو میں ہی بول دیتا ہوں تین۔۔۔"

معروش فوراً اس کے پنجرے کے نیچے سے ہٹی اور اوپر دیکھتے ہوئے چیخی۔

"خلیفہ! کوئی بیوقوفی مت کرنا۔ تم نہیں جانتے اس وقت تم کتنی کڑی نظروں میں ہو۔"

اسے ڈر لاحق ہوا، کہیں نیچے کھڑی فوج اس پر گولیوں کی برسات نہ کر دے۔ بھلے خلیفہ نے تمام ثبوت اس کے حوالے کر دیے تھے لیکن اب بھی ایسا بہت کچھ تھا جو اس سے جاننا باقی تھا اور یوں بھی وہ نہیں چاہتی تھی کہ خلیفہ اتنی آسان موت مرے، اس لیے وہ تلملا اٹھی۔

"دو۔" وہ اس کی ہر بات نظر انداز کر رہا تھا۔ پنجرہ چھت کو کراس کر گیا۔ خلیفہ جو نیچے معروش کو زخمی ہرنی کی طرح یہاں وہاں منڈلاتا دیکھ رہا تھا، نے اپنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنی انگوٹھی کو انگوٹھے کی مدد سے ہتھیلی کی جانب کیا۔ سپاہیوں نے تنی ہوئی بندوقوں کو مزید سیدھا کیا اور ایک آنکھ میچ کر پنجرے میں قید اس شیر کے سر کو نشانہ بنایا۔

"خلیفہ نہیں۔" معروش ایک آخری بار چلائی تھی۔ ٹریگرز کو پش کیا جانے لگا پنجرے میں کرنٹ پہنچانے والے بٹن پر ہاتھ رکھ لیا گیا۔

"ایک۔" اس نے اس انگوٹھی میں نصب سرخ پتھر نما بٹن کو پش کر دیا۔ گولیوں کے چلنے اور کرنٹ کے پنجرے میں آنے سے پہلے ہی ایک زبردست قسم کا بلاسٹ ہوا تھا۔ ایسا بلاسٹ جس کی آگ کی لپٹوں نے زمین کو چھونے کے ساتھ ساتھ آسمان کا بھی بوسہ لیا۔ نیلی بھڑکتی ہوئی آگ، چنگاریوں سے بجی راکھ کر دینے والی آگ، جہنم کا منظر پیش کرنے والی آگ۔

☆......☆......☆

اس کے ہاتھ میں بھی گن تھی۔ وہ بھی پستول کو تھامے آنکھوں میں عزم لیے اندھیرے کو چیرتے ہوئے

آگے بڑھ رہا تھا جب ایک زبردست قسم کا دھماکا اس کی سماعت سے ٹکرایا۔ اس کے دوڑتے قدم یک لخت ہی رک گئے۔ وہ دور سے اٹھتے آگ کے شعلوں کی تپش کو یہاں تک محسوس کرتے ہوئے گھبرا گیا تھا۔ یہ گھبراہٹ اس آگ کو دیکھنے سے نہیں ہوئی تھی بلکہ عبداللہ کو سوچنے سے ہوئی تھی۔ وہ اپنے عقب میں چلتے ایک آفیسر کی آواز پر حرکت میں آیا۔

"رکنا بے کار ہے، ذرا سی کوتاہی کئی معصوم جانوں کو ہم سے جدا کر سکتی ہے۔"

براق اس کی آواز پر دل میں مختلف آیات کریمہ پڑھتے ہوئے بھاگ رہا تھا۔ وہ آٹھ لوگوں کی ٹیم تھی جو بچوں کو بازیاب کرنے کیلئے اس دوسری بلڈنگ کے نچلے حصے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ان آٹھ لوگوں میں نواں براق تھا جو پھولے سانس کے ساتھ تیز تیز سیڑھیاں پھلانگتا ہوا ایک بڑے سے بیسمنٹ میں آیا جہاں ڈھیر سارے کمرے تھے اور ان کمروں کی فرنٹ دیوار شیشے کی تھی۔ جس میں مختلف بچے بڑے بڑے اسٹریچرز پر کٹے ہوئے رکھے تھے۔ کچھ کمروں میں جدید قسم کی مشینیں تھیں اور ان شیشے کی مشینوں میں دل، گردے، آنتیں اور پھیپھڑے کسی مائع میں تیرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ ہر اعضاء ایک الگ مشین میں تھا اور پلاسٹک کی لہروں دار ٹیوب سے نصب تھا۔ براق یہ سب دیکھ کر جی جان سے کانپ گیا۔ وہ بے اختیار ہی اونچی آواز میں پکار اٹھا۔

"عبداللہ!" اس کے دل کی کیفیت اس وقت ناقابل بیان تھی۔ وہ ٹھنڈا ہونا شروع ہو چکا تھا۔ اس کی آنکھیں ترسی ہوئی لگ رہی تھیں۔ وہ ان ترس شدہ نگاہوں کے ساتھ ان آفیسرز کے پیچھے بھاگا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ آگے سے آواز آئی۔

"سر، بچے یہاں ہیں۔"

مڑنے والا مڑا، مڑ کر بھاگنے لگا، عجلت میں سب سے زیادہ وہی تھا وہ سیکنڈ میں اس کمرے میں آیا اور چہار جانب نگاہ دوڑا دی۔ ایک ایک بچہ، ایک ایک چہرہ، ایک ایک نقوش کو پیچھے چھوڑتا ہوا وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اسے نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا، سانس اترنے لگی۔ وہ زمین پر دوزانو گرا، گر کر چیخا۔

"عبداللہ۔ عبداللہ۔۔۔" اس کی آنکھوں میں سیل رواں آ رہا تھا۔ نظر دھندلی ہوئی اور سر چکرانے لگا۔ اس نے ان دھندلاتی نگاہوں سے دیکھا، بچوں کے جھنڈ میں سے ایک سر نکلا ہے۔ وہ سر ایک بچے کا ہے جو اپنی

عینک کے چشمے کو اتار کر رگڑتے ہوئے پھر سے لگا رہا ہے۔ لگانے کے بعد اس نے غور سے اس آدمی کو دیکھا جو بس ہوش کھو دینے کے مقام پر کھڑا ہے۔ وہ بچہ اچانک اپنی جگہ سے اٹھا اور انسانوں کے سیلاب کو پیچھے چھوڑ کر اس کے سینے سے آن لگا۔

"ڈیڈی! آپ آگئے۔ میں کب سے آپ کا ویٹ کر رہا تھا۔"

اچانک سے براق کی بصارت واپس لوٹی تھی۔ آنکھوں کا دھندلکا چھٹ کر صبح کی چمکیلی روشنیاں نمودار ہوئیں۔ دل جو بند ہونے کے قریب تھا پھر سے دھڑکنا شروع ہوا۔ گردن کے بال گر گئے اور حواس پھر سے لوٹ آئے۔ حواسوں کے لوٹتے ہی وہ بول اٹھا۔

"الحمدللہ، الحمدللہ یا ربی، الحمدللہ۔"

عبداللہ کو اپنے سینے سے بھینچ کر وہ ضبط کھو بیٹھا تھا۔ اس کے چھوٹے سے شانے پر آنکھیں چھپائے وہ کئی ساعتیں روتا رہا۔ اسے نہیں پتا چلا کب ان ہزاروں کی تعداد میں بچوں کو وہاں سے نکالا گیا۔ وہ تو بس اتنا جانتا تھا کہ اس کا دل عبداللہ کے دل کے ساتھ دھڑک رہا ہے۔ اس کی سانسیں اس کی سانسوں کو سن رہی ہیں۔ وہ اس کے بدن کی گرمائش سے محسوس کر سکتا تھا کہ اس کا بیٹا، اس کا لخت جگر زندہ و سالم اس کے سامنے ہے۔ اس نے اپنی آنکھیں اس کے شانے سے ہٹائیں اور اس کے چہرے کو ٹٹولنے لگا۔

"آپ ٹھیک ہو نا؟ آپ کو کوئی چوٹ تو نہیں آئی؟"

سکول کی یونیفارم میں ملبوس عبداللہ پہلے ہاں میں اور پھر ناں میں سر ہلا گیا۔ یعنی اس کی دونوں باتوں کا جواب دے گیا۔ سی سی ٹی وی فوٹیج سے انہیں پتا لگ گیا تھا کہ عبداللہ کو سکول کے باہر سے ایک وین اٹھا کر لے گئی ہے۔ کہاں لے گئی ہے اس کا اندازہ انہیں نہیں ہو سکا تھا کیونکہ وین بغیر نمبر پلیٹ کے تھی۔

"آپ کو کسی نے کچھ کہا تو نہیں عبداللہ۔" وہ اس کے ہاتھوں کی انگلیاں، اس کے پاؤں، ہر چیز کو چھو کر تصدیق کر رہا تھا، کرنے کے بعد پوچھ رہا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں ڈیڈی۔"

براق نے اسے ایک بار پھر سے گلے سے لگایا۔

"سر! کافی دیر ہوگئی ہے۔ مجھے لگتا ہے اب ہمیں چلنا چاہیے۔" اس آواز پر براق کھڑا ہوا اور عبداللہ کو گود میں اٹھالیا۔

"ماما سے ملو گے؟" وہ متورم آنکھوں کے ساتھ اس سے پوچھ رہا تھا۔ عبداللہ نے زور سے گردن کو ہلا دیا۔

"مجھے ان کی بہت یاد آئی۔"

وہ اسے سینے سے لگائے اس جگہ کو کراس کرنے لگا جس کے اب تمام کمرے خالی تھے۔ وہاں سے مشینیں اور مردہ بچے ہٹا دیے گئے تھے۔ وہ اس بھیانک وسفاک جگہ کو پیچھے چھوڑ کر آفیسر کی معیت میں چلتا ہوا آگے بڑھا، سیڑھیاں پھلانگتے ہوئے وہ تیز تیز ہوائی جہاز والی جگہ کی طرف بھاگ رہا تھا جب اچانک ان پر فائر کھول دی گئی براق نے مڑ کر دیکھا۔

"چلتے رہیے رکیں مت۔" ایک آفیسر زوردار انداز میں چیخا۔ اس کا مخاطب صرف براق ہی نہیں تھا بلکہ وہ سارے لوگ تھے جو بچوں کو جہاز میں منتقل کر رہے تھے۔ براق نے اس کی آواز سنتے ہوئے ابھی چار قدم ہی اٹھائے تھے کہ ایک ہوا کو چیرتا ہوا تیز شعلہ آیا اور اس کی پشت پر آلگا۔ وہ اس شعلے کے زیر اثر گھٹنوں کے بل عبداللہ کو لیے زمین پر گرا تھا۔ گرتے ہی اس کے بدن سے خون جاری ہونے لگا۔ اسے گولی لگی تھی۔

"ڈیڈی! آپ کے بلیڈنگ ہو رہی ہے۔" عبداللہ اس کے شانے سے لگا ہوا تھا تبھی براق کی پشت سے نکلتا خون اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں رہا تھا۔ وہ گھبرا گیا، ہراساں ہوا اور اسی ہراس پن سے بولا۔

"موو موو۔" دور سے چلا کر کہا گیا۔ فقط براق ہی نہیں تھا جسے گولی لگی تھی اور بھی کئی لوگ تھے جو ڈھیر ہو چکے تھے۔ براق ٹیسیں اٹھتے وجود کے ساتھ عبداللہ سے مخاطب ہوا۔

"عبداللہ! مجھے غور سے سنو، ابھی آپ یہاں سے جا رہے ہو۔ ماما کے پاس پہنچنے کے بعد ان سے کہنا میں جلد ہی لوٹوں گا۔ عبداللہ تو ضد، موو رائٹ ناؤ۔"

اپنی گود سے اتار کر وہ اسے آگے کو دھکا دیتے ہوئے کہہ رہا تھا جو اس سے چمٹ گیا تھا۔

"نہیں ڈیڈی، میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔" وہ رونے لگا تھا جب ایک اہلکار آگے بڑھا اور بنا دیکھے عبداللہ کو اٹھا کر ہوائی جہاز کی سمت دوڑنے لگا۔ عبداللہ ہاتھ پاؤں مار کر اسے روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس

سے دور جا رہا تھا رفتہ رفتہ۔

براق کے عقب میں شیلڈز تھامے فوجی گولیوں کا جواب گولیوں سے دے رہے تھے۔ ان سے بھی آگے آسمان پر آگ برس رہی تھی۔ بڑی بڑی بلڈنگز جل کر راکھ ہو رہی تھیں۔ ہوا میں کالی آندھی اٹھی۔ وہ آندھی جس میں بارود کی مہک شامل تھی، وہی آندھی سب چیزوں کو اپنی لپیٹ میں لے گئی۔ سب کچھ دھندلانے لگا۔ ایک اہلکار کی گود میں آگے بڑھتا عبداللہ کا ہاتھ پاؤں مارتا سراپا، حملے کا جواب دیتی فوج اور یہ دنیا بھی۔ گولی براق کی پشت پر لگی تھی اور اس میں سے خون بھی جاری تھا۔ اس کے حواس ایک بار پھر سے مختل ہونے لگے۔ وہ بائیں جانب گرا۔ اس کا گال بری طرح سے زمین سے ٹکرایا تھا۔ اتنی بری طرح کہ وہ ضرور زخمی ہو گیا ہوگا۔ ٹیڑھا گرے ناک سے سانس لیتا ہوا وہ زمین کے ذروں کو اپنے اندر پناہ دے رہا تھا۔ ٹیڑھے لیٹے ہوئے اسے بھاری بوٹوں والے لوگوں کی چیخ و پکار سنائی دے رہی تھی۔ پولیس کی سائرن بجاتی گاڑیاں، فائر بریگیڈز اور وقفے وقفے سے بلاسٹ کی آوازیں اسے یہ سمجھا رہی تھیں کہ ہوسکتا ہے آج اس کا آخری دن ہو، یہ سانس جو چل رہی ہے وہ آخری ہو۔ دل کی دھڑکن کی میعاد بس پوری ہوئی چاہتی ہے اور روح نکلنے کو بے تاب ہے۔

وہ ہلکے سے مسکایا، اپنی گریفائیٹ آنکھوں سے وہ عبایہ والی کو اپنے پاس بھاگ کر آتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ اس کا عبایہ سفید رنگ کا تھا اور پاؤں میں وہی سفید موتیوں والے سلور سلیپرز تھے جو براق نے اس کیلئے خریدے تھے۔ یہ وہ آخری چیز تھی جو وہ اس کیلئے خرید چکا تھا۔ ان سلیپرز کی کہانی اچانک اس کے ماؤف ہوتے دماغ میں چلنے لگی۔ اس کہانی کو سوچتے ہوئے وہ مسکرا اٹھا جو کہ یہ تھی۔

یہ اسی دن کی بات ہے جب وہ طے کر کے آیا تھا کہ عبداللہ کو ڈھونڈنے وہ بھی فوج کے ساتھ جائے گا۔ اسی دن کی شام کو وہ گھر لوٹا تھا۔ وہاں جہاں پہلی بار سویلیم اس کا بے صبری سے انتظار کر رہی تھی۔ براق کے گاڑی سے نکلتے ہی وہ کھڑی ہوئی۔ وہ اس وقت لان میں بیٹھی اس کی منتظر تھی۔ براق نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور اس کی اور قدم بڑھا دیے۔ سادہ سے پرنٹڈ سوٹ میں کھڑی وہ اداسی کا پتلا لگ رہی تھی۔ براق کو اسے یوں حزن میں دیکھنا ناقابل برداشت لگا۔ وہ مسکراتا ہوا اس کے پاس آیا۔

"تمہارا یوں مسکرانا بتا رہا ہے کہ ضرور کچھ اچھی خبر ہے۔ اگر میں درست ہوں تو میرے دل کو سکون بخشو اور وہ

کہہ دو جو میں سننا چاہتی ہوں۔"

وہ بے قراری سے بولی تھی۔اس کے دل میں جلتی امید کی شمع کو براق نے منور کیا اور عین اس کے سامنے بیٹھنے کے بعد کہنے لگا۔

"آپ کبھی غلط ہو سکتی ہیں سولیم؟جی ہمارا عبداللہ مل گیا ہے۔وہ دوسرے شہر میں ہے اور میں اسے کل لینے جارہا ہوں۔"

جو جھوٹ کسی کے دل کی تشفی کرے وہ جھوٹ جھوٹ نہیں ہوا کرتا۔براق نے بھی اسی جھوٹ کا سہارا لیا جو اس کی سولیم کی آنکھوں سے آنسو غائب کر گیا تھا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی،میرے دل کو قرار آجائے گا۔"وہ جذباتیت سے مغلوب لہجے میں کہہ کر براق کو پریشان کر گئی۔وہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے عصر کے ہونے کا بے صبری سے انتظار کرنے لگا۔

"پر یہ کس طرح ممکن ہے؟آپ نہیں جانتیں،جہاں میں جارہا ہوں وہ اچھی جگہ نہیں ہے۔کڈنیپرز کبھی بھی یرغمالی کو اچھی جگہ پر نہیں رکھا کرتے اور یہ بات آپ سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے۔"

وہ اسے ماضی کا حوالہ دے رہا تھا۔سولیم نے لب چبائے۔

"جو بھی ہو جائے میں ساتھ چلوں گی تو ساتھ چلوں گی۔مجھے قائل کرنے کی کوشش مت کرنا براق،یہ تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔"

قطعیت سے کہتے ہوئے وہ براق کو چپ کروا گئی تھی۔کئی لمحے اس نے سوچا پھر بالآخر ہتھیار ڈال دیے۔

"ٹھیک ہے آپ میرے ساتھ چل رہی ہیں لیکن میری بھی ایک کنڈیشن ہے۔"

وہ چونک اٹھی،آسمان اندھیرے میں ڈھلنا شروع ہو چکا تھا۔ہوا نے اپنے پر لہرائے،پرندوں کا میوزک بند ہوا،ستارے افشاں کی مانند آسمان کی چادر پر پھیل گئے جیسے کسی نے چٹکی بھر کر سیاہ دوپٹے پر اسے گرادیا ہو کہیں کہیں بے ترتیب سے۔

"کس طرح کی شرط؟"

"ابھی ہم دونوں آؤٹنگ پر نکل رہے ہیں سولیم،کچھ بھی کہنے سے پہلے میری ساری بات سنیں۔ہم دونوں

ڈنر پر جائیں گے اس کے بعد میں آپ کو شاپنگ کرواؤں گا اور پھر گھر آ کر آپ میڈیسن لے کر سو جائیں گی۔ میں جانتا ہوں آپ پچھلے کچھ دنوں سے ٹھیک طرح سے سوئی نہیں ہیں۔ اگر آپ نے میری ان باتوں کو مان لیا تو میں آپ کو ساتھ لے جاؤں گا ورنہ میں مجبور ہوں۔"

ٹم ٹم چمکتے تاروں نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے اس لڑکی کی بات سنی جو کہہ رہی تھی۔

"تم بہت برے ہو۔" چاروناچار اسے براق کی بات ماننا پڑی۔ وہ دل سے مسکرا اٹھا۔

"میں جانتا ہوں۔"

انہی ستاروں نے لیمن کلر کے عبایہ میں اس لڑکی کو اس لڑکے کے ساتھ کار میں بیٹھتے دیکھا، وہی ستارے اب ان دونوں کو ایک ریسٹورنٹ کی بلڈنگ میں داخل ہوتے دیکھ رہے تھے۔ براق نے اس کیلئے کرسی آگے کھینچی اور خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

"آپ کیا لیں گی؟" وہ خوش گوار موڈ میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ سولیم نے بے دلی سے اس مینیو بک کو دیکھا۔

"کچھ بھی آرڈر کر لو۔"

گول لکڑی کی میز تھی جس کے اوپر شیشہ لگا ہوا تھا۔ پیپسی رنگ کی میز کی طرز کی ہی کرسیاں تھیں بس فرق اتنا تھا کہ کرسیوں کی پشت پھولوں کی پتیوں کی طرح کی تھی۔ لکڑی سے پتیوں کی شیپ بنائی گئی تھی اور اس کے اندر کے حصے پر شیشہ لگایا گیا تھا۔ وہ کرسیاں ان کی ہائیٹ سے اونچی تھیں تبھی دونوں کے وجود کو خود میں سما گئیں۔ سولیم نے نیپکن کو اپنی گود میں بچھایا اور اشتہا انگیز کھانے کو دیکھ کر روہانسی ہو گئی۔

"آپ کی سوچ کو پڑھ سکتا ہوں لیکن کیا یہ اچھا نہیں کہ ہم اپنے بیٹے کو اللہ کی امان میں دے دیں۔ یقین کریں سولیم، وہ بالکل ٹھیک ہے۔"

براق کی تسلی نے اس کے دل کو سکون پہنچایا تھا۔ وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے چمچ کو منہ میں لے گئی۔ اسے یوں کھاتے دیکھ اس نے بھی کھانا سٹارٹ کیا۔

"سولیم! ایک بات پوچھوں؟" خاموشی میں مخل براق کی آواز نے ڈالا تھا۔ یوں تو کانٹے چمچ کے علاوہ وائلن کی آواز بھی ان کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی جو اُن سے کافی دور سٹیج پر بجایا جا رہا تھا لیکن پھر بھی ایسا معلوم ہوتا تھا

جیسے پوری یونیورس کی خاموشی ان دونوں کے درمیان آن سمائی ہو۔

"تم پوچھ سکتے ہو؟"

وہ تھوڑا آگے ہوا، گلا کھنکارا اور وہ بات پوچھ ڈالی جو اسے نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔

"اب میں آپ کو کیسا لگتا ہوں؟ یعنی اگر آپ کو موقع ملے مجھے چھوڑنے کا تو کیا۔۔" اس نے خود ہی بات درمیان میں قطع کر دی۔ سولیم کے ہاتھ میں موجود کانٹا لرزا تھا، لرزا تو اس میں اٹکا چکن بھی تھا۔ اس لرزاہٹ کو قابو میں کر کے اس نے وہ جواب دیا جو شاید اسے نہیں دینا چاہیے تھے۔

"تم سے اسی طرح کے سوال کی توقع تھی خیر جواب تم جانتے ہو۔"

اور براق شاہ کو لگا جیسے اچانک سے دھماکا ہوا ہو اور اس میں سب کچھ ختم ہو گیا ہو، یہ دنیا اس میں بستے لوگ، یہ جگہ، سب، حتیٰ کہ وہ خود بھی۔ اچانک وہ میوزک جو اس کے کانوں کو بھلا لگ رہا تھا سماعت پر گراں گزرنے لگا۔ حلق میں موجود نوالے نے اندر نہ جانے کیلئے احتجاج کیا اور وہ ضدی پن سے اٹک گیا۔ براق نے دلبرداشتہ انداز میں پانی کے گلاس کو اٹھا کر لبوں سے لگایا، نوالے کو نگلا اور اپنی دائیں جانب دیکھنے لگا۔ وہاں جہاں اسے خود میں مگن لوگ نظر آ رہے تھے۔ خوش و خرم لوگ، بے فکرے قہقہے لگاتے لوگ، ہر غم اور تکلیف سے آزاد لوگ۔

سولیم نے اس کی خاموشی کو نوٹ کیا تھا اور بڑی شدت سے کیا تھا۔ وہ سلو موشن میں کھانا چباتے ہوئے نجانے کہاں دیکھنے میں مگن تھا۔ سولیم کو اس کا یوں بیٹھنا کھلا، اس نے کانٹے کو زور سے پلیٹ میں دھرا تھا۔ اس آواز پر براق نے اپنی نظروں کا زاویہ اس کی جانب کیا۔

"مجھے لگتا ہے ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔"

براق نے کچھ نہیں کہا تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے ویٹر کو بل لانے کو کہا۔ پیسے، بل جیکٹ میں رکھنے کے بعد وہ کرسی کو پیچھے دھکیل کر اٹھ رہا تھا۔ ابھی وہ سولیم کے ساتھ دو قدم ہی چلا تھا کہ۔

"اوہ۔ آہ۔۔۔ یہ میں نے کیا دیکھا براق شاہ؟ اگر میں غلط نہیں ہوں تو تم براق شاہ ہی ہو نا۔ دی ان بیٹ ایبل باکسر۔ ہاں تم وہی ہو۔ ہیلو دوستو، دیکھو یہ براق شاہ ہے۔ وہی براق شاہ جس کے میچ کی ٹکٹس حاصل کرنے

کیلئے ہمیں چھ مہینے پہلے بکنگ کروانی پڑتی تھی دیکھو یہ وہی تو ہے اور بھلا کون ہو سکتا ہے۔"

وہ لڑکی چیختی چلاتی، اچھلتی ہوئی اپنے دوستوں کو اکٹھا کرنے کے ساتھ ساتھ باقی عوام کو بھی متوجہ کر گئی تھی۔ کچھ جو جانتے تھے وہ اس کے گرد دائرہ بنانے لگے اور جو نہیں جانتے تھے وہ گوگل کرنے لگے کہ کیا پتا کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ لیکن وہ ناکام گئے کیونکہ گوگل بھائی براق سے وعدہ کر بیٹھے تھے کہ انہیں پوشیدہ ہی رکھیں گے اور وہ اپنے وعدے کے کھرے نکلے۔ تبھی جو نہ جاننے والے تھے وہ دل مسوس کر اشتیاق بھری آنکھوں کے ساتھ لوگوں کو پاگلوں کی طرح اس انسان کی طرف بڑھتے دیکھ رہے تھے جس کی باڈی اور ڈریسنگ یہ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ واقعی کوئی خاص شخصیت ہے۔

"آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میں۔۔۔"

اور وہ لڑکیاں کہاں سن رہی تھیں۔ کھٹ کھٹ اس کی ساتھ تصاویر اتروائے جا رہی تھیں۔ ان کی دیکھا دیکھی باقی لوگوں نے بھی یہ کام کرنا شروع کر دیا۔ پاکستانی عوام کے پاکستانی کام، خیر پراؤڈ ٹو بی پاکستانی، الحمدللہ۔

تصاویر کے ساتھ ساتھ وہ لوگ اس کا آٹوگراف بھی لینے لگ گئے۔ سولیم ان سب سے اکتا کر جانے لگی تھی جب براق نے اس کے عبایے کے بازو کو پکڑ لیا۔ وہ اسے ساتھ رہنے کا کہہ رہا تھا۔ سولیم نے اپنی سلیو کو چھڑوایا۔

"جب تم اپنے فینز سے فارغ ہو جاؤ تو آ جانا۔"

بات توجہ اور طلب کی ہے۔ آپ رشتے میں جتنی زیادہ توجہ ڈالو گے اس کی طلب واہمیت اتنی ہی بڑھے گی، رشتوں کی خوبصورتی ہی اعتماد و چاہت میں ہے۔ جب یہ دو چیزیں رشتوں میں سے مائنس ہو جائیں تو وہ اپنی اہمیت بھی کھو دیتے ہیں۔ خلوص کی موت رشتوں کی موت ہے اور براق شاہ کا تو سارا خلوص واہمیت تھی ہی سولیم کیلئے تو وہ کیونکر نہ اسے سب پر فوقیت دیتا۔

وہ اسے کہتی ہوئی لوگوں کو اپنے سامنے سے ہٹاتی وہاں سے چلی گئی۔ براق نے مڑ کر اسے جاتے ہوئے دیکھا اور ایک دو کی آٹوگراف بک پر جلدی سے پین کو گھسیٹتے ہوئے لوگوں کو دھکیل کر باہر کی طرف بھاگا۔ پارکنگ میں پہنچا تو دیکھا سولیم گاڑی میں بیٹھی سیل فون چلانے میں مصروف ہے۔ براق نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور چور نگاہوں سے اسے تکنے لگا جو کھڑکی سے لگی ایک ہاتھ کی مٹھی بنا کر گال پر رکھتے ہوئے دوسرے سے سیل فون چلانے میں مگن

تھی۔ جو اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی، وہی ٹھنڈک اب اس کے دل میں ڈیرہ کر رہی تھی۔ کرنے کے بعد یہ جتلا رہی تھی کہ محترمہ کا موڈ خاصہ آف ہے پیچ کر رہے گا۔ براق نے کار کو سٹارٹ کیا اور پھر سے گلا کھنکارا۔

"میں انجان ہوں اس بات سے کہ کیسے وہ مجھے اب تک جانتی ہیں۔ ٹرسٹ می اب یہ سب بہت اری ٹیٹ کرتا ہے۔" اسے لگا جیسے وہ کار میں تنہا ہے اور خود سے ہی مخاطب ہے۔ سویلم تو اسے دیکھ بھی نہیں رہی تھی مانو اس نے اپنی سماعت بولنے والے کیلیے بند کر دی ہو۔ براق نے ایک نگاہ اس پر ڈال کر دوبارہ سے بات کا آغاز کیا۔

"لیکن مجھے لگتا ہے اس میں میرا کوئی قصور نہیں۔ سلیبر ٹیز یاد رکھے جاتے ہیں۔ ہے نا؟"

سویلم نے پھر اسے نہیں دیکھا۔ براق اسے پھر سے پکار اٹھا۔

"آپ۔۔خفا لگ رہی ہیں۔ میں آپ سے مخاطب ہوں سویلم۔" اس نے سیل فون کو گود میں دھرا جہاں نیوز فیڈز کھلی ہوئی تھیں۔ وہ جارحیت سے فون کو گود میں رکھ کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔ دیکھنے کے بعد کہنے لگی۔

"اور میں تم سے خفا کیوں ہوں گی۔ ایسی خوش فہمی کیوں ہے تمہیں۔"

شاید اسے اپنا اگنور کیا جانا یا براق ایک بار پھر سے عوام میں مقبول ہونا بھایا نہیں تھا۔ ایسا اس لیے ہو سکتا تھا کیونکہ اس طرح کی حرکتوں سے پرانا براق ان کے درمیان آجاتا تھا جو ہر لحاظ سے برا تھا۔ کم از کم سویلم کو تو وہ برا ہی لگتا تھا۔

"سویلم، میری کوئی غلطی نہیں ہے۔" اس نے ہلکا سا احتجاج کیا۔ وہ اس کے ہاف وائٹ کلر کی شرٹ پر گلابی لپ اسٹک دیکھ کر آنکھوں کو اچکا گئی۔ براق نے جھٹ سے اس کی آنکھوں کے تعاقب میں دیکھا اور دل نیچے گرا بیٹھا۔

"بالکل تمہاری غلطی نہیں ہے۔" وہ اس طنز سے بلبلا اٹھا۔

"واللہ، وہ سب میرے لیے بہنوں کی طرح تھیں بلکہ بہنیں کیوں بیٹیوں کی طرح۔ وہ چھوٹی سی بچی تھی اٹھارہ سال کی جس نے مجھے ہاف ہگ کیا تھا۔ آپ تھیں تو وہاں جب میں نے اسے خود سے الگ کیا۔ پتا نہیں آج کل کا معاشرہ کس رو میں چل رہا ہے۔ اپنی بیٹیوں کو پیرنٹس صحیح غلط کی تعلیم ہی نہیں دیتے۔ یہ لپ اسٹک کا داغ اس بچی کی ہی کارستانی ہے آپ مجھے ایسی نظروں سے تو نہ دیکھیں۔"

سویلم جو اس "اٹھارہ سال کی بچی" کی حرکت پر کھول اٹھی تھی اسی وجہ سے منظر عام سے غائب ہوئی تھی۔

براق کی وضاحت پر اس کو اچانک امڈنے والی ہنسی روکنا محال لگنے لگا۔ سب سے زیادہ دلچسپ اس کی شکل تھی اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ رنگ جو کہ اڑ چکے تھے۔

"ٹھیک ہے مان لیتی ہوں تمہاری بات۔" وہ جان بوجھ کر لٹھ مار انداز میں بولی تھی۔

شاپنگ مال میں گھس کر جو سب سے پہلا کام براق نے کیا تھا وہ شرٹ بدلنے کا تھا۔ اس نے سیاہ رنگ کی شرٹ زیب تن کی اور سولیم کی طرف آیا جو اپنی شاپنگ مکمل کرنے کے بعد اب شوز دیکھ رہی تھی۔ براق نے اپنی نظریں اس پر ہی رکھی ہوئی تھیں جب اچانک اسے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ اس نے گردن کو ہلکی سی جنبش دی اور اس سوٹڈ بوٹڈ مرد کو دیکھنے لگا جس کی نگاہیں سولیم پر ٹک چکی تھیں۔ وہ لیمن کلر عبائیہ میں ملبوس اس پری پیکر کو دیکھ رہا تھا جو اپنے سفید ہاتھوں سے جوتے کا ہک بند کر رہی تھی۔ کرنے کے بعد اپنے پاؤں کو شیشے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں ستائش تھی یعنی یہ جوتا اسے پسند آیا تھا۔ براق کے ماتھے پر گہرے بل پڑے اور وہ سولیم کے سامنے آن کھڑا ہوا۔ اس کا سنجیدہ سا روپ سولیم کو چونکا گیا۔

"سب ٹھیک ہے؟"

"آپ نے جو لینا ہے جلدی سے لیں اور چلیں یہاں سے۔" اس کے انداز کے ساتھ ساتھ آواز بھی سپاٹ تھی۔ وہ عبائیہ میں تھی پھر بھی براق اسے کور کیے کھڑا تھا۔ سولیم کی چھٹی حس جاگ اٹھی۔

"ٹھیک ہے میں چلنے کیلئے تیار ہوں لیکن مجھے یہ شوز چاہیے جو ابھی منگوایا جا رہا ہے۔" سولیم نے دیکھا اس کی بات سننے کے دوران براق اپنے ہونٹوں پر ہتھیلی رکھ کر انہیں صاف کر رہا ہے۔ اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے عاری تھا۔ گریفائیٹ آنکھوں میں ہلکے سے سرخ دھاگے اور آواز سرد تھی۔

"کیا ہوا ہے؟" اس نے خود سے سوچا اور کھڑی ہو گئی۔ جونہی وہ کھڑی ہوئی براق اس کے سامنے آ گیا۔ سولیم نے دیکھا براق کے عقب میں موجود بندہ اسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر گھور رہا ہے۔ براق کا انداز اس کا غصہ اسے سرشار کر گیا۔

"میں عبایہ میں ہوں براق۔" اس نے کہا تھا۔

"مرد کی نگاہ کو آپ نہیں جانتیں، اس لیے پلیز چپ رہیں۔" اپنی اوٹ میں مسلسل اسے کیے وہ شاپ سے

باہر چھوڑ کر واپس اندر آیا اور اس آدمی کے کالر پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"برو، اگر تمہاری بیوی یا ماں ہے تو دعا کرو وہ ایسی نظروں سے محفوظ رہیں جن سے تم دوسروں کی بیویوں کو دیکھتے ہو۔ چاہوں تو ابھی منہ توڑ دوں مگر اس بچی کو دیکھ کر خاموش ہو گیا ہوں جو تمہیں بابا کہہ رہی ہے۔ شرم سے ڈوب مرو۔"

اس کے کالر کو وارننگ والے انداز میں درست کرتے ہوئے وہ ایک جھٹکے میں وہاں سے گیا تھا۔ جاتے جاتے اچانک سلور سلیپرز پر اس کی نگاہ گئی، مسکرا کر اسے پیک کرواتے ہوئے وہ باہر آیا۔

" کہاں گئے تھے تم۔ مت کہنا کہ اس آدمی کا منہ توڑ کر آئے ہو۔" براق نے سولیم کی بات کو نظر انداز کیا اور ڈبے میں سے جوتا نکال کر جھک گیا۔

"مجھے لگا یہ جوتا آپ کے پاؤں میں جچے گا اس لیے لے آیا۔ میری سوچ ٹھیک نکلی اس اٹھارہ سالہ بچی نے بھی ایسا ہی جوتا پہنا ہوا تھا جب میں نے اس کا شوز دیکھا تھا تو سوچا تھا ایک ایسا آپ کیلئے بھی ضرور لوں گا اور دیکھو، میں لے آیا۔ کیا ہوا، آپ اس جوتے کو پاؤں سے نکال کر ڈبے میں کیوں پٹخ رہی ہیں۔ یہ آپ ابھی پہن سکتی ہیں۔"

وہ سولیم کے عمل سے حیران ہوا تھا۔ اس نے براق کی آدھی بات سنتے ہی اس جوتے کو پاؤں سے الگ کیا اور ڈبے میں ڈال کر کہنے لگی۔

"ایسا کرو اسے اپنی کسی فین کو ہی گفٹ کر دو۔ مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ مسکرا کر اسے دیکھ رہا تھا۔ ویسی ہی مسکراہٹ زمین پر گرے دھندلی بصارت لیے براق کے لبوں پر بھی تھی۔ اس کی سولیم اس کے پاس آئی، اس سے پہلے وہ اسے ہاتھ لگاتی تیز ہوا نے اسے بکھرا دیا۔ اس کے بکھرتے ہی براق نے آنکھیں موند لی تھیں۔

☆......☆......☆

ریڈ کامیاب ہوا تھا۔ مشن نے فتح کا نعرہ لگایا اور پورے عالم میں اس بڑی کامیابی کا چرچہ کر دیا۔ خبروں میں چیخ چیخ کر خلیفہ تمریز اور سمندر خان کے مزید کالے کارناموں کے بارے میں بتایا جانے لگا۔ اس بار وہ سارے

ثبوت بھی تھے جو اسکرین کے آدھے حصے میں پٹی کی مانند چل رہے تھے۔ وہ لوگ جو گناہوں کے حیوانوں کی موت کو پہلے ہی تسلیم کر بیٹھے تھے یہ سن کر دل تھام گئے کہ وہ بڑا سوانگ رچا کر بھی زندہ بچ گئے تھے لیکن اس بار موت کی خبریں پکی تھیں۔ سمندر خان کی ڈیڈ باڈی غوطہ زنوں نے پانی کی تہہ سے نکال کر شیشے کے تابوت میں رکھ دی تھی کہ وہ اس حالت میں نہیں تھی کہ اسے دیکھا جاتا یا چھوا جاتا۔ دیکھ لیتے تو دل خراب ہوتا اور چھو لیتے تو گھن آنے لگتی اس لیے صرف تابوت کے اوپر سے اس کا چہرہ دنیا والوں کو دکھایا جا رہا تھا جو کسی عبرت کے نشان سے کم نہ تھا۔

ان لوگوں کا وہ ساتھی جس کا نام رمیز تھا اس کو اسپیشل پولیس نے حراست میں لے لیا تھا۔ منہ پر سیاہ شاپر چڑھائے اور نائلون کی رسی سے بندھے ہاتھوں کے ساتھ رمیز اب اپنی آگے کی بدصورت زندگی کیلئے خود کو تیار کر بیٹھا تھا۔ غداری کی سزا ایسی ہونی چاہیے۔ پھر چاہے یہ غداری انسان کے ساتھ ہو یا پھر ملک کے ساتھ، غداروں کی سزا ہمیشہ عبرت ناک ہی ہوتی ہے۔

پانچ ماہ بعد۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" نانو نے پیچھے سے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا۔ وہ مڑ کر انہیں دیکھ کر مسکرا دی۔

"کچھ نہیں بس ایسے ہی۔" وسعتوں میں نگاہوں کو بھٹکائے وہ شام کی سرخی کو دل میں اترتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ یہ دن کے ڈھلنے کا وقت تھا۔ وہ وقت جو ہمیشہ سے ہی اس کے اندر طمانیت بھر دیتا تھا۔ نانو نے اس کی وہیل چیئر کا رخ اپنی جانب کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں۔

"اس دن تم نے نوفل سے نکاح کیا تھا نا؟"

نانو کی بات پر اس کی آنکھیں بھر آئیں۔ اس نے زور زور سے انہیں میچا۔ نانو کے اس بار بھی صحیح اندازہ لگانے پر اس نے دل میں اٹھتے درد کو پیچھے دھکیلا اور بولی۔

"کیا میں کسی نوفل کو جانتی ہوں؟" بیگانے سے لہجے میں کہتی ہوئی وہ نانو کو چپ کروا گئی تھی۔ حفیظ کی زبانی ساری روداد سن کر انہوں نے خود کو کہنے پر آمادہ کیا۔

"تم نے اچھا کیا خلیفہ پر یہ ظاہر کر کے کہ تم نوفل کی اداکاری کو پہچان گئی تھی۔ کوئی اتنا بڑا بھی دھوکے باز

ہو سکتا ہے؟"

نانو کی بات پر اس نے ایک بار پھر سے بنفشی رنگ میں سجے آسمان کی اور نگاہ کی۔ وہاں جہاں پرندے گول گول دائروں میں گھوم رہے تھے۔ وہ انہی پرندوں پر نگاہ ڈالے کہہ رہی تھی۔

"جانتی ہیں نانو، میں نے بغیر کسی تصدیق کے کیوں نوفل کو مارا یا اس کی کیوں نہیں سنی اور خلیفہ کو یہ تاثر کیوں دیا کہ میں نوفل کی حقیقت جانتی تھی؟"

نانو نے اس کے سوال پر نفی میں سر ہلایا۔ وہ اپنے پرانے گھر میں تھی وہی گھر جہاں سے کبھی یہ سب شروع ہوا تھا۔

"میں نے ایسا اس لیے کیا کیونکہ میں اس حالت میں نہیں تھی کہ اس کے منہ سے سنتی وہ مجھے ڈچ کر رہا تھا۔ اگر وہ مجھ پر تھوڑا سا بھی طنزیہ مسکرا لیتا تو میں اسی وقت مر جاتی۔ اس نے ایسا کیوں کیا نانو؟"

اس کی آواز بھاری ہو چکی تھی اور لفظ اس سے بھی زیادہ بھاری۔ اتنے کہ نانو کو ان کا وزن برداشت کرنا سوہان روح لگا۔ پانیوں سے بھری آنکھیں، سرخ چہرہ، ضبط میں ڈولتا وجود۔

"اس نے اس لڑکی کا ہاتھ ایسے تھاما ہوا تھا جیسے ایک اس دنیا میں وہی ہے جو اس کیلئے سب سے اہم ہے، جس کے بغیر اس کی زندگی کا تصور نہیں۔ وہ خلیفہ کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے اس کا غلام ہو اور جانتی ہیں اس نے مجھ پر کیسی نظر ڈالی تھی؟"

نانو نے خود کو چپ رکھنا ہی بہتر جانا۔ آج پانچ ماہ بعد وہ بات کرنے کے قابل ہوئی تھی۔ آج پانچ ماہ بعد اس کا دل ہلکا ہو رہا تھا۔

"ایسی نظر جو کسی بہت حقیر انسان پر ڈالی جائے، شاکڈ، تنفر سے بھری ہوئی۔ اگر میں چند سیکنڈ دیر کر دیتی تو واثق امید تھی وہ مجھ پر ہی گولی چلا دیتا۔"

اسے کیا پتا تھا کہ جو باتیں وہ خلیفہ کو بغیر کسی تصدیق کے تکے سے کہہ چکی تھی وہی سچ ثابت ہوئیں۔ نوفل نے اسے اسی طرح سے دھوکے دیے تھے جس طرح سے اس نے خلیفہ کے سامنے بیان کیا تھا۔ آہ یہ محبت اور اس کے دھوکے! اس نے جلدی سے واحد ٹپکتے آنسو کو صاف کیا۔ وہ کیوں اس طرح کے دھوکے بازوں پر اپنے قیمتی آنسو لٹائے۔

"حفیظ نے جو سی ڈی دی تھی وہ دیکھ لی؟"

نانو کو شک گزرا تبھی پوچھ بیٹھیں۔ معروش نے نفی میں سر ہلایا۔

"اگر وہ دیکھ لوں گی تو محبت سے نفرت ہونے لگ جائے گی۔ پڑے رہنے دو اسے وہیں۔"

دراز میں فائلز کی تہوں کے نیچے جو سی ڈی تھی وہ نوفل کی غداری کا ثبوت تھی۔ ان میں نوفل اور خلیفہ کی گفتگو واضح سنی جا سکتی تھی ان دونوں کی ملاقاتیں اور بہترین وقت گزاری کے وہ تمام مناظر اس ایک سی ڈی میں قید تھے جو ابن لوگوں کے ہاتھ لگ چکی تھی۔ مختلف جگہیں تھیں، مختلف مناظر تھے، مختلف واقعات تھے۔ عظیم دھوکے کے نشانات تھے۔

"اچھا ہوا تمہاری اس سے جان چھوٹ گئی۔" وہ ان کی بات پر ہنسی۔ وہیل چیئر کا بٹن پش کیا اور آگے بڑھنے لگی۔

"میں آج ایکسر سائز نہیں کرواؤں گی، تھیراپسٹ کو آنے سے منع کر دینا۔"

خلیفہ کے کیے گئے بلاسٹ کی صورت وہ بچ تو گئی تھی مگر اس کی ٹانگوں کی رگیں جام ہو چکی تھیں تبھی وہ پانچ ماہ سے وہیل چیئر کا سہارا لے رہی تھی۔ اب تو اس کے پاؤں میں اتنی جان آگئی تھی کہ وہ کھڑی ہو سکتی، بس قدم تھے جو ساتھ دینے سے فی الحال انکاری تھے۔

"ایسے کیسے نہیں کرواؤ گی۔ یہ چند سیشنز ہیں بس اس کے بعد تم پھر سے چلنے لگو گی۔ کیا تمہیں مجھ بوڑھی پر ذرا ترس نہیں آتا جو اس طرح کی بات کر رہی ہو۔"

نانو پھر سے اموشنل کارڈ کھیلنا شروع ہو چکی تھیں۔ اس نے لمبا سا اف کہا اور اپنے کمرے میں غائب ہو گئی۔

"اسے کل بلا لیجیے گا۔" ان کی بات ماننے کے سوا اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ کمرے کے دروازے کو بند کر کے وہ کھڑکی کی طرف آئی اور پھر سے آسمان کو دیکھنے لگی۔

"زندگی ایسی ہی ہے دھوپ اور چھاؤں سی۔ آغاز و اختتام سی سہ پہر سی تو کبھی شام سی، اسی زندگی نے مجھے سکھایا ہے کہ جب آپ برائی میں گھسو گے تو کچھ نہ کچھ تو کھو ہی دو گے۔ میں نے بھی کھو دیا شاید خود کو یا شاید اپنے دل کو لیکن سچ کہوں میں پھر بھی پر سکون ہوں۔ دکھ ہے، رہے گا بھی لیکن کون جانے کب اس دکھ پر پردہ پڑ جائے

اور وہ دیپیز یادوں کی تہہ تلے دفن ہو جائے۔"

اس کے سیل فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے وہیل چیئر کو آگے بڑھایا اور فون کو لاؤڈ اسپیکر پر لگا دیا۔

"اینڈ کا مزہ نہیں آرہا۔" مردانہ آواز اس کے فون میں ابھری۔

"مجھے بھی۔" اس نے سرشاریت سے کہا تھا۔

"تو پھر آگے کیا کرنا ہے؟" وہ ہنسی۔

"آگے یہ کرنا ہے کہ ریڈرز کو پریشان یا ایکسائیٹڈ نہیں کرنا۔ بولو حفیظ کیوں کال کی تھی؟" اس کے مسکرانے کی آواز بخوبی سنی جاسکتی تھی۔ وہ اسی انداز میں کہہ رہا تھا۔

"چلیں مان لیتے ہیں آپ کی بات، ڈپٹی ڈائریکٹر نے آپ کو میل کی ہے جس کا لب لباب آپ کی پروموشن اور مزید چھٹیاں ہیں۔ مبارک ہو لیڈی، آپ نے ایک بڑا کارنامہ سر کیا۔ وقت کے پنوں میں آپ کے اس معرکہ کو سنہری حرفوں سے لکھا جائے گا۔ پاکستان کو آپ پر فخر ہے۔"

وہ اس کی مبالغہ آرائی پر سر جھٹک کر رہ گئی۔ وہ کہہ رہی تھی۔

"پاکستان کو اس میں بستی ہر لڑکی پر فخر ہے۔ وہ جو اپنے والدین کے سر کو اونچا رکھتی ہے، جو نوفل اور خلیفہ جیسے جانوروں کے سامنے ڈٹ کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ جو ڈگمگاتی نہیں۔ اگر ڈگمگا بھی جائے تو گرتی نہیں اور اگر خدانخواستہ گر بھی جائے تو کھڑا ہونا جانتی ہے۔ پاکستان ایسی تمام عورتوں، بچیوں اور لڑکیوں پر فخر کرتا ہے جو اپنے کردار کو مضبوط رکھ کر اللہ اور اس دنیا کی نگاہوں میں بلند ہوتی ہیں۔ جن کا دل ان کے اختیار میں ہے، جو چلتی ہیں تو زمانہ نگاہیں جھکا جاتا ہے، عزت سے بھی اور اس کے خوف سے بھی۔"

یہ الفاظ سن کر حفیظ کے انگ انگ میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ خود کو اس دنیا کا خوش قسمت انسان سمجھ رہا تھا جو اس کے انڈر کام کر چکا ہے۔ وہ اس سے چھوٹی تھی مگر باتیں اس سے کہیں بڑی کرتی تھی۔ اس نے وہ کہا جو اسے کہنا چاہیے تھا۔

"اللہ آپ کے دل کو بھرے گا اور آپ جلد صحت یاب ہو جائیں گی۔"

معروش نے کال کاٹ دی۔ سیل فون کو صوفے پر اچھالا اور ایک بار پھر سے سرخ ہوتے آسمان کو دیکھنے لگی۔

"اللہ تعالیٰ ہر اس لڑکی کے دل کو بھرے جو دھوکا کھا چکی ہے۔ میں صحت یاب ہو چکی ہوں حفیظ کیونکہ میں نے خود کو سمجھا لیا ہے اور جو خود کو سمجھا لیتے ہیں وہ کسی سے ہارا نہیں کرتے۔ اب میں ہوں اور میری زندگی ہے جس میں ایک خوبصورت سا رشتہ نانو کی صورت میں میرے پاس ہے۔ جلد ہی میں چلنے لگوں گی اور ان بہت سارے کیسز کو سلجھاؤں گی جو میرے منتظر ہیں۔ میں نے برزخ سے اعراف تک کا سفر بہت مشکلوں سے طے کیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے، اعراف پر چل کر میں جنت تک ضرور پہنچوں گی اس لیے میں معروش حبیب اپنی کہانی کا اختتام کرتی ہوں۔ بار برزخ سے اعراف تک کے سفر کو تمام کرتی ہوں۔"

اس نے کھڑکی کے پٹوں کو بند کیا۔ بالکل ایسے جیسے اب اس کی کہانی لکھنا بند ہو رہی تھی اور لو وہ ہو گئی۔

☆......☆......☆

اسد نے کال کے سنتے ہی خود کو صوفے پر گرایا۔ اس سے فاصلے پر بیٹھے فاروق دوڑ کر اس کے پاس آئے تھے۔ انہوں نے دیکھا اسد فون کو اب بھی کان سے لگائے ہوئے ہے اور صوفے پر ساکت انداز میں بیٹھا ہے۔ ان کا دل دھڑکا اور وہ اسد پر بھڑکے۔

" مجھے بتاؤ ایسا کیا سن لیا ہے تم نے جو یوں حواس کھو بیٹھے ہو۔ اسد میرا دل ڈوب رہا ہے۔ رحم کرو اس پر۔" وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ایک تو پہلے ہی خبروں میں ہولناک مناظر دیکھ کر وہ ادھ موئے ہوئے جا رہے تھے اوپر سے اسد کی یہ حالت۔ انہیں لگا اگر وہ چند سیکنڈ یونہی خاموش رہا تو ان کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

" براق کو، براق کو گولی لگی ہے۔" کاش وہ نہ بولتا۔ یونہی خاموش رہتا، لبوں کو سی لیتا یا اس طرح ان کے پاس نہ بیٹھتا۔ فاروق نے اچانک سے دل کو تھاما تھا۔

" کہہ دو یہ جھوٹ ہے۔"

اسد نے لب بھینچ کر سر نیچے کیا۔ وہاں ابھی ابھی آئی سولیم ان کی گفتگو سن کر تھم گئی، رک گئی، جامد ہو گئی۔ یہی وہ چیز تھی، یہی وہ بات تھی۔ یہ وہ اطلاع تھی جس سے وہ گھبرا رہی تھی، ڈر رہی تھی، کترا رہی تھی۔ اس کا دل اتھل پتھل ہوا۔ کچھ وقت قبل کے مناظر اس اتھل پتھل ہوتے دل کے جہاں میں آباد ہونے لگے جو کہ یہ تھے۔

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے نا، تم نے مجھے بھی ساتھ لے کر جانا ہے؟" اس کے ہاتھ سے میڈیسن لینے کے بعد وہ لیٹتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ براق نے لیمپ کی بتی کو گل کیا اور اپنی ازلی دل موہ لینے والی مسکان کے ساتھ بولا۔

"آپ کو لگتا ہے میں آپ کو ڈچ کروں گا؟"

سولیم نے کمفرٹر کو سینے تک تانا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

"لگتا نہیں مجھے پورا یقین ہے اور اگر ایسا ہوا نا تو یاد رکھنا، میں ساری زندگی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔" وہ افسوس زدگی سے اسے تکتا رہا پھر بوجھل سانس فضا کے سپرد کر کے دروازے کی ناب کو تھام گیا۔ سولیم نے واضح اس کی سانس کی آواز سنی تھی۔

"آپ کے شک کا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ شب بخیر۔" مڑ کر اسے دیکھتے ہوئے اس نے خود کو کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔ سولیم ہولے سے مسکائی اور کروٹ بدل کو خود کو نیند کے وادیوں میں گم کر گئی۔ اس کے کمرے کے ساتھ ملحق کمرے میں براق چھوٹا سا بیگ پیک کر رہا تھا جس میں سرفہرست اس کے گلوز تھے اور ایک عدد گن۔

"حد ہے تیری ہٹ دھرمی کی، کیا ہو جائے گا اگر میں تیرے ساتھ چلا جاؤں گا تو؟" اسد کی جھنجھلائی ہوئی آواز اس کے کمرے میں گونج رہی تھی۔ براق نے بیگ کی زپ کو بند کیا اور سیاہ ہڈ والی جرسی نما ٹی شرٹ خود پر چڑھا لی۔ وہ اس شرٹ کی زپ بند کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"فضول کی ضدمت کر اسد، تو جانتا ہے میں نہیں ماننے والا تو کیوں اپنا سر کھپا رہا ہے۔" اس نے بیگ کی ڈوروں کو شانوں پر ڈالا اور باہر کی اور قدم بڑھا دیے۔ کار میں بیٹھتے ہوئے اور اس میں سے نکلتے ہوئے اسد کی ایک ہی گردان تھی جسے وہ مسلسل جھٹلا رہا تھا۔

"دیکھ مان جا، اب بھی وقت ہے، تیرا دل اس قابل نہیں کہ خدانخواستہ کسی جھٹکے کو برداشت کر سکے تو کس طرح عبداللہ کو لے کر لوٹے گا۔ وہاں تیرے ساتھ کسی کا ہونا اشد ضروری ہے۔"

براق نے اسے خشمگیں نظروں سے گھورا۔ ان نظروں کا مفہوم تھا اپنی حد میں رہو۔

"میں بچہ نہیں ہوں مسٹر اسد اور اگر کوئی جھٹکا ملا بھی نا تو تجھے ہی کال کروں گا۔" اس کے انداز سے وہ سٹپٹا گیا جھٹ سے مفاہمتی انداز میں بولا۔

"میں عبداللہ کی بابت نہیں کہہ رہا تھا۔ میں کہہ سکتا ہوں بھلا؟ میرا اشارہ تو گولی شولی کی طرف تھا تو کہاں سہار پائے گا اب اس طرح کی چیزیں۔"

براق نے یک لخت ہی ایک زوردار مکا اس کے منہ پر جڑا۔ اسد کی آنکھیں کھلیں۔ وہ تحیر سے اسے دیکھنے لگا۔ پہلے اس کی آنکھیں پھیلیں پھر لب اور پھر وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا۔

"یو۔۔ہو۔۔۔جان ہاں؟ شیر ہے تو میرا شیر۔"

براق نے اسے گلے سے لگایا۔ خود میں بھینچتے ہوئے وہ کہنے لگا۔

"ڈونٹ انڈر ایسٹی دی پاور آف آبا کسر چاہے وہ ریٹائرڈ ہو یا پھر بوڑھا او کز؟"

اسد نے اس کا سینہ تھپکا تھا پھر توقف کے بعد بولا۔

"زندہ لوٹنا اور میرے بیٹے کو بھی زندہ لے کر لوٹنا" وہ اسد کے بڑھائے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ دھر کر ہلاتا ہوا بولا۔

"وعدہ نہیں کرتا لیکن کوشش ضرور کروں گا۔"

اور پھر وہ چلا گیا تھا۔ صبح کی کرنیں سولیم کو اٹھانے آئی تھیں مگر براق کے ڈالے گئے دبیز پردوں کے تحت وہ ناکام واپس لوٹ گئیں۔ آدھے دن کے اختتام پر فردوس نے آ کر پردوں کو سمیٹا اور اس کے سرہانے بیٹھ کر سر پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

"اٹھ جاؤ، دیکھو چمکیلی صبح کیسے شان سے سانس لے رہی ہے۔"

سولیم نے آنکھیں کھول کر انہیں دیکھا اور پھر چونک کر ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔ اس کے بیٹھنے تک اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔

"آپ؟" انہیں یہاں دیکھ کر وہ حیران ہوئی تھی۔ اچانک اٹھنے پر دماغ ماؤف تھا ورنہ تو اسے علم تھا کہ وہ دونوں آنے والے ہیں۔ اس نے یکدم خود کو سیٹ کیا اور پھر وہ پوچھا جو اس نے پوچھنا تھا۔

"کہہ دیں آنٹی کہ یہ بارہ سے اوپر کا وقت نہیں ہے۔" وہ ان سے دست سوال تھی۔

"ہم کل فجر کے بعد نکلیں گے۔" براق کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرائے۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ سوا ایک ہو چلا ہے۔"

اس نے اپنے اوپر سے کمفرٹر کو ہٹایا اور عجلت میں بالوں کا جوڑا باندھ کر سلیپرز پہننے لگی۔

"تم کہاں جا رہی ہو سولیم؟"

اس نے خود کو واش روم کی طرف بڑھایا۔ابھی اس کی ناب ہی پکڑی تھی کہ ان کی بات سے ٹھٹک گئی۔بے یقین نگاہوں سے انہیں دیکھا جو اس کے جواب میں کہہ رہی تھیں۔

"میں نے اور براق نے عبداللہ کو لینے جانا تھا۔میری وجہ سے اسے دیر ہو گئی ہے۔"

"کس دیر کی بات کر رہی ہو؟ براق تو پرسوں رات ہمارے آنے سے پہلے ہی چلا گیا تھا بلکہ وہ تو اس ملک بھی پہنچ چکا ہے جہاں عبداللہ کو اسمگل کیا گیا تھا۔اس نے تمہیں اس بارے میں بتایا نہیں۔"

پرسوں رات؟ اسے ایک اور دھچکا لگا۔کیا وہ اتنا لمبا سوتی رہی؟ مائی گاڈ، اسے اچانک براق کی دی گئی میڈیسن یاد آئی اور اس کا دل ڈوبا گئی۔اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اس سے بہت کچھ چھپایا گیا ہے۔اس نے اپنے لب بھینچے اور امڈتے آنسوؤں کو پرے دھکیلا۔

"کفارہ ادا کر دیں آنٹی، براق نے ایک بار پھر سے اپنا وعدہ توڑ دیا ہے۔" ان سے کہتے ہی وہ واش روم میں گھس گئی تھی۔کتنی ہی دیر منہ پر چھینٹے مار کر وہ ضبط سے سرخ چہرے کو دیکھتی رہی پھر اچانک سے وہ باہر آئی۔فردوس وہاں سے جا چکی تھیں۔اس نے وارڈ روب کی جانب قدم بڑھائے۔دروازہ کھولا اور جو پہلا عبائیہ ہاتھ لگا اسے خود پر چڑھا کر ڈریسنگ کی طرف بڑھی۔اس سے پہلے وہ مڑتی ایک سفید کاغذ ایک بار پھر سے ڈریسنگ پر اوندھا پڑا اس کا منتظر تھا۔چھوٹے سی کرسٹل کی گیند کو اس پر سے ہٹا کر وہ بیڈ پر آ کر بیٹھی اور اسے کھول کر پڑھنے لگی۔

"جانتا ہوں جب تک آپ یہ پڑھیں گی میں بہت دور جا چکا ہوں گا، آپ مجھ سے خفا ہوں گی اور ہو سکتا ہے مجھے کبھی معاف نہ کریں لیکن یقین کریں سولیم! مجھے آپ کی زندگی کے عوض آپ کی ناراضگی اور کبھی معاف نہ کرنے کی سزا قبول ہے۔میں سب برداشت کر سکتا ہوں مگر آپ کی جدائی نہیں۔میں سب سہہ سکتا ہوں لیکن آپ کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔جہاں میں جا رہا ہوں وہ کوئی عام جگہ نہیں ہے اور نہ ہی میرے اختیار میں ہے کہ میں آپ کو لے جاؤں۔آپ کو وعدہ اس لیے دیا تھا تا کہ جس سٹریس کے تحت آپ بیمار پڑ رہی ہیں وہ آپ سے دور ہو جائے۔آپ ایک اچھا وقت گزاریں اور مسکرائیں۔کسی حد تک میں اس میں کامیاب بھی رہا اس لیے مجھے کوئی

رگریشن نہیں ہے۔آپ کی عزت،آپ کی زندگی کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے سو میں نے کیا۔زندگی رہی تو ضرور ملیں گے۔پلیز اسد سے ناراض مت ہونا،اس کا اس سب میں کوئی قصور نہیں۔"

اس نے کاغذ کو بیڈ پر پھینکا اور دونوں ہاتھوں میں سر دے کر بیٹھ گئی۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس انسان کا کیا کرے جو ہر وقت اسے لاچار کر دیتا ہے۔اس نے اسد پر ترس نہ کھانے کا تہیہ کیا اور اپنا پرس اٹھا کر باہر آگئی۔ابھی وہ ٹی وی لاؤنج سے گزر رہی تھی کہ وہ آوازیں اس کی سماعت سے ٹکرائیں جو وہ کبھی نہیں سننا چاہتی تھی۔وہ سن رہی تھی کہ اسد کہہ رہا ہے براق کو گولی لگی ہے۔وہ سن چکی تھی۔ہاں وہ سچ تھا۔ایسا کڑوا سچ جو اس کے دل کی دنیا کو زیر و بم کر گیا۔اس نے اچانک سے صوفے کی بیک کا سہارا لیا تھا۔

"عبداللہ کو ہوائی جہاز کے ذریعے بھیجا جا رہا ہے جبکہ براق۔۔۔" اس کی نگاہ سولیم پر پڑی تھی وہ چپ ہو گیا۔فاروق نے تڑپ کر پیچھے مڑ کر دیکھا۔انہیں لگا فردوس ہوں گی لیکن صد شکر وہ نہیں تھیں بلکہ سولیم تھی جو چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی اسد کی جانب بڑھ رہی تھی۔وہ اس کے سر پر آن رکی۔پرس میں سے ایک فائل نکالی اور اس کی طرف اچھال دی جو اس کے سینے سے لگ کر گود میں گری تھی۔

"تم جانتے تھے نا تمہارا دوست دل کا مریض ہے۔اس کا آرٹیریو گرافی ٹیسٹ ہوا تھا جس کے تحت ڈاکٹر نے اسے ہدایت کی تھی کہ اگر وہ آرام نہیں کرے گا یا کثرت کو چھوڑ دے گا تو اسے نائٹرو گلیسرین کی ایک نہیں دو گولیاں لینی پڑ جائیں گی۔ہو سکتا ہے ان کی تعداد تین تک بھی چلی جائے جو کہ اس کی صحت کیلئے ٹھیک نہیں ہے یا تم یہ کیوں بھول گئے کہ تمہارے دوست کے ٹیسٹ میں واضح لکھا تھا کہ اس کے دل کی ایک شریان میں خون جمع ہونا شروع ہو چکا ہے جس کے سبب اس کے سینے میں درد اٹھتا ہے۔وہ اس شریان کے جمع ہوئے خون کو بحال کرنے کیلئے دوا لے رہا تھا۔چلو اس بات کو بھی چھوڑ دیتے ہیں، یہ بتاؤ کیا تم نہیں جانتے کہ تمہارا عزیز از جان دوست شراب نوشی کی کثرت کی وجہ سے استھما جیسے مرض کا شکار ہے۔بولو کیا ان سب باتوں سے واقف ہو تم؟"

اسد نے مدد طلب نگاہوں سے فاروق کی سمت دیکھا جو خود سولیم کی باتوں سے الجھ گئے تھے۔انہیں افسوس ہوا۔وہ اب بھی ویسی ہی تھی جیسی وہ اسے چھوڑ کر گئے تھے۔ضدی، ہٹ دھرم، رعب دار۔آہ کچھ لوگ واقعی نہیں

بدلتے۔

"انکل کو کیا دیکھ رہے ہو، مجھ سے بات کرو، مجھے جواب دو۔"

اسد نے لبوں کو تر کیا اور سر کو اثبات میں ہلا دیا۔

"تو پھر کس دل سے تم نے اسے تنہا جانے دیا، تم یہ سب جانتے تھے پھر بھی یہاں ہو۔ کیا تمہارا ضمیر اب گوارا کر رہا ہے؟ کیا تم اس قابل ہو کہ براق کا سامنا کر سکو، کس بنیں پر تم نے اسے تنہا چھوڑ دیا۔"

اسد اس کے پے در پے جملوں سے گھبراتے ہوئے جھٹ سے بولا۔

"میں ہوں بلکہ وہ میں ہی تو ہوں جو اسے بار ہا کہہ رہا تھا کہ وہ مجھے اپنے ساتھ لے جائے لیکن اس نے میری ایک نہیں سنی۔ انکل، میں سچ کہہ رہا ہوں۔ کیا آپ کو بھی لگتا ہے میں مین ہوں؟"

اس کی آنکھوں میں خوف بھر آیا تھا کہ اگر انکل نے بھی یہی کہہ دیا، اپنی بہو کا ساتھ دے دیا کہ ہاں تم مین ہو تو وہ کیا کرے گا۔ اس کے پاس تو چلو بھر پانی بھی نہیں ہے جس میں وہ ڈوب مرجاتا۔

آہ بیچارہ اسد آہ۔

"اس بات میں کوئی صداقت نہیں کہ براق سے زیادہ براق کی پرواہ کرنے والا اسد ہے، تم شک میں گھرنے والے انسان نہیں ہو پر سکون ہو جاؤ۔"

ان کی تھپکی نے اس کے دل کو بہار کر دیا۔ وہ فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا جو مڑ کر جانے لگی تھی۔ جانے سے پہلے اس نے کہا۔

"عبداللہ کب تک آئے گا؟" اس کی آواز گیلی اور بھاری ہونے لگی تھی۔

"دو گھنٹے بعد۔" جواب فاروق کی طرف سے آیا تھا۔ وہ سر ہلاتی وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی فاروق اسد کے پاس جگہ بنا کر بیٹھے اور اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگے۔

"کیا تم نے بھی وہی محسوس کیا جو میں نے کیا؟"

اسد نے خوشگواریت سے ان کو تکا۔

"بالکل، مجھے لگتا ہے پتھر میں دراڑ آ چکی ہے مگر واللہ بڑا ہی خطرناک پتھر ہے" اس نے دل کو تھام کر کہا تھا۔

"درازکو چھوڑو، مجھے تو لگتا ہے اس میں غنچے بھی کھلنے لگ گئے ہیں۔ اس نانجار کو بولنا، اس کا آدھا ٹانکا ہم دونوں نے فٹ کر دیا ہے ویسے تم اچھے ایکٹر نہیں ہو۔"

براق کو گولی لگی ہے یہ بات انہیں صبح ہی پتا چل گئی تھی اور یہ بھی کہ گولی صرف چھو کر گزری تھی لیکن اس کے گزرنے میں شدت تھی تبھی خون زیادہ نکلا تھا اور وہ بیہوش ہو گیا تھا لیکن اب خطرے سے خالی تھا تبھی وہ بھی عبداللہ کے ساتھ ہی واپس آ رہا تھا۔ اسد نے پلان بنایا تھا کہ وہ براق کی گولی کی خبر کو سولیم کے سامنے بڑھا چڑھا کر پیش کریں گے تاکہ کچھ تو اس کے دل میں براق کا احساس پیدا ہو اور وہ اس میں کامیاب بھی رہے۔ جونہی سولیم ٹی وی لاؤنج کے پاس پہنچی، فاروق کے سگنل پر اسد نے آواز کو میوٹ کیا اور اپنی بھدی ایکٹنگ شروع کر دی۔ نتیجہ ان کے سامنے تھا۔

"آپ کی بات سے ایگری کرتا ہوں۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

☆......☆......☆

"ڈیڈی کہاں ہیں عبداللہ؟"

وہ ائیرپورٹ پر آدھے گھنٹے پہلے ہی پہنچ گئی تھی۔ جونہی اہلکاروں کی اوٹ میں عبداللہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا وہ اسے سینے سے لگا کر چومتی گئی۔ کتنی ہی دیر اس نے اسے خود میں بھینچا تھا۔

"تم ٹھیک ہو نا؟" وہ اچھے سے تسلی کرتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہ ٹھیک ہے بھابھی۔" اسد کے کہنے پر اس نے عبداللہ کے ماتھے پر نقاب میں چھپے لب رکھ دیے۔

"ایم سوری ماما، آئندہ کبھی خفا نہیں ہوں گی آپ سے۔" وہ اسے ایک بار پھر سے خود سے لگا بیٹھی تھی۔ دل تھا کہ بھرا جا رہا تھا۔ روح تھی کہ بلک رہی تھی، بدن تھا کہ ٹوٹتا جا رہا تھا۔ وہ اسے خود سے لگائے لگائے پوچھ بیٹھی۔

"ڈیڈی کہاں ہیں عبداللہ؟"

"ماما! ڈیڈی۔" اس نے ڈیڈی لفظ بڑی سست روی میں لیا تھا، لے کر اسد کو دیکھا تھا جو لبوں پر انگلی دھرے اسے چپ رہ جانے کا اشارہ کر رہا تھا۔ سب گھر والے دو گھنٹے سے یہ تاثر دے رہے تھے کہ خدانخواستہ براق کو کچھ ہو گیا ہے تبھی سولیم کا ضبط ٹوٹتا جا رہا تھا۔

"ماما! ڈیڈی کا بہت خون نکلا تھا۔ آخری بار میں نے انہیں جہاز میں چڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ زمین پر گرے ہوئے تھے۔"

عبداللہ کی بات پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا۔ وہ بے ربط ہوتی سانسوں کے ساتھ کئی خاموش آنسو عبداللہ کے شانے پر گرا بیٹھی۔ اس کی نگاہ ترسی ہوئی تھی اور وہ ان ترسی ہوئی نگاہوں سے سوچ رہی تھی۔ اس کی سوچ یہ تھی۔

"زندگی آج بھی اس کے تصور سے مہکتی ہے۔ وہ جو بھی تھا جس سے مسکراہٹیں وابستہ تھیں۔ جس کی ایک نظر ٹھہر جانے پر مجبور کر دیتی تھی۔ جس کیلئے میں ہی سب کچھ تھی۔ میری خوشی، میری رضا، میرا موڈ، میری فکر ہی آخر تھی۔ وہ جس کیلئے میں اس کی دنیا تھی میں ہی اس کی کل حاصل۔ آج وہ نہیں ہے تو زندگی کے معنی کھل کر سامنے آ رہے ہیں۔ وہ پل پل یاد آ رہا ہے، مجھے افسوس ہے ہم انسانوں پر جو کسی کے چلے جانے کے بعد اس کی قدر میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کسی کے کھو دینے پر ہی اس کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں۔ کاش! ہم انسان ایسا نہ کرتے تو زندگی کتنی سہل ہو جاتی نا؟ آہ براق شاہ، میرے دل کو بھر کر خالی کر کے تم نے اچھا نہیں کیا۔"

وہ رو دینے کو تھی مگر روئی نہیں کہ اب بھی اس نے مضبوط رہنا تھا۔ عبداللہ کو خود سے جدا کرتے ہوئے اس کی آنکھیں خالی تھیں۔ ایسی بنجر جیسے ان میں قحط سالی آ گئی ہو۔

اسد نے چپکے سے خود کو وہاں سے دور کیا اور فون نکال کر کان سے لگا لیا۔ کچھ دیر میں ہی اس کی کال اٹینڈ کر لی گئی۔

"جلدی آ جائیں محترم، تھوڑی سی بھی دیر کی تو آپ کی زوجہ محترمہ بیہوش ہو جائیں گی۔"

سولیم کی حالت کی بابت وہ دل کھول کر خوش ہوتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ براق نے ناسمجھی والے انداز میں پوچھا۔ "مطلب؟ شاید تم بھول رہے ہو وہ کوئی عام انسان نہیں، سولیم ہیں۔"

وہ جس جگہ چل رہا تھا وہاں سے بائیں جانب مر روال میں سے لائن میں کھڑے جہاز نظر آ رہے تھے۔

براق ان جہازوں کو پیچھے چھوڑ کر معاملات نپٹاتے ہوئے باہر آیا۔

"ہمیں پتا ہے وہ سولیم ہیں اور ان کے بارے میں ہی بات کی جا رہی ہے۔" اسد نے اس کے آنے تک تمام روداد اس کے گوش گزار دی جس کو سنتے ہی براق نے رفتار پکڑی۔

"تم لوگ پاگل ہو، جانتے ہو کیا گزر رہی ہوگی ان کے دل پر۔" وہ تقریباً دوڑنے لگا تھا۔اسی دوران اسد کی شوخ آواز سنی۔

"واہ بڑی خوش فہمی ہے موصوف کو۔کہیں یہ خوش فہمی غلط فہمی میں نہ بدل جائے۔"

"بھاڑ میں جا۔"

براق نے کال کاٹتے ہوئے اس کا قہقہہ سنا تھا۔وہ پریشان سا بھاگتا وزٹنگ ہال میں آیا جہاں سولیم اب کھڑی ہوتی ہوئی نظر آرہی تھی۔عبداللہ کو خود سے لگانے کے بعد اس نے یونہی نگاہ اٹھائی تھی کہ کیا غضب ہو گیا کہ وہ جھک ہی نہ پائی۔سامنے سے براق شانے پر بیگ ڈالے دوڑتا ہوا،لوگوں کے جم غفیر کو پیچھے کرتا اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔وہ دوڑ اس لیے رہا تھا کہ اس ملک سے نکلنے میں انہیں دو دن لگ گئے تھے اور ان دو دنوں نے اسے ہیل کر دیا تھا۔

سیاہ پینٹ شرٹ کے ساتھ سفید جوگرز پہنے وہ براق ہی تھا۔وہی جس کے کان میں آج بھی سونے کی روشنیوں کو مات دیتی سنہری بالی جھولتی ہے۔نہیں وہ فیشن کے طور پر نہیں تھی بلکہ وہ تو خاندان کی کسی روایت کو برقرار رکھنے کیلئے اس کے کان میں جھول رہی تھی۔وہ براق جس کی آ بروکٹی ہوئی ہے،جس کے والنٹ رنگ کے بال ہیں اور چال کھلاڑیوں جیسی بلکہ کیوں ان جیسی کیوں وہ تو خود ایک کھلاڑی ہے۔وہ کھلاڑی جس کی باڈی کثرت کے چھوڑ دینے کے باوجود ایسی ہے کہ دیکھنے والا دور سے پہچان جائے کہ ماضی میں یہ انسان کیا رہ چکا ہے۔ہاں وہی براق جو سولیم شفیق کا شوہر ہے اور اب پھولے سانس کے ساتھ لبوں کو تر کیے اسے دیکھ رہا ہے اسے،جو شاکڈ سی کھڑی ہے۔وہ عورت جو اس کی محبت ہے،اس کی جان ہے جس کے بغیر زندگی کا تصور بھی سوہان روح ہے۔ہاں وہی عورت جس کے بادامی نین پانی سے بھر چکے ہیں،جن میں پہلے بے یقینی پھر یقین پھر خوشی اور پھر محبت ٹھاٹھیں مارنے لگ گئی ہے۔ایک منٹ کیا ان میں محبت ہے؟ براق نے غور سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔اس سے پہلے وہ کچھ کہتا سمجھتا وہ ہوا جو اس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔

کبھی اجنبی،کبھی جان جان

کبھی دوریاں،کبھی پاس پاس

کبھی دشمن جاں، کبھی یاریاں

کبھی چاہتیں، کبھی بے رخی

کبھی یوں ملا کہ ہے زندگی

ہوا یوں جدا، لگے موت سی

یوں نہ چھوڑ جا، ذرا پاس آ

میری دھڑکنوں کو تو بھی سن ذرا

دل گمشدہ! ذرا باز آ

اچھا بات سن، تو سنبھل ذرا

کہ محبتوں میں کہاں فیض ہیں!

جنہیں عشق ہوا وہی قید ہیں

سولیم، اس کی سولیم اچانک سے اس بھری جگہ میں اس کے سینے سے لگ گئی۔ فاصلے پر کھڑا اسد منہ کھولے اس منظر کو تک رہا تھا۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین کرنا دشوار لگا۔ ایسی دشواری تو براق کو بھی پیش آ رہی تھی جس کا دل زور پکڑ چکا تھا۔

"سو۔۔۔لیم۔" وہ ہولے سے پھسپھسایا تھا، سولیم اس کے سینے پر ہاتھ رکھے روئے چلے جا رہی تھی۔ براق کے حلق کی ہڈی اوپر نیچے ہوئی۔ اس نے خفت سے آس پاس دیکھا تھا جہاں دنیا اپنے اپنے کاموں میں مگن تھی۔ اس کی نگاہ سٹپٹائے اسد پر پڑی جو عبداللہ کی آنکھوں پر ہاتھ رکھے خود انہیں آنکھیں پھاڑے دیکھ رہا تھا۔ براق نے جھٹ سے اپنے بلیزر کی دونوں سائیڈز اٹھا کر سولیم پر ڈالیں اور اس سے اسے کور کر دیا۔

"سب کہہ رہے تھے، سب کہہ رہے تھے تم۔" وہ اپنے دونوں ہاتھوں میں بلیزر کے کونے پکڑے اسے چھپائے ہوئے تھا۔ سولیم نے سر اٹھا کر گیلی متورم آنکھوں سے اسے تکا، براق ان آنکھوں میں ڈوب گیا۔ وہ آنکھیں جن میں محبت کا ایک جہان آباد تھا، فکر تھی اور انتظار تھا۔ اگر یہ خواب تھا تو وہ چاہے گا کبھی اس کی آنکھ نہ کھلے اور اگر یہ حقیقت ہے تو

ان اللہ مع الصابرین۔

"میں ٹھیک ہوں سولیم۔" وہ بہت دور سے بولا تھا۔ اتنی دور سے جہاں محبت ڈیرہ جماتی ہے، جہاں چاہتوں کے پھول کھلتے ہیں اور دل کو مہکا جاتے ہیں۔ ہاں اس جگہ سے جہاں اعتراف محبت ہوتا ہے وہ جگہ جسے لوگ دل کے نام سے جانتے ہیں۔

سولیم اسے تکتی رہی، کتنی ہی دیر، کتنی ہی گھڑیاں۔ اچانک جیسے اسے احساس ہوا تھا کہ وہ کیا کر بیٹھی ہے۔ اس نے خود کو ایک جھٹکے سے براق سے الگ کیا۔ وہ بازو کھول کر اسے خود سے الگ ہونے دے رہا تھا کہ یہ پبلک پلیس تھی اور اس میں اتنی جرأت نہیں تھی کہ وہ سولیم کو یوں رہنے دیتا۔ چاہے وہ ان کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔

"میں، میں جذبات میں بہہ گئی تھی۔" اس نے اپنی خفت مٹانے کو کہا۔

"جانتا ہوں۔" براق نے اس کا مان رکھا۔

"مجھے لگا جس طرح میں نے چاچو کو کھویا تھا آج تمہیں بھی کھو دوں گی۔ آخر کو تم میرے بیٹے کے باپ ہو۔"

وہ بات کو کور کر رہی تھی۔ براق نے اس کور پر پیاری سی ربن باندھی۔

"بالکل میں ایسا ہی سمجھتا ہوں۔"

سولیم کی نم پلکوں پر اٹکا آنسو براق کی نظروں کا محور تھا اور اس آنسو کو نظر لگ بھی گئی۔ وہ پلک جھپکنے پر نقاب میں جا سویا تھا۔

"اپنے دوست کو سمجھا دینا گھر میں اس بات کا ذکر نہ کرے۔"

دور کھڑے اسد نے احتجاجی انداز میں منہ کھولنا چاہا پھر اس خرانٹ صفت عورت کی ڈانٹ، تفتیش اور گھوریوں کا سوچ کر پناہ مانگتے ہوئے جھرجھری بھرنے لگا۔

"وہ ہرگز نہیں کرے گا۔"

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔" وہ مڑ گئی تھی۔ جب اس کے قدم براق کی آواز پر تھم گئے وہ کہہ رہا تھا۔

"شکریہ سولیم، میری فکر کرنے کیلئے مجھے آپ سے محبت ہے۔"

وہ اس کی اور دیکھتی رہی پھر یکدم مڑ گئی کہ دل بھر گیا تھا اور لب مسکراہٹ میں ڈھل گئے تھے۔ براق اس کا

ہم قدم ہوا۔ اسد بہانا بنا کر وہاں سے نکل کھڑا ہوا تھا۔ سویلم نے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا اور براق نے اس کا۔ وہ گردن کا رخ موڑے اس کی گریفائیٹ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ آنکھوں نے آنکھوں سے کلام کیا اور دل بول اٹھا۔

"مجھے بھی تم سے محبت ہے براق۔"

گریفائیٹ آنکھیں مسکراہٹ میں ڈھل گئیں۔

"میرے لیے اعزاز کی بات ہے۔"

بادامی آنکھیں سکڑیں۔

"مگر میں کبھی بھی تم سے اس کا اعتراف نہیں کروں گی۔"

براق نے قہقہہ لگا دیا۔ سویلم نے خشمگیں نگاہوں سے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا اور اپنے ہاتھ پر براق کی گرفت محسوس کر لی۔ ہاتھ نے ہاتھ کے کان میں کہا۔

"کیا اب بھی ضرورت ہے؟"

محبت نے تکمیل کی اور قدم بڑھائے اور پورے عالم میں اعلان کر دیا کہ آج سے براق شاہ، سویلم شفیق کا ہوا اور سویلم شفیق براق شاہ کی۔

ختم شد